تاریخ دریاباد

مؤلفہ

منشی برج بھوکھن لال صاحب محب

تلمیذ جناب نظم لکھنوی

باہتمام

حاجی حافظ [illegible] قطب الدین صاحب [illegible] مدیر [illegible]

مالک [illegible] حسینی

[illegible]

[illegible]

ضروری التماس

(۱) بوجہ عجلت و قلت فرصت راقم تاریخ ہذا کی نظر ثانی سے مجبور رہا۔ اسی طرح حضرت استادی کی اصلاح سے بھی محروم رہی کیونکہ قبل تکمیل و ترتیب کتاب اُن کا انتقال ہو چکا تھا ابتدائی مسودون کے پرچے جو انھون نے بیماری کی حالت مین ملاحظہ فرمائے تھے قابل اطمینان نہین۔ اس لئے جہان کہین کوئی ادبی غلطی یا سہو نظر آئے قابل معافی ہے (۲) مولف مین نہ دماغی قابلیت ہے نہ علمی استعداد ہو۔ لیکن وطن پرستی کے جوش اور حضرت استادی قبلہ و کعبہ جناب تعشق لکھنوی کی ہمت افزائی نے مجبور کیا کہ چند صفحے حوالہ قلم کئے گئے اور کتاب کا نام سیدھے سادے لفظون مین۔ **تاریخ دریاباد** رکھا گیا۔ اُمید ہو کہ ناظرین بہ نظر انصاف ملاحظہ فرما کر راقم کو دعائے خیر سے یاد فرمائین گے (۳) اس کتاب مین صرف مشاہیر اور قابل قدر اصحاب کے حالات لکھے گئے ہین اور خاص خاص یا ضروری باتین درج کی گئی ہین۔ عام و معمولی باتین اور عام تذکرے بخوف طوالت، نیز غیر مفید سمجھ کر نظر انداز کر دئے گئے (۴) کتاب ہذا مین اگر کوئی تذکرہ خلاف واقعہ معلوم ہو یا سہواً کوئی بات درج ہونے سے رہ گئی ہو، تو، ناظرین اور ارباب وطن براہ بندہ نوازی تکلیف گوارا فرما کر راقم حروف کو مطلع فرمائین۔ البشرط خیریت طبع ثانی کے وقت شکریہ کیساتھ تعمیل ارشاد کیجائیگی

اس کتاب کی تالیف مین ذیل کی کتابون وغیرہ سے مدد لیگئی ہی

(۱) افضل التواریخ (۲) بوستان اودھ (۳) تاریخ اجودھیا (۴) تاریخ پانڈے الموڑھا (۵) گزیٹیر بارہ بنکی (۶) تاریخ غدر (۷) آئین اکبری انگریزی (۸) آئین اکبری فارسی (۹) سیر المتاخرین (۱۰) خلاصۃ التواریخ (۱۱) تاریخ تعلقداران اودھ (۱۲) مختصر تاریخ اقوام الکائستھ (۱۳) منتخب التواریخ (۱۴) تذکرۂ شعرائے اردو فارسی (۱۵) سفینۂ موجین (۱۶) انڈیا وار بک لاہور (۱۷) اودھ کا بیان (۱۸) مناقب رزاقیہ (۱۹) حدیقۃ الارض (۲۰) تذکرۂ اولیائے ہند (۲۱) ملفوظات حاجی مصطفی (۲۲) کاتبج ونشادلی نمبر۱ (۲۳) کاتبج ونشادلی نمبر۲ (۲۴) کاتبج چغتائی (۲۵) سرور یا گل دیپ کا (۲۶) رسالہ صدیقیہ (۲۷) پشت نامہ خاندان بسنت رائے (۲۸) حالات خاندانی مرزا یوسف بیگ صاحب (۲۹) جغرافیہ ضلع بارہ بنکی نمبر۱ (۳۰) جغرافیہ ضلع بارہ بنکی نمبر۲ (۳۱) جغرافیہ اودھ (۳۲) جغرافیہ عالم حصہ اول (۳۳) جغرافیہ کلکتی (۳۴) ہفت جواہر (۳۵) نامی جنتری (۳۶) حکایات احمدی (۳۷) دیوان شایق (۳۸) مثنوی شایق (۳۹) رسالہ عصر جدید (۴۰) رسالہ معارف (۴۱) رسالہ سرستی (۴۲) مکاتیب اکبر (۴۳) بھگونت بھاسکر (۴۴) اَدھیاتم رامائن۔ (۴۵) افکار شرومن (۴۶) رپورٹ کارروائی انجمن ہند (۴۷) نقل واجب العرض دریاباد (۴۸) واجب العرض بشنداس پور (۴۹) واجب العرض تاراپور (۵۰) واجب العرض تعلقہ رامپور (۵۱) واجب العرض سرائے

ہجگئی (۵۲) صاحب العرض شیخ پور (۵۳) ایڈریس جونپور (۵۴) اودھ اخبار (۵۵) اخبار مشرق (۵۶) نقل فیصلہ محکمۂ بندوبست (۵۷) نقل روبکار محکمۂ بندوبست (۵۸) نقل شل نمبری ۵۹۰ (۵۹) نقل سجل شاہی (۶۰) رپورٹ انڈسٹریل سروے بارہ بنکی (۶۱) متفرق کاغذات عدالت ہائے شاہی و انگریزی متعلقۂ دریاباد (۶۲) قدیم دستاویزات اور محضرنامے وغیرہ متعلقۂ دریاباد (۶۳) چند فارسی، بھاشا، ہندی، اردو خطوط (۶۴) کاغذات متعلقۂ دفتر بھوانی شنکر دیکھت (۶۵) فرامین شاہی ۳۰ (۶۶) شاہی پروانے ۵۰ (۶۷) چند سارٹیفکٹ، چند خاندانی شجرے، چند کتب یادداشت، رجسٹر معائینہ اصحاب متعلقۂ شفاخانہ دیوی سنہ ۱۹۱۲ء و کانگریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۶ء وغیرہ —

مربیان تاریخ دریاباد کے نام نامی و اسمائے گرامی

دلی شکریہ کے ساتھ معہ زر عطیہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

دریاباد خاص (۱) آنریبل رائے راجیشری علی صاحب وزیر تعلیم و تعلقدار دریاباد مالک عہ (۲) مولوی احمد کریم صاحب سب جج گونڈہ عہ (۳) خان بہادر مرزا محمد یوسف بیگ صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ عہ (۴) چودھری مصطفےٰ علی صاحب رئیس عہ (۵) حکیم مولوی محمد عبد الحبیب صاحب عہ (۶) مولوی عبد المجید صاحب ڈپٹی کلکٹر گونڈہ عہ (۷) منشی جانکی پرشاد صاحب رجسٹرار قانونگوئے (۸) شیخ عبد الکبیر صاحب صہ (۹) سید حاکم علی صاحب اسسٹنٹ ہیڈ کلرک ڈی۔ ٹی۔ ایس آفس گونڈہ صہ (۱۰) بابو چندر کا پرشاد صاحب ہیڈ کلرک ٹکنکل اسکول لکھنؤ صہ (۱۱) شیخ خلیل احمد و جمیل احمد صاحب صہ (۱۲) میر سید علی و ذاکر علی صاحب صہ (۱۳) حافظ ابو سعید صاحب صہ (۱۴) شیخ شکور بخش صاحب ضلعدار صہ (۱۵) شیخ حفیظ الدین صاحب اسٹیشن ماسٹر و مولوی حکیم الدین صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس صہ (۱۶) بابو بھگونت رائے صاحب منیجر کوآپریٹو بنک سلطان پور صہ (۱۷) سید محمد شفیع صاحب و سید محمد رفیع صاحب کمیشن ایجنٹ کلکتہ صہ (۱۸) بابو شاہ محمد صاحب ٹکٹ کلکٹر اسٹیشن بنارس صہ (۱۹) چودھری عاشق علی صاحب سب انسپکٹر پولیس صہ (۲۰) بابو گوکل پرشاد صاحب رینج افسر محکمۂ جنگلات بہرائچ صہ (۲۱) منشی مگن بہاری لال صاحب آنریری سکریٹری گئوشالہ دریاباد صہ (۲۲) بابو جیدیال صاحب سابق چیف پارسل کلرک اسٹیشن کانپور صہ (۲۳) حافظ محمد یونس صاحب چیف ریڈر سہر دوئی صہ (۲۴) بابو جے بہاری صاحب و چھیل بہاری صاحب صہ (۲۵) شیخ محمد مبین صاحب گارڈ او۔ آر۔ آر صہ (۲۶) لالہ ستیل ساہ صہ پرگنہ دریاباد (۲۷) لالہ ملنگ چند ساہ مہاجن و زمیندار تکیت نگر صہ (۲۸) لالہ دھن کمار ساہ مہاجن و زمیندار تکیت نگر صہ (۲۹) لالہ وجنیت ساہ خلف لالہ مولچند ساہ، مہاجن و زمیندار تکیت نگر صہ (۳۰) ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب رئیس کھجوری صہ (۳۱) ٹھاکر رام پال سنگھ صاحب رئیس سکرورعا عہ (۳۲) ٹھاکر راج بہادر سنگھ صاحب رئیس قیام پور

(۳۳) پنڈت سفت پرشاد صاحب ہیڈ ماسٹر نواب گنج بارہ بنکی، اٹوا صہ، (۳۴) پنڈت رام سوچیت بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل بارہ بنکی، کھٹولی صہ، دیگر حضرات (۳۵) بابو ادہ صہ بہادر صاحب ٹکیہ دھاری بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل بارہ بنکی، نواب گنج صہ، (۳۶) بابو قسمت رائے صاحب ٹکیہ دھاری بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل رائے بریلی صہ، (۳۷) کنور شناتھ سہائے صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل گونڈہ صہ، (۳۸) بابو ست گرو دیال صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس پرتاب گڈھ صہ۔ صہ۔

افسوس اور شکایت

اُن اصحاب سے نہایت افسوس کے ساتھ سخت شکایت کیجاتی ہی، جنھون نے تاریخ ہذا کی خریداری یا سرپرستی منظور فرما کر مالی امداد دینے کا حتمی وعدہ فرمایا اور فہرست پر دستخط کر دئے۔ لیکن عین موقع پر بالکل خاموشی اختیار کی یا عذر لنگ پیش کرکے مجبوری ظاہر فرمائی اور اس طرح مولف کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

فہرست مضامین

۵ منشی رگھبردیال صاحب کے اکلوتے بیٹے، از خاندانِ محرران دریاباد، ایف۔ اے تک تعلیم یافتہ، انگریزی ٹریننگ کلاس پاس، اپنے فرائض منصبی بحسن وخوبی انجام دینے مین ناموری کے ساتھ مشغول، صاحب اولاد، خلیق، ملنسار، منکسر المزاج، ولادت ۱۸۶۵ء، عرصہ سے پرتاب گڈھ سکونت آبائی باغ دریاباد مین موجود ۱۲

تیسری فصل ذی علم اصحاب کے بیان مین

چوتھی فصل شاعرون کے بیان مین

سنسکرت دان شعراء

شعرائے بھاشا

شعرائے فارسی

انگریزی شعراء

سخنورانِ اردو

پانچوین فصل ویدون حکیمون اور ڈاکٹرون کے بیان مین

چھٹی فصل وکیلون کے بیان مین

ساتوین فصل سادھوؤن اور فقیرون کے بیان مین

تیسرا باب

پہلی فصل رئیسون کے بیان مین

دوسری فصل شرفاؤ معززین کے بیان مین

ساتوان باب

موجودہ مشاہیر کا مختصر بیان

آٹھواں باب

پرگنہ دریاباد کا بیان

دیباچہ

عرصہ سے میرا ارادہ تھا کہ کچھ اپنے وطن مالوفہ کی خدمت کرون۔ آخر مین بہت غور و فکر کے بعد مین اِس نتیجہ پر پہونچا کہ اپنے وطن اور اپنے وطنی بزرگون کے اوصاف اور کارنامے سے لوگون کو آگاہ کیا جائے کہ وہ اُنسے مفید اور نتیجہ خیز سبق حاصل کر سکین اور بزرگان کرام کا نام بھی قیامت تک یادگار رہے۔ بقول حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ۔ **شعر**

نام نیکِ رفتگان ضایع مکن — تا بماند نام نیکت یادگار

شکر کا مقام ہے کہ مین اپنے ارادے مین کامیاب ہوا اور گیارہ سال کی مُسلسل اور جان توڑ کوششون کے بعد دریاباد ایسے قدیم و تاریخی قصبے کی ایک مختصر سی تاریخ تالیف ہو کر مرتب ہو گئی جس سے رؤسا و اہل قلم و اہل ہنر وغیرہ کے گذشتہ حالات، جو کنج گمنامی مین پڑے ہوئے تھے، عالم آشکارا ہو جائین گے اور بزرگون کے نام اور کارنامے عرصہ تک زندہ رہین گے۔ یہ خدمت اور یہ محنت و جانفشانی ذاتی منفعت کے لحاظ سے نہین گوارا کی گئی ہے، بلکہ محض اِس لئے کہ میرے وطنی بزرگون کے نام نیک ضایع نہ ہون اور دریاباد کی قدیم عظمت سے لوگ بخوبی واقف ہو جائین۔

یہ تاریخ فرضی اور خیالی تاریخ نہین کہ دریاباد کی اہمیت جتانے اور اپنی شہرت کی غرض سے خواہ مخواہ جو کچھ جی مین آیا، لکھ مارا، اور اناپ شناپ جو سُنا، درج کر دیا۔ اِس مین اصلی حالات اور واقعات قلمبند کئے گئے ہین اور حتی المقدور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جو تذکرہ یا حال درج کیا جائے وہ مبالغہ سے پاک و صاف ہو۔ سنی سنائی باتون پر کامل غور و تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔ زمانۂ حال کے اصول اور قانون کے مطابق اکثر موقعون پر تنقیدی نگاہ بھی ڈالی گئی ہے اور جہان مناسب معلوم ہوا، وہان مُدلّل بحث بھی کی گئی ہے، ساتھ ہی اس کے بعض بعض حالات کے متعلق مستند حوالے بھی دیے گئے ہین، اور اس طرح تاریخ نگاری کا پورا پورا حق ادا کیا گیا ہے

لیکن، نہایت افسوس ہے کہ ہم دریاباد کی تاریخ پر، جو گہری تاریکی مین پڑی ہوئی ہے، زبردست روشنی ڈالنے سے قاصر ہے اور قدیم حالات اور اہم واقعات کے چہرے سے نقاب اُٹھانے مین حسب دلخواہ اچھی طرح کامیاب نہین ہوئے، جس کے کئی وجوہ ہین۔ اوّل تو کوئی کتاب یا پُرانی پوتھی تلاش سے دستیاب نہین ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہان کے بزرگ قصبہ کی تاریخ لکھنا تضیع اوقات سمجھ کر اِس کی طرف متوجہ نہین ہوئے، اور جن حضرات نے کچھ مختصر طور پر لکھا بھی ہے وہ زیادہ تر اُنھین کے خاندانی حالات تک محدود ہے، دریاباد کے متعلق صرف کہین کہین ضمنی اشارے پائے جاتے ہین یا خاص خاص باتین درج کر دی گئی ہین، جو مشہور عام ہونے کی وجہ سے ذخیرۂ معلومات مین کوئی معقول اضافہ نہین پیدا کر سکتین۔ دوسرے اکثر سن رسیدہ اور ذی علم اصحاب تاریخ لکھنے کے قبل ہی انتقال فرما گئے اور بعض بزرگون نے، جو برائے نام کچھ پڑھے، یا بالکل بے پڑھے تھے لیکن مُسن ہونے کی بنا پر اُن سے بہت کچھ مدد ملتی، آغازِ کتاب کے چند سال بعد اِس جہان سے کوچ کر دیا۔

قرب وجوار میں بھی کوئی ایسا بزرگ نہیں، جس کی باتیں قابل اعتماد ہوں۔ ایسی حالت میں اگرچہ دریاباد کی یہ ناچیز اور مختصر تاریخ بالکل صحیح اور پورے طور پر مکمل نہیں کہی جاسکتی، تاہم یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس کے دلچسپ اور کارآمد بنانے میں امکان بھر کوئی مفید پہلو نظر انداز نہیں کیا گیا اور جہاں تک کوشش سے قابل اطمینان پُرانی باتوں کا پتہ لگا، درج کر کے ایک حد تک یہ شکایت بھی رفع کر دی گئی کہ تاریخ میں قدیم زمانے کے متعلق کچھ بھی ذکر نہیں —

راقم کو اس بات کا بھی ملال ہے کہ قصبہ کے بعض سربرآوردہ اور ذی اختیار اصحاب نے بجز اپنے ذاتی یا خاندانی حالات عنایت فرمانے کے دیگر اہل فن اور اہل علم وغیرہ کے حالات سے آگاہی نہیں بخشی۔ اگر یہ تھوڑی سی تکلیف گوارا فرماتے تو، علاوہ سہولیت پیدا ہو جانے کے بہت سی باتیں، جو اس وقت تک صیغۂ راز میں ہیں، عام طور پر ظاہر ہو جاتیں۔ اسی طرح بعضوں نے اہم کاغذات اور بعضوں نے قدیم زمانے کی قلمی پوتھیوں (جن سے غالباً بہت مدد ملتی) کے دکھلانے میں انتہائی بخل سے کام لیا۔ واللہ اعلم یہ لوگ اپنے دل میں کیا سمجھے کہ باوجود حتمی وعدہ کرنے کے پھر بھی مجھے مرہون منت نہ فرمایا۔ علاوہ ان کے خواندہ حضرات میں سے بعضوں نے بے انتہا منتوں اور خوشامد آمیز تقاضوں سے نادم و محجوب ہو کر دو تین برس، کسی نے چار پانچ برس، کسی نے چھ سات برس کے بعد اپنے خاندانی حالات عنایت فرمائے بعض نے لاپروائی اور کوتاہ قلمی سے حیلہ و حوالہ میں ٹالتے رہے۔ جب ایک مدت گذر گئی اور کشتیٔ امید ساحل مقصود سے ہمکنار نہ ہوئی تو، ناچار اُن سے عرض کیا گیا کہ "اب آپ خود تکلیف نہ کیجئے مہربانی فرما کر جو کچھ مناسب معلوم ہو قلمبند کرا دیجئے۔" چنانچہ بہ ہزار دقت کئی مہینے کے بعد اُن کے خاندانی حالات دریافت ہو کر حوالۂ قلم کئے گئے۔ دریاباد کی پبلک بھی ہمارے اس کام کو ایک مخدوش اور آفت ڈھانے والی کارروائی سمجھ کر بہت دنوں تک مشتبہ نگاہوں سے دیکھتی رہی لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ ہم سے جو شاہی پروانے، پُرانے کاغذات اور فرامین مانگنے کے ساتھ ساتھ ہمارے باپ دادے کے حالات بھی دریافت کئے جاتے ہیں تو، شاید یہ گورنمنٹ کا کوئی خفیہ انتظام ہے، جس کی وجہ سے ایک نہ ایک دن ہم پر خرابی آئیگی اور ہم کو سخت نقصان برداشت کرنا پڑیگا۔ لیکن ہماری شگونوں سے اس مایوس کن اور مصیبت خیز ذہنی معیار کا قلع قمع ہوا اور ہماری کوشش آئندہ کے لئے نیک شگون اور مبارک ثابت ہوئی۔ یہ امر بھی قابل تحریر ہے کہ بہت سے پُرانے کاغذات، پُرانی پوتھیاں، قدیم سندیں کس مپرسی کی حالت میں بالکل بیکار ہو گئی ہیں اور بیشمار پوتھیاں وغیرہ لوگوں کی غفلت سے تلف ہو کر بے نام و نشان ہو گئیں۔ یہی وجوہات ہیں جو تالیف مذکور گیارہ سال میں تمام ہوئی اور بعض اہم معاملات پوشیدہ رہے —

اس تاریخ کے سلسلے میں مالی نقصان برداشت کرنے کے علاوہ مہینوں ہر ایک اعلیٰ و ادنیٰ کی خوشامد کی۔ واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے ہر گلی کوچے کی خاک چھانی۔ بعض اہم باتوں کی تحقیقات کے لئے الہ آباد، گونڈہ، رائے بریلی، بہرائچ، بہرام گھاٹ، بارہ بنکی، اجودھیا، فیض آباد، بنارس وغیرہ نزدیک و دور کا سفر اختیار کیا اکثر شہروں کے بڑے بڑے کتب خانوں میں تاریخ و جغرافیہ کی کتابیں تلاش کیں۔ شاہی کاغذات، فرامین، پُرانی دستاویزیں، پروانے وغیرہ کی فراہمی میں انتہائی کوشش کی، ساتھ ہی ساتھ بعض لوگوں کی جھڑکیاں

بھی سہین، بہتون کے ناز بیجا بھی اٹھائے، خبطی بھی بنے، لالچی بھی ٹھہرے، اصلی صحت بھی کھوئی، ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ لیکن، پھر بھی شکن نہ آئی اور اپنے فرائض کو نہایت مستعدی اور اطمینان کے ساتھ انجام دیا گیا۔

اوستاد مرحوم کا قول تھا "مورخ کو چاہیے کہ تاریخ لکھتے وقت تعصب، خوشامد، مُروّت، رعایت اور دیرینہ بغض وعداوت کو دل سے نکال ڈالے۔ متانت اور سنجیدگی کے ساتھ رائے زنی کرے۔ کوئی لفظ قلم سے ایسا نہ نکلے جو پایۂ تہذیب سے ساقط ہو۔ وہ جوشیلی عبارت جس سے کسی کے مذہب یا کسی کی ذات پر حملہ ثابت ہو، ہرگز نہ تحریر کرے۔ اُس سچائی سے دور رہے جو قانونِ وقت کے خلاف اور فساد کا باعث ہو۔ اوصاف لکھنے کے ساتھ ساتھ عیوب کا بھی ظاہر کرنا ضروری اور مقدم سمجھے، اگرچہ بعضون کے نزدیک یہ طرزِ عمل ایک حد تک اخلاقی جُرم مین داخل ہے، لیکن، آدابِ واقعہ نگاری کے عین مطابق ہے، جس کا خاص منشا یہی ہے کہ تصویر کے دونون رُخ دکھانا چاہیئے۔ روشن پہلو کو نمایان کرنا اور تاریک پہلو کو چھپانا تاریخ کے اصلی مقصد کو فوت کر دیتا ہے۔" راقم الحروف نے حتی الامکان جہان تک ہو سکا اور دماغ نے کام دیا مذکورۂ بالا زرّین الفاظ کی حرف بحرف سختی کے ساتھ پابندی کی ہے۔

ہندوستان کے دیگر صوبون کا ہمین علم نہین، مگر، ہمارے خاص صوبہ (یو پی) مین "تاریخ بلند شہر" کے علاوہ کسی قصبہ یا شہر کی کوئی تاریخ اس وقت تک فارسی، اُردو، بھاشا مین شائع نہین ہوئی۔ گزیٹیر جو ہر ضلع مین گورنمنٹ کے زیرِ اہتمام تیار کیا گیا ہے، وہ ضلع کی تاریخ ہے، کسی قصبہ یا شہر کی خاص تاریخ نہین۔ اِس لئے دریا باد کی یہ تاریخ غالبًا ممالک متحدہ آگرہ مین دوسری اور اودھ مین اُردو کی پہلی تاریخ ہے، جو یقین ہے کہ قدر کی نگاہون سے دیکھی جائیگی۔

بادیہ النظر مین یہ کتاب محض ایک قصبہ کی تاریخی حالات کا آئینہ ہے، جس سے بجز خاص خاص لوگون کے پبلک کو کسی قسم کا فائدہ نہین پہونچ سکتا۔ لیکن، اگر غور وانصاف سے دیکھا جائے تو اس کا مطالعہ علمی دنیا مین ہر صاحب شوق کے لئے عام طور پر بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس مین قدیم زمانہ کا طرزِ معاشرت، قدیم ہندو مسلم اتحاد، زمانے کی نیرنگیان، قدرت کے عجیب وغریب کرشمے، سبق آموز کارنامے، نصیحت خیز مضامین وغیرہ بہت سی سوُدمند باتین دلچسپی سے خالی نہین۔

۱۹۱۴ء مین بمقام دریاباد تاریخ ہذا کے متعلق کام شروع کیا گیا اور ۱۹۱۶ء تک برابر یہی مشغلہ رہا۔ ۱۹۱۷ء لغایت ۱۹۲۰ء بہ سلسلۂ ملازمت لکھنؤ مین قیام کرتے ہوئے بھی اس بارہ مین کوشش بدستور جاری رہی۔ مگر جب لکھنؤ مین مقیم رہ کر تاریخ کا اختتام پانا نہایت ہی مشکل نظر آیا تو، جنوری ۱۹۲۱ء مین نوکری سے سبکدوشی حاصل کرکے تھوڑے دنون کے بعد مئی ۱۹۲۱ء مین اپنے قدیم مخلص جناب **ٹھاکر رام پال سنگھ صاحب** (رئیس سکرورہا، پرگنہ دریاباد) کے مکان پر آزادانہ رہنا اختیار کیا۔ موصوف کی بے حد مہربانیون اور قابل تعریف دوستانہ برتاؤ سے ۱۹۲۳ء مین کام ختم ہو گیا۔ ۱۹۲۴ء مین ضروری ترمیم کے ساتھ ساتھ مسودون کی صفائی ہوئی، اور کتاب کی باقاعدہ ترتیب دی گئی، جو ۲ بابون اور ۲۶ فصلون پر منقسم ہے۔ باب ۱ ذکر دریاباد باب ۲

اس موقع پر احسان فراموشی ہوگی اگر اس امر کا اظہار نہ کیا جائے کہ تالیف ہذا کے بارہ مین مشورہ لینے پر سب سے پہلے مخدومی و مکرمی جناب مسٹر حامد علی خان صاحب حامد بیرسٹرایٹ لا (لکھنؤ) مخدومی و مکرمی جناب پنڈت بشن نارائن در بیرسٹرایٹ لا المتخلص بہ ابر (لکھنوی) اور بعد کو مولوی عبد الماجد صاحب ناظر بی اے حکیم مولوی محمد عبد الحسیب صاحب منشی مکھن بہاری لال صاحب (ہموطن مولف) نے بڑی خوشی کے ساتھ نہایت حوصلہ افزا کلمات سے ترغیب دی تھی۔

آخر مین اُن اصحاب کا بیحد شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنھون نے بلا وجہ اپنا بہت سا قیمتی وقت صرف کر کے تاریخی مواد اور رسالہ کی فراہمی مین بخوشی امداد فرمائی۔ مولف اُن کا بھی شکرگذار ہے جن حضرات نے اپنے بزرگون کے حالات عنایت فرمائے یا زبانی بیان فرما کر وقفیت حاصل کرنے کا موقع دیا اور ضروری کاغذات وغیرہ بھی دکھلائے اُن مصنفین و مولفین کے بارِ احسان سے بھی گردن ہمیشہ جھکی رہے گی جن کی کتابون سے تاریخ ہذا کی تالیف مین مدد لیگئی ہے

خاکسار برج بھوکھن لال محب ولد بھیرون پرشاد بن سیتل پرشاد گپتہ دھاری معروف
بہ "جگدھریا" شری واستو یہ دوسرے کائستھ ساکن دریاباد ضلع بارہ بنکی صوبۂ اودھ
دسمبر ۱۹۲۴ء

اودم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

دریاباد کی وجہ تسمیہ، اس کے بانی اور تاریخ بنا آبادی وغیرہ کا بیان

دریاباد[1] یا دریا آباد مشہور اور تاریخی قصبہ، لکھنؤ اور فیض آباد کے عین وسط مین چالیس میل کے فاصلہ سے آباد، طول البلد ۸۱ دقیقہ ۳۳ ثانیہ مشرقی اور عرض البلد ۲۶ دقیقہ ۵۳ ثانیہ شمالی پر واقع، بارہ بنکی سے ۲۴ میل پورب۔ آئین اکبری، تاریخ غدر اودھ (انگریزی) بوستان اودھ، افضل التواریخ وغیرہ مین اسکا ذکر ہے۔

واجب العرض دریاباد، ڈسٹرکٹ گزیٹیر بارہ بنکی اور دیگر کتابون مین جو کچھ دریاباد کے متعلق تحریر کیا گیا ہے اسکا خلاصہ انھین کتابون وغیرہ کے الفاظ مین حسب ذیل ہے:۔

(۱) بنیاد اس قصبہ کی سنہ ۸۳۰ھ (سنہ ۱۴۲۶ء) سے ہے۔ وجہ تسمیہ و حال تاریخی یہ سنا جاتا ہے کہ بعہد سلطان مرزا بادشاہ دریا خان صوبہ دار مقرر ہو کے ملک اودھ مین آئے اور مقام محمود آباد مین کہ قلعہ بادشاہی تھا قیام پذیر ہوئے۔ چونکہ اس مقام پر جنگل کثرت سے تھا اور قوم بھر نے یہان شورش و فساد کر رکھا تھا صوبہ دار موصوف نے قوم بھرون کو تنبیہ و خارج کیا بعد تسلط و انتظام کے جنگل کٹوا کے قلعہ تعمیر کرایا و بنیاد آبادی قصبہ کی بنام نہاد اپنے قایم کی۔ از نقل واجب العرض دریاباد ۲۶ فروری سنہ ۱۸۶۸ء (۲) ایک مسلمانی پرانا قصبہ ہے۔ محمد شاہ والی جونپور کے فوجی افسر دریا خان نے اس کو پندرھوین صدی مین آباد کیا تھا۔ تاریخ سنہ ۱۴۴۴ء اس کے بسانے کی ملتی ہے۔ از ڈسٹرکٹ گزیٹیر بارہ بنکی (۳) دریاباد پُرانا مسلمانون کا قصبہ آباد کردہ دریا خان افسر فوج محمد شاہ جونپوری ہے۔ از جغرافیہ ضلع بارہ بنکی مرتبہ ٹھاکر رگھنندن سنگھ صاحب ورما مطبوعہ روشن لال پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۳ء (۴) اُس وقت ابراہیم شاہ جونپور سلطنت کر رہے تھے اور دلی کے لودھی خاندان بادشاہون سے (سنہ ۱۴۵۰ء لغایت سنہ ۱۵۲۶ء) اودھ مین لڑائی ہو رہی تھی۔ اینٹھیا بھر لیا، رکوار چھتری خاندان کے لوگ وقتاً فوقتاً زور آور ہو جایا کرتے تھے اور سلطنت مین بدامنی قایم کر دیتے تھے۔

---

[1] اس نام سے الہ آباد مین ایک محلہ اور کھیری کے ضلع مین ایک چھوٹا سا موضع بھی ہے۔ یہ مقامات دریا کے قریب نشیب مین تھے، جنکی وجہ سے برسات مین پانی بہی پانی نظر آتا تھا جب آباد کیے گئے تو دریا آباد کے نام سے موسوم ہوئے ۱۲ سنہ ۸۲۲ھ سنہ ۱۴۱۹ء کسی تاریخ سے ان بادشاہون کا پتہ نہین چلتا ۱۲

دریاخان نے دریاباد قائم کیا تھا۔ ازجغرافیہ ضلع بارہ بنکی مولفہ منشی مقبول احمد صاحب، مطبوعہ سیٹھ کندن لال پریس لکھنؤ، ۱۹۱۶ء (۵) حضرت مخدوم آکبش دریابادی کے ارشاد کے بموجب دریاخان عامل نے جو سلطان شرقیہ جونپور کی طرف سے محمود آباد مین تعینات اور شاہ صاحب موصوف کے معتقد تھے، دریاباد کی نیو ڈالی تھی۔ ازحدیقۃ الارض فارسی قلمی"۔

مذکورۂ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دریاباد کو دریاخان صاحب نے پندرھوین صدی مین آباد کیا تھا۔ لیکن، واجب العرض دریاباد سے پایا جاتا ہے کہ دریاباد اُس وقت ویرانہ نہ تھا، بلکہ جنگل کی صورت مین بھر قوم سے آباد تھا، جسے دریاخان صاحب نے خارج کر کے اس مقام پر شائستہ لوگون کی آبادی قایم کی جس کا نام دریاباد رکھا گیا۔ بھر قوم راجہ بھوج کے بعد ہندوؤن سے علیحدہ ہو کر غیر مہذب اور نیم وحشی قومون کی طرح اودھ کے مختلف مقامات پر آباد ہو گئی تھی جس کا تعلق ہنود کے ادنیٰ فرقہ سے تھا۔ اس قوم کے باشندے مہذب اور شائستہ لوگون سے دور رہتے اور مقام سکونت کو جھاڑی، جنگل سے پوشیدہ رکھتے تھے۔

علمی طبقہ کے علاوہ عام طور پر بھی یہی مشہور ہے کہ "دریاباد کو دریاخان نے بسایا تھا"۔ لیکن، دریاخان صاحب کی نسبت بعض بزرگون کی رائے ہے کہ "وہ سلطنت دہلی کے افسرون مین سے تھے، انھون نے دریاباد آباد کیا تھا"۔ چنانچہ راقم کے اوستاد مخدومی و مکرمی جناب منشی نوبت رائے صاحب نظرؔ (لکھنوی) ایک مرتبہ بر سبیل تذکرہ بیان فرماتے تھے کہ "ہمارے والد مرحوم کہتے تھے کہ جس وقت ہم دریاباد ورناکیولر اسکول (۱۸۸۰ء) مین ہیڈ ماسٹر تھے، ہمنے دریاباد کے اکثر ذی علم حضرات سے سنا تھا کہ دریاخان نائب بادشاہ دہلی کے ایک معزز عہدیدار تھے" اُن کے حکم سے دریاباد کی بنیاد پڑی تھی۔ مولانا مفتی کاظم علی صاحب نے سرا کے ایک مقدمہ مین بیان کیا ہے کہ "قلعہ (متعلقہ دریاباد) دریاخان نے عہد سلطان غوری (آخر بارھوین صدی عیسوی) مین تیار کرایا تھا"۔ اس سے دریاباد کی بناء بارھوین صدی کے اندر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ قلعہ کی تعمیر آبادی کا ثبوت ہے، خواہ آبادی قایم ہونے کے بعد قلعہ تعمیر ہوا ہو، یا آبادی کے ساتھ ساتھ، خواہ چند روز قبل۔ آلھا گانے والے مشہور بزرگ "تاطھن سید بنارس والے صوبہ جون بارھوین کیر علی اللہ دل باد دریاخان بیٹا علی بیگ سلطان" گا کر بیان کرتے ہین کہ سید تاطھن آلھا اودل کے دوست تھے اور جے چند والی قنوج کے ہم جلیسون مین ممتاز تھے۔ بنارس مین اُن کا عالی شان مکان ابتک موجود ہے جو آنکی نسل والون کے قبضہ مین ہے۔ مہاراجہ بنارس بھی اُن کی خاص عزت کرتے تھے۔ وہ بڑے بہادر اور ہنود کے خیر خواہ تھے۔ آلھا اودل کے ساتھ مہاراجہ پرتھی راج کے خلاف جے چند کی طرف سے جنگ مین شریک ہو کر (زمانہ جنگ بارھوین صدی عیسوی) مارے گئے تھے۔ دریاخان نے دریاباد، علی بیگ نے علی آباد کی بنیاد ڈالی تھی۔

ملہ اسے دریاباد کے حکیم امداد احمد صاحب نے تالیف فرمایا تھا۔ میان جمیل احمد صاحب کے پاس موجود ہے۔ ۲ نقل اظہار مولوی کاظم علی گواہ مثل مقدمہ نمبری ۵۹۰، فیصلہ ۴ دسمبر ۱۸۸۶ء اجلاس مولوی سید اکبر علی صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر اسسٹنٹ کمشنر ضلع بارہ بنکی۔ راجہ مرزا محمد جواد بیگ تعلقدار مرادآباد مدعی بنام ابوالحسن علی تعلقدار دریاباد مدعا علیہ، متعلقہ سرائے کی سرا۔ ۱۲

اُس وقت بنارس اور قنوج، دہلی وغیرہ کی آمد و رفت کا راستہ دریاباد اعلیٰ آباد ہو کر تھا۔ اور یہ دونوں بھائی تاطھن سید کے بیٹے تھے، جن کے بزرگ سیّد سالار مسعود غازی کے زمانے مین ہندو سے مسلمان ہوگئے تھے"۔ اس بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دریاباد کو آباد ہوئے آج تک کم و بیش آٹھ سو برس ہوگئے، جو غالباً والی بنارس اور والی قنوج کی سرپرستی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے منور شہید کے بارہ مین اکثر بزرگون کی زبانی سُنا گیا ہی کہ "وہ سیّد سالار کے زمانے مین دریاباد کے مقام پر شہید ہوئے تھے، جو سیّد سالار کے ہمراہ اودھ کی طرف آئے تھے"۔ سیّد سالار کا زمانہ سلطان محمود غزنوی کا زمانہ ہی، جس نے سنہ۱۰۰۰ع مین ہندوستان پر حملہ کرنا شروع کیا تھا۔ اس سے دریاباد کی بستی نوسو برس سے بھی پہلے کی ثابت ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل چشم دید واقعہ بھی دریاباد کی قدامت پر گہری روشنی ڈالتا ہے، جو غلام مولی چابک سوار کے احاطہ مین زمین کے اندر سے برآمد ہوا تھا، جس کی نسبت سُنا جاتا ہے کہ اب سے بیس بائیس برس ہوئے غلام مولی کے مکان کے زنانے حصے مین زمین دھنس جانے کے باعث کھدائی شروع ہونے پر ایک پختہ شیوالہ نما گنبد والا مندر نمودار ہوا، جو تخمیناً ۱۲ فٹ چوڑا اور ۲۴ فٹ بلند تھا۔ اندرونی حصے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مندر ابھی حال ہی مین تعمیر ہوا ہے اور سفیدی کی گئی ہے۔ مندر کی مورتین دھات کی تھین، جن مین ایک مورت کی شکل باگھ کی تھی۔ ایک بڑے طاق پر ایک کرم خوردہ اور بوسیدہ قلمی کتاب بھی رکھی ہوئی تھی، جس کے اوراق باہم چپیان تھے، ضخامت تخمیناً ڈیڑھ سو اوراق، فسانہ عجائب کا ان کی تقطیع ایک آہنی سنسا بھی اِس پوتھی کے پاس رکھا ہوا تھا۔ چھیدی سراوک نے بیس روپیہ غلام مولی کو اس غرض سے دئے تھے کہ مندر کی مورتین ہمکو دیجائین۔ لیکن، غلام مولی نے صرف باگھ والی مورت چھیدی کو دی تھی، باقی مورتون اور سنسے کا حال بالکل پوشیدہ رہا۔ مندر کی اینٹین غلام مولی نے بیچڈالین اور اس طرح تمام مندر منہدم ہو کر بے نام و نشان ہوگیا۔ اس مندر کا حال عام طور پر لوگون کو اُس وقت معلوم ہوا، جبکہ سارا مندر قریب قریب نیست و نابود ہوگیا، صرف زیرین حصے کی کچھ کچھ دیوارین باقی رہ گئی تھین اور مندر دروازہ موجود تھا"۔ قاضی حاجی حسن صاحب، چھیدی سراوک ٹھاکر پرشاد عطار اور دیگر لوگ اس حیرت انگیز واقعہ کی تصدیق کرتے ہین، جس سے صرف مندر کی تعمیر کا زمانہ آج تک ہزار برس سے کم نہین ثابت ہوتا، اور مندر کا وجود آبادی کی عین دلیل ہے۔ اسی طرح یہ دوسرا واقعہ بھی کچھ کم معنی خیز نہین، جس کے متعلق ٹھاکر پرشاد عطار کا بیان ہے کہ "تخمیناً بیس۲۰ پچیس۲۵ برس کا زمانہ ہوتا ہے، چھٹنکی محل کے تہ خانے مین اس قسم کے بہت سے برتن (پھول کی تھالیان، پیتل کی پرائتین) دیکھے گئے تھے، جو بظاہر مضبوط اور نئے معلوم ہوتے تھے، مگر، قابل استعمال نہ تھے۔ چھو لینے سے ایک چمکتی ہوئی خاک کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگتا تھا"۔ اس موقع پر فقط اتنا ہی عرض کردینا کافی ہی کہ چھٹنکی محل دریاباد کے محلون مین سے ایک مشہور و معروف محل تھا اور محققین کے نزدیک دھات کے برتن ہزار پانچ سو برس کے اندر زنگ آلود ہوکر بیکار

سلہ دریاباد کے باہر دکھن طرف بڑے تالاب کے پاس اِن کا مزار اب تک موجود ہے، جہان ہر سال عرس ہوتا ہی ۱۲ سلہ دھات مین مورچہ نہین لگتا، لیکن جب کسی خاص ترکیب کے ذریعہ آنچ مین گلاکر کوئی چیز تیار کی جائیگی تو غیر مستعمل ہونے کی بناء پر ایک مدت کے بعد زنگ آلود ہوجانا کوئی تعجب کی بات نہین ۱۲۔

نہین ہو سکتے ۔

دریاباد کی قدامت کے ثبوت مین ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ "جنگلی دیوی[1] کا استھان، دلیشی
پور[2]بی، جالپا دیبی[3] کے مندر، کودھی[4] کا کنوان، پنڈت اندر دت کے دروازے والا[5] چاہ پختہ، جھا[6] بیر جی کا من[7] وغیرہ
مذہبی و غیر مذہبی یادگارین جو اس وقت تک مرمت کے ذریعہ سے قایم ہین، اُس وقت موجود تھین، جبکہ دریاباد
جنگل تھا۔ جنگلی دیوی کا مندر اسی رعایت سے منسوب ہے" اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ دریاباد قبل دریاخان
کے گڈھی کی طرح ایک محفوظ بستی رہی ہوگی، جس کے چارون طرف خاردار جنگل رہا ہوگا، یہ کنوئین اور مندر باشندن
نے بنوائے ہونگے۔ مدت دراز کے بعد اسلامی عملداری مین دریاخان نے اسے از سر نو آباد کیا ہوگا اور اس طرح
دریاباد نام پڑ گیا ہوگا۔ یہان تک تو قیاسی بحث اور عقلی دلائل سے کام لیا گیا جس کا دار و مدار مختلف روایات
و چشم دید واقعات پر تھا۔ اب تاریخی اور مستند ثبوت ملاحظہ ہو۔

بابو گوپی ناتھ سنگھ صاحب ورما بی۔ اے بریلوی اپنی تالیف "مختصر تاریخ اقوام الکایستھ حصہ اول صفحہ ۹۲"
مین رائیل وائیٹ گزٹیئر آف بنگال جلد اول اور کایستھ اتھنولوجی آف بنگال صفحہ ۱۲ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہین۔
"جب بختیار خلجی نے دغابازی سے بنگالہ پر قبضہ کر لیا، اُس وقت بہت سے گوڑ کایستھ اپنی ریاست سے محروم
ہو کر مجبوراً ممالک مغربی و شمالی و اودھ وغیرہ مین آباد ہو گئے تھے" "منتخب التواریخ[7] فارسی (مصنفہ منشی
سدا سکھ صاحب نثار دہلوی تلمیذ حضرت سودا، غیر مطبوعہ محررہ ۱۲۳۴ھ، صفحہ ۱۰۲) مین بہ تذکرہ کایستھان
گوڑ لکھا ہے:۔ "شہر دایالی و لاہرپور مضاف صوبہ اودھ و سرکار خیرآباد و دریاباد نیز درسلف ضمیمہ قانونگوئی اینہا بودہ
است۔ درین عصر خارج اند و دران محال ماتھر متسلط[9] اند" نثار صاحب نے گوڑ کایستھون کے متعلق ایک خمسہ[10] بھی
تصنیف فرمایا ہے، جس مین دریاباد کی گوڑ کایستھون کی بابت فرماتے ہین:۔ "ہے اجودھیا کے محالون مین بڑا دریا
باد + وان سے تو مدت امتد سے ہوئے ہے بنیاد + تھی بڑی ارث ولیکن ہوئے ایسے برباد + سببش جہل کہ از

---

[1] تمبولی چوہٹہ مین واقع ۱۲ [2] آبادی سے باہر پچھم طرف ۱۲ [3] بستی سے باہر تھوڑے فاصلہ پر پورب طرف۔ نہایت افسوس
ہے کہ اس مندر کی پختہ چہار دیواری عرصہ سے منہدم ہو کر زمین دوز ہو گئی ہے، لیکن قصبہ کے سربرآوردہ ہندو کچھ خیال نہین فرماتے ۱۲
[4] آبادی سے اُتر طرف، دیبی تمبولی کے پوشالہ سے متصل ۱۲ [5] پورہ حسن علی سے متصل واقع ۱۲ [6] دیکھتانی ٹولہ مین ہے ۱۲ ۔
[7] یہ مندر اُس مقام پر تھا جسے آج کل پورن داس کی تکیہ کہتے ہین جو لمبیا تالاب کے قریب ہی اُتر طرف واقع ہے ۱۲ [8] یہ کتاب
مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی منشی بہاری لال صاحب گوڑ کے کتب خانہ (الہ آباد) مین موجود ہے۔ ایلیوٹ صاحب نے اپنی تاریخ کی آٹھوین
جلد مین اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ دیگر انگریز مورخون نے بھی کتاب مذکور کے اکثر مضامین اپنی تاریخون مین درج کئے ہین۔ ۱۲ ۲۷
صفحات فلس کیپ سائز ۱۲ [9] مفصل حالات تذکرۂ شعرا دہلی مین منقول ہو کر چھپ چکے ہین ۱۲ [10] یہ خمسہ منشی پربھو دیال
صاحب گوڑ، اجین سبزی منڈی کے پاس ہے اور اسکی نقل پروفیسر رام داس بنارسی کے کتب خانہ مین موجود ۱۲ ۔

فضلِ خدا افزون باد۔ ہیں وہاں مُہتمم دائرہ سائر پاٹھر شالہ منشی بہادر ہی لال صاحب گوڑ الہ آبادی بجواب خطِ رقم الحروف رقم طراز ہیں:۔ "جہاں تک میں نے سُنا ہے، میرا خاندان بھی دریابادی ہے۔ دریاباد سے کسی بزرگ نے ہونس پور ضلع فیض آباد میں سکونت اختیار کی۔ قانون گوئی کا سلسلہ تھا۔ میرے دادا منشی ہنومان پرشاد صاحب نے اپنی سسرال میں بمقام الہ آباد قیام اختیار کیا، اُس وقت سے ہم لوگ الہ آباد میں ہیں" ان تحریروں سے پایا جاتا ہے کہ دریاباد میں گوڑ کایستھ آباد تھے، اور اُنھوں نے اب سے دو سو برس قبل یہاں سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ بختیار خلجی نے سنہ ۱۲۰۳ء میں بنگال پر حملہ کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دریاباد میں گوڑ کایستھوں کی بنیاد اب سے ساڑھے چھ سو برس پیشتر قائم ہو چکی تھی، جسکے یہ معنی ہوئے کہ دریاباد سنہ ۱۳۰۰ء میں آباد تھا۔

تذکرہ شوچار ونشی مولفہ پروفیسر رامداس گوڑ، بنارسی، ایم۔ اے، حصہ اول صفحہ ۱۰۱ میں لکھا ہے: "مقامی روایات اور تحریرات زمانہ سلف سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی میں مقامات بنارس و کول اسلا (کیتھولی) و نظام آباد و پُوسرا و سبڑہر و دریاآباد میں اس فرقہ کے لوگ آباد ہوئے اور چودھویں صدی عیسوی میں گرد و نواح دہلی و دہلی و گوالیار و دیتا و ضلع خاندیش وادہ نگ آباد و راجپوتانہ اُدے پور اور دیگر مقامات وسط ہند میں بباعث دبا گوڑ دیش سے بھاگ کر گوڑ اصحاب آباد ہوئے۔ شروع اٹھارھویں صدی عیسوی میں گوڑ کایستھ دریاباد سے اٹھ گئے اور بسلسلہ معاش دوسرے مقاموں میں آباد ہو گئے۔" اس سے بھی دریاباد گیارھویں صدی عیسوی میں آباد پایا جاتا ہے۔

ہمیں تین مطبوعہ کانکبج ونشاولیاں (قنوجیا برہمنوں کی تاریخیں) بڑی تلاش سے دستیاب ہوئی ہیں جن میں بھسو و سدھ ناتھ اوستھی، کندرد بابو رام اگن ہوتری، شانت وکیبت اور جھراج مشر کا ذکر ہے۔ ان معزز برہمنوں کو اُپ منج گوتر کے مشاہیر میں جگہ دی گئی ہے اور انھیں دریابادی لکھا ہے، جنھوں نے اپنے اصلی وطن کو خیرباد کہ کر دریاباد میں بذات خاص سکونت اختیار کی تھی۔ یہ تاریخیں مختلف پنڈتوں کی تالیف سے مختلف پریسوں اور مختلف وقتوں میں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ پہلی کانکبج ونشاولی مطبوعہ کانپور ہے۔ دوسری کانکبج جنتامن ہے، جو سوامی ودیاپرکاش درجن پوری (ضلع فتح گڑھ) کی تالیف ہے اور لکشمی وینکٹیشور پریس بمبئی میں طبع ہوئی ہے۔ تیسری کانکبج ونشاولی مولفہ پنڈت نارائن دت مشر لکھیم پوری (اودھ) ہے۔ یہ شری وینکٹیشور بمبئی میں (سمبت ۱۹۲۶ بکرمی) چھپی ہے۔ اسکی تالیف میں سمبت ۱۵۱۱، سمبت ۱۶۲۵، سمبت ۱۷۱۵، سمبت ۱۸۳۵ بکرمی یعنی ساڑھے چار سو، ساڑھے تین سو، ڈھائی سو اور ڈیڑھ سو برس کی سنسکرت پوتھیوں سے مدد لی گئی ہے۔ کانکبج ونشاولی نمبر ۲ میں لکھا ہے کہ اُپ منج گوتر میں بیس پشت تک خاندان کو ترقی دینے اور خاندان کا نام روشن کرنیوالے بزرگوں کا سلسلہ قائم رہا۔ ہر سہ تاریخوں کی مدد سے شجرہ بنانے پر معلوم ہوتا ہے کہ پہلی پشت میں بھوپا پنڈت کے بیٹے جانی، دوسری میں نجھو، تیسری میں کمل، چوتھی میں گوپی، پانچویں میں دھرمائی، چھٹی میں دیوت د سدھ ناتھ، ساتویں میں کندرد بہاری، آٹھویں میں ریئی، نویں میں کویتانڈو، دسویں میں دیوراج، گیارھویں میں گھرداس، بارھویں میں منو، تیرھویں میں نردکتم، چودھویں میں بالو، پندرھویں میں تکو، سولھویں میں بدری، سترھویں میں سیوکی، اٹھارھویں میں گوپال، اُنیسویں میں جھراج مشر

بیسوین پُشت مین لنکادہن وغیرہ بزرگ گذرے ہین۔ اس تفصیل کے مطابق حسب دستورِ زمانہ (فی پشت ۳۰ برس کے حساب سے) بنھو سے لنکادہن تک اُنیس پشتون کی مدت ۵۷۰ برس ہوتی ہے اور چونکہ جمراج مشر اور لنکادہن کو گذرے ہوئے اتنا زمانہ ہوا کہ لوگ ان کے نام سے بھی واقف نہین۔ صرف بعض سِن رسیدہ بزرگون کی زبانی اِسی قدر سننے مین آیا ہے کہ دریاباد کے مشرون نے بھی یگیہ کیا تھا اور کسی وقت ان کا بھی ستارہ بلندی پر تھا۔ اس لئے ان بزرگون کا زمانہ تین چار سو برس سے بھی زیادہ پایا جاتا ہے۔ لیکن، اگر کم و بیش صرف تین ہی سو برس مان لیا جائے تو بھی بنھو مہراج کا دریاباد مین آباد ہونا اب سے ساڑھے آٹھ سو برس قبل ثابت ہوتا ہے اور یہ دلیل ہے اس امر کی کہ دریاباد کی بستی سنہ ۹ عہ (نوین صدی عیسوی) مین موجود تھی۔ اب یہ بات روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو گئی کہ دریاباد نہایت ہی قدیم قصبہ ہے، جس کی بنیاد دائی جونپور یا سلطان دہلی کے معزز افسر دریا خان صاحب کے صدہا برس پیشتر ہندوؤن کے عہدِ حکومت مین ڈالی گئی تھی۔ لیکن، اس کے اصل بانی اور سنگِ بنیاد کی تاریخ کا پتا لگانا ایک ایسا مشکل عقدہ نظر آتا ہے، جس کا حل کرنا لوہے کے چنے چبانے سے کم نہین۔

دریاباد کے قدیم پنڈت جیو نارائن مشر اور رام پرشاد مشر کی لکھی ہوئی اب سے سوڈیڑھ سو برس پہلے کی دو پوتھیان دیکھنے مین آئی ہین۔ پہلی پوتھی کا نام بھگونت بھاسکر سے میوکھ[1] ہے، دوسری کا نام اَدھیاتم رامائن[2] یہ دونون سنسکرت زبان مین ہین۔ ان پوتھیون کے آخری صفحہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریاباد کا اصلی نام دَرِدْراوادْ تھا، جسکے مُرادی معنی سنسکرت مین (لفظی معنی جہان کے باشندے بخیل نہ ہون) "پُرفیض بستی" کے ہین تحقیقات سے پایا جاتا ہے کہ اکبری دَور مین اسکو دریاباد کے نام سے شہرت ہو گئی تھی۔ لیکن، اکثر سنسکرت دان پنڈت اب سے سو برس قبل یعنی غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے زمانے تک اِسے "دَرِدْراواد" ہی لکھتے رہے نصیر الدین حیدر بادشاہ کے عہدِ حکومت مین یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا اور پنڈت لوگ بھی اپنی پوتھیون مین دریاباد لکھنے پر آمادہ نظر آنے لگے،[3] اُس وقت سے بجائے "دَرِدْراواد" کے دریاباد نام عام طور پر اچھی طرح رائج اور مقبول ہو گیا۔

ضلع کی تاریخ اور جغرافیہ بارہ بنکی مین اسے مسلمانی قصبہ لکھا ہے۔ لیکن، گزیٹر کے فاضل مؤلف نے خود

---

[1] پنڈت مہادیو پرشاد کے پاس موجود ۱۲ [2] پنڈت رام ادھین کے یہان موجود ۱۲ [3] اس نام کی نسبت ہمارے ایک وطنی عنایت فرما ارشاد فرماتے ہین کہ بعض لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہین کہ ہندو بستیون کے نام کے آخر مین پُر یا نگر کا لفظ ہونا لازمی ہے، "دردراداد" مین داد کا لفظ ناموزون اور غیر فصیح معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب مین صرف اسی قدر گذارش ہے کہ معترضین حضرات، پریاگ، گنجی، گاندھار، گرجیہ، ستھرا، لاہور، دلی، آگرہ، جگناتھ، ہردوآر، بامی پوتر، گیا، اندرپست، گونڈہ، بہرائچ، بریلی، اُناؤ، پرتاب گڈھ، تکشلا، ہردوئی، پیلی بھیت، کمایون، گڑھوال، نینی تال، بھوپال، الموڑھا، کھیری، کالپی، چندوسی، جالون، جھانسی، اُجین، بندرابن، ننگانون برسانہ، گوکل، رانی مؤ، دلمؤ، دوا، ٹیکا، اٹاوہ، دھانوان، سکروڈھا، جرہار، دھمتی، پراس، ایچوئی، گونڈا، اندور، مالوہ، ملتان، گولا، گورکن، نیم تار، مشرکھ وغیرہ نامون پر غور فرماکر اپنا اطمینان کرلین، جو پُر یا نگر کی قید سے بالکل آزاد نظر آتے ہین اور فصاحت و دلچسپی مین بھرت پور، ہستنا پور، جونپور، گورکھپور، دھار انگر، متھلانگر، اودیانگر، پورشن نگر وغیرہ سے کسی طرح کم نہین ۱۲

سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق دریاباد کی آبادی ۵۹۲۸، لکھی ہے، جس میں ۳۱۵۲ ہندو اور ۲۶۴۰ مسلمان، ۱۳۶ دیگر فرقے شامل کئے گئے ہیں، اس وقت بھی ہندوؤن کی تعداد غالب ہے۔ اس سے دریاباد کو ہندووانی بستی یا ہندو مسلمان کی مشترکہ آبادی کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

مختلف روایات و تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دریاباد کی بستی بہ لحاظ اپنی تمدنی ترقی کے بہت ممتاز درجہ رکھتی تھی لیکن، ہندوؤن کے زمانے سے اوائل سلطنت مغلیہ تک اسکی صحیح حالت کا اندازہ کرنے کے لئے نہ کوئی تاریخی ثبوت ملتا ہے نہ مستند تحریر۔ ہمایون شاہ کے بعد جو تاریخین وغیرہ لکھی گئی ہین، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ اکبر کے عہد مین دریاباد مشہور قصبہ و پرگنہ ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑا محال بھی تھا جسے سرکار اودھ کے جملہ محالون پر فضیلت حاصل تھی۔ مرزا عبدالرحمن صاحب (ولد موئد بیگ) یہان کے حاکم تھے۔ اُس وقت اس کا رقبہ ۴ لاکھ ۷ ۸ ہزار ۴ اسیگھہ تھا، مالگذاری و محاصل ۵ لاکھ ۳۶ ہزار ۲ ۵ ۹ روپیہ۔ ایک سو سوار تعینات تھے، پیدل فوج کی تعداد دو ہزار تھی، جس مین راجپوت چوہان، ریکوار چھتری فرقہ کے لوگ شامل تھے۔ پختہ اینٹون کا قلعہ موجود تھا۔ ماخوذ از ملفوظات[1] حاجی مصطفیٰ قلمی، آئین اکبری انگریزی ایڈیشن، صفحہ ۱۷۴، جلد ۲ مطبوعہ سنہ ۱۸۹۱ء کلکتہ اور آئین اکبری فارسی صفحہ ۸۰، کالم اول مطبوعہ سنہ ۱۸۶۹ء، نولکشور پریس لکھنؤ، بیان سرکار اودھ خمسہ[2] مصنفہ نثار دہلوی ۔

منتخب التواریخ (مولفہ نثار دہلوی) مین لکھا ہے :- " سروا پالی ولاہر پور مضاف صوبہ اودھ و سرکار خیرآباد و دریاباد "۔ " سرکار خیرآباد و دریاباد " مین لفظ " سرکار اور " واو عطف " سے پایا جاتا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب کے بعد دریاباد صوبۂ اودھ کے سرکارون مین سے ایک سرکار یعنی چیف کمشنری کے درجہ پر تھا۔ لیکن، نواب صفدر جنگ کے عہد کی شاہی تحریرون سے پتہ چلتا ہے کہ نوابی زمانے مین انتظام جدید کے وقت، جبکہ اکثر سرکارین شکست ہو کر چکلہ و نظامت قرار دی گئی تھین، دریاباد کی سرکار بھی تخفیف مین آگئی تھی ۔

نواب شجاع الدولہ بہادر کا دورِ حکومت (سنہ ۱۱۶۷-۱۱۸۸ھ) شروع ہوتے ہی یہ ایک چکلہ قرار دیا گیا۔ نواب سعادت علیخان بہادر (سنہ ۱۲۱۲-۱۲۲۹ھ) کے زمانے مین محالات رُدولی و سوار چیور وغیرہ شامل کر کے اسے ایک بڑا چکلہ بنا دیا گیا اور " دریاباد رُدولی " نام رکھا گیا[3]، جس کی آمدنی اُس وقت ۵ لاکھ ۵۸ ہزار تھی[4]۔ تھوڑے ہی دنون کے بعد غازی الدین حیدر بادشاہ (سنہ ۱۲۲۹-۱۲۴۳ھ) کے حکم سے نظامت[5] کا دفتر بھی یہان قایم ہو گیا اور کئی ایک چکلے اس مین شامل کر دئے گئے۔ توپخانہ اور فوج مین بھی بہت کچھ اضافہ ہوا۔ آخر زمانۂ واجد علی شاہی تک بدستور یہی شان قایم رہی ۔

---

[1] مولوی عبدالماجد صاحب بی اے (دریاباد) کے کتب خانہ مین موجود ۱۲ [2] پروفیسر رام داس گوڑ بنارسی کے کتب خانہ مین موجود ۱۲

[3] یہی وجہ ہے کہ آج تک عوام مین دریاباد کو " دریاباد رُدولی " کے نام سے شہرت ہے ۱۲ [4] ملاحظہ ہو تاریخ بوستانِ اودھ مولفہ راجہ درگا پرشاد صاحب مہر سندیلوی، ذکر نواب سعادت علی خان بہادر ۱۲ [5] نظامت اور چکلہ کی تصدیق کے لئے تاریخ اجودھیا، صفحہ ۱۰۵، بوستان اودھ (ذکر نواب سعادت علیخان) اور شاہی پروانے جو کتاب ہذا مین جابجا درج ہین ملاحظہ ہون ۱۲۔

دریاباد صرف چکلہ (ضلع) اور نظامت (کمشنری) کے ناموں ہی سے نامزد نہ تھا، بلکہ ہر دو محکمے کا صدر مقام بھی تھا۔ عامل اور ناظم قلعہ میں رہتے تھے۔ قلعہ سے ملحق توپخانہ تھا۔ بستی کے باہر فوج رہتی تھی۔ انھیں وجوہات کی بنا پر اسے ایک اچھا اور بارونق شہر بن جانے کا فخر حاصل ہو گیا تھا۔ عملۂ شاہی کے متعلق چند مشہور عہدہ داروں کے نام حسب ذیل ہیں جن میں بعض بعض دریاباد کے خاص طور پر بہی خواہ بھی تھے۔

منشی ہر پرشاد صاحب چکلہ دار ۱۲۳۹ھ، راجہ گوپال بہادر چکلہ دار ۱۲۴۹ھ، راجہ رام ادھین سنگھ بہادر ناظم ۱۲۵۲ھ، میر خلیل احمد صاحب چکلہ دار ۱۲۵۳ھ، مرزا نور محمد بیگ صاحب عامل ۱۲۵۵ھ، راجہ دلسنگھ بہادر شوکل (عہد آصفی) راجہ بختاور سنگھ بہادر ناظم ۱۲۶۷ھ، راجہ ہردت سنگھ بہادر چکلہ دار ۱۲۶۷ھ، کمیدان گردھارا سنگھ صاحب ناظم ۱۲۶۶ھ، سید حسن علی خاں بہادر عامل ۱۲۷۰ھ، پاٹھک سندر لال و سیتا رام ناظم، باقر علی صاحب ناظم ۱۲۴۳ھ، سید نوروز علی صاحب چکلہ دار ۱۲۶۰ھ، مہابل سنگھ صاحب عامل ۱۲۶۳ھ، راجہ مان سنگھ بہادر قائم جنگ ناظم ۱۲۶۲ھ، مرزا مہدی علی خاں صاحب ناظم، رائے بدری داس صاحب چکلہ دار، مرزا جمشید بیگ صاحب عامل، پاٹھک امرت لال صاحب عامل ۱۲۵۳ھ، امیر خاں صاحب[1] کمیدان لکھنوی، حسن علی خاں صاحب[2] قندھاری رسالدار، کپتان سیتلا بخش، بخشی رام پرشاد[3]، بخشی پران سکھ[4]۔

سنا جاتا ہے کہ میاں الماس علی خاں صاحب[5] جو نواب آصف الدولہ بہادر (۱۱۸۸ھ–۱۲۱۲ھ) کے منظور نظر اور اعزاز میں وزیر اعظم سے کم نہ تھے، اکثر لکھنؤ سے دریاباد آتے اور آبادی کے باہر خیموں میں ٹھہرا کرتے تھے۔ اس آمد و رفت کے سلسلے میں انھوں نے میاں گنج کی بنا ڈالی اور اپنے رہنے کے لئے ایک نہایت نفیس اور قابل دید بارہ دری تعمیر کرائی، ساتھ ہی اس کے ہمراہیوں، اور گھوڑے، ہاتھی، نیز فوج وغیرہ کے واسطے مکانات بنوانے کے بعد میاں گنج سے دریاباد تک پختہ دکانوں کے ذریعہ بازار کی تیاری کا کام بھی جاری کر دیا۔ آبادی کا سلسلہ قائم ہونے لگا، دوکانیں بننے لگیں۔ لیکن، اسی درمیان میں دفعتہً اُن کی طبیعت کچھ ایسی ناساز ہو گئی کہ وہ جانبر نہ ہو سکے اور اس طرح سارا منصوبہ خواب و خیال ہو گیا۔ بعضوں کا بیان ہے کہ "دورِ آصفی ختم ہو جانے سے یہ کارروائی خاک میں مل گئی"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الماس علی خاں صاحب کو دریاباد سے خاص محبت تھی، جسے ترقی دینے اور زیادہ بارونق و دلچسپ بنانے کے لئے وہ خوشی سے لاکھوں روپیہ خرچ کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

نواب آصف الدولہ بہادر کے زرّین عہد میں اس قصبہ نے خصوصیت کے ساتھ ترقی کی تھی کہ ہر گلی کوچے میں

---

[1] [2] [3] [4] یہ حضرات اپنا آبائی وطن چھوڑ کر دریاباد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ حسن علیخاں صاحب بڑے بہادر اور نامی گرامی رسالدار تھے۔ نواب سعادت علی خاں بہادر کے وقت میں خوب شہرت پیدا کی تھی۔ مینڈو خاں صاحب کے رشتہ دار تھے۔ ان کا مکان مردہیا محلہ میں ایک عالی شان امیرانہ عمارت تھی، جس کا شکستہ پھاٹک اب سے آٹھ دس برس قبل موجود تھا۔ رسالدار صاحب نے ایک موضع بھی خرید کیا تھا ۱۲

[5] یہ ایسے منتظم، ہر دلعزیز اور وفادار دیوان نثار سلطنت تھے کہ سلیمن صاحب بھی تعریف کرتے ہیں ۱۲ از شباب لکھنؤ صفحہ ۱۴۶ مولفہ منشی احمد علی صاحب شوق بی اے اکاؤنٹنٹ

عموماً اور بازاروں میں خصوصاً ہر طرف چہل پہل نظر آتی تھی۔ ایک طرف دیوان روشن لال صاحب اور بھوانی شنکر دیکھیت ایسے محبّانِ وطن کی کوششیں، دوسری طرف رکن الدولہ میاں الماس علیخان صاحب کی مہربانیاں اُسپر مستزاد نواب صاحب بہادر ممدوح کا ہر ہفتہ یہاں قیام فرمانا[۱]، یہ سب ایسے اسباب تھے کہ جن سے دریاباد کی رونق میں اضافہ ہوجانا ایک قدرتی بات تھی۔ کہا جاتا ہے کہ نواب آصف الدولہ بہادر ہر آٹھویں دن لکھنؤ سے فیض آباد اپنی والدہ بہو بیگم صاحبہ کی ملاقات کو جایا کرتے تھے اور اسی آمد و رفت کے سلسلے میں وہ اس مقام پر دو شب قیام فرماتے تھے۔ اس کی تصدیق جغرافیہ ضلع بارہ بنکی (مرتبہ منشی مقبول احمد صاحب) سے بھی ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ: "نواب آصف الدولہ کا فیض آباد سے لکھنؤ کو سلطنت منتقل کرنے میں دریاباد کو عروج ہوگیا، کیونکہ یہ ایک شب کے لئے بادشاہوں کا قیام گاہ بن گیا تھا۔ شاہی راستہ فیض آباد سے شجاع گنج، حیات نگر، دریاباد، صفدر گنج، نواب گنج ہوکر لکھنؤ کو تھا۔ یہ ایک چوڑی سڑک تھی اور اس کے کنارے سایہ دار درخت اور جا بجا پختہ کنوئیں، مسجدیں اور سرائیں وغیرہ بھی تھیں۔ (صفحہ ۳۰)" شاہی قیام اور میاں الماس علی خان صاحب کی خاص عنایت اس امر کی کافی شہادت ہے کہ دریاباد کی آب و ہوا خوشگوار اور بستی خوبصورت و دلکش تھی، جسکی وجہ سے یہ قصبہ نہ صرف امیر پسند، بلکہ بادشاہ پسند بھی تھا۔

دریاباد کی خوشحالی اور پُر رونق بازاروں کے بارہ میں حضرت قاسم شاہ فرماتے ہیں: "دریاباد ایسا روشن شہر لکھنؤ اور اجودھیا کے درمیان واقع ہے، جسکے باشندے کنول کے پھول کی طرح شگفتہ اور عیش و آرام سے زندگی بسر کررہے ہیں۔ یہاں ایسے ایسے کامل بزرگ پیدا ہوئے ہیں، جن کے نورانی فیض سے شہر میں چاروں طرف روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ قاضی عدل و انصاف میں مصروف ہیں، کہیں نام کو بھی بے انصافی نہیں ہونے پاتی۔ بنیے بقال ایسے نیک اور ایماندار ہیں کہ بستی کے لوگ اُن سے بہت راضی و خوش رہتے ہیں۔ مہاجن رحیم ہیں یہاں کے بہادر سپاہی مخالفوں کو پھٹکنے نہیں دیتے۔ انتظام ایسا معقول ہے کہ راستہ میں مسافروں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔ ہر گلی اور بازار میں وہ رونق ہے گویا چمن کھلا ہوا ہے۔ خدا کے فضل سے کسی چیز کی کمی نہیں ہے، سب کچھ موجود ہے" (ترجمہ از ہنس جواہر بھاشا)

سطور بالا کی عبارت مظہر ہے کہ دریاباد کو قاسم شاہ کے وقت میں، جو نواب برہان الملک کی حکومت کا زمانہ (سنہ ۱۱۳۶ھ) تھا، بجائے قصبہ کے شہر کے نام سے شہرت ہوگئی تھی۔ اسی زمانے کی لکھی ہوئی چند پوتھیاں اور بھی دیکھنے میں آئی ہیں، جن میں اسے "نگر" تحریر کیا گیا ہے۔ سنسکرت لغت میں نگر کے معنی شہر کے لکھے ہیں۔ چنانچہ حضرت سودا مرحوم نے اپنی ایک نظم میں دہلی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مصرعہ "نگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا"۔ اس مصرعہ میں نگر سے مراد شہر ہی ہے نہ کہ دیہاتی بستی یا گانون۔ اگر بستی یا گانون کے معنی لیے جائیں تو فصاحت کے

---

[۱] یہ صحیح نہیں۔ بہو بیگم صاحبہ کے پاس زر و جواہرات کا بیشمار خزانہ تھا۔ اس لالچ میں نواب صاحب اُنکی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا مطلب حاصل کرتے تھے۔۱۲

ساتھ ساتھ اصل مطلب کا بھی خون ہوجاتا ہے۔

کسی وقت اِس بستی کا رقبہ بہ شکل مستطیل طولاً دو ڈھائی میل اور عرضاً ایک میل سے کم نہ تھا، مشرق مین بلہری، لال گنج گوجر پور، سرائے سنگئی، گوبند پور، ہونسے پور، اور مغرب مین سرائے خواجگی و کُسفر کے قریب تک مُسلسل آبادی قائم تھی۔ بعض بزرگون کی زبانی سنا گیا ہے کہ "پوربی، ولیسی، جالپا دیوی کے مندر آبادی کے اندر تھے۔ دریاباد سے پچھم طرف کسفر اور سرائے خواجگی کے درمیان اور پورب لال گنج و بلہری تک جا بجا کھیتون مین زمین دوز پختہ نیوین، اور بکثرت اینٹین، روڑے، عمارتی کنکر دیکھنے مین آئے ہین"۔ اِس وقت بھی بعض بعض مقامات پر ایسے نشانات موجود ہین جنھین دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ یہان کبھی پختہ عمارتین تعمیر ہوئی ہونگی۔

یہان ہر قسم کے باشندون کی کثرت تھی، جو اپنے مکان و سکنہ کے بذات خاص مالک[1] تھے۔ ہر فرقہ و ہر پیشہ کے لوگ آباد تھے۔ عالم، فاضل، پنڈت، ویدانتی، شاعر، انشا پرداز، دُرویش، مہاتما، پہلوان، سپاہی، ماہرین فن، رئیس شریف، فیاض، شوقین سیٹھ، مہاجن، وغیرہ وغیرہ بھی طرح کے لوگ موجود تھے جن مین قاسم شاہ (مصنف ہنس جواہر) ادبی حلقہ مین حکیم مولوی نور کریم صاحب (مصنفہ شفا الامراض) طبی جماعت مین، سنگئی ساہ جین طبقہ مین اس وقت بھی دُور دُور تک مشہور ہین۔ ادستھی، ترچھیت، اگن ہوتری، مشر بھی کانیکبج برہمنون مین (اودھ سے دہلی و آگرہ تک) خاص شہرت رکھتے ہین۔ تعمیرات کے ذیل مین پختہ مکانات بہت زیادہ اور خام بہت کم تھے۔ عمارتون کا دو منزلی سلسلہ زبردست تھا، تین تین، چار چار، پانچ پانچ منزل والی حویلیان بھی متعدد تھین عظیم الشان محل بھی تعمیر تھے۔ امام باڑے، کوٹھیان مندر، مسجد، وغیرہ کے متعلق بھی بہت سی عمارتین تھین۔ سیر و تفریح کے لئے باغات بھی تھے اور پھلواریان بھی آراستہ کی گئین تھین۔ آٹھ پختہ سرائین، چار دھرم شالے، پانچ منڈیان، سات بازار، بچاس محلے اور چونتیس پھاٹک قائم تھے، جن مین سے دو بازار، ۱۹ محلے معمولی حیثیت[2] سے اب بھی موجود۔ محلون، منڈیون، اور بازارون وغیرہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) دسوالن ٹولہ عرف جوہری محلہ (۲) بازداران (۳) سواران (۴) خانزادہ (۵) گوبند پور۔ (۶) ہونسے پور رائے گنیشی لال صاحب بہادر کے فیصلہ کے مطابق ۱۸۶۲ء تک شامل دریاباد تھا بعد اس کے موضع کی حیثیت سے علیحدہ ہونے ہی لاپتا۔ (۷) قضیانہ، قاضیون کا آباد کردہ، عرصہ سے مخدوم زادگان مین شامل واجب العرض دریاباد ۱۸۶۰ء مین اس کا ذکر ہے (۸) سنگئی گنج (۹) میران نگری، بانی میر محمد غوث، عرف

[1] ملاحظہ ہو نقل سجل شاہی بمقدمہ غیراتی سپرسا بنام چودھری حسین علی، اجلاس وزارت العالیہ شاہ اودھ، ۲۳ ربیع الاول ۱۲۵۴ھ۔ یہ نقل میان عبد الرشید صاحب کے پاس موجود ۱۲ [2] بردار محلہ، برتاب گنج، کمتی ٹیلے، پھکانہ، سرادگی، دیکھیانہ، ٹھیا عرف کرمن ٹولہ (خاص کرمیون کی آبادی) مبوشی چوہٹہ، سیر حقی بازار، مخدوم زادگان، چودھریان، محرران، کٹرہ روشن لال، نبے تلے، مرد ہی، پورہ حسن علی، چھیپی، سفلان، گھڑیالی۔ ماخوذ از کاغذات مردم شماری و رجسٹر ہوس ٹیکس ۱۲ —

میران غوث - پچاس ساٹھ مکانون مین سے صرف بیس پچیس باقی - عرصہ سے محلہ کا نصف حصّہ مردہی محلہ مین اور نصف چھیپی محلہ مین شامل (۱۰) گوجر پور، بندوبست ۱۸۶۲ء مین دریاباد سے خارج کر کے ایک موضع قرار دیا گیا، تھوڑے ہی دنون کے بعد ویران ہوکر بے نام و نشان ہوگیا (۱۱) نواب گنج، عرف کٹرہ دربار ی لال (۱۲) برداری ٹولہ، برداروں کی وجہ سے مشہور - دستاویز نوشتہ مسماۃ امامن، دریاباد، مصدقہ دفتر رجسٹری رو ناہی، ضلع فیض آباد، یکم مارچ ۱۸۶۶ء، رجسٹر نمبر ۲۷، صفحہ ۶۵ مین اس کا ذکر ہے (۱۳) سنگئی ٹولہ (۱۴) محلہ شیخانہ عرف شیخن محلہ - منشی خدا بخش صاحب شایق کے بزرگون کا آباد کردہ، شیخ ہونے کی رعایت سے شیخانہ کے نام سے موسوم، واجب العرض دریاباد ۱۸۷۰ء مین اس محلہ کا نام درج ہے[۵]، آج کل نیست و نابود، زمین داخل کاشت (۱۵) پورہ چودھری، عرف لودھون کا پورہ، بانی چودھریون کے بزرگ، لودھون کی زیادہ سکونت (۱۶) پھاٹک اندر، بانی ماتھر کایستھ، اس محدود حلقۂ آبادی کا حصّہ ایک پختہ پھاٹک کے ذریعہ سے محفوظ ہونے کے باعث "پھاٹک اندر" مشہور ہوا، جو اس وقت بھی کسی نہ کسی صورت مین موجود ہے - منشی شمبھو دیال صاحب نے اپنے بزرگون کے بقائے نام کی غرض سے اس کی مرمت کرا دی ہے - اس محلّہ مین ماتھر کایستھون کے علاوہ ہندؤون کے دیگر فرقے بھی آباد تھے - عرصہ سے یہ محلّہ بھی برائے نام اور ٹھِکانی محلّہ مین شامل (۱۷) شیخن احاطہ شیخون کی وجہ سے مشہور، جسکی آبادی ایک پختہ احاطہ کے اندر گھری ہوئی تھی - دکھن طرف شاہی سڑک سے متصل پختہ پھاٹک تھا، جس پر ہر وقت ڈنکا بجا کرتا تھا، جو دریاباد کے مشہور سپاہی شیخ لطف اللہ صاحب رسالدار کو دربار اودھ مرحمت ہوا تھا - ان شیخون کی اولاد مین شکور بخش اور رحیم بخش وغیرہ موجود اور اسی محلہ کی زمین پر آباد (۱۸) دیچھتانہ (۱۹) ٹھِکانہ (۲۰) نوتن ٹولہ، نائیون کی کثرت محلہ کے نام کی بنیاد، بانی چودھری صاحب کے بزرگ، غدر کے بعد محلّہ چودھریان مین شامل (۲۱) مردہی محلہ، مردہون کی کثرت نام کی رعایت - شاہی مین ان مردہون کو شہردار بھی کہتے تھے - یہان کے اکثر خوش نصیب مسلمانون نے محنت و مشقت پر کمر باندھ کر کلکتہ مین روزگار کے ذریعہ بہت ترقی حاصل کی ہے - کئی ایک پختہ مکانات جدید تعمیر ہوئے ہین، جن سے محلّہ مین بہت کچھ رونق ہوگئی ہے - اِس محلّہ کے مسلمانون نے باہمی چندہ سے ایک قدیم شہید کردہ مسجد کے بجائے ایک نئی پختہ مسجد ۳۳ فٹ طویل، ۲۰ فٹ عریض ۱۴ فٹ بلند بنوائی ہے، جس کی لاگت کا تخمینہ چار ہزار روپیہ سے کم نہین - اس کے بانی اور مہتمم سیّد ذاکر علی صاحب تھے (۲۲) پورہ حسن علی - بانی حسن علی صاحب شہردار (۲۳) بنّے تلے - اصل نام بنّے ٹولہ، بانی بنّے لل جوہری اس مقام سے متصل پورب طرف بلندی پر جوہری محلہ مین بنّے لل کا محل تھا، محل کے نشیب مین "بنّے ٹولہ" کی آبادی قائم ہوئی تھی، جو اب بھی نشیب مین واقع ہے - اس سے قیاسًا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کچھ دنون تک محل سے قریبی چند مکان بنّے محل کے تلے والے مکانات مشہور ہوئے ہونگے، پھر رفتہ رفتہ کل آبادی کو "بنّے محل کے تلے والا محلہ" کہنے لگے ہونگے، بہت زمانے کے بعد جبکہ بنّے محل کا وجود نہ باقی رہا ہوگا تو اسے "بنّے تلے" کے نام سے شہرت ہوگئی ہوگی (۲۴)

---

[۵] دستاویز مساۃ امامن دریاباد (مصدقہ دفتر رجسٹری ردناہی ضلع فیض آباد یکم مارچ ۱۸۶۶ء رجسٹر نمبر ۲۷، صفحہ ۱۵) سے بھی اس محلہ کا پتا چلتا ہے ۱۲

چھیپی ٹولہ (۲۵) کھرن ٹولہ (۲۶) مغلن ٹولہ (۲۷) گھڑیالی ٹولہ۔ گھڑیالیون کی زیادتی محلہ کے نام کی وجہ (۲۸) کھنی ٹولہ۔ آبادی کے وقت ایک بہت بڑا مشہور درخت کھنی کا موجود تھا، اسی مناسبت سے محلہ کا نام کھنی ٹولہ یا کھنی تلے موسوم ہوا (۲۹) تمبولی چوہٹہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت یہان کسی خاص جگہ پر تمبولی لوگ پان بیچتے رہے ہونگے اور اس طرح ایک چوہٹہ کا بازار قائم ہوگیا ہوگا۔ اسی رعایت سے محلہ کا نام "تمبولی چوہٹہ" پڑگیا ہوگا، جو کہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ تمبولی سنسکرت لفظ "تام بول" سے بنایا گیا ہے، جسکے معنی پان کے ہین، فارسی مین "تنبول" اسی کا تصرف ہے۔ چوہٹہ یعنی چار بازار (چو بمعنی چار، ہٹہ مخفف ہاٹ بمعنی بازار) مراد چوہٹہ والے بازار سے (۳۰) سراوگی ٹولہ۔ خاص سراوگون کی بستی، یہی وجہ تسمیہ (۳۱) آصفی بازار۔ بازار کے متعلق آبادی، بانی لالہ رام سیوک عرف سیوک رام ناظم (۳۲) مخدوم زادگان (۳۳) محرران (۳۴) پٹھانون کا محلہ، عرف نزیاپار۔ خاص پٹھانون کی بستی۔ قلعہ کی خندق کے اُس پار پچھم طرف واقع ہونے کی بنا پر "نزیاپار" کہتے تھے۔ عرصہ سے بے نام و نشان [illegible] تک آباد، واجب العرض دریاباد مین نام موجود (۳۵) کٹرہ الماس گنج عرف کٹرہ روشن لال (۳۶) چودھری محلہ (۳۷) کمھارن ٹولہ، عرف منڈئی، گوپال مندر کی پُشت پر دکھن طرف۔ اس مین کمھارن کے گھر بہت تھے، جو کسی خاص مقام پر روزانہ جمع ہوکر مٹی کے برتن فروخت کرتے تھے، اس لئے اسے کمھارون کی منڈھی بھی کہتے تھے مدت دراز کے بعد منڈھی یا منڈئی مشہور ہوگیا۔ واجب العرض دریاباد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محلہ [illegible] مین۔ موجود تھا (۳۸) سمدا۔ باوجود کوشش وجہ تسمیہ نہ معلوم ہوئی (۳۹) پورہ رام سہائے۔ آباد کردہ لالہ رام سہائے صاحب، محلہ محرران کے پچھم طرف، آخر سرے پر۔ چند گھر اب بھی باقی ہین۔ نصف صدی قبل داخل محرران (۴۰) بکری محلہ۔ ایک خاص مقام پر بکریون کی خرید و فروخت ہونے کے باعث اس نام سے شہرت ہوئی۔ نقل عیوضی نامہ نوشتہ فریدبخش بنام مولوی مخدوم بخش صاحب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ محلہ [illegible] مین آباد تھا (۴۱) سندداری۔ ایک دستاویز مین یہ محلہ اسی طرح لکھا ہوا دیکھا گیا ہے۔ عبارت یہ تھی "محلہ سندداری من محلات دریاآباد" (۴۲) سُنارن ٹولہ (۴۳) چمارن ٹولہ۔ ٹھیا محلہ کے پورب طرف آباد تھا (۴۴) بان والی گلی۔ اس مین عمدہ اور نفیس بان بنانے والے بہت تھے اور ہر وقت یہان بانون کی بکری ہوتی تھی۔ (۴۵) منہارن ٹولہ۔ یہان چوڑی فروشون کے گھر زیادہ تھے (۴۶) بڑھئی ٹولہ (۴۷) کفش دوزان (۴۸) رنگسازان۔ اس محلہ مین رنگسازون کے علاوہ صیقل گرون، باڑھیون، خرادیون، آئینہ سازون کے بھی بہت سے گھر تھے۔ (۴۹) کٹرہ مہی لال۔ بانی لالہ مہی لال صاحب ناظم (۵۰) کسگر ٹولہ۔ **منڈیون مین** ترکاری منڈی، گھاس والی منڈی، بڑی منڈی اَنجہی یا اناج کی منڈی، برڈہی، بیلون کی منڈی **بازارون مین** الماس گنج، ٹیڑھی بازار، جوہری بازار، سنگئی گنج کا بازار، آصف گنج عرف کٹرہ مہی لال، نواب گنج عرف کٹرہ درباری لال، آصفی بازار **سرائین** دھا

[illegible] یہ دستاویز میان رشید کے پاس موجود ۱۲

بھٹیاری کی سرا عرف بھٹیاری سرا (۲) سوار دن کی سرا (۳) پُرانی سرا عرف بیچ کی سرا (۴) و (۵) الماس گنج کی سرائین (۶) کٹرہ مہی لال کی سرا (۷) کٹرہ درباری لال کی سرا (۸) آصفی بازار کی سرا

دھرم شالے (۱) بیچن لال کا دھرم شالہ (۲) سنگئی ساہ کا دھرم شالہ (۳) لَکّو سیٹھ کا دھرم شالہ (۴) جُھگّی سیٹھ کا دھرم شالہ

پھاٹک دس پھاٹک دو منزلے، چوبیس بُرجیون والے (۱) دھرم شالہ سنگئی ساہ کا پھاٹک۔ (۲) امام باڑہ تصرف حسین کا پھاٹک (۳) و (۴) سنگئی ساہ کے بازار والے پھاٹک (۵) شیخ فضل علی کے مکان کا پھاٹک (۶) شیخ فضل علی کے امام باڑہ کا پھاٹک (۷) شیخن احاطہ کا پھاٹک (۸) ماتھر کایستھون کا پھاٹک (۹) بھٹیاری سرا کا پھاٹک (۱۰) سوار دن کی سرا کا پھاٹک (۱۱) طوائفون کا پھاٹک (۱۲) و (۱۳) پُرانی سرا کے پھاٹک (۱۴) حسن علی خان رسالدار کے مکان کا پھاٹک (۱۵) کمیدان کے امام باڑہ کا پھاٹک (۱۶) مہابیرجی کے مندر کا پھاٹک (۱۷) روشن لال کے مکان کا پھاٹک (۱۸) و (۱۹) الماس گنج کے پھاٹک (۲۰) و (۲۱) الماس گنج کی سرا کے پھاٹک (۲۲) لغایت (۲۷) کٹرہ درباری لال کے پھاٹک (۲۸) کٹرہ درباری لال کی سرا کا پھاٹک (۲۹) کٹرہ مہی لال کا پھاٹک (۳۰) کٹرہ مہی لال کی سرا کا پھاٹک (۳۱) آصفی بازار کا پھاٹک (۳۲) آصفی بازار کی سرا کا پھاٹک (۳۳) شیو آلہ والی پھلواری کا پھاٹک (۳۴) مٹھر والی پھلواری کا پھاٹک۔ ان مین سے بازار سنگئی ساہ، شیخن احاطہ، پُرانی سرا، مکان روشن لال، الماس گنج، کٹرہ درباری لال (مغربی پھاٹک) بازار نواب گنج (سرا کا پھاٹک) کے پھاٹک دو منزلے تھے، باقی سب بُرجیون والے۔ آج کل صرف آٹھ پھاٹک، پانچ معمولی اور تین دو منزلے۔

دیہات مین یہ روائیت اب تک ضرب المثل ہے کہ "دریاباد کے لڑکون نے دہلی کے گانگو اور سہادل کو حلوائی کے ہاتھ بکیر مٹھائی کھائی"۔ اس روائیت کی اصلیت یون بیان کی جاتی ہے کہ "گانگو اور سہادل دلی کے رہنے والے دیہات مین لوگون کو ٹھگ ٹھگ کر جعل و فریب سے کھاتے کماتے دریاباد آئے۔ راستے مین کہین کسی نے یہ شناخت نہ کی کہ یہ لوگ چالاک ہین۔ لیکن دریاباد کے چند لڑکون نے ان کی صورت دیکھکر فوراً بھانپ لیا کہ یہ دونون آدمی چالاک اور بدمعاش ہین۔ اس خیال کی بناء پر اُنھون نے دو چار لڑکون کو کچھ سمجھا بجھا کر ان کے پیچھے لگا دیا جس وقت گانگو اور سہادل ایک حلوائی کی دوکان پر مٹھائی خریدنے کی غرض سے پہونچے، تعلیم یافتہ لڑکے ان کے ساتھ ہی تھے اُنھون نے ان سے پہلے حلوائی سے مٹھائی مول لی اور چلتے وقت کہہ گئے کہ دام ان سے لے لو، حلوائی یہ سمجھا کہ یہ لوگ لڑکون کے بزرگ ہونگے مٹھائی دیکر خاموش رہا۔ اور گانگو سہادل لڑکون کے اس فعل طفلانہ شرارت خیال کر کے چُپ رہے جب یہ بھی مٹھائی لیکر چلنے لگے تو حلوائی نے پہلے لڑکون کی بابت دام مانگے اور بعد کو ان کی لی ہوئی مٹھائی کی قیمت طلب کی۔ انھون نے کہا کہ لڑکون کی بابت ہم دام کیون دین؟ حلوائی نے جواب دیا کہ "لڑکون نے چلتے وقت کہہ دیا تھا کہ "دام ان سے لے لینا" تم یہ سُن کر خاموش رہے اس لئے ہمین یقین آگیا کہ تم دونون آدمی لڑکون کے بزرگ ہو گے۔ اگر تمکو لڑکون سے کچھ تعلق نہ تھا تو تم چپ کیون رہے؟ اب تمکو دام دینا پڑین گے۔ اس حجت تکرار نے یہان تک طول پکڑا کہ بہت سے آدمی جمع ہو گئے اور کوتوالی مین اس واقعہ کی اطلاع کی گئی، دونون آدمی طلب ہو گئے، وہان انکی ساری قلعی کھل گئی، اور جو کچھ مکر و فریب سے کمایا تھا، سب چھین لیا گیا جس طرح دہلی سے خالی ہاتھ نکلے تھے، بدستور لنگوٹی باندھکر واپس گئے۔ اس واقعہ کے بعد یہ روایت مشہور ہو گئی کہ "دلی کے گانگو سہادل کو دریاباد کے لڑکون نے حلوائی کے ہاتھ بکیر مٹھائی کھائی" اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ دریاباد کے قدیم باشندے بڑے ذہین اور مردم شناس تھے جن کی دانائی کے دہلی والے بھی قائل ہو گئے تھے۔

ٹھاکر کالکا سنگھ صاحب (نائب رئیس سکردرھا) بیان کرتے ہین کہ تخمیناً ۴۰ سال کا زمانہ ہوا کہ مین ایک گھوڑا فروخت کرنے کی غرض سے فیض آباد گیا، اُس وقت میرا سن ۲۵ یا ۲۶ سال کا تھا۔ ترکاری منڈی کے پاس سرا مین قیام کیا۔ ایک دن ایک بزرگ نے (عطر فروش) جو قریب ہی کوٹھری مین ٹھہرے ہوے تھے مجھ سے میری سکونت دریافت کی۔ مین نے کہا کہ مین دریاباد کے قریب رانی مئو مین رہتا ہون۔ دریاباد کا نام سُنتے ہی اُس بزرگ نے میری بہت بڑی تعظیم وتکریم کی۔ مین نے حیرت سے پوچھا کہ دریاباد کا نام سُن کر آپ نے میری اتنی تعظیم کیون کی؟ مرد بزرگ نے جواب دیا کہ آپ اُس دریاباد کے رہنے والے ہین جسکی بدولت قرب وجوار کے دیہاتی لوگ بھی عالی دماغ ہو گئے۔ سُنئے! دریاباد کے پاس ہی ایک موضع کسفر ہے۔ ٹھاکر امیر سنگھ صاحب وہان کے زمیندار تھے۔ ایک مرتبہ مین اُنکی خدمت مین عطر بیچنے کی غرض سے حاضر ہوا اور عطر کی سینکین پیش کین۔ ٹھاکر صاحب نے عطر کی شناخت کے لئے ایک لودھن کو بلایا۔ اُس نے سب سینکون کو سونگھ کر ایک کی نسبت کہا کہ "یہ عطر حنا کا بہت اچھا ہے یہی لے لیجئے"۔ اِس واقعہ سے میرے ہوش وحواس باختہ ہو گئے کہ ایک رذیل قوم کی عورت اس قدر تمیز دار کہ عطر کی شناخت کر لی۔ ٹھاکر صاحب نے مجھ سے قیمت پوچھی۔ مین تصویر حیرت بنا ہوا تھا، قیمت کیا کہتا۔ ناچار موصوف نے خود ہی ایک تولہ عطر خرید کر کے دس روپیہ میرے حوالے کئے، جو اُنکی قدردانی کی خاص دلیل تھی۔ میرا سن اُس وقت پچاس سال کا تھا۔ مین نے اپنی زندگی مین عطر فروشی کرتے ہوئے عطر کا ایسا شناخت کرنے والا آج تک نہین پایا۔ اس وجہ سے آپ کی خاص طور پر تعظیم کی کہ آپ اُس دریاباد کے جوار کے رہنے والے ہین، جس کے فیض سے کسفر کے ٹھاکر صاحب عطر کے شوقین اور قدردان ہو گئے اور اُنکی صحبت نے ایک رذیل قوم کی عورت کو تمیز دار اور صاحب دماغ بنا دیا۔" یہ بزرگ دہلی کے رہنے والے اور ذات کے مسلمان نہایت نیک اور سیدھے سادے تھے۔" یہ بیان بھی دریاباد کی اہمیت کا ایک اعلیٰ ثبوت پیش کرتا ہے۔ دہلی کے ایک جہاندیدہ بزرگ کا اِسے رفعت کی نگاہ سے دیکھنا کوئی معمولی بات نہین۔

یہ بستی بہت متمول اور شاندار تھی۔ جین فرقہ کے متعلق جھپیٹی تلی وال، سراؤگون کی آبادی عموماً اور جوہریون کا آباد ہونا خصوصاً اس امر کی دلیل ہے کہ دریاباد بڑے شہرون مین شامل تھا۔ کیونکہ دسوال یا جوہری معمولی شہرون مین نہین آباد ہوتے۔ اسی طرح سراؤگ وغیرہ بھی تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے معمولی جگھون مین نہین بستے۔ علاوہ اِن کے دو ایک سیٹھون کے بھی یہان گھر تھے، اِن کا بھی چھوٹے مقامون پر گذر نہین۔

اسی سلسلہ مین سنگئی ساہ کی دولت مندی اور اُنکی شانِ امارت بھی لائق اظہار ہے جنھون نے زعفران ایسی قیمتی چیز گارے مین ڈلوا کر ہفت منزلہ محل تعمیر کرایا اور جن کے یہان پالوجانور مثلاً گائین بھینسین وغیرہ رسیون کے بجائے طلائی زنجیرون سے باندھے جاتے تھے۔

یہان کے ہندو مسلمانون کا باہمی میل ملاپ بھی قابل تعریف ہے، جو اِس وقت تک قائم۔ کبھی کسی قسم کا کوئی

مذہبی جھگڑا ایسا نہین ہوا جو باہمی رنجش و ملال کا باعث ہو۔ ایک مرتبہ دسہرہ و محرم کے زمانے مین چند مفسدون کی جاہلانہ کوشش سے طرفین مین کچھ عداوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی، مگر صلح پسند اور بلند خیال ہندو مسلمانون نے فوراً اُسے بجھا دیا۔

اِس قصبہ مین مکتب خانے، پاٹ شالے، کتب خانے بھی بہت تھے۔ کئی ایک مذہبی میلے بھی ہوتے تھے، جن مین "دھنش یگیہ" اور دسہرہ و محرم، مہابیرجی کا میلہ خاص طور پر دُور دُور تک مشہور۔ محرم مین قرب وجوار کے لوگون کی شرکت سے پچاس ساٹھ ہزار آدمیون کا مجمع ہوجاتا تھا، کیونکہ یہ میلہ ہندو مسلمانون کا مشترکہ میلا ہوتا ہے۔ آج کل بھی محرم کا میلہ اچھا ہوتا ہے اور ہر سال پچیس تیس ہزار آدمی شریک ہوتے ہین۔ دسہرہ بھی بُرا نہین ہوتا، پندرہ بیس ہزار آدمی اس میلہ مین بھی جمع ہوجاتے ہین۔ لیکن، تعجب ہے کہ گزیٹیر مین یہان کے معززین نے اِن مین سے کسی ایک میلے کا بھی ذکر نہین درج کرایا۔ اسی طرح چھٹنکی محل، سنگئی ساہ کا ست کھنڈا، عالمگیری مسجد (جامع مسجد) مہابیرجی کا مندر بھی درج نہین۔ سنگی ساہ کا بھی حال تحریر نہین۔ جن کی دولت مندی کے بیشمار افسانے اس وقت تک زبان زد ہر خاص وعام ہین۔ قاسم شاہ (مصنف ہنس جواہر) پیرا شاہ، شیخ عبدالرسول، شیخ جہان چشتی، شاہ خوبان وغیرہ کامل بزرگون کے تذکرے سے بھی تاریخ مذکور کے صفحات خالی ہین۔ پیرا شاہ وہ بزرگ تھے کہ نواب آصف الدولہ بہادر معتقد تھے شیخ عبدالرسول صاحب، شیخ جہان وغیرہ دُرویشون کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ نامور سلاطین دہلی نے اِنھین۔ خطابات اور معافیون، جاگیرون کے فرمان عنایت فرمائے تھے۔ قاسم شاہ کا نام ہندوستان بھر مین مشہور رہے۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر، بارہ بنکی مین یہ کمی ایک افسوسناک کمی ہے۔ اس موقع پر ہم رُدولی، فتحپور، بدوسرائے (بدیع السرا) وغیرہ کے سر برآوردہ اصحاب کی تعریف کئے بغیر نہین رہ سکتے جنھون نے اپنے یہان کے میلے، ٹھاکر دوارے، مسجد، مزار، واقعات، روایات، مٹی ہوئی یادگارین، فرامین شاہی، معافیون کے پروانے وغیرہ سب درج تاریخ کرادیئے۔

سخاوت اور فیاضی مین بھی دریاباد ممتاز نظر آتا ہے۔ چنانچہ روایتون سے مترشح ہوتا ہے کہ چھٹنکی ساہ کے یہان ہر سال ساڑھے بائیس سیر سونا (۴½ ما پختہ) دان کیا جاتا تھا، جسکی قیمت زمانہ حال کے مطابق دس ہزار آٹھ سو روپیہ ہوئی۔ اسی طرح پیرا شاہ چھیانوے ہزار روپیہ سالانہ خیرات کرتے تھے۔ روایات مذکورہ حسب ذیل ہین:۔

(۱) نواب آصف الدولہ بہادر ہر ہفتہ اپنی والدہ کی قدمبوسی کے لئے لکھنؤ سے فیض آباد جایا کرتے تھے اور اور اس آمد و رفت کے سلسلے مین ہر مرتبہ عقیدتمندی کی وجہ سے پیرا شاہ کی خدمت مین حاضر ہو کر ایک ہزار روپیہ بطور نذر پیش کرتے تھے، جسے شاہ صاحب کی فیاض طبیعت فوراً ہی لٹانے پر آمادہ ہوجاتی تھی۔ اس طرح پیرا شاد کی بدولت ہر آٹھوین دن دو ہزار روپیہ خیرات ہونے سے سیکڑون غریب اور محتاج بہت جلد مالامال ہوگئے تھے نواب صاحب ممدوح اور پیرا شاہ کی زندگی تک یہ غیر معمولی چشمہ فیض برابر جاری رہا (۲) رامجی مل جوہری روزمرہ پوجا پاٹ کرکے ایک چھٹانک سونا دان کیا کرتے تھے، اسی وجہ سے اِن کا نام چھٹنکی ساہ مشہور ہوگیا تھا۔

قصبہ کی خصوصیات مین پیڑے، برفیان اور رابڑی بھی قابل ذکر چیزین ہین، جن کی دُور دُور تک خاص شہرت تھی۔ پیڑے اب بھی مشہور و معروف اور جغرافیہ کی کتابون مین مذکور۔ پان بھی نہایت نفیس اور خوبصورت تیار ہوتے تھے۔ غیر شہرون مین ان باتون کی بکثرت مانگ تھی۔ عمارتون مین سنگئی ساہ کا محل، چھٹنکی محل، رنگ بھون (زمانہ تعمیر پانچ چھ سو برس قبل) شیش محل، رنگ محل (زمانۂ تعمیر ۳۰۰ برس پیشتر) بھی اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر ایک خاص اہمیت رکھتے ہین۔ سنگئی ساہ کا محل، چھٹنکی محل، یہ دونون (بہ صفت) ہفت منزلہ ہونے کی وجہ سے "ست کھنڈے" مشہور تھے۔ یوپی کا حال نہین معلوم۔ اودھ مین "لکھنؤ والا ست کھنڈا" محمد علی شاہ (۱۲۵۳-۱۲۵۸ھ) کے وقت مین تیار ہوا تھا، جسے آج تک (۱۳۴۱ھ) صرف ۸۳ برس ہوئے۔ رنگ بھون نام کی عمارت دوسری جگہ سننے مین نہین آئی۔ قلعۂ آگرہ کا شیش محل شہنشاہِ اکبر کی یادگار رہے اور لکھنؤ والا شیش محل نواب آصف الدولہ بہادر کے حکم سے تعمیر ہوا تھا۔ قنوج کی رنگ محل نامے تعمیر البتہ قدیم زمانے کی تعمیر ثابت ہوتی ہے، جسے غالبًا راجہ جے چند نے تیار کرایا ہو۔ اس لئے دریاباد کے ست کھنڈے اور عجیب وغریب مون کے محلات اودھ مین خصوصًا اور ممالک متحدہ مین عمومًا اول تعمیرین ہین، جن مین جدت طرازی و دلکشی دونون صفتین پائی جاتی ہین۔

دریاباد مین رائے صاحب، تحریر، چودھری، کھرے کائیستھ، پھاٹک اندر والے ماتھر کائیستھ، دیوان روشن لال صاحب یہ چھ تعلقدار تھے اور پچیس تیس چھوٹے بڑے رئیس و زمیندار۔ بعض بعض بزرگون کی زبانی سُنا گیا ہے کہ یہان نوسو گھر خانزادون، چار سو گھر بازوارون، دو ڈھائی سو گھر سوادون، پانچ سو گھر کائیستھون، سات سو گھر برہمنون، سو ڈیڑھ سو گھر چھیپی والون، سو گھر تمبولیون۔ ڈیڑھ سو گھر بکر قصابون، دو سو گھر پاسیون اور کئی سو گھر نائیون، باریون اور کہارون کے تھے۔ ہندو نقطۂ خیال سے یہ مقام بہت مقدس مانا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہان کے دیکھیتون، اوستھیون، جگدھریون، اگن ہوتریون نے مختلف وقتون مین بڑی دھوم دھام سے یگیہ۵ کئے تھے، جو اس وقت تک مشہور رہین۔ اس سے اندازہ کر سکتے ہین کہ بہ حیثیت مجموعی دریاباد کیسا مقام تھا! لیکن، نہایت افسوس ہے کہ یہان کے بیشتر دربفکرے، آرام طلب اور معرز "پدرم سلطان بود" پر نازان تھے۔ شریف اور سفید پوش محنت و مشقت سے گھبراتے اور ملازمت پر قانع تھے، آبائی جائداد اور بزرگون کی کمائی پر زندگی بسر کرنا فخر نہ سمجھتے تھے۔ رئیس عیش پرست، ناعاقبت اندیش اور نفاق پسند تھے، خاندان مین نت نئے خانگی جھگڑے لگے رہتے تھے۔ یہی وجوہات تھے جن سے دریاباد تباہی و بربادی کا شکار رہوا، اگرچہ واجد علی

۵ یگیہ کی کئی قسمین ہین مگر مشہور وہی ہوتے ہین جو غیر معمولی دھوم دھام اور زبردست اہتمام کے ساتھ کئے جاتے ہین۔ ان مین "راجسویہ" اور "اشومیدھ" یگیہ اُن راجون کیلئے مخصوص ہین جو ہفت اقلیم کے مالک ہون جب تک کل دُنیا فتح نہ ہو جائے یہ یگیہ نہین کر سکتے۔ اگن ہوتر، او ستھیہ وغیرہ یگیہ عام طور پر اعلیٰ طبقہ کے ہندو کرا سکتے ہین جن کا مقصد زبردست کامیابی یا اعزاز و خطابات حاصل کرنا ہے، جو قوم کی طرف سے عطا ہوتے ہین۔ دان پُن، پوجا پاٹھ، دعوت و تواضع، برادری کی اطاعت، دوست احباب کی دلجوئی، برہمنون اور سادھوؤن کی خدمت، نیک نیتی، عاجزی، سیر چشمی حسب منشا سائل کا سوال پورا کرنا یگیہ کے خاص ارکان اور لوازم ہین ۱۲

شاہی ہڑبونگ اور غدر کی بدامنی بھی اس مین شامل تھی، مگر دراصل دریاباد کی تباہی کی بہت بڑی اور زبردست وجہ یہ تھی کہ یہان کسی خاص پیشہ کے متعلق کوئی باقاعدہ جماعت کے ذریعہ غیر شہرون سے تجارتی سلسلہ نہ قائم تھا- اگر بریلی و ٹانڈہ کی طرح یہان بھی ہزار دو ہزار جولاہے بڑھئی وغیرہ آباد ہوتے اور صنعتی و حرفتی کارخانے کھول کر اُن کی امداد کی جاتی تو باوجود ضلع شکست ہوجانے کے بھی دریاباد ویران نہ ہوتا-

کہا جاتا ہے کہ امجد علی شاہ (۱۲۵۸ھ-۱۲۶۳ھ) کے زمانے تک ہر طرح کا امن وامان رہا- واجد علی شاہ کے عہد مین بدنظمی سلطنت کے باعث عمال شاہی کے ملازمون اور فوجی سپاہیون کو رعایا پر ظلم و بدعت کرنے کا خوب موقع ملا اور اسی طرح اس قصبہ کی تباہی کا دور شروع ہوا- جوہریون کے یکدم پچیس[۲۵] گھرون کے باشندے لکھنؤ چلے گئے، باقی دہلی و آگرہ اور بنارس جاکر آباد ہوگئے- بکر قصاب میرٹھ اور سپر ساز لکھنؤ بھاگ گئے اور وہین "طباخی" وغیرہ کا کام کرنے لگے- اسی طرح دیگر اہل حرفہ کو بھی سمجھ لینا چاہئے- بھیا[۵] شیو رتن سنگھ صاحب، جن کی عمر اُس وقت ۸۰ برس کی تھی بیان کرتے تھے کہ "شاہی زمانے تک اس کی خوشنما آبادی بیس پچیس ہزار سے کم نہ تھی- ۱۸۵۷ء کے غدر مین اسے سخت مصیبتون کا سامنا کرنا پڑا، لیکن، پھر بھی بعد تسلط باشندون کی تعداد پندرہ سولہ ہزار باقی رہ گئی تھی" اس سے دریاباد کی اصلی آبادی کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہین-

"تاریخ غدر اودھ" سے پتا چلتا ہے کہ ۱۸۵۶ء مین، جبکہ واجد علی شاہ سلطنت سے علیحدہ ہو کر کلکتہ مین رونق افروز تھے، دریاباد ضلع کے ساتھ ساتھ صدر مقام بھی بنا دیا گیا تھا، جہان سرکاری خزانہ کے علاوہ ایک انگریزی پلٹن بھی رہتی تھی- تاریخ مذکور مین لکھا ہے :-

"جس زمانے مین غدر کے آثار لکھنؤ اور اُس کے اطراف مین ظاہر ہونے لگے، اُس وقت دریاباد ضلع کا صدر مقام تھا- جہان پیدل فوج کی ایک یوروپین پلٹن مسمی بہ نمبر ۵- او- آئی- انفنٹری رہا کرتی تھی، اور تین لاکھ کا سرکاری خزانہ بھی موجود تھا- ۲۶ مئی ۱۸۵۷ء کو اس پلٹن کے کمانیر کپتان ڈبلو ایچ ہیوس نے چاہا کہ اس خزانہ کو بحفاظت تمام لکھنؤ پہونچا دین، لیکن، سپاہیون نے نہ مانا- کپتان موصوف اُس وقت خاموش ہوگئے- مگر، دو ہفتہ کے بعد جب اُنھون نے دیکھا کہ بغاوت صبح و شام مین پھیلنے والی ہے، تو، اُنھون نے زبردستی خزانہ کو لکھنؤ روانہ کر دینا چاہا چنانچہ ۹- جون ۱۸۵۷ء کو وہ اپنے ہمراہیون کے ساتھ خزانہ لیکر چلے- لیکن، ابھی نصف میل مسافت طے کی ہوگی کہ سپاہیون نے غدر کر دیا- چند سپاہی جو بدستور سرکار انگریزی کے وفادار رہے تھے، وہ کپتان موصوف کے ساتھ ہوئے- لیکن باغیون نے گولیان چلانا شروع کر دین اور چونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، فتح انھین کے ہاتھ رہی- خزانہ کی گاڑیان باغی دریاباد واپس لے آئے، اور حکام انگریزی فرار ہوگئے- کپتان ہیوس کا باغیون نے خصوصیت کے ساتھ تعاقب

---

۵ بڑے تجربہ کار، زمانہ دیدہ، اُمرائے لکھنؤ کے صحبت یافتہ، اُردو خوب بولتے تھے- قدیم زمانے کی باتین بہت یاد تھین- گرد و نواح کے حالات سے اچھی واقفیت تھی- ۹۵ برس کے ہوکر سنہ ۱۹۲۲ء مین فوت ہوئے- رانی مئو سکونت- دریاباد کے حالات لکھنے مین بھیا صاحب نے بہت بڑی مدد دی تھی، جس کا راقم الحروف نہایت ممنون ہے-

کیا، اور اُنھین اپنی گولیون کا بالکل ہدف بنالیا، لیکن اُن کی جان بالکل محفوظ رہی، یہان تک کہ رام سنگھ تعلقدار سوہی (سیف پور) نے اُنکو پناہ دی اور ۱۱ جون کو وہ بخیریت لکھنؤ پہونچ گئے - رام سنگھ نے دو اور فوجی افسرون یعنی لفٹنٹ گرانٹ و لفٹنٹ فلرٹن کو بھی معہ اُن کے سارے خاندان کے پناہ دی اور اُنھین لکھنؤ روانہ کیا - لیکن راستہ مین باغیون نے اُن کو گرفتار کرلیا اور دریاباد کی طرف سے چلے - اتنے مین دریاباد کے باغی سپاہیون کا قاصد یہ اطلاع لیکر پہونچا کہ ہمین اِن افسرون کو نقصان پہونچانا منظور نہین - چنانچہ یہ لوگ بھی بخیریت لکھنؤ پہونچ گئے دریاباد کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ڈبلو نیین کو راجہ صاحب ہڑاہا نے پناہ دی اور اپنی حفاظت مین لکھنؤ پہونچا دیا حکام انگریزی کے فرار ہوجانے کے بعد باغیون نے معزول شاہِ اودھ کو اپنا فرمانروا قرار دیا اور ہندوستانی عہدہ داران، انگریزی کی تلاش مین نکلے - اُس زمانے مین دریاباد کے مشہور ڈپٹی کلکٹر منشی عبدالحکیم تھے، وہ اپنے بعض دوستون کے مکان مین روپوش ہوگئے اور چند روز کے بعد دریاباد کے دوسرے ڈپٹی کلکٹر مرزا علی رضا بیگ (سابق کوتوال لکھنؤ) کے ساتھ حکام انگریزی سے لکھنؤ مین آملے" - ماخوذ از "تاریخ غدر اودھ" مولفہ مسٹر گبن صاحب "دریابادی زمانہ غدر مین"۔

دریاباد انگریزی زمانے مین کب تک ضلع و صدر مقام رہا؟ اس کا ٹھیک پتہ نہین چلتا - بارہ بنکی گزیٹیر سے ثابت ہوتا ہے کہ "۱۸۵۹ء مین دریاباد کے بجائے بارہ بنکی ضلع قایم ہوگیا تھا اور نواب گنج صدر مقام قرار دیا گیا تھا - اس تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ یہان عام طور پر ملیریا کی کثرت تھی اور اِسکے گرد چارون طرف دلدل کی وجہ سے گندگی پھیلنے کے باعث آب وہوا پر خراب اثر پڑتا تھا - برسات کے موسم مین نشیب مین واقع ہونے کی بنا پر دریاآباد اسم بامسمی ہوجاتا تھا" جغرافیہ اودھ (مولفہ پنڈت شیو نرائن صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس لکھنؤ، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ مارچ ۱۸۶۹ء دوسرے ٹائیٹل پیج مین ۱۸۷۲ء، صفحہ ۴۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ "دریاباد ۱۸۶۹ء یا ۱۸۷۲ء تک ضلع رہا، مگر، صدر مقام نوابگنج تھا" جغرافیہ عالم حصہ اول (مولفہ منشی البشری پرشاد صاحب سرونیگ ماسٹر مدرسہ دستور تعلیم میرٹھ، مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد، ۱۸۷۶ء، صفحہ ۲۵ و ۲۶) سے ظاہر ہوتا ہے کہ دریاباد ۱۸۷۶ء تک علاوہ مشہور شہر و ضلع ہونے کے ضلع کا صدر مقام بھی رہا[۱] - ایک فولیو اسٹامپ[۲] مین تحریر ہے

---

[۱] جغرافیہ عالم مین لکھا ہے کہ اودھ مین چار قسمتین اور بارہ ضلعے حسب تفصیل ذیل ہین:- (۱) لکھنؤ مین لکھنؤ، اناؤ، دریاباد (۲) فیض آباد مین فیض آباد، گونڈہ، بہرایچ (۳) بیسواڑہ مین رائے بریلی، پرتاب گڈھ، سلطان پور (۴) خیرآباد مین سیتاپور لکھیم پور، ہردوئی - واضح ہو کہ قسمت بیسواڑے کا صدر مقام کمشنری رائے بریلی اور قسمت خیرآباد کا مقام کمشنری سیتاپور ہی باقی ضلعون اور قسمتون کے صدر مقام کے شہر اُنھین کے نام سے ہین، شہر لکھنؤ چیف کمشنر اودھ کا دارالحکومت دریائے گومتی کے کنارے ہے - یہ شہر بہت عالی شان اور بارونق ہے - اس شہر مین شیش محل، حسین آباد، مارٹین صاحب کی کوٹھی، آصف الدولہ کا امام باڑہ قابل دید ہے قسمت لکھنؤ مین نواب گنج بڑا قصبہ ہے - شہر فیض آباد کے پاس قدیم شہر اجودھیا ہے جس مین مندر بہت ہین - علاوہ ان شہرون کے جن کے نام سے ضلعے ہین، اودھ مین محمدی، ملاپور، اسلون مشہور شہر ہین ۱۲

[۲] ہرکرشن بلی صاحب کے پاس موجود ۱۲ -

کہ " بتاریخ نوزدہم دسمبر ۱۸۶۶ء مطابق اگہن سدی دوادش سمبت ۲۳، ۱۹ روز چہارشنبہ قیمتی ہشت آنہ بدست کنھیا لال ولد الیسری پرشاد قوم کایتہ ساکن دریاباد مقام تحصیل نواب گنج ضلع دریاباد برائے نقل فروختہ"
ایک دوسرے سرکاری[۱] کاغذ مین (فیصلہ محکمہ بندوبست، نواب علی خان مدعا علیہ مقصود علی وغیرہ مدعیان ۲۳ جنوری ۱۸۶۶ء متعلقہ میلا رائے گنج) میجر شمشیر صاحب بہادر مہتمم بندوبست ضلع دریاباد[۲] لکھا ہوا ہے۔ رسالہ صدیقیہ قلمی (مولفہ شایق دریابادی، ذکر محمد علی صاحب) مین کنتور ضلع دریاباد لکھا ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۸۵ھ یعنی ۱۸۶۹ء مین تالیف ہوا تھا۔ جغرافیہ گیتی (مرتبہ منشی درگا پرشاد صاحب بہادر اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس صوبہ اودھ، مطبوعہ تمنائی پریس واقع محلہ نوبستہ لکھنؤ، فروری ۱۸۸۲ء) مین رقم ہے کہ "کمشنری لکھنؤ مین لکھنؤ اُناؤ، بارہ بنکی تین ضلعے۔ بارہ بنکی مین نواب گنج، زیدپور، دریاباد، رُدولی خاص قصبے ہین" بعض بزرگون کی زبانی دریافت ہوا ہے کہ "غدر کے بعد پانچ چھ برس تک دریاباد ضلع کی حیثیت سے صدر مقام رہا۔ ڈپٹی کمشنر، ڈپٹی کلکٹر تحصیلدار، منصف وغیرہ حکام بستی کے باہر اُتر جانب گوڑا[۳] بارک سے متصل خس پوش بنگلون اور کھپریلے مکانون مین رہتے تھے۔ انگریزی حکام کے بنگلے کھپریلے تھے اور ہندوستانی حاکمون کے بنگلے پھوس کے تھے۔ کچہریان بھی وہین بنی ہوئی تھین۔ ان کچہریون کے مکان بھی کھپریلے تھے یہ بنگلے اور مکان پہلی انگریزی مین تیار ہوئے تھے۔ بندوبست کے زمانے مین جب شمیر صاحب مہتمم بندوبست مقرر ہوئے تو بارہ بنکی ضلع اور سنہی گھاٹ تحصیل ہوگیا، ساتھ ہی اس کے منصفی اور تھانہ کا دفتر بھی وہین منتقل کردیا گیا، شاہی سڑک بھی شمیر گنج کو، جسے رانی صاحبہ (سورجپور) نے شمیر صاحب کے نام سے آباد کیا تھا، اور جو سنہی گھاٹ سے متصل واقع ہے، تبدیل ہوگئی۔ گونبدپور، ہونسے پور، پورہ چودھری، گوجرپور وغیرہ (۱۸۶۲ء مین) دریاباد سے علیحدہ ہوکر بجائے خود موضعے قرار پائے۔ اس عظیم انقلاب کی وجہ سے دریاباد کی شہری شان و شوکت یک قلم زایل ہوگئی اور یہ ایک معمولی قصبہ رہ گیا"

مندرجۂ بالا عبارت پر غور کرنے سے چار و ناچار یہ ماننا پڑتا ہے کہ دریاباد ۱۸۵۹ء کے بجائے ۱۸۶۳ء تک اودھ کے مشہور شہرون مین شمار ہونے کے ساتھ ساتھ ضلع کی حیثیت سے صدر مقام بھی رہا۔ ۱۸۶۵ء لغایت ۱۸۷۲ء صرف ضلع کے نام سے مشہور رہنے کے بعد یعنی ۱۸۸۲ء کے قبل بارہ بنکی کے خاص قصبات مین شامل ہوگیا تھا۔ اب رہی ضلع کی تبدیلی کی وجہ۔ اسکی نسبت یہی کہہ سکتے ہین کہ حکام کی مرضی لیکن گزیٹیر مین جو وجوہات ضلع کی تبدیلی کے بارہ مین بیان کئے گئے ہین وہ نہ صرف پبلک کو غلط فہمی مین مبتلا کرکے دھوکے مین ڈالتے ہین، بلکہ حکام کو بھی بہت کچھ خوف دلاتے ہین۔ وجوہات کے اصل الفاظ حسب ذیل ہین :—

"دریاباد نشیب مین ہے، اس کے اردگرد دلدل ہے، اس لئے برسات کے موسم مین اکثر یہ پانی سے گھر کر اسم بامسمّیٰ ہوجاتا ہے۔ موسم خزان مین تپ ولرزہ کی زبردست شکایت رہتی ہے۔ انھین وجوہات کی بناء پر ضلع

[۱] واحد علی صاحب (میلا رائے گنج) کے پاس موجود ۱۲ [۲] شیخ اقبال احمد صاحب پوسٹ ماسٹر دریاباد کے پاس محفوظ ۱۲ [۳] کچھ کچھ نشانات اب بھی موجود ہین ۱۲ —

وصدر مقام جو قبل اور بعد غدر یہان قائم تھا، نواب گنج منتقل کر دیا گیا۔

ہمین اس سے بحث نہین کہ گزیٹیر کے یہ شاندار الفاظ خود فاضل مولف کے قلم سے نکلے ہین یا کسی مہربان کے جوش مخالفت اور فرضی خیالات کا نتیجہ لیکن، ان کے ذریعہ سے دریاباد کی جو ہیبتناک اور بدنما تصویر کھینچی گئی ہے وہ اصلیت سے بالکل خالی اور واقعیت کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہان شاہی مین چکلہ و نظامت کے محکمے قایم تھے، ناظم و عامل کے اجلاس ہوتے تھے۔ آبادی کے باہر فوج رہتی تھی۔ انگریزی عملداری مین بھی یہ ۱۸۶۳ء تک ضلع کا صدر مقام رہا۔ اول انگریزی یعنی ۱۸۵۶ء مین ایک یوروپین پلٹن بھی یہان تعینات ہوئی تھی غدر کے بعد آخر جولائی ۱۸۵۸ء مین پھر دوبارہ اسے ضلع وصدر مقام قرار دیا گیا تھا۔ اگر دریاباد مین دلدل کا اندیشہ ہوتا اور نشیب کی وجہ سے برسات مین دریاباد دریا کی شکل اختیار کرتا یا آب وہوا خراب ہوتی یا ملیریا کا زور و شور ہوتا تو نہ بادشاہی مین اسکو عروج ہوتا نہ برٹش حکومت مین ۱۸۵۶ء لغایت مئی ۱۸۵۸ء سال ڈیڑھ سال کے تجربہ کے بعد عین بارش کے موقع پر یہ پھر ضلع کا صدر مقام بنایا جاتا۔ اس بارہ مین سن رسیدہ بزرگون کے بیان کا بھی خلاصہ یہی ہے کہ، دریاباد مین فصلی بیماری کی خاص شدت اور دلدل اور نشیب کی وجہ سے سیلابی وغیرہ نہ کبھی دیکھی گئی نہ سُنی گئی۔ اس مختصر بحث کے بعد جس سے حقیقت حال واضح ہوگئی، پھر بھی اگر گزیٹیر کی رائے تسلیم کر لیجائے تو سمجھ مین نہین آتا کہ دریاباد کے چارون طرف دلدلی زمین پر پورب، پچھم، اُتر، دکھن لکھنؤ، فیض آباد، رُدولی، ٹکیت نگر، رام نگر، حیدرگڈھ وغیرہ کی سڑکین کیونکر تیار ہوئین، جن کی نسبت خود گزیٹیر کی تحریر شاہد ہے؟ آج کل وہ واقعات کیون نہین ظہور پذیر ہوتے، جو مولف گزیٹیر کے زمانے مین ہر سال پیش آتے تھے؟ اور وہ دلدل اور نشیبی زمین خود بخود نصف صدی کے اندر پوشیدہ طور پر کس طرح غایب ہوگئی؟ کیا یہ کوئی طلسمی کارخانہ تھا، یا چندروزہ انتظام آلہی کا تعجب انگیز کرشمہ، کہ لوگون کو اس وقت تک مطلق خبر نہ ہوئی؟ مشرقی بنگال کے اضلاع جو برسات مین طغیانی کی وجہ سے ہمیشہ تباہ و برباد ہوجایا کرتے ہین اور جہان ہر سال ہزارون جانین دریا کی طوفان خیز لہرون مین ضائع ہوتی رہتی ہین، کیون نہین شکست کر دئے جاتے؟ اسی طرح ہندوستان کے تمام شہرون مین عموماً، ترائی کے اکثر ضلعون مین خصوصاً ملیریا کی وبا شدت سے پھیلتی رہتی ہے، وہ کیون بدستور ضلع کی حیثیت سے قایم ہین؟ اخبارون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال صدہا آفت خیز اور دردناک ہنگامے اور دلخراش واقعے دنیا کے تمام شہرون مین نمودار ہوتے رہتے ہین لیکن، کوئی شہر دریاباد کی طرح ضلع سے محروم نہین کیا گیا۔ پس معلوم ہوگیا کہ دریاباد سے ضلع کی تبدیلی مصنوعی ملیریا اور دلدل وغیرہ کی وجہ سے نہین ہوئی، بلکہ اس کے اسباب کچھ اور تھے جو ظاہر نہین کئے گئے۔

موجودہ دریاباد ایک معمولی برائے نام قصبہ ہے، جس کی آبادی ۱۸۶۹ء کی مردم شماری مین ۵۹۹۹ اور ۱۸۹۱ء مین ۵۹۶۹، سنہ ۱۹۰۱ء مین ۵۹۲۸؛ جس مین ۲۹۴۴ مرد تھے، باقی عورتین۔ ۳۱۹۲ ہندو ۲۰۴۰ مسلمان، ۱۳۶ اُنچ قوم کے لوگ جو کسی مذہب مین شامل نہ تھے۔ ۱۲۹۰ مکانات مین ۲۴ گھر دارہ

کے قابل تھے۔ کل آمدنی گھرواڑہ کی ۱۶۴۳ روپیہ تھی (ماخوذ از ڈسٹرکٹ گزیٹیر بارہ بنکی) سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری مین ۳۲۷۹ آدمیون کا شمار کیا گیا تھا، یعنی ۲۰ سال کے عرصہ مین قریبًا ایک ہزار آدمی کم ہوگئے۔ یہان ایک ورنا کیولر مڈل اسکول، دو اپر پرائمری اسکول، زنانہ مدرسہ، ٹریننگ اسلامیہ اسکول، شفاخانہ، ڈاکخانہ اور تارگھر، کانجی ہوس، بورڈنگ ہاؤس، دو آنریری مجسٹریٹیان، ایک آنریری منصفی، آنریری اسسٹنٹ کلکٹری۔ علاوہ سرکاری مدرسون کے ایک سنسکرت پاٹ شالہ رایصاحب کی سرپرستی مین قائم ہے۔ کواپریٹو بینک کا دفتر اور گئو شالہ بھی ہے۔ ستمبر سنہ ۱۹۲۳ء مین پبلک ٹریننگ اسکول اور ٹون پولیس شکست اور رجسٹری کا دفتر سنہی گھاٹ منتقل ہوگیا ہے۔ قصبہ مین تین پختہ سڑکین ہین۔ ایک بھلسر اور کمیارگھاٹ کو باری کی بارغ تک، دوسری اُتر طرف ٹکیٹ نگر اور دکھن طرف اسٹیشن ہوتی ہوئی تحصیل سنہی گھاٹ اور حیدر گڈھ کو، تیسری بدوسرائے، رام نگر کو گئی ہے۔ رُدولی، فیض آباد، لکھنؤ، ستیدھورا والی سڑکین خام ہین۔ دریاباد کا اسٹیشن بستی سے دکھن طرف ۱۲ فرلانگ کے فاصلہ پر اودھ رُہیلکھنڈ ریلوے کی لوپ لائن مین دوسرے درجہ کا ہے، کیونکہ اس سے ٹکیٹ نگر اور بھٹریا دو بڑی تجارتی منڈیون کو مال کی آمد رفت مین زبردست مدد ملتی ہے۔ سٹیشن پر پان، سگرٹ، مٹھائی وغیرہ کھانے پینے کی ضروری چیزین ہر وقت موجود رہتی ہین۔ یہ قصبہ اگرچہ افلاس اور تنزل کی وجہ سے بالکل تباہ اور ویران ہے، تاہم انٹرنس پاس شدہ صحاب کو چھوڑ کر (جنکی تعداد معقول ہے) دو ایم اے، سات بی اے، پانچ بی ایل، ایل ایل بی، پانچ ایف اے، ایک بیرسٹر، ایک شاستری، تین حکیم، تین خوشنویس، ہونے کے ساتھ ساتھ نظم و نثر، تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی جاری رہنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ علمی حیثیت سے اب بھی دریاباد بہت کچھ غنیمت ہے۔

ایڈریس مطبوعہ (بہ تقریب ورود مسعود آنریبل رائے راجیشور بلی صاحب منسٹر بمقام جونپور منجانب ممبران کائستھ صدر سبھا جونپور ۱۶۔ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء) مین لکھا ہے: "ہم لوگون کو اس بات پر کمال مسرت ہے کہ، گو صوبۂ اودھ مین ہماری قومی تعداد معقول ہے اور اُس کے اضلاع مین خاص خاص بزرگان قوم سر برآوردہ ہین۔ لیکن، تعلقداران اودھ کے منتخب جماعت مین جن مین ہندوؤن کے تمام شریف قومون کے تعلقداران شامل ہین، دریاباد کی قوم کائستھ نے ہر اعتبار سے وقعت قایم رکھا ہے"۔ اسی طرح ۱۴۔ اگست سنہ ۱۹۲۴ء کے اخبار مشرق گورکھپور مین بزیر عنوان "علی برادران کا دورہ" صفحہ ۴، کالم اول مین تحریر ہے: ۔ دریاباد کوئی معمولی جگہ نہین، ہمیشہ سے نام و نمود اور علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے، اور آج تو حضرت فلسفی شاہ (مولانا عبدالماجد بی۔ اے ۱۲ مولف)۔ کی برکت سے یہ مقام بہت بڑی خانقاہ کی طرح زبان زد خاص و عام ہے"۔ اِن گران قدر اور معنی خیز الفاظ سے اِس اُجڑی ہوئی بستی کی شہرت اور عظمت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ لیکن رسالۂ معارف (علی گڈھ) مئی سنہ ۱۹۲۴ء سے پایا جاتا ہے کہ دریاباد کا شہرہ محض صوبۂ متحدہ یا ہندوستان کی ادبی جماعت ہی تک محدود نہین، بلکہ یورپ مین بھی اسے اپنی شاندار اور غیر معمولی علمی خدمت کی بناء پر مقبولیت اور ناموری کا افتخار حاصل ہوچکا ہے۔

مولف "پہونچا ہے شہرہ ہند سے یورپ تک اے محب۔ پھو بستیان نثار اِس اُجڑے دیار پر"۔

مشاہیر مین آنریبل رائے راجیشور بلی صاحب بہادر وزیر تعلیم، مولوی عبد المجید صاحب ڈپٹی کلکٹر، مولوی احمد کریم صاحب سب جج، حکیم مولوی محمد عبد الحسیب صاحب، مولانا عبد الماجد صاحب ناظر مصنف فلسفۂ جذبات وغیرہ، جن کی قابلیت کا شہرہ ہندوستان سے یورپ تک ہے، قابل فخر۔ مولف

چرخ قائم رہے، جب تک رہے دنیا آباد رہے تب تک یہ ترقی یہ خدایا آباد
کبھی ویران نہ ہو قصبۂ دریا آباد

دوسرا باب

علمائُ و فضلاُ و شعراء اور حکمائُ و وکلاُ و فقراء کا بیان

پہلی فصل سنسکرت دان پنڈتون کے بیان مین

پنڈت اندر جیت ؒ شاستری

پنڈت جی کا زمانۂ حیات اور انکی علمی قابلیت کا کچھ بھی پتہ نہین چلتا کہ یہ کس زمانے مین تھے اور سنسکرت کے چودہ علوم مین سے انھین کس علم پر زیادہ عبور حاصل تھا۔ لیکن، شاستری کا لقب اس امر کا اشارہ ہے کہ پنڈت جی کسی ایک شاستر کے عالم تھے۔

پنڈت لکشمی دھرؒ، پنڈت وِدّیا دھرؒ

پنڈت لکشمی دھر بہ عہد شہنشاہ اکبر موتمن الدولہ راجہ ٹوڈر مل (دیوان سلطنت دہلی) کے یہان ملازم تھے ان کے بھائی پنڈت وِدیا دھر کو راجہ مان سنگھ بہادر (اکبر شاہ کے نورتنون مین تھے) کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا اس سے اِن پنڈتون کی علمی قابلیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

پنڈت کنول رامؒ جوُتشی

جوتش مین بہت بڑے قابل، اب سے دوسو برس بیشتر دوُر دوُر تک اِن کی خاص شہرت تھی۔

پنڈت بھاسکر آنند تیواری

اپنے وقت کے نامور پنڈتون مین سے تھے۔ راجہ نول رائے صاحب (نائب صوبہ اودھ) بہ عہد نواب

ابوالمنصور خان بہادر صفدر جنگ) کی اِن پر خاص نگاہ کرم اور نظرِ عنایت مبذول تھی۔ زمانۂ حیات اب سے ڈیڑھ سو برس قبل۔

پنڈت چھب ناتھ اوستھی

دیاکرن مین زبردست قابلیت رکھتے تھے۔ راجہ جھاؤ لال صاحب (نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین وزیر جنگ اور افواج شاہی کے جنرل تھے) کے دربار مین اِن کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ زمانۂ حیات اب سے سوا سو برس اُدھر۔

پنڈت وینا ناتھ دوویدی

ساہتیہ (علم ادب) کے مشہور و معروف پنڈت، راجہ ٹکیت رائے کے درباری پنڈتون مین شامل۔ راجہ صاحب موصوف کی قدردانی سے نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اب سے سوا سو برس قبل موجود۔

نوٹ ان بزرگون کے حالات باوجود کوشش کچھ بھی دریافت نہین ہوئے۔ ہرشنکر اوستھی اور بھیا شیو رتن سنگھ صاحب کی زبانی جو کچھ سننے مین آیا اُسی پر قناعت کرکے درج تاریخ کیا گیا۔

پنڈت جیونا رائن مشر

سروریا[۵] برہمن، وتس گوتر، پیاسی مشر، عالی نسب، اپنے وقت کے نامی گرامی پنڈت، دھرم شاستر کے زبردست

---

۵ کانیکبج برہمنون کے دو فرقے مشہور ہین، سروریا، قنوجیا۔ کانکبج دیش کے رہنے والے کانیہ اور کبج دو بھائی تھے۔ جو دریائے سرجو کے اُس پار جاکر آباد ہوگئے، اُن کی اولاد سروریا مشہور ہوئی۔ دوسرے بھائی نے اس طرف جنوبی حصے مین سکونت اختیار کی جن کی نسل والے کانکبج یعنی قنوجیا کہلائے۔ سروریا برہمن زیادہ تر گونڈہ، گورکھپور، غازی پور، مرزاپور، اجودھیا، پراگ، جونپور، بستی، اعظم گڈھ، کاشی مین آباد ہین۔ قنوجیا اودھ، قنوج، دلی، آگرہ تک آباد ہین اور اِن شہرون کے مجموعی رقبہ کو کانکبج دیش کہتے ہین۔ ان برہمنون کے بہت سے فرقے ہین یعنی پانڈے، پاٹھک، ترپاٹھی، دوویدی، ترویدی، چترویدی، اوستھی، دیکھیت، شکل، مشر، اُپادھیا، بھٹاچاریہ، اگن ہوتری، باجپیئی وغیرہ۔ وید پڑھنے سے دوویدی (دوبے) ترویدی، چترویدی (چوبے) ترپاٹھی (تیواری) اور وید پڑھانے والے، پانڈے، پاٹھک، بھٹاچاریہ، اُپادھیا کہلائے۔ یگیہ کرنے اور کرانے سے باجپیئی، اگن ہوتری، اوستھی، دیکھیت اور عمدہ کامون مین صفائی کے سبب شکل اور اوصاف حمیدہ اور کامون مین ہوشیار اور سب مین ملے رہنے کی وجہ سے مشر مشہور ہوئے۔ عرصہ سے اس قسم کی کارروائی متروک ہوا اور برہمنون کا ہر فرقہ اپنے قدیم موروثی لقب پر نازان اور شاکر ہے۔ سروریا اور قنوجیا برہمنون کے گوتر قریب قریب ایک ہی ہین، صرف فرق یہ ہے کہ سروریون مین تین گوتر گرگ، گوتم اور شانڈلیہ اعلیٰ اور تیرہ گوتر اِن سے کم درجہ کے مانے جاتے ہین اور یہ تین اور تیرہ گھر مشہور ہین۔ قنوجیون مین چھ گوتر کشیپ، شانڈلیہ، کاتیائن، بھردواج، اُپ منیو، شانکرت اول اور دس گوتر دوسرے درجہ کے تسلیم کئے گئے ہین۔ اول گوترون کی اولاد نغل خاندان اور دوسرے درجہ والے عالی نسب شمار کئے جاتے ہین۔[۱۲]

ماہر ہونے کے علاوہ ویاکرن، کرم کانڈ، کاویہ سے بھی واقف تھے جوتش اور پرانون سے بھی دلچسپی تھی۔
(صرف ونحو ۱۲ — فقہ ۱۲ — شاعری — تاریخ ۱۲ — نجوم و ہیئت ۱۲)

پنڈت جی کی لکھی ہوئی اَدھیاتم رامائین سے ثابت ہوتا ہے کہ اِن کے والد کا نام شمیشر تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اُن کے بزرگ بڑے وِدّوان موضع مجھولی (ضلع بستی) کے رہنے والے وِیِھیتون کے زمانۂ عروج مین یگیہ کرانے کے لیے حسب الطلب آئے تھے۔ یگیہ ختم ہونے کے بعد دیھیتون نے اُن سے گُرُمنتر (بیعت) حاصل کر کے ایسی خدمت کی کہ وہ اپنا وطن بھول کر دریاباد ہی مین رہ گئے اور اُن کی نسل یہان قائم ہو گئی۔" دیھیتون کے یگیہ کو آج تک چھ سو برس ہو چکے، جس کے بانی شانت مہاراج تھے۔ یگیہ مین اُس پنڈت کی ضرورت ہوتی ہے جو وید کا ماہر ہو، اور وید کی نسبت "تاریخ ہندوستان" صفحہ ۶۸ مین لکھا ہے کہ "وید پُرانی سنسکرت مین لکھے ہوئے ہین، جو آج کل کی سنسکرت سے اس قدر مختلف ہے کہ بجز بڑے بڑے قابل اور عالم برہمنون کے اسکو کوئی نہین سمجھ سکتا ہے"۔ اس سے پنڈت جی کے مورث اعلیٰ کی علمی قابلیت اور دریاباد مین اِن کے خاندانی سلسلہ کی قدامت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

چند شاہی پروانون کے دیکھنے سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ پنڈت جی کے آباؤ اجداد بہت بڑے معزز پنڈت تھے جنھین دربار شاہی سے ایک سو بارہ بیگھہ پختہ آراضی بہ طور معافی عطا ہوئی تھی۔ پروانون کی نقلین حسب ذیل ہین، جن مین پنڈت جی کے منجھلے بیٹے رامیشر مشر کا ذکر ہے اور جو انھین کے خاندان مین پنڈت مہادیو پرشاد کے پاس موجود۔

"(۱) عزیز القدر رام نواز۔ پروانہ راجہ صاحب بہادر دام اقبالہ ورود نمود کہ رامیشر زنار دار ظاہر نمود کہ موازی یکصد و دوازدہ بیگہ زمین شکلپ در دہات پرگنہ دریاباد مفصلہ ذیل بموجب اسناد از قدیم باسم دعاگو مقرر لغایت حال قابض و متصرف بود حالا آنعزیز القدر سند بنام خود میخواہد لہذا نگارش میرود کہ آنعزیز القدر آراضی مذکور موافق معمول قدیم مزاحم نشوند درین باب تاکید دانستہ حسب المسطور بہ عمل آرند مرقوم بست و سیوم ربیع الاول سنہ ۱۱۰۹ فصلی۔ نقل دفتر دیوان سنہ ۱۱۰۸ھ۔ مہر نور محمد بیگ (۲) پروانہ بمہر راجہ صاحب راجہ بینی بہادر بتاریخ بست و ہفتم ماہ شوال سنہ ۱۱۷۶ ہجری کرامی قدر رفیع الشان مرزا نور محمد بیگ۔ رامیشر زنار دار ظاہر نمود کہ موازی یکصد و دوازدہ بیگہ زمین خارج جمع وجہ شکلپ از دیہات پرگنہ دریاباد از قدیم مقرر و سابق پروانہ از اینجا ہم بنام آن کرامی قدر حاصل نمودہ لیکن متاجران کہ بعضی دیہات را تعہد کردہ اند بزبردستی نمیگذارند و سماعتی اینمقدمہ نمیکنند لہذا نگارش میرود کہ از تاکید بایداست مزاحمت از زمین خارج جمع کہ از سرکار گذاشت و معاف است موافق معمول مزاحم نشوند اگر بلاحق تعدی و ظلم بر غریب خوب ندانند (۳) برادر صاحب عزیز از جان مرزا محمد علی بیگ حسنو۔ پروانہ مہاراجہ صاحب بہادر ورود نمود کہ رامیشر زنار دار ظاہر نمود کہ موازی یکصد و دوازدہ بیگہ زمین پختہ خارج جمع شکلپ در دیہات پرگنہ دریاباد بموجب اسناد از قدیم بر اسم دعاگو مقرر لغایت حال قابض و متصرف بودہ حالا آنعزیز از جان سند بنام خود میخواہد لہذا بر طبق آن مرقوم مے نمود کہ آراضی مذکور موافق معمول قدیم بتصرف او وا گذارند مرقوم پنجم شہر صفر المظفر سنہ ۱۱۶۰ ہجری[۵]

جیو نارائین مشر علم کے سچے خادم اور پوتھیون کے بے مثل شوقین تھے، انھون نے دولت خرچ کرنے کے

۵ ان پروانون مین بعض الفاظ کرم خوردہ تھے اور بعض پڑھے نہین گئے اس لیے اُنکی جگہ سادی چھوڑ دی گئی ۱۲

علاوہ آن تھک اور غیر معمولی کوششون سے کتابون کا ایسا زبردست ذخیرہ جمع کیا تھا جو ایک بڑے کتب خانہ سے کم نہ تھا۔

پنڈت جی کی لکھی ہوئی بہت سی پوتھیان موجود ہین، جن سے پتا چلتا ہے کہ یہ اعلیٰ درجہ کے محرر تھے، لیکن خوشنویس نہین تھے، بلکہ بدخط لکھنے مین یدطولیٰ رکھتے تھے۔ سمبت ۱۷۷۹ بکرمی مطابق ۱۷۲۲ء کے قبل پیدا ہو چکے تھے اور سمبت ۱۸۰۱ بکرمی مطابق ۱۷۴۴ء مین بہ قید حیات تھے، جسے آج تک ۱۷۸ سال ہوتے ہین۔ اولاد مین نتیانند، رامیشر، اندرمن مشہور ہ (دیچھتانی ٹولہ)

پنڈت نتیانند مشر شاستری

پنڈت جیونارائن مشر کے فرزند اول۔ اس قدر ودوان تھے کہ ان کی علمی شہرت سُن کر مہاراجہ ٹکیت رائے نے انھین بڑی عزت و توقیر کے ساتھ بُلایا اور کچھ دن کے بعد ان سے گرُمنتر (بیعت) حاصل کیا۔ ان کے چھوٹے بھائی اندرمن بھی اچھے پنڈت تھے، مہاراجہ صاحب کے درباری پنڈتون مین شامل تھے۔ پنڈت جی کی ایک چھٹی (اس چھٹی کا ترجمہ دیوان روشن لال صاحب کے بیان مین درج ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کایستھون کے بڑے بہی خواہ تھے اور انھین دھرم، کرم اور قومی زبان سے آگاہ کرنا اپنا خاص فرض سمجھتے تھے۔ بھاشا زبان سے سنسکرت دان پنڈتون کی طرح نفرت نہین کرتے تھے، بلکہ اس سے خاص دلچسپی رکھنے کے ساتھ ہی انشا پرداز بھی تھے، لیکن تحریر مین سنسکرت کے دقیق الفاظ زیادہ استعمال کرتے تھے، جس سے محض بھاشادان بغیر لغت کے نہین سمجھ سکتے تھے۔ یہ پنڈت ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار، زمانہ کے نشیب و فراز سے واقف، موقع شناس، آغاز و انجام سے آگاہ بھی تھے۔ ہم وطنون کے باہمی رنج و ملال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور حتی المقدور اس کے دفع کرنے کی کوشش مقدم سمجھتے تھے"۔ اس سے پنڈت جی کی روشن خیالی اور فطری دانائی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے۔

بعض بزرگ بیان کرتے ہین کہ پنڈت نتیانند جی مہاراجہ ٹکیت رائے کے گرو (مرشد) نہین تھے، بلکہ ان کے بھائی اندرمن مہراج تھے۔ لیکن تاریخ اس بیان کی تائید مین بالکل خاموش ہے۔ "سرور یہ کل دیپیا کا" (سرور یہ برہمنون کی تاریخ، مولفہ پنڈت گنیش پرشاد مشر ساکن گونڈہ، اسسٹنٹ ماسٹر اسکول گونڈہ) کے آخری صفحہ پر لکھا ہے: "پنڈت بینی مادھو کے بزرگ شیوارام پانڈے ناگ چوری چھتیا سے آکر دریاباد ضلع بارہ بنکی مین بسے، جن کو مہاراجہ ٹکیت رائے کے گرو نتیانند بیاسی مشر نے اپنی لڑکی بیاہ دی تھی"۔ اس سے ماننا پڑتا ہے کہ مہاراجہ ٹکیت رائے کے گرو پنڈت نتیانند ہی مہراج تھے۔

پنڈت جی نے بنارس مین سنسکرت کی تعلیم پائی تھی۔ پنڈت لچھمن پرشاد لکھنوی کی لکھی ہوئی رگھو ونش نامے پوتھی سے پایا جاتا ہے کہ نتیانند مہراج کو شاستری کا لقب حاصل تھا اور لچھمن پرشاد ان کے شاگرد تھے۔ افسوس ہے کہ پنڈت جی کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ پوتھی مذکور مہابیر دیچھیت کے یہان موجود ہے۔

پنڈت رام دیال پانڈے

سروریا برہمن، وتس گوتر، ناگ چوری پانڈے، عالی نسب (تیرہ گھر والے) جوتش مین خاص طور پر شہرت رکھتے تھے۔ بنارس مین سنسکرت پڑھی تھی۔ ریاست ہڑہا (بارہ بنکی) کے راجہ پرتھی پت سنگھ صاحب نے ان کی خوب قدر کی، ساٹھ بیگھہ زمین بطور معافی عنایت فرمائی تھی، جس پر پنڈت جی نے ایک پورہ بھی آباد کیا تھا، جو ابتک "پورہ پنڈت" کے نام سے مشہور ہے۔

"سروریا کل دیپکا" (سرو ریا برہمنون کی تاریخ) سے معلوم ہوتا ہے کہ "پنڈت جی کے والد شوا رام پانڈے موضع "چیتیا" (ضلع بستی) سے دریاباد آکر آباد ہوئے تھے جنھین پنڈت نتیا نند مشر کی بیٹی منسوب ہوئی تھی"۔

پنڈت رام دیال دریاباد ہی مین پیدا ہوئے تھے۔ لاولد وفات پائی۔ زمانہ حیات اب سے سو برس قبل۔ ان کے بھائی پنڈت رام غلام منتر شاستر کے اچھے پنڈت تھے۔ ان کی اولاد مین رام پرشاد، رام بخش، رام نارائن رام چرن، جن مین صرف رامچرن نے بزرگون کا نام روشن کیا۔ دیکھئے آینہ

پنڈت رام غلام پانڈے

پنڈت رام دیال کے چھوٹے بھائی، منتر شاستر کے زبردست ماہر، کرم کانڈ، جوتش و ویاکرن سے بھی واقف تھے پہلے اجودھیا جی، پھر بنارس مین سنسکرت حاصل کی تھی۔

پنڈت جی کے نام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریاباد کے ذی علم برہمن بھی اسلامی زبان سے اچھی طرح مانوس ہو کر اب سے ڈیڑھ سو سال پہلے فارسی الفاظ بلا تکلف بولنے لگے تھے، جس کے اثر سے اُن کے گھر کی عورتین بھی محفوظ رہ سکین اور پنڈت جی کو بجائے رام داس اور رام سیوک کے رام غلام کے نام سے پکارنے لگین، جو اس بات کی دلیل ہے کہ انھین بھی مردون کی طرح غیر ملکی زبان پیاری اور بھلی معلوم ہونے لگی تھی۔ اس سے قدیم ہندو مسلم اتحاد کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

پنڈت رام غلام کی اولاد مین رام پرشاد، رام بخش، رام نارائن، رامچرن ان مین صرف رامچرن نے بزرگون کا نام روشن کیا۔

پنڈت رام پرشاد مشر

عرف پرشاد، شاکدیپی برہمن، مشر کے لقب سے مشہور، بھردواج گوتر، پنڈت بودھے رام کے بیٹے، شاگرد پنڈت رام غلام دریابادی، ساہتیہ (ادب) اور جوتش (نجوم) مین اچھی استعداد رکھتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے خاندان مین اچھے اچھے قابل اور مشہور سنسکرت دان بزرگ گذرے ہین، لیکن، یہ نہین کہا جا سکتا کہ پنڈت جی کے بزرگ کب اور کہان سے دریاباد آکر آباد ہوئے تھے۔ پنڈت جی کے خاندانی لوگون کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ "ان کے مورث اعلی دریاباد کے دکھن طرف تھوڑے فاصلے پر ایک گانون سے

(جس کا اب کہین پتہ نہین) آکر دریاخان صاحب کے وقت مین جبکہ دریا باد آباد ہو رہا تھا، یہان بسے تھے"۔ پنڈت جی کے یہان چند پوتھیان تلاش سے دستیاب ہوئی ہین، جو سمبت ۱۶۹۹ بکرمی اور سمبت ۱۸۸۱ بکرمی کے درمیان لکھی گئی ہین۔ اِن مین شیگھر بودھ، جاتکالنکار، لگھو جاتک الگھ جاتک معہ ٹیکا، مہورت چنتامن، نرنے سندھ (۱۱۶ ورق ناتمام) وغیرہ جوتش کے متعلق اچھی کتابین ہین، جو اِس بات کو ظاہر کرتی ہین کہ پنڈت جی کے بزرگ دریاباد مین اب سے تین سو برس قبل آباد ہو چکے تھے، جن کی نسل مین دیو کرشن ولد منی رام (سمبت ۱۸۱۹ بکرمی) پنّو ولد شیو رام بن تلیم (سمبت ۱۷۸۲ بکرمی) منی رام (سمبت ۱۷۲۳ بکرمی) تلسی مشر وغیرہ (سمبت ۱۶۹۹ بکرمی) نجوم کے اچھے ماہر تھے اور مشر کہلاتے تھے۔ فاضل موصوف کا بیان ہی کہ ان برہمنون کے مورث اعلیٰ جو بے مثل پنڈت اور بہترین وید تھے، شری کرشن چندر مہاراج کے وقت مین اُنکے بیٹے سام جی کے علاج کے لئے جو جذام مین مبتلا تھے بطلب شاک دیپ (یورپ) سے ہندوستان آئے اور بعد صحت یہین رہ گئے تھے، اُن کی نسل یہان قائم ہو کر شاکدیپی یا شاکدیپی برہمن کہلانے لگی۔ پرانون سے اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ شاکدیپی برہمن ساڑھے چار ہزار برس سے ہندوستان مین آباد ہین، جن کا خاندان اب سے پانچ ہزار برس قبل یورپ مین موجود تھا۔ منوسمرتی وغیرہ پوتھیون مین لکھا ہے کہ کسی وقت آریہ ورت کے بہت سے باشندے غیر ملکون مین آباد ہو گئے تھے، جس کی تائید مین محققان یورپ نے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ فرنگستان وایران وغیرہ عموماً اور جرمن خصوصاً ہندوستان کے برہمنون کا آباد کردہ ہے، جو آج کل سنسکرت زبان کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس لئے قیاس غالب ہے کہ شاکدیپی برہمنون کا اصلی وطن ہندوستان ہی ہوگا جن کے بزرگ مدت دراز کے بعد جرمن سے پھر اپنے قدیم ملک کو واپس آگئے ہونگے یہ برہمن آپس مین شادیان کرتے ہین۔ ہندوستانی برہمن انھین ابتک اجنبی جانتے اور ان سے رشتۂ قرابت پیدا کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھے ہین۔ ہنود کے اعلیٰ فرقے ان کے ہاتھ کا پکا یا ہوا کچا کھانا نہین کھاتے، اگرچہ تمام ہندو قوم شاکدیپی برہمنون کو برہمن تسلیم کرتی اور تعظیم و تکریم مین ہندوستان کے برہمنون سے کم نہین سمجھتی۔ یہ افسوسناک غلطی اور یہ باہمی نفاق اور قومی تفریق مہاراجہ بکرم کے بعد سے شروع ہوئی ہے۔ کیونکہ تاریخون سے پایا جاتا ہے کہ اگلے زمانے کے ہندو ان تباہ کن اور فساد انگیز باتون سے مطلق آگاہ نہ تھے جن کے وقت مین شودردن اور راچھسون تک کی لڑکیون کے ساتھ شادیان کر لینا شاستراً اور اخلاقاً ہر طرح جائز تھا اور قومی جماعت کے روشن خیال بزرگ اسی طرز عمل کو اپنے حق مین مفید اور معراج ترقی کا زینہ سمجھے تھے، جو افسوس! کہ بدقسمتی سے آج کل خواب وخیال ہے، جس کا نتیجہ ظاہر۔

پنڈت جی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی مہالکشمی، ست نارائن اور ادھیاتم رامائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کچھ کچھ کرم کانڈ سے بھی واقف تھے اور سمبت ۱۸۴۲ بکرمی کے قبل پیدا ہو چکے تھے، نیز سمبت ۱۸۸۱ بکرمی مین بقید حیات تھے۔ (بھیپی ٹولہ)۔

پنڈت پراگدت دچھت

اپنے وقت کے نامی پنڈت، بھوانی شنکر دچھت کے اکلوتے بیٹے، از نسل شانت دچھت، قنوجیا برہمن اُپ منج گوتر، کا دیہ کرم کانڈ، جوتش کے ماہر ہونے کے علاوہ اچھے انشا پرداز بھی تھے۔

لوگون کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ "دریابادی دچھتون کے خاندان مین بہت سے وِدوان ہوگئے ہین۔ اس خاندان مین ایک مدت تک علم سنسکرت کا خاص طور پر چرچا رہا جب دچھتون کا زمانہ زوال مین آیا تو یہ باتین ایک افسانہ ہوگئین۔ اب ان دچھتون کے وقت کی پوتھیان شاید پنڈت ہنومان دت، جنکے بزرگ دچھتون کے آچاریہ تھے، کے یہان ہون۔ کئی پشتون کے بعد دچھتون کا ستارہ چمکا اور پنڈت پراگدت پیدا ہوکر علمی شوق کے باعث سنسکرت کے وِدوان مشہور ہوئے انھون نے بصرف کثیر ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا، جس مین ہر قسم کی بیشمار کتابین موجود تھین سکرند دچھت، پنڈت بجناور اور اجودھیا پرشاد وغیرہ پوتھیان لکھتے تھے۔ مکرند دچھت وغیرہ تو عزیزدار ہی تھے، مگر پنڈت بجنادر اور اجودھیا پرشاد پانچ پانچ روپیہ ماہوار پر نوکر تھے"۔ یہ پانچ روپئے آج کل سو روپیے کے برابر ہوئے۔

بنارس مین سنسکرت کی تعلیم پائی تھی۔ یہ بڑے نیک، ملنسار، منکسر المزاج تھے۔ کسی قسم کا غرور نہ تھا۔ اپنے وطن کے بھی خواہ تھے قرب وجوار کے اکثر پیشہ ور باشندے اِن کی وجہ سے دچھتانی محلہ مین آباد ہوگئے تھے فیاض بھی تھے، روز آنہ کچھ دان پُن کرتے تھے۔ غریبون اور محتاجون پر زیادہ مہربان رہتے تھے مصیبت کے وقت ہر کس وناکس کے شریک حال ہوکر ہر طرح کی امداد دینے پر بدل وجان تیار ہو جاتے تھے۔ اِن کی طبیعت صلح پسند تھی، محلہ مین جہان کہین لڑائی جھگڑا ہوتا تھا یہ پہونچکر فوراً میل ملاپ کرا دیتے تھے۔ اِن کا اخلاقی دایرہ بھی بہت وسیع تھا۔ یہی وجہ تھی کہ چھوٹے بڑے سب انکے مداح تھے۔ دل مین تعصب کو مطلق دخل نہ تھا، ہندو مسلمان سب سے مراسم تھے۔ ان کی ذات رشک وحسد سے بری تھی۔ اِنھین ہمیشہ اس بات کا ملال رہا کہ ہمارے دار ملا وجہ دیوان روشن لال صاحب اور من سُکھ اوستھی سے کھنچے رہے۔ تیوہارون اور تقریبون کے موقعون پر یہ خود اپنے ہاتھ سے غریبون کو عمدہ کھانا تقسیم کرتے تھے۔ علمی خیرات مین بھی حصہ لیتے تھے، سیکڑون پوتھیان لکھوا کر نادار طلباء کو تقسیم کردین۔ خاندان پرور، شریف نواز، مخلص نواز، علم وہنر کے قدردان بھی تھے۔

پنڈت جی فارسی دان بھی تھے۔ دریاباد کے کسی مولوی سے فارسی پڑھی تھی۔ امارت اور نفاست کے بھی دلدادہ تھے ان کا کمرہ بہت آراستہ تھا۔ امیرانہ قیمتی پوشاک پہنتے اور کھانا نہایت نفیس کھاتے تھے قصہ سُننے کے بیحد شوقین تھے، ایک داستان گو ہمیشہ نوکر رہا، جو انھین رات کے وقت کہانیان سُنایا کرتا تھا گانے بجانے سے بھی دلچسپی تھی، خود بھی اچھا گاتے تھے اور ستار بھی خوب بجاتے تھے۔ گانا فطری تھا، مگر ستار

کا فن لکھنؤ مین حاصل کیا تھا۔ پتنگ بھی اچھا اڑاتے تھے، لیکن یہ شوق جوانی ہی تک محدود رہے۔

دیکھیت مہراج پنڈت ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے منتظم اور جفاکش بھی تھے۔ چنانچہ اپنے باپ کی وفات کے بعد جبکہ بلدی رام اِن کے چچا بھوانی شنکر کی جگہ پر راجہ بھوانی دین (جانشین راجہ ٹکیٹ رائے) کے یہان کام کرنے لگے، آبائی زمینداری ومہاجنی وغیرہ کا کام نہایت نیک نیتی اور قابلیت سے، جب تک زندہ رہے، انجام دیتے رہے۔ کاروبار مین کسی طرح کا فتور نہین آیا۔ دفتر اور مہاجنی کے کاغذات کی دیکھ بھال بہت غور و فکر کے ساتھ کرتے تھے۔ اکثر ضروری کاغذون کو خود بھی لکھتے تھے۔ آخری عمر مین انھون نے "ٹھیا تلاؤ" (تالاب) کو پختہ بنوانے اور اُسکے قریب ہی عالی شان پتھر کا ٹھاکر دوارہ معہ عمدہ پھلواری کے تیار کرانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ لیکن پرمیشر کو منظور نہ ہوا، قبل از وقت ناگہانی موت نے اِن کی یہ آرزو پوری نہ ہونے دی۔

کیا شان الٰہی ہے کہ جہان اِنھین سب طرح کا سامان عیش و آرام میسر تھا، اِن اولاد کی طرف سے کمی تھی۔ کئی ایک بچے پیدا ہو ہو کر کم سنی ہی مین گذر گئے۔ بڑھاپے کے زمانے مین ایک لڑکا ہوا جو زندہ رہا، لیکن، بدنام کنندہ خاندان، جاہل مطلق، مفسدہ پرداز۔

ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بھاگوت مہاتم، دس کرم، بھاو آرتھ پرکاشکا" نامی پوتھیون کے دیکھنے سے جن کی خوشخطی اور صفائی قابل تعریف ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ پنڈت جی خوشنویس بھی تھے اور صحیح نویس بھی۔

"بھاگوت مہاتم" سے معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت پراگدت سمبت ۱۸۶۱ بکرمی مین بقید حیات تھے اور اس لئے دریاباد کے پنڈت رام پرشاد مشر کے ہم عصر تھے۔ ہر پرشاد دستھی کہتے تھے کہ ہمکو خوب یاد ہے، "پنڈت پراگدت اپنے چچا بلدی رام کے بعد فوت ہوئے ہین" اور بلدی رام سمبت ۱۸۹۵ بکرمی مین موجود تھے (ملاحظہ ہو باب ۳، فصل ۲، ذکر بھوانی شنکر دیکھیت) اس سے قیاس غالب ہے کہ شروع بیسوین صدی بکرمی مین پنڈت جی کا بیکنٹھ باش ہوا ہوگا۔

افسوس ہے کہ پنڈت جی کا انتقال ہوتے ہی خاندان مین باہمی جہالت اور نفاق کی توپون نے تباہی کے وہ وہ گولے برسائے کہ دیکھیتون کی قدیمی شان و شوکت کا مستحکم اور بلند قلعہ، جسے بھوانی شنکر نے از سر نو تعمیر کیا تھا، بات کی بات مین مسمار ہو کر ڈھیر ہو گیا۔ نہ زمینداری اور مہاجنی باقی رہ گئی، نہ دولت اور امارت۔ پنڈت جی کی یادگار مین "بھاو آرتھ پرکاشکا" (درگا پوتھی کی شرح) نامی مختصر سی نثر تصنیف غیر مطبوعہ پنڈت ہنومان دت کے پاس موجود۔ خاندانی حالات کے لئے باب ۳، فصل ۲، ذکر شانت دیکھیت ملاحظہ ہو۔ (دیکھیتانہ محلہ)

پنڈت رُدر دت مشر

عرف غریب دھن، سر دریہ برہمن، از نسل پنڈت جیو نارائن مشر پنڈت اندرمن مہراج کے نامی بیٹے، جوتش مین مشہور، صاحب تصنیف و تالیف، دیاکرن، کاویہ، کرم کانڈ کے علاوہ پرانون کے بھی ماہر تھے، منتر شاستر مین بھی اچھی استعداد رکھتے تھے، ساتھ ہی اس کے اچھے خاصے شاعر بھی تھے اور خوشنویس بھی۔ انھون نے پہلے

دریاباد مین پھر بنارس مین تعلیم پائی تھی -

بیان کیا جاتا ہے کہ مدن سنگھ صاحب چودھری وقانونگو (رئیس دریاباد، مورث رائصاحب) اور ابیرن سنگھ صاحب تعلقدار (قیام پور) اِن کے بڑے قدر دان تھے - چنانچہ ساٹھ ساٹھ بیگھہ آراضی خام دونون رئیسون نے بلالگان عنایت فرمائی تھی - لیکن، جب ٹھاکر نورنگ سنگھ صاحب زبردستی تعلقۂ قیام پور کے مالک بن بیٹھے تو اُنھون نے آراضی مذکور ضبط کر لی - کچھ دن کے بعد دا للہ اعلم کیا سمجھے کہ پھر واپس دینے پر آمادہ ہو گئے - مگر پنڈت جی نے صاف کہدیا کہ "ہم یہ آراضی اُسی وقت لین گے جب ٹھاکر ابیرن سنگھ پھر تعلقدار ہو کر ہمین سنکلپ دین گے"۔ ٹھاکر نورنگ سنگھ نے بہت کچھ کوشش کی کہ آراضی مذکور پنڈت جی قبول کر لین لیکن، پنڈت جی بات کے دھنی اور آن بان والے تھے، تا زندگی اپنے قول پر ثابت قدم رہے - رائے صاحب کے یہان کی معافی بدستور اِن کے خاندان مین اب تک بحال ہے"۔ ایک ہندی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ نورنگ سنگھ نے اِن کے لڑکے اندر دت کو بھی آراضی مذکور دینی چاہی تھی، مگر اُنھون نے بھی لینے سے انکار کر دیا تھا - ہندی تحریر حسب ذیل ہے -

"بھیا نورنگ سنگھ کے دسکھت سہی - سوستی شری پرم مُورت اِندر دت جیو کا لکھا بھیا نورنگ سنگھ جیو کے پرنام - آگے تم آپن سنکلپ ونا پُرمان جو ہو جو تا وہ جائے ہم مجا ہم نا ہوبے - آگے سُبھ - متی ساون بدی تیج سن - ۱۲۵۹"

معمولی ترجمہ بھیا نورنگ سنگھ کے دستخط صحیح - برمھ مُورت پنڈت اندر دت جیو! نورنگ سنگھ کا پرنام آپ کی معافی جو دنا پور مین تھی، بحال کی گئی، اب ہم مزاحم نہ ہونگے - ساون بدی تیج ۱۲۵۹ فصلی"

زمانہ کا انقلاب دیکھئے کہ اب سے ۶۰ برس قبل یعنی آخر شاہی مین بات کے آگے ۶۰ بیگھہ آراضی کوئی چیز نہ تھی! لیکن آج کل ہم لوگ ایک بسوہ زمین کے لئے سیکڑون جھوٹی قسمین کھانے کو تیار ہین -

سُنا جاتا ہے کہ رائے بدری پرشاد صاحب چکلہ دار بھی ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے - راجہ چھترپتی سنگھ کے ذمہ جب تین برس کی مالگذاری واجب الادا ہو گئی اور اُنھون نے کسی طرح ادا نہ کی تو ناچار چکلہ دار صاحب نے پنڈت جی سے کہا کہ آپ کوئی ایسی ساعت تبلائیے کہ ہم اُن کو گرفتار کر کے شاہی مالگذاری وصول کر لین پنڈت جی نے ایک ساعت مقرر کر دی جس کے مطابق چکلہ دار صاحب حملہ آور ہونے پر کامیاب ہو گئے اور دربار شاہی مین اُن کی بڑی عزت و توقیر ہوئی - اِس بنا پر وہ پنڈت جی کے معتقد ہو گئے تھے - اس واقعہ سے پنڈت جی کی نجوم دانی بخوبی ثابت ہوتی ہے -

پنڈت غریب دھن کی جنم کنڈلی سے پتہ چلتا ہے کہ اِن کا جنم ماگھ بدی چھٹھ سمبت ۱۸۲۶ بکرمی مین ہوا تھا "شیوراتر برت" اور بسنت راج نامے پوتھیان انھین کی لکھی ہوئی دیکھنے مین آئی ہین "شیوراتر برت" کے خاتمہ پر سمبت ۱۸۳۷ بکرمی تحریر ہے، جو اِس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ گیارہ برس کے سن مین کتابین لکھنے اور کرم کانڈ یعنی فقہ کی تعلیم پانے لگے تھے - بسنت راج سے معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے راجہ نرمل داس -

(جانشین راجہ ٹکیت رائے) کے خوش کرنے کو یہ نفیس اور پاکیزہ نظم سمبت ۱۸۴۵ بکرمی مین تصنیف کی تھی، جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ پنڈت جی ایسے ذہین تھے کہ انیس ہی برس کے سن مین اچھے شاعر ہو کر ایک نامی رئیس کے دربار مین دلکش منظوم تصنیف کے ذریعہ اظہار قابلیت پر آمادہ ہو گئے تھے۔

رائے صاحب کے کتب خانہ مین ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی "دھنر وید" نامے مشہور و معروف تصنیف کی نقل دیکھنے مین آئی ہے، جس مین جنگی فنون کا بہ تشریح بیان ہے۔ یہ پوتھی سمبت ۱۸۵۱ بکرمی مین لکھی گئی ہے خاتمہ کتاب پر پنڈت جی نے بجائے اصلی نام کے اپنا مشہور نام "عزیب دھن" ہی تحریر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی تیر، تلوار، وغیرہ کے فن اور فوجی قواعد سے بھی واقف تھے یا واقفیت حاصل کرنے کے لئے ان فنون سے دلچسپی پیدا کی ہو جسکی شاہی زمانہ مین بیحد ضرورت تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ذی علم اور بہادر رئیس کی فرمائش پر کتاب مذکور نقل کی گئی ہو۔ کتاب پر "عزیب دھن" نام تحریر ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اب سے سوا سو برس قبل دریا باد مین عام طور پر لوگ فارسی کے الفاظ استعمال کرتے تھے اور اس وقت فارسیت کا اس قدر زور ہو گیا تھا کہ پنڈت جی کے والدین بھی پنڈت رام غلام کے باپ، ماں کی طرح اس زبان سے مانوس ہو کر کایستھون کی تقلید مین رُدر دت کو "عزیب دھن" کہنے لگے، جس کے اثر نیز رجھ نرمل داس اور رائے بدری پرشاد صاحب چکلہ دار وغیرہ فارسی دانون کی صحبت سے فارسی الفاظ انھین بھی بھلے معلوم ہونے لگے جسکی بنا پر بجائے "رُدر دت عُرف عزیب دھن" لکھنے کے صرف "عزیب دھن" لکھنا بُرا نہ معلوم ہوا۔ "عزیب" اور "غلام" فارسی الفاظ ہین جو سنسکرت الفاظ "رام" اور "دھن" کے ساتھ استعمال کئے گئے ہین۔

پنڈت جی نے سو برس کی عمر پائی۔ تخمیناً سمبت ۱۹۲۷ بکرمی مین انتقال کیا۔ اولاد مین اندر دت، دیبی دت، تصنیفات کے ذیل مین (۱) منتر چنتامن، مورت استھاپا کے متعلق منتر وغیرہ (۲) السبنت راج، نفیس بہار یہ نظم (۳) پرشس چیلت چندر کا، منتر شاستر کے متعلق، تین سو منتر (۴) درگا مہوتشو، چار سو اشلوک، دسہرہ درگا اور نورات کے پوجا وغیرہ کے بیان مین (۵) مہورت پرکاش جوتش یعنی نجوم، پانچ سو اشلوک، عمدہ تالیف مستند اور قدیم تصنیفات کے انتخاب کا اعلیٰ مجموعہ۔ یہ کل پوتھیان خوبصورت حرفون مین خود پنڈت جی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی عمدہ یادگار رہین جو افسوس!! کہ اب تک غیر مطبوعہ اور پنڈت ہنومان دت کے یہان موجود دیکھی گئین

پنڈت رامچرن پانڈے

سرور یا برہمن، تاگ پوری پانڈے، وتس گوتر، پنڈت رام غلام کے بیٹے، بہت بڑے نامور پنڈت، پنڈت امان دت تیواری (اجودھیا) کے شاگرد رشید، راجہ مان سنگھ والی اجودھیا کے علمی مجلس کے خاص رکن، ولادت سنہ ۱۸۰۱ء، وفات سنہ ۱۸۶۱ء۔

بھیا شیورتن سنگھ صاحب بیان کرتے تھے کہ "پنڈت رامچرن اپنے وقت کے زبردست پنڈت تھے، جن کا نام دُور دُور تک مشہور تھا۔ اِن کے ہم عصر وہمنام گنیش پور[۱] کے پنڈت رامچرن اور قصبۂ ایچولی کے پنڈت درگا پرشاد بھی نامی پنڈت تھے، جو اِن سے کسی طرح کم نہ تھے۔ لیکن۔ دُرگا پرشاد ویاکرن [صرف و نحو ۱۲] مین اور رامچرن (گنیش پوری) ساہتیہ یعنی علمِ ادب مین اور رامچرن۔ (دریابادی) نیایے شاستر [منطق ۱۲] مین ذی استعداد تھے۔ چونکہ دریابادی پنڈت رامچرن "نیائے" کے اعلیٰ ماہر تھے اس لیے اِن کا درجہ سب سے بلند تھا۔ پنڈت رامچرن (دریابادی) راجہ مان سنگھ کے درباری پنڈت تھے۔ راجہ صاحب دریاباد کے حکلہ دار ہونے کے باعث اکثر وہان رہتے تھے، اور شاستر آرتھ (علمی بحث) ہُوا کرتا تھا، جس مین ان تینون پنڈتون کی باہمی خوب خوب چوٹین چلتی تھین اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے اپنی انتہائی قابلیت صرف کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا مگر، آخر مین نیائے کے پنڈت رامچرن سب پر غالب آجاتے تھے۔ کبھی کبھی زیادہ دیر تک نوک جھونک کی باتین ہوتے ہوتے طرفین کو غصّہ بھی آجاتا تھا اور باہمی ملال کی نوبت پہونچ جاتی تھی لیکن یہ ملال بحث ومباحثہ کے بعد ہی فوراً رخصت ہوجاتا تھا۔ پنڈت دُرگا پرشاد اور گنیش پوری پنڈت رامچرن بھی تیواری ہی جی کے شاگرد تھے ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب کے زمانے مین اکثر "یگیہ جاپاٹ" کے موقعون پر یہ تینون پنڈت بڑی عزت کے ساتھ بلائے جاتے تھے، اور ٹھاکر صاحب موصوف (تعلقدار راتی مئو، پرگنہ دریاباد) کے گرُو (مُرشد) "مہامہوپادھیائے" پنڈت سوریج نارائن شاستری[۳] بھی آتے تھے اور باہمی بحث ومباحثہ ہوتا تھا، جس مین دریابادی پنڈت رامچرن کی خاص طور پر تعریف کی جاتی تھی۔ پنڈت سوریج نارائن کہا کرتے تھے کہ تیواری جی کے خاص خاص شاگردون مین پنڈت رامچرن دریابادی بہت اچھے پنڈت نکلے۔"

سُنا جاتا ہے کہ جب راجہ درشن سنگھ صاحب والئ اجودھیا نے شیوآلہ تیار کرایا تھا تو، استھاپنا کے موقع پر پنڈتون کی ایک سبھا قرار دی گئی تھی، جس مین شاستر آرتھ (بحث) کے بعد پنڈت رامچرن مہراج ہی کا انتخاب عمل مین آیا تھا، جس کی بناء پر انھین کے ذریعہ راجہ صاحب بہادر نے یہ مُقدّس فرض ادا کیا تھا۔ اِس سے کرم کانڈ [فقہ ۱۲] کے متعلق پنڈت جی کی غیر معمولی قابلیت ظاہر ہوتی ہے۔

پنڈت جی نیائے شاستر کے علاوہ ویاکرن [صرف و نحو ۱۲]، جوتش [نجوم ۱۲]، اور پُرانون [تاریخ ۱۲] سے بھی واقف تھے، دھرم شاستر [شریعت ۱۲] مین بھی قابل تھے، کچھ کچھ فارسی سے بھی آشنا تھے، ساتھ ہی اسکے سنسکرت کے اچھے شاعر بھی تھے اور کیسے شاعر؟ سخن دوست، سخن سنج، سخن پرور! لیکن، پنڈت جی کے پوتے پنڈت بینی مادھو کی ایک تصنیف "شری گنگا مہتّو منجری" جو کانپور کے نولکشور پریس مین مالک مطبع کے ذاتی صرفہ سے پنڈت اُمادت کے اہتمام مین چھپی ہے، اُسکے ٹائٹل پیج پر "وراگ واچسپت شری مان پنڈت رامچرن" تحریر ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پنڈت رامچرن جھ

---

[۱] اِسے بہرام گھاٹ بھی کہتے ہین، ضلع بارہ بنکی مین واقع ۱۲ [۲] آپ کی سکونت لچھمن پور (ضلع سلطان پور)، راقم کو بھی بہ سلسلۂ ملازمت راتی مئو آپ کی خدمت مین حاضر ہونے کا فخر حاصل ہوچکا ہے۔ ۱۲

علوم شکشا (حروف پڑھنے کے قواعد) کلپ[۱] (یگیہ وغیرہ کاموں کے متعلق، فقہ) جوتش[۱] (نجوم وہیئت اور ریاضی) نِروکت[۱] (وید کے سخت اور مشکل الفاظ پڑھنے کے اصول) ویاکرن (صرف و نحو) چھند (عروض و قافیہ) کے برہسپت[۱] (مشتری) یعنی بے مثل فاضل تھے۔

رامچرن مہراج وِدوان ہونے کے ساتھ ساتھ مُخیّر بھی تھے۔ چنانچہ لالہ شنکر لال صاحب (مروہی محلّہ) بیان کرتے ہیں کہ "چالیس پچاس دوگے اور کمل جاڑے دن میں اور لوٹے، جوتے گرمیوں میں بلا تفریق مذہب غریبوں کو ہمیشہ تقسیم کیا کرتے تھے۔ یہ خیرات زیادہ تر ہمارے اور لالہ رام سہائے کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔" اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی کی یہ فیاضی عام تھی، جس میں قومی تعصب کو ذرا بھی دخل نہ تھا۔

لالہ دیبی[۲] دین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ جاڑے کے دنوں میں ایک کبیشر (شاعر) آیا، اُس وقت پنڈت رامچرن ٹپوا اوڑھے اور بانات کا انگرکھا پہنے تھے۔ کبیشر نے کبت (چار مصرعے والی نظم) سُنائے، جسے سُن کر یہ ایسا خوش ہُوئے کہ فوراً ٹپوا اور انگرکھا اُتار کر اُسکے حوالہ کر دیا اور اُس کبیشر کی تعریف کرنے لگے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پنڈت رامچرن دیگر سنسکرت فاضلوں کی طرح بھاشا زبان سے مُتنفّر نہ تھے، بلکہ بھاشا ادب کے ماہر ہونے کے علاوہ اُس کے قدردان بھی تھے۔

ہر پرشاد[۳] اوستھی کہتے تھے کہ "ایک دن جاڑے میں شام کے وقت اِن سے کہیں راستے میں ایک ذی علم پنڈت جی سے ملاقات ہوگئی، جو اِس قدر غریب تھے کہ بدن پر لَتّا ثابت نہ تھا۔ پنڈت جی شاعر بھی تھے، رامچرن مہراج کی شان میں بہت سے سنسکرت کے اشلوک برجستہ پڑھے۔ یہ بیحد خوش ہو کر اُنھیں اپنے گھر لائے اور اپنا مہمان بنا کر بڑی خاطر و مدارات کی۔ ایک ہفتے کے بعد قیمتی پوشاک سے اُن کی حیثیت دُرست کر کے اُنھیں رخصت کیا اور چلتے وقت دس روپیہ نقد بھی اُنکی نذر کئے۔ پنڈت جی ہزاروں دعائیں دیتے ہوئے اپنے گھر واپس گئے۔ پوشاک یہ تھی۔ دھوتی، مخملی جوتا۔ بنارسی صافہ، بانات کا انگرکھا، قیمتی دوشالہ۔ تھوڑے دنکے بعد معلوم ہوا کہ رامچرن مہراج کی سفارش سے پنڈت جی راجہ مان سنگھ کے یہاں اچھی تنخواہ پر ملازم ہوگئے تھے۔" اِس سے پنڈت رامچرن کی رحم دلی، فیاضی، قوم پروری، علمی قدردانی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

پنڈت رامچرن جس طرح وِدیا اور بات کے دھنی تھے، اُس طرح اپنی جبلی فیاضی کے باعث دولت کے دھنی نہ تھے، مگر آن بان رکھتے تھے۔ مجبوری میں اپنی ضرورتیں بجز خاص خاص دوستوں کے دوسرے سے نہیں بیان کرتے تھے، چاہے جو کچھ ہو۔ خاص خاص دوستوں میں لالہ سیتل پرشاد صاحب جگدھریا (راقم کے دادا) شیخ کرم کریم صاحب عُرف چھیدا میاں، چودھری عبّاس علی صاحب، لالہ رام سہائے صاحب مشہور تھے۔

---

۱ فارسی میں بہترین فاضل کو عطارد اور سنسکرت میں مشتری سے تشبیہ دیجاتی ہے ۱۲ ۲ و ۳ راقم اِن بزرگوں کا بہت ممنون ہے کہ انھوں نے مراد آباد کے متعلق بہت سی اہم باتیں اور پُرانے حالات بیان فرما کر آگاہی بخشی۔ لالہ دیبی دین صاحب اس وقت تک بہ قید حیات، ۸۶ برس کا سن، تجربہ رسیدہ، ہر پرشاد اوستھی، بڑے نیک، اور قابل بزرگوں میں سے تھے۔ ۹۵ برس کی عمر پائی ۱۹۲۰ء میں فوت ہوئے ۱۲۔

پنڈت جی کا عام فیاض ہونا، ہندو مسلمان دونون قومون سے یکسان برتاؤ رکھنا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ یہ بہت بڑے وسیع الخیال اور خوش اخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی اخلاقی تعلیم سے بھی آگاہ اور اُس کے پابند تھے، جس کا یہ منشا کہ نیکی کے وقت ذات پات کی قید مٹا دو اور ہر شخص و ہر قوم سے میل ملاپ پیدا کرنے کی کوشش کرو، بشرطیکہ وہ بدچلن نہ ہو"

لیکن، اِن تمام خوبیون کے باوجود پنڈت جی مین یہ بہت بڑا عیب بھی تھا کہ وِدّیا دان (علمی خیرات) سے انھین قطعی نفرت تھی اور اس بارہ مین یہ سختی کے ساتھ پابند تھے۔ لکھنؤ کے نامی گرامی حکیم بقا صاحب بھی علمی بخل مین مشہور تھے مگر وہ ان کے ہم پلہ نہ تھے، اُنھون نے مولوی نور کریم صاحب (دریاباد کے مشہور و معروف حکیم) کو اپنی علمی فیاضی سے مالامال کر دیا تھا۔ بہرحال اِس جگہ مین پنڈت جی کی نظیر صرف قارون سے دیجا سکتی ہے کہ وہ دولت کی خیرات سے مجبور تھا اور یہ علم کی خیرات سے ناراض تھے۔ چنانچہ سُننے مین آیا ہے کہ "انھون نے بجز اپنے بیٹے اور پوتے کے کسی برہمن کے لڑکے کو سنسکرت کی تعلیم نہین دی۔ جس وقت یہ اپنے بیٹے یا پوتے کو تعلیم دیتے تھے تو مکان کا بیرونی دروازہ بند کر لیتے تھے، تاکہ کوئی شوقین طالب علم محض آواز سُن کر علم سے مستفیض نہ ہو جائے۔ جب پنڈت شنکر دیال نے انھین وِدّیا دان سے اِس طرح جی چُراتے دیکھا تو، ناچار اُنھین سنسکرت پڑھنے کے لئے قصبہ ایچولی کے پنڈت دُرگا پرشاد کے پاس جانا پڑا" کیا یہ شرم کی بات نہین ہے؟

سن رسیدہ بزرگون کی زبانی سنا گیا ہے کہ "پنڈت رامچرن نیک مزاج، مذہب کے پابند، خوشرو، فربہ اندام، دلیر، رُعب دار، دراز قد، مستقل طبیعت، صابر و شاکر، خوش پوشاک، راست گو، ملنسار، آبائی وضع کے عاشق اور کٹر ہندو تھے۔ اپنے دھرم کی توہین سُننے کے ذرا بھی روادار نہ تھے، ساتھ ہی اس کے دوسرے مذہب کی بُرائی بھی نہین کرتے تھے۔ خوشامد پسند تھے، خوشامد پرست نہ تھے۔ وِدّوان ہو کر مغرور بھی نہ تھے، مگر شاستر آرتھ کے وقت علمی سبھا مین پنڈتون کو دشمن کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جہان کہین پنڈتون کی سبھا مین ان کا گزر ہوتا تھا تو، پالا انھین کے ہاتھ رہتا تھا"

معلوم ہوتا ہے کہ بنارس اور اجودھیا کے وِدّوان بھی پنڈت جی کی دانائی اور علمی قابلیت کے قائل ہو گئے تھے۔ چنانچہ پنڈت شیو کمار شاستری اور پنڈت لشبندت جی کے بیان سے اِس بات کی اچھی طرح تائید ہوتی ہے پنڈت شیو کمار شاستری۔ مخاطب بہ جہامہوپادھیائے، بنارس کے رہنے والے جوتش (نجوم)، دیاکرن (صرف و نحو)، ساہتیہ (ادب)، پران (تاریخ)، نیائے، میمانسا وغیرہ کے زبردست عالم، ہندوستان کے مائہ ناز فاضل سنسکرت کے اچھے اچھے علما و فضلا، اور بڑے بڑے راجے، مہراجے والیان ملک اُن کے معتقد تھے۔ جشن تاجپوشی کے زمانے مین شہنشاہ جارج پنجم کے حضور مین خاص طور پر باریاب ہوئے، ملک معظم نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ شاستری جی نے دعائیہ اشلوک پڑھے جس کے صلے مین خوشنودی مزاج کا شاہی فرمان مرحمت ہوا۔ اُنھون نے ایک مرتبہ (غالباً ۱۹۰۸ء مین) ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ "دریاباد کے پنڈت رامچرن نامی وِدّوان تھے

۵ تفصیلی بیان باب ۴، فصل ۲، طبقہ اول، ذکر پنڈت بھیروں دت مین ملاحظہ ہو ۱۲

پنڈت بشندت راتی مئو (پرگنہ دریاباد) مین رہتے اور قرب وجوار مین اچھی طرح مشہور ۵۵ سال کی عمر-
اُن کا بیان ہے کہ "جس وقت ہم پندرہ سولہ برس کے سن مین" اجودھیا پاٹ شالہ" (سنسکرت کا نامی انگریزی اسکول) مین پڑھتے اور اشلوک سمجھنے اور کہنے لگے تھے، وہان کے پنڈتون کو اکثر بسبیل تذکرہ باہم گفتگو کرتے ہوے ہمنے یہ سُنا ہے کہ:- پنڈت رامچرن (دریابادی) اور پنڈت رامچرن (گنیش پوری) یہ دونون بہت عقلمند اور بڑے وِدّوان گذرے ہین، جو ہر ایک علم کے متعلق بحث (شاستر آرتھ) کرنے مین نہایت تیز اور قابل تعریف تھے۔ پاٹ شالہ مین پنڈت دیبی دیال کاشمیری (ساکن جبل پور) پنڈت بینی مادھو باجپئی (اُناؤ) پنڈت مہیش دت (بارہ بنکی) پنڈت ہرن ناتھ جھامیتھلی (ترہت) پنڈت سورج بلی (اجودھیا خاص) ملازم تھے۔ یہ پنڈت باعتبار سنسکرت دانی کے خاص طور پر مشہور تھے"۔

اِن حالات پر نظر کرتے ہوئے ہمارے ایک لایق اور معزز ہموطن کا یہ ارشاد فرمانا ایک عجیب و غریب منطق سے کم نہین کہ "پنڈت رامچرن (دریابادی) مین علمی لیاقت کچھ بھی نہ تھی، البتہ دبنگ تھے، پنڈتون کی سبھا مین جو کچھ جی مین آتا تھا بکتے چلے جاتے تھے اور دوسرون کی کچھ بھی نہین سُنتے تھے"۔

آغاز پیری مین انھین ایک نوجوان بیٹے کا داغ مفارقت نصیب ہوا، جس کا عمر بھر قلق رہا۔ ۵۷ سال کی عمر پائی۔ اولاد مین دو بیٹے دیو کی نندن سُکھ نندن[۱] اور ایک پوتا بینی مادھو۔ یادگار مین کانکج ونشاولی، منوہر نشک قابل تعریف تصنیفات غیر مطبوعہ[۲] (دیکھیانہ)

پنڈت کشندت

اصلی نام کرشن دت، عرف کشن دت۔ سرور یہ برہمن، لکھنو را کے شکل، گرگ گوتر، افضل خاندان، بہت بڑے معزز، پنڈت سیتارام کے بیٹے، جین دھرم کے مشہور پنڈت، مگر وشنو مذہب کے دلی معتقد، تنتر شاستر کے زبردست ماہر، اور سنسکرت و پراکرت دونون زبانون سے اچھی طرح واقف تھے۔ جین مذہب کے متعلق اعلیٰ معلومات حاصل ہونے کی بنا پر دور دراز شہرون شولا پور، دربھنگا، چھپرا، جے پور، دِلّی، آرہ وغیرہ کے جینی اِن کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

اِن کے مورث اعلیٰ پنڈت دو لچند دہلا س موضع "ترکھیاڈیہہ" (ضلع بستی) سے اب سے تخمیناً دو سو برس قبل دریاباد آکر آباد ہوے تھے، جو اپنے وقت کے نامور پنڈت تھے۔ انھین جین دھرم سے دلچسپی پیدا ہو جانے کے باعث جین آچاریہ نے اپنا جانشین قرار دیکر گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ سُنا جاتا ہے کہ پنڈت دولچند دہلاس دربار اودھ سے دو روپیہ روز آنہ نانکار پاتے تھے جس کے متعلق فرامین اِن کی نسل والون کے پاس تھے،

---

[۱] عرف سُکھ بلی، معمولی پنڈت، مگر پہلوان اچھے تھے، جو دھری لطف علی صاحب کے شاگرد تھے ۱۲ [۲] یہ پوتھیان پنڈت بینی مادھو کے پاس تھین، لیکن اب لاپتا ہین ۱۲ [۳] اس علم کے زور سے دشمن کو قابو مین لاکر اُسے غارت کر سکتے ہین ۱۲

مگر کسی دشمن نے چورون کے ذریعہ سے اُنھین جلوا دیا۔

تنتر وِدّیا کی بدولت پنڈت جی نے ہزار ہا روپیہ پیدا کیا۔ پنڈت مادھو پرشاد عرف مادھوجی اِن کے حقیقی بھائی بھی اچھے پنڈت تھے۔ اِن دونون بزرگون نے آبائی مکان کو از سر نو درست کرا کے عالی شان مکان بنا دیا جس کا صدر دروازہ بہت بلند اور جسکی اگلی ڈیوڑھی دو منزل کی ہے۔

یہ کھانا بہت عمدہ اور نفیس کھاتے تھے۔ رات کو ہمیشہ تا زندگی پوری اور ترکاری کھایا کئے۔ کپڑے قیمتی پسند تھے۔ وضع قدیم تھی۔ چپکن و مرزائی، دھوتی سُرخ کنارے کی، جو تا دِلّی وال، اور پگڑی اِستعمال کرتے تھے۔ پنڈت کشن دت مہراج امیرانہ شان بھی رکھتے تھے۔ اِن کا کمرہ شیشہ آلات سے سجا ہوا تھا، جسے انھون نے خود کلکتہ مین خرید کیا تھا۔ آج کل یہ سامان مندر مین، جو کمرے سے ملا ہوا ہی، آراستہ کر دیا گیا ہے۔ (دیکھیتا نہ)۔

سنسکرت انھون نے پہلے اچھی طرح پنڈت درگا پرشاد سے پڑھی، بعد اُسکے اجودھیا مین، برا کرت ذاتی محنت و مشقت سے حاصل کی تھی۔ بیس پچیس برس کے سن مین وِدّوان ہو گئے تھے تخمیناً ۸۰ سال کی عمر مین ۱۹۱۵ء مین اِن کا بیکنٹھ باش ہوا۔ بڑے ملنسار، نیک اور خلیق تھے۔ اولاد مین پنڈت بشناتھ[1]، آرہ شہر مین جین مندر کے پجاری ہی۔

پنڈت شنکر دیال اوستھی

کانیکبج برہمن، نگرا کے اوستھی، اُپ منیج گوتر، عالی نسب، نامی پنڈت، دیاکرن، کرم کانڈ، پُران، جوتش سے واقف، بھاشا و سنسکرت کے ناظم و ناثر بنگلہ اور فارسی زبان سے بھی آشنا، صاحب تصنیف و تالیف، شاعری مین شنکر تخلّص، ولادت پھاگن سدی اشمی روز چہار شنبہ سمبت ۱۸۹۹ بکرمی مطابق ۱۸۴۳ء، وفات سمبت ۱۹۵۷ بکرمی مطابق ۱۹۰۰ء۔

سُنا جاتا ہے کہ پنڈت جی کے والد پنڈت سکھدیو علم جوتش کے اچھے پنڈت تھے، دربار اودھ سے پچاس روپیہ سالانہ بطور نانکار ہمیشہ پایا کئے۔ اِن کے بزرگ نگرا (ضلع رائے بریلی) سے دریا باد آ کر آباد ہوئے تھے[2]۔ ان بزرگون کی نسل مین پنڈت پدم کی لکھی ہوئی پوتھی "نرنے آمرت" دیکھنے مین آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پدم پان کے والد بینی دت، دادا ہر شنکر، اور پردادا پنڈت گنپت تھے۔ پوتھی "نرنے آمرت" سمبت ۱۶۰۰ بکرمی مین نقل کی گئی ہے، جسے آج تک (سمبت ۱۹۷۲ بکرمی) ۳۷۲ برس ہوئے۔ اب اگر گنپت سے پدم پان تک چار پشتون کا زمانہ قدیم دستور کے موافق (فی پشت ۳۰ برس) ۱۲۰ برس شمار کیا جائے تو پنڈت جی کا خاندانی سلسلہ ۴۹۲ برس سے کم نہین ثابت ہوتا۔ لیکن گنپت پنڈت مورث اعلیٰ نہین کہے جاتے۔ اِن سے پیشتر اور بھی کئی ایک بزرگ اس خاندان مین گذر چکے ہین۔ اس سے کہا جا سکتا ہے کہ پنڈت جی کے اول بزرگ اب سے پانچ

---

[1] ان کی اولاد مین چھوٹے لال بقید حیات ہین ۱۲ [2] کانیکبج ونشاولیون مین نگرا کے اوستھیون کا کہین ذکر نہین ہی ۱۲ مولف

سو برس قبل دریا باد مین آباد ہوے ہونگے۔ تحقیق سے دریافت ہوا ہے کہ پنڈت جی کے بزرگ بڑے وِدوان اور خوشنویس پنڈتون مین تھے، اُن کے پاس بہت سی خوشخط قلمی پوتھیون کا عمدہ ذخیرہ تھا۔ اُنھون نے ایک مہتمم بالشان "فارسی پرکاش" نامے کتاب تصنیف کی تھی، جس مین فارسی الفاظ کا سنسکرت لفظون سے باہم مقابلہ کر کے نہایت قابلیت وانصاف کے ساتھ یہ دکھلایا گیا تھا کہ فارسی زبان کا مخرج صرف سنسکرت ہے۔ لیکن، ابھی حال ہی مین جہان اُن بزرگون کی دیگر پوتھیان خاندان والون کی غفلت سے برسات کی نذر ہو کر سڑ گل گئین، وہان یہ عجیب وغریب تصنیف بھی مٹی مین مل گئی، جسے ایک افسوسناک زبردست نقصان سمجھنا چاہئے، اس لئے کہ اگر یہ کتاب چھپ گئی ہوتی تو، اس سے نہ صرف دریا باد کی شہرت ہوتی، بلکہ ہندی معلومات مین ایک قابل قدر اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہندو علوم کی قدامت پر بھی کافی روشنی پڑتی۔ یہ کور بالا پوتھیان اسی تلف شدہ ذخیرہ سے تعلق رکھتی ہین، جو پنڈت شنکر دیال کے یہان اب تک موجود اور جن کی خوشخطی قابل قدر ہے۔

انھون نے پہلے قصبہ ایچولی کے مشہور پنڈت دُرگا پرشاد سے سنسکرت کی تعلیم پائی، بعد کو اجودھیا مین پنڈت اُمان دت تیواری جی سے (جن کا نام آج بھی سنسکرت کی دنیا مین آفتاب کے مانند روشن ہے) تکمیلِ علم کی۔ اِن کی ایک تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اٹھارہ برس کی عمر مین ذی استعداد ہو کر تصنیف وتالیف مین مشغول ہو گئے تھے، جو پنڈت جی کی اعلیٰ ذہانت کا کافی ثبوت ہے۔

پنڈت جی عالم باعمل تھے۔ مذہبی پابندی کے ساتھ ساتھ از روے دھرم شاستر جسمانی طہارت کا بھی بہت بڑا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ پیشاب کرنے کے بعد "لِنگ شنکا شوچیہ" یعنی استنجا ضرور پاک کرتے تھے، جہان پانی نہ ملتا تھا وہان مٹی کا ڈھیلا استعمال کرتے تھے۔ اِن کا اشنان صرف دو لوٹون پر موقوف نہ تھا۔ ہر روز علی الصباح کم از کم آدھ گھنٹے تک جسم مل مل کر نہانے کے بعد دو ہاتھ کے انگوچھے سے بدن پوچھتے تھے، بدن اور سر خشک ہو جانے پر پوجا پاٹ مین مشغول ہوتے تھے۔ یہ وظیفہ حتی المقدور زندگی بھر برابر جاری رہا، جو حفظِ صحت کے قدیم اصولون مین سے پہلا اصول مانا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ مُفید طریقے ایک نامعلوم زمانے سے عام طور پر ہندوؤن مین رائج نہین۔ اشنان صرف ایک ڈھکوسلا ہو گیا ہے اور استنجا (لِنگ شنکا شوچیہ) کے فوائد سے خاص خاص لوگ واقف ہین۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو قوم اپنی اصلی تندرستی کھو بیٹھی۔

یہ لکھنے مین بڑے مشّاق، معمولی خوشنویس اور زود نویس صحیح نویس بھی تھے۔ ایک دن مین ہزار شلوک (شعر) لکھتے تھے۔ اِن کا طریقۂ تعلیم نہایت مفید اور قدیم اصول پر مبنی تھا۔ یہ طالب علمون کو بہت جی لگا کے پڑھاتے تھے، پڑھانے کے وقت نرمی اور شیرین کلامی سے پیش آتے تھے، اُلجھی ہوئی باتون کا مطلب اس طرح سمجھا کے بیان کرتے تھے کہ فوراً ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ غریب اور امیر ہر ودیارتھی (طالب علم) پر یکسان نظر رکھتے تھے، تعلیم بلا لحاظ معاوضہ مُفت دیتے تھے۔ لیکن، اگر کوئی ذی مقدور طالب علم اپنی خوشی سے

کچھ نذر کرتا تھا، تو اُس کے لینے مین کوئی عذر بھی نہ تھا۔ اُنھون نے کبھی کسی بدیارتھی سے کوئی سوال نہین کیا۔ تعلیم دینے مین بجائے بُخل کے ہمیشہ فیاضی سے کام لیا، کسی قسم کی پہلو تہی نہین کی۔ یہی وجوہات تھے کہ قرب وجوار کے علاوہ سیتاپور تک کے طالب علم تعلیم کی غرض سے اِن کے پاس آتے تھے، جو بہت جلد ضرورت کے موافق علم سے بہرہ یاب ہوکر نہسی خوشی اپنے وطن واپس جاتے تھے۔ شاگردون کی تعداد بہت ہے۔

پنڈت جی کے داماد بیان کرتے ہین کہ، پنڈت جی ایک روز یکہ سے گر کر سخت زخمی ہوگئے۔ ایک ہاتھ ٹوٹ گیا، اچھے نہ ہونے پائے تھے کہ، اتفاقیہ پیٹ مین عارضہ پیدا ہوجانے کے باعث آماس آگیا اور باوجود کوشش ایک مہینے کے بعد بیکنٹھ باش ہوگیا۔ ۷۲ سال کی عمر پائی۔ اولاد مین ایک لڑکا جگدیش نامے ۱۸ سال کا موجود۔

بیکنٹھ باشی پنڈت جی مہراج نہایت نیک، رحیم، ملنسار، بُردبار، کم سخن، لالطمع، فکرِ دنیا سے آزاد، شگفتہ خاطر اور خوشحال بزرگ تھے، جو وضع قطع اور طرزِ تکلم کے لحاظ سے صاف ہندوانہ پنڈت معلوم ہوتے تھے، جب تک زندہ رہے، آرام سے زندگی بسر کرتے رہے۔ رائے نارائن بلی صاحب، (تعلقدار و رئیس دریاباد) کے دربار مین اِن کی خاص طور پر آؤ بھگت تھی۔ علاوہ اس کے دُور دُور تک کے خوش عقیدہ ہندو بھاگوت (مشہور اور مُقدّس تصنیف جس مین شری کرشن جی کا بیان ہے) سُننے کی غرض سے اِنھین بڑی عزت کے ساتھ بُلایا کرتے تھے، جس سے ہر سال ایک معقول آمدنی حاصل ہوجاتی تھی۔ اِس مبارک خدمت کی وجہ سے یہ "بھاگوتی پنڈت" کے نام سے مشہور ہوگئے تھے۔

تصنیفات مین (۱) شانکریہ رام چرتر ستن چھیپ، بالمیکی رامائن کا دلچسپ انتخاب منظوم (۲) شبھ بیتیسہ ترجمہ نثر، ۱۴۶۴ اشلوک، (۳) برت بودھ، ۱۳۱۱ اشلوک، سمبت ۱۹۶۲ بکرمی مین تصنیف ہوئی پنگل یعنی عروض کے متعلق (۴) شنکرپ پرمود، اِس مین رامچندر جی کا بیان ہے، آخری سِن مین تصنیف ہوئی۔ یہ سب بزبان سنسکرت اور (۵) سن چھیپ رامائن، جس مین دوہے، چوپائیان، کبت، چھند، سورٹھے وغیرہ ہر قسم کا کلام موجود ہے (۶) النکرت مال صنائع شاعری کے متعلق، ۱۴۱۴ دوہے، ۷۵ سال کی عمر مین سمبت ۱۹۵ بکرمی مین تصنیف ہوئی۔ یہ ہر دو تصانیف بزبان بھاشا۔ علاوہ اِن کے پچاس کبت (قطعات) اور بیس پچیس استوتر (مدحیہ نظمین) مذہبی رنگ مین علمی قابلیت اور مذہبی خدمت کی عمدہ یادگار افسوس ہے کہ یہ کارآمد اور مفید تصانیف اس وقت تک غیر مطبوعہ ہین۔ (ٹھیکانہ)

پنڈت بیِنی مادھو پانڈے

سنسکرت کے غیر معمولی پنڈت، بھاشا ادب کے اوستاد، فارسی و اُردو کے ماہر، انگلش مین قابل، انگریزی قانون سے آشنا، اور ہر زبان مین صاحبِ تصنیف و تالیف۔ ولادت ۱۰ اکتوبر ۱۸۵۱ء بمقام الہ آباد، وفات نومبر ۱۹۳۲ء بمقام کانپور۔

اِنھون نے سنسکرت اپنے دادا پنڈت رامچرن سے حاصل کی تھی، فارسی دریاباد کے نامی مکتب خانون مین، انگریزی ذاتی طور پر انٹرنس تک۔ یہ سنسکرت اور بھاشا کے اعلیٰ شاعر ہونے کے علاوہ فارسی و اُردو کے بھی اَچھے شاعر تھے، یہی نہین۔ بلکہ انگریزی مین بھی شعر کہتے تھے اور انگریزی و بھاشا کے انشا پرداز بھی تھے، ساتھ ہی اِس کے جس طرح ہر زبان کے سخنور تھے، اُسی طرح سخن سنج بھی تھے اور موسیقی دان بھی۔ سنسکرت و بھاشا مین **بینی** اور فارسی و اُردو مین **خاطر**، انگریزی مین **مسٹر** تخلص تھا۔ اُردو شاعری مین منشی کالکا پرشاد صاحب **موحد** اور فارسی مین منشی عبداللہ خان صاحب **وحید** (لکھنوی) کے شاگرد تھے۔ سنسکرت کے متعلق دیاکرن (صرف و نحو)، ساہتیہ (ادب)، جوتش (نجوم) مین زبردست قابلیت رکھتے تھے، دھرم شاستر (شریعت) کرم شاستر سے بھی واقف تھے، پُرانون سے بھی آگاہ تھے۔ لکھنو کے نامی گرامی وکیل منشی کالی پرشاد صاحب مرحوم **کلُ بھاسکر** (فقہ) کائستھ خاندان کے آفتاب کی صحبت مین رہ کر انگریزی قانون مین بھی ذی استعداد ہو گئے تھے۔

پنڈت جی کے والد کا نام **دیوکی نندن** عُرف "بھاگو" تھا (پنڈت رامچرن کے بیٹے، جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) جو پنڈت بھی تھے اور سنسکرت و بھاشا کے شاعر بھی، فارسی سے بھی واقف تھے۔ نہایت ذہین، نیک چلن اور ہونہار خوبصورت آدمی تھے۔ آغازِ جوانی مین ۲۷ سال کے ہو کر دنیا سے گُذر گئے۔

پنڈت بینی مادھو جس انگریز حاکم سے ملتے تھے وہ اِن کی انگریزی تقریر سُن کر خوش ہو جاتا تھا جس رئیس کے دربار مین اِن کا گذر ہوتا تھا، یہ پانچ زبانون کے ماہر قابلیت کے زور سے حسبِ موقع و محل کسی نہ کسی طرح اُسے اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ نجوم، عدالتی قانون، مذہبی امورات کے متعلق ہر سائل کو معقول جواب دیکر مطمئن کر دیتے تھے۔ اشلوک، کبت، چھند، پوئٹری، غزلین وغیرہ حسبِ فرمائش منظوم فرما کر پیش کر دیتے تھے۔ سنسکرت کی سبھاؤن مین شاستر آرتھ کے لئے بےدھڑک آمادہ ہو جاتے تھے۔ حسبِ ضرورت مذہب کے متعلق تقریر (لیکچر) کرنے سے بھی باز نہ آتے تھے۔ الغرض بہ حیثیت مجموعی پنڈت جی ایک قابلِ تعظیم ذی علم بزرگ تھے، جن کی ذات نہ صرف دریاباد بلکہ قرب و جوار مین بھی مغتنمات سے تھی۔

اِن مین جہان مذکورۂ بالا اوصاف تھے، وہان چند عیوب بھی تھے۔ مُقدمہ بازی سے انھین خاص دلچسپی تھی، ذرا ذرا سی بات پر درخواست دینا اِن کے نزدیک ایک معمولی کھیل تھا۔ اپنے بھی خواہون سے بلا وجہ دشمنی مول لینا، سیدھے سادے آدمیون کو ٹیڑھے راستہ پر لیجا کر عدالت کے ذریعہ سے تباہی کی بھول بھلیّان دکھانے کی انتہائی کوشش کرنا، اِن کا خاص حصّہ تھا۔ معمولی باتون پر بھی انھین بہت جلد غُصّہ آجاتا تھا اور غُصّے کی حالت مین یہ تہذیب کے دشمن ہو جاتے تھے۔ یہی وجوہات تھے کہ ملازمت کے سلسلے مین کہین بھی یہ مستقل طور پر اپنے فرائضِ منصبی انجام دیکے سرسبز نہ ہو سکے۔ لیکن پھر بھی اپنی علمیت کی بنا پر جب تک زندہ رہے، نہ کسی کے دستِ نگر ہوئے نہ کبھی تہیدست و بیکار رہے۔ سُنا جاتا ہے کہ مرتے وقت اِن کے پاس چار سو روپیہ نقد جمع تھا،

جس کی نسبت ان کے ایک رشتہ دار نے عدالت کانپور مین نالش دائر کی تھی۔
پنڈت جی چند سال پرگنہ دریاباد کے گرداور قانونگو اور ۱۸۸۶ء نہایت ۱۸۸۹ء تحصیل اُترولہ (گونڈہ) مین قایم مقام پیشکار رہے۔ بعد اُسکے مہاراجہ صاحب بہادر بلرام پور کی قدردانی سے سو بیگھہ آراضی کے معافی دار ہونے کے ساتھ ہی ریاست کے گرداور قانونگو مقرر ہوئے، پانچ چھ برس رہ کر نواب کلب علیخان بہادر (والی رامپور) کے دربار مین باریاب ہوئے اور اپنی نجوم دانی کے باعث خاص زمرہ ملازمان مین نامزد کیے گئے تھوڑے ہی دنون کے بعد ریاست اجودھیا (عدالت کورٹ) مین داخل ہوئے اور وہان ۱۸۹۷ء–۱۹۰۱ء تک منیجر جانسٹن صاحب بہادر مدارالمہام کی مہربانی و قدردانی سے بعہدہ ہیڈ کلرکی (مشاہرہ پچاس روپیہ ماہوار)۔ مامور رہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء مین ملازمت چھوڑ کر اپنے وطن دریاباد واپس آ گئے اور تخمیناً آٹھ برس رائصاحب کے یہان رائے نارائن بلی صاحب (رئیس و تعلقدار دریاباد) کے وقت مین پرائیویٹ سکریٹری کا کام بھی کرتے رہے اور ساتھ ہی اس کے لڑکون کو انگریزی تعلیم بھی دیتے رہے، جن مین سے رائے چندر بلی صاحب اپنی سعادتمندانہ شاگردی کا حق ادا کرتے ہوئے نہایت خلوص دل سے آج تک پنڈت جی کی علمی قابلیت کا زوردار الفاظ مین اعتراف کرتے ہین۔ سنہ ۱۹۱۱ء مین ان کی سعادتمند بی بی کا انتقال ہو گیا، اولاد کوئی نہ تھی، اس لئے پنڈت جی تنہائی کے عالم مین زندگی سے تنگ آ کر کانپور چلے گئے اور وہان جذام کا عارضہ لاحق ہو جانے کی وجہ سے صرف درس تدریس کے ذریعہ پچیس تیس روپیہ ماہوار پیدا کر کے زندگی کے دن کاٹتے رہے، گھر کھنڈر ویران ہو گیا۔
کانپور مین یہ گنگا کے کنارے رہتے تھے اور باوجود جذام مین مبتلا ہونے کے اچھے اچھے شریف دولتمند اپنے لڑکون کو سنسکرت کی تعلیم کے لئے پنڈت جی کے پاس بھیجتے تھے۔ بڑے بڑے ودوان شکوک رفع کرنے کی غرض سے اِن کے پاس دوڑے جاتے تھے۔ دلدادگانِ سنسکرت اِن کی بیحد تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ بھاشا ادب کے مشہور ماہرین منشی دیبی پرشاد صاحب (وکیل ہائی کورٹ) اور پنڈت منّی لال صاحب متخلص بہ برج چند سے اِن کے گہرے تعلقات تھے۔ رسک سماج (بھاشا زبان کی ادبی انجمن) کے خاص اراکین مین اِن کا شمار تھا، مسلمانون مین مولوی فرید احمد صاحب (وکیل ہائی کورٹ جو آخر مین منصف ہو گئے تھے) اِن پر بہت مہربان رہتے تھے، جن کی فرمائش پر پنڈت جی نے اُردو کی ڈھائی سو غزلون کا مختصر دیوان ایک مہینے مین تصنیف فرما کر اُنھین خوش کر دیا تھا۔ اِس سے اندازہ کر سکتے ہین کہ پنڈت بینی مادھو کیسے سنسکرت دان پنڈت اور کتنے بڑے طبّاع و ذہین شاعر تھے؟
اُنھین مذہبی پابندی کا مطلق خیال نہ تھا۔ نہ پوجا پاٹ سے کچھ سروکار نہ برت وغیرہ سے مطلب۔ صرف کہنے سُننے کے لئے یہ سال مین دو ایک مشہور برت (روزہ) رکھ لیتے تھے، مگر وہ بھی خلاف اصول اور پھل اہار یعنی سنگھاڑے کا حلوہ وغیرہ پیٹ بھرنے والی ثقیل چیزون کے سہارے سے۔ اِن کا اشنان بھی بالکل بے قاعدہ ڈھکوسلے سے کم نہ تھا، گنگا شنکا شوچیہ، یعنی استنجا پاک کرنا بھی اِن کے نزدیک کچھ زیادہ ضروری

نہ تھا۔ شاید یہی وجہ تھی جو ان کی صحت ہمیشہ خراب رہی اور ان کے چہرے پر کبھی رونق نہ آئی۔

پنڈت بینی مادھو مہاراج آبائی وضع کے پابند تھے۔ انگرکھا، دھوتی، ٹوپی، زری کا جوتا پہنتے دوران ملازمت میں اپنے عہدہ کا فرض ادا کرتے وقت دھوتی کے اوپر اکثر چوڑی دار پائجامہ پہن لیتے تھے۔ نہایت افسوس ہے کہ ۶۹ برس کے سن میں ان کا بیکنٹھ باش ہو گیا، جس سے نہ صرف پنڈت جی کے خاندان کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا، بلکہ دریا باد سے علم سنسکرت کی زبردست روشنی بھی غائب ہو گئی، جو ہندو نقطۂ خیال سے ایک زبردست سانحہ سے کم نہیں۔ یادگار میں قابل قدر تصانیف موجود جن میں سے چند پوتھیاں کانپور کے بعض ذی ہمت اصحاب، نیز لکھنؤ کے مشہور و معروف رئیس منشی بشن نرائن صاحب (مالک نولکشور پریس) نے ذاتی صرفہ سے چھپوا کر شائع کر دی ہیں، جو مقبولیت عام کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ ان بزرگوں کی یہ علمی خدمت اور علمی قدردانی بہت کچھ تحسین و شکریہ کی مستحق ہے، جس سے پنڈت جی کے بقائے نام کے ساتھ ساتھ دریا باد کی بھی ہمیشہ شہرت ہوتی رہے گی تصنیفات اور تالیفات حسب ذیل ہیں۔

(۱) سن چھپے ہر دتش پران (۲) گنگا مہتو منجری معہ ترجمہ نثر بھاشا (۳) رامائن نہایت ضخیم اور عظیم بالشان تالیف، اس میں بالمیکی، تلسی کرت، ادھیاتم رامائن، ہنومان ناٹک، اتر رام چرتر ناٹک وغیرہ بہت سی سنسکرت و بھاشا کی مشہور و مستند کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ یہ سب سنسکرت میں (۴) شیوبیا (۵) پریم ترنگ مالنی (۶) کائستھ کل شکشا نن چتر گوپت جی کے حالات (۷) گنگا لہری معہ ترجمہ نثر (۸) سانگیت رتناولی، موسیقی کے متعلق (۹) رام گیتا انوباد (۱۰) رام ہردے انوباد (۱۱) رام نام مہاتم (۱۲) دوہاولی۔ یہ کل متعلق زبان بھاشا (۱۳) دلو رخاطر، فارسی دیوان معہ ترجمہ اردو نثر حسب فرمایش منشی ماتا پرشاد صاحب (وکیل دریاباد) تصنیف کیا گیا، جسے مولٰنا محمد اظہر علی صاحب مرحوم (دہلوی) نے بہت پسند فرمایا تھا (۱۴) سرورِ خاطر، دیوان اردو (۱۵) سنسکرت کی ایک پوتھی کا انگریزی میں منظوم ترجمہ۔ ان میں سے (۲) و (۴) لغایت (۸) مطبوعہ، باقی کتابیں اب تک غیر مطبوعہ، جن کی نسبت گمان غالب ہے کہ چند روز میں سر گم کرفتہ ہو جائیں گی۔

پنڈت بھاگوت پرشاد مشر

کانیکج برہمن، شانڈلیہ گوتر، گوپنا تھی دھودِہا مشر، بہترین نسب، بہت بڑے معزز، ٹھاکر پرشاد مشر کے بڑے بیٹے (چھوٹے بھائی برج لال واشری لال) جوتش کے اچھے پنڈت ہونے کے علاوہ کاویہ، کوش، دیاکرن اور بعض بعض پرانوں سے بھی آگاہ تھے۔ ولادت تھمنا شتہ ۱۸۶۶ء، وفات ۱۱۔ اپریل ۱۹۱۱ء۔

پہلے دریاباد میں پنڈت شنکر دیال، پھر پنڈت بینی مادھو سے اور بعد اُسکے اجودھیا میں انھوں نے

سلہ ۶۹ برس کے ہو کر ۱۹۱۸ء میں فوت ہوئے ۱۲ سلہ ۲۶ مارچ ۱۹۱۸ء میں بمقام بمبئی وفات پائی ہوگی سلہ بقید حیات صاحب اولاد ۱۲

سنسکرت حاصل کی تھی۔ چونکہ یہ قدرتی طور پر علم کے شوقین تھے اور ساتھ ہی اس کے ذہین بھی تھے، اس لیے بہت جلد صاحب استعداد ہو کر علمی ترقی مین مشغول ہو گئے تھے۔ انھون نے بہت سی نایاب قلمی پوتھیان تلاش سے جمع کی تھین جن کے مطالعہ سے عمدہ معلومات بہم پہونچائے تھے۔ بعض کہتے ہین کہ یہ پوتھیان ان کے چچا پنڈت کشن دت نے دیکھیتون کے یہان سے ذریعہ تحریر خرید کی تھین۔

پنڈت جی کے والد جاہل محض تھے جو کاشتکارانہ زندگی بسر کرتے تھے، لیکن چچا عقلمند اور روشن خیال تھے انھون نے ان کی تعلیم و تربیت مین کافی حصہ لیا تھا اور حتی المقدور روپیہ خرچ کر کے اس بات کی کوشش کی تھی کہ بھاگوت پرشاد پنڈت ہو جائین۔ چنانچہ ہمت مردان مدد خدا کی مثل صادق آئی اور بھاگوت پرشاد جی سنسکرت دان پنڈتون مین مشہور ہو گئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے بزرگ جدّا مشر دکھیتون کی رشتہ داری کے باعث موضع "اسنی" سے آکر دریاباد مین آباد ہوئے تھے۔ دکھیتون کے دیئے ہوئے پختہ مکان مین رہتے تھے۔ مہاجنی پیشہ کرتے تھے۔ ان کے نام سے پورۂ مشر (متصل اٹورا) ابتک موجود ہے۔ اس پورہ کی اصلیت یہ ہے کہ جدّا مشر ایک دن راجہ صاحب ہڑاہا کے کوٹ مین موجود تھے، اُن کے دشمنون نے راجہ صاحب کے دھوکے مین مشر موصوف کو قتل کر ڈالا، اس بنا پر راجہ صاحب نے اُن کے لڑکے انچھارام کو ایک بہت بڑا ٹکڑا آراضی کا مروٹ مین عنایت فرمایا۔ کچھ حصہ آراضی پر انچھارام نے اپنے باپ کے نام سے مشر کی رعایت سے پورہ آباد کیا۔ کچھ دنون کے بعد اس پورہ کی مالگذاری ادا نہ ہونے کے باعث انچھارام کے بیٹے سیتارام نے "پورۂ مشر" راجہ صاحب ہڑاہا کو ساتھ فاقہ کرنے کے علاوہ رائصاحب (دریاباد) کی سفارش کرا کے واپس کر دیا۔ پھر بھی راجہ صاحب نے بہ نظر عنایت ایک سو بیگھہ آراضی بطور معافی عنایت کی، جو راجہ نراندر بہادر سنگھ صاحب کے وقت مین ضبط ہو کر شامل ریاست ہو گئی، لیکن پورۂ مذکور کا باغ ابتک مشرون کے قبضہ مین ہے۔

پنڈت جی اپنے خاندان مین علمی حیثیت سے بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے، کیونکہ ان سے پہلے کوئی انکے برابر ذی علم نہین ہوا تھا۔ ان کی ذات بھی دریاباد مین بہت کچھ غنیمت تھی۔ افسوس ہے کہ عمر کا بیالیسوان سال ختم ہوتے ہی دفعتہً بعارضۂ طاعون دہیضہ ان کا انتقال ہو گیا۔ (دیکھتانہ)

بیکنٹھ باشی مشر مہاراج شگفتہ رو، کشادہ پیشانی، گندم رنگ، خوش قد، خوش وضع، خوبصورت، جوان نیک چلن، ملنسار، اور ہونہار شخص تھے۔ رانی مئو کے مشہور پنڈت بسندت سے خاص مراسم تھے۔ پنڈت شنکر دیال کی طرح انھین بھی "بھاگوتی پنڈت" کے لقب سے شہرت ہو گئی تھی۔ اولاد مین شیونارائن، سورج نارائن بہ قید حیات، قدیم پختہ مکان موجود۔

دوسری فصل اسلامی عالمون کے بیان مین

مولانا مفتی محمود علی صاحب

بہت بڑے عالم اور صاحب فتوہ۔ یہ عہدِ شہنشاہِ اکبر نواب خانخانان کی سرکار مین ملازم تھے۔ افسوس ہے کہ اس سے زیادہ اِن کے حالات کچھ نہ دریافت ہوئے۔

حاجی مولانا مفتی محمد رفیع صاحب

اِن کے حالات کچھ بھی نہین معلوم ہوئے۔ مولوی ثابت علی صاحب کی زبانی صرف اسی قدر دریافت ہوا ہے کہ یہ صاحب فتوہ اور جیّد عالمون مین سے تھے۔ زمانۂ حیات اب سے تخمیناً ڈیڑھ دو سو برس قبل حاجی کا لقب ظاہر کرتا ہے کہ مفتی صاحب کو حج بیت اللہ کا بھی شرف حاصل تھا۔

مجتہد العصر مولانا فراز حسین صاحب

شیعہ مذہب، سیّد، نواب شجاع الدولہ بہادر (وزیر شاہ دہلی ۱۱۶۷–۱۱۸۸ھ) کے عہد حکومت مین مولانا کی دعوم تھی، شاہی عالمون مین نامزد تھے "مجتہد العصر" کا خطاب حاصل تھا۔

مولانا مفتی محمد مظہر کریم صاحب

ازنسل حضرت شیخ مخدوم آکبش دریابادی، فرزندِ دوم مولوی مخدوم بخش صاحب، اپنے زمانے کے بہت مشہور عالم و فقیہ تھے۔ فرنگی محل مین تحصیلِ علم کی، اس کے بعد وہ عزت و ناموری حاصل کی کہ خود علمائے فرنگی محل اور مولانا عبد الحئی صاحب فرنگی محلی جیسے زبردست عالم اِن کی تعظیم کرنے لگے۔

مولانا زمانۂ شاہی مین مفتی تھے، قیام شاہجہان پور مین رہتا تھا۔ قبل غدر انگریزی حکومت مین سررشتہ دار ہوگئے تھے۔۔ غدر کی شورش مین جہان ہزارہا اور بے گناہ پھنسے وہان یہ بھی محفوظ نہ رہ سکے جھوٹی مخبرین اور بدگمانیون کا زور تھا، اِن پر یہ الزام لگایا گیا کہ "جہاد کا فتوی دیا تھا" اور عبور دریائے شور کی سزا دی گی۔ وہان پہونچکر یہ علمی خدمت مین مصروف ہوئے، یعنی جغرافیہ پر عربی زبان مین ایک بڑی ضخیم مستند کتاب مراصد الاطلاع کا ترجمہ اُردو مین کر ڈالا۔ گورنمنٹ اُس زمانے مین معتبر ترجمون کی بیحد قدردان تھی اس لیے اس خدمت کے صلے مین چند سال کے بعد انھین رہائی دیدی۔ یہ وطن واپس آئے اور آخر وقت

تک مذہبی و علمی خدمات مین مصروف رہے۔

اِن کا خط بہت پختہ ہوتا تھا، بیسیون کتابین اپنے ہاتھ سے نقل کر ڈالین۔ سالِ وفات ۔ اشعبان ۱۳۰۹ھ، یوم دوشنبہ، دُخل جنّات النعیم عربی مین مادۂ تاریخِ وفات ہے (از لوحِ مزار مولانا صاحب) اولاد مین عبد الرحیم، عبد القادر دو بیٹے اور پانچ بیٹیان۔ یادگار مین تصنیفات ذیل موجود جن مین سے اکثر غیر مطبوعہ۔

(۱) ترجمہ مراصد الاطلاع، از عربی، جغرافیہ، مکمل، غیر مطبوع، اُردو (۲) مظاہر قادریہ، تصنیف درحالات و مناقب حضرت غوث پاک، غیر مطبوع (۳) غایۃ المرام فی تحقیق المولد و القیام۔ در فضائل آداب محفل میلاد، مطبوع اُردو (۴) فتاوائے مظہریہ۔ فقہ و فتاوی، مولانا کے خود جاری کردہ فتوؤن کا ضخیم مجموعہ، غیر مطبوع (۵) مسائل مظہریہ، فقہ، غیر مطبوع۔ یہ دونون متعلق زبان فارسی (مخدوم زادگان)۔

حاجی مولانا مفتی محمد کاظم علی صاحب

از نسلِ سادات رضویہ، نامی گرامی عالم و فاضل، مشہور مفتی و قاری اور واعظ، اچھے حافظ قرآن و طبیب، ساتھ ہی اِس کے اُردو فارسی کے شاعر و منشی بھی تھے اور رمل و جفر سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔

اِن کے پردادا میر **عثمان علی** صاحب اب سے تخمیناً دو سو برس قبل نواحِ دہلی سے آکر دریاباد مین آباد ہوئے تھے۔ میر **کریم بخش** صاحب دادا، مولوی **قاسم علی** صاحب پدر بزرگوار تھے۔

مولانا صاحب دس برس کی عمر مین معمولی فارسی پڑھنے کے بعد تحصیل علم کے شوق مین گھر بار چھوڑ کر لکھنؤ پہونچے اور وہان یک لخت بیس برس تک جناب مولانا **تراب علی** صاحب مدظلہ (مصنف منتہی الکلام ساکن کرہ ابو تراب خان) کی خدمت مین حاضر رہ کر جمیع علوم سے بہرہ یاب ہونے کے ساتھ ہی دستارِ فضیلت حاصل کر کے اپنے وطن دریاباد واپس آئے۔ بعد فراغتِ تحصیل علوم تیس برس کے سن مین میر حیدر علی صاحب (ساکن بدوسرائے) کی بیٹی سے انھون نے اپنا عقد کیا۔ بہ عہد واجد علی شاہ بادشاہ لکھنؤ بیت الانشار سُلطانی مین ملازمت اختیار کی۔ لیکن، واجد علی شاہی کی بساط ہی کیا! ایک بجلی کی چمک تھی جو آن واحد مین نظر سے غائب ہوگئی، پھر بھی آٹھ نو برس چین سے گذرے۔ جب نوابی دور ختم ہوگیا، تو، ناچار مولانا کو انقلاب سلطنت کے باعث دریاباد واپس آنا پڑا۔ اگر یہ چاہتے تو، گورنمنٹ کی طرف سے کسی معزز عہدے پر سرفراز ہو جاتے، لیکن انھون نے عہد کر لیا تھا کہ "شاہی ملازمت کر کے اب سرکاری نوکری نہ کرینگے" بدین وجہ نان خشک پر قناعت کر کے بقیہ عمر اسی آن بان سے بسر کی اور باوجود تکلیفین برداشت کرنے کے کسی سے کسی قسم کی خواہش خود نہ ظاہر کی۔ واہ رے استغنا!!!

ایک شاہی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا صاحب کو بہ عہد واجد علی شاہ دربار لکھنؤ سے کچھ

آراضی بھی مرحمت ہوئی تھی، اور یہ وہاں شاہانہ الطاف کی بدولت اعلیٰ عہدہ پر سرفراز تھے۔ شاہی تحریر حسب ذیل ہے :-

"حکمنامہ باسم متصدیان مہمات حال واستقبال پرگنہ دریاباد زین قبل حسب ملاحظہ معروضہ اہتمام الدولہ بہادر داروغہ نزدول باغ و آراضی نزدول مشمولہ عید گاہ دریاباد سید کاظم علی امین بیت الانشاء سلطانی عنایت گشتہ حالا بمزید رافت خسروانی دفرط مرحمت سلطانی در بارۂ معافی آراضی مسطورہ حکم قدر توام شرف نفاذ مے پذیرد کہ مشارالیہ را ہموارہ بر آراضی و باغ عطیہ مذکورہ قابض مستقل داشتہ بجالتے از تصرفات وتغیرات مطالبہ جبزے نہ نمائند ونسلاً بعد نسل وبطناً بعد بطن ابداً از جملہ مطالبات دیوانی و سائر تکالیف خسروانی معاف دمرفوع القلم دانند تاکید اکید و قدغن مزید پندارند یازدہم ربیع الثانی ۱۲۶۸ھ ہجری مطابق ۲۹ ماہ سلیمان سنہ احد یوم المبارک سنہ جلوس دالا"

شاہی ملازمت کے بعد مولانا نے اپنی زندگی کا طولانی حصہ درس وتدریس، وعظ وپند، دینی وقومی خدمت اور مذہبی فرائض کی ادائیگی میں صرف کیا اور ساتھ ہی اس کے کلکتہ، بمبئی، حیدرآباد، بنارس، اعظم گڑھ وغیرہ کا سفر کرتے ہوئے ۱۲۹۰ھ میں مدینہ منورہ و مکۂ معظمہ کی زیارت بھی حاصل کی۔ ۸۰ برس کی عمر میں ۱½ برس بعارضۂ فالج مبتلا رہ کر ۱۳۰۸ھ میں وفات پائی۔

مرحوم نہایت نیک چلن، عالمانہ وضع کے لالطمع اور باعمل عالم تھے۔ مذہبی مسائل کی پیچیدہ گتھیاں سلجھانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ دُور دُور سے لوگ رفع شکوک کی غرض سے آکر خوش خوش واپس جاتے تھے۔ اِن کا فتویٰ فرنگی محل تک تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ ایمان اور شرع کے اس قدر پابند تھے کہ ایک دفعہ ایک امیر نے اپنے مطلب کے لئے شرع کے خلاف کچھ کارروائی کرانے کی غرض سے پانچ سو روپیہ نذر کئے، مگر انھوں نے لینے سے صاف انکار کر دیا۔

مولانا کے یہاں ایک استفتاد یکھنے میں آیا ہے، جس میں لکھا ہے :- بخدمت علماء دین ومفتیان شرع متین حیدر علی (ساکن دریاباد) جو رسالہ میزان پڑھی قادر نہیں، وعظ دیتے اور فتویٰ زبانی جاری کرنے کے علاوہ استفتوں پر مذہبی مسائل کے متعلق دستخط بھی کرتے ہیں، اور مولوی کاظم علیصاحب (دریاباد) بھی وعظ دیتے ہیں، جن کی علمیت سے علماء دین بخوبی آگاہ ہونگے، جو کل کتب درسیہ پڑھے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت میں کس کے قول پر عمل کرنا چاہیئے؟ اس کے جواب میں مولوی محمد صاحب، مولوی رؤف احمد صاحب، مولانا محمد لطف اللہ صاحب، مولانا محمد معین الدین صاحب، مولانا محمد محمود صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی، مولانا محمد نعیم صاحب (لکھنوی) مولانا انور علی صاحب، مولانا محمد ذکریا صاحب، مولوی محمد اصغر صاحب، مولوی محمد نور کریم صاحب (دریابادی) مرزا عبداللہ صاحب چشتی، مولانا تراب علی صاحب (لکھنوی) مولوی محمد عبداللہ صاحب وغیرہ بزرگانِ دین نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس سے

مولانا محمد کاظم علی صاحب کے فضل وکمال پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے چند مولوی
صاحبان کی تحریرون کا خلاصہ ذیل مین درج کیا جاتا ہے۔ یہ استفتا جس پر مولوی صاحبان کے
دستخط اور اُن کی مُہرین لگی ہوئی ہین مولوی حاتم علی صاحب کے پاس موجود ہے۔

(۱) مولوی کاظم علی صاحب سالہاے دراز در لکھنؤ بوعظ کتاب اللہ عزاسمہ ہو اللہ الکافی و احادیث
رسول مقبول مشغول ماندہ اند گاہے تا این زمان نہ شفاہا نہ سماعا از ثقات حرفیکہ محل جرح وطعن در
مسائل دینیہ تواند شد بگوشم نرسیدہ العبد آسی انور علی (۲) درباب مسائل شرعی چہ از عبادات وچہ از
معاملات ہر چہ پیش آید جماعتہ مسلمین آن جوار را اساس اعتبار و وثوق بر قول مولوی حکیم سید کاظم علیصاحب
کہ فحول علما اعتراف علم و فضل و دیانت شان میدارند باید نہاد و بر قول ہیچ مفتی کہ منجملہ ناخواندگان علوم
اند دست رد باید کشید العبد محمد ذکریا۔ (۳) مولوی سید کاظم علی صاحب دریاآبادی کہ واعظ و حافظ کلام الٰہی
واقف احادیث رسالت پناہی عالم معقول ومنقول جامع فروع و اصول تشرع متورع حکیم فہیم شاعر ناثر
باہمہ صفت موصوف کمالات اُنکے ہر طرف مشہور و معروف ہین جماعۂ مسلمین اُس سرزمین کو چاہیے کہ
اتباع اور اقتدا ایسے عالم عابد کو غنیمت جانین العبد محمد صغر (۴) جو مسئلے میر حیدر علی نے بیان کئے
محض غلط ہین مسلمانون کو چاہیے کہ قول مولوی کاظم علی صاحب پر عمل کرین اسواسطے کہ میر حیدر علی کو مولوی
صاحب موصوف کی سامنی لیاقت وعظ کہنی کی نہین اور فتوی دینا تو انکو کسیطرح اور کسیوقت نہ چاہیے کہ
بےعلم فتوی دینے والی پر فرشتے لعنت کرتے ہین العبد محمد یعقوب (۵) در علم و فضل و تقوی و استعداد تدریس
کتب درسیہ و اشتغال بعلوم تفسیر و حدیث و بیان وعظ و نصایح دقوت و استنباط و استخراج مسائل فقہیہ
از کتب معتبرہ و نظر کامل بر کتب سیر و آثار بنحویکہ درین سن بمولوی سید کاظم علیصاحب اللہم زد و بارک حاصل
است اظہر من الشمس و ابین من الامس و زینہا محتاج بر بینہ و برہان نیست و مردم خواص منزلت و قدر
اینچنین فضایل می شناسند نہ مردم عامی کہ بہرہ از علم ندارند پس جملہ اہل اسلام را لازم است کہ بمتابعت اینچنین
شخص ذی الاستعداد دین خود درست نمایند و در احترام و اعزاز شان سعادت وفلاح دارین دانند
حررہ محمد نور کریم الدریاآبادی عفی عنہ (۶) مولوی کاظم علی علوم دینیہ سے بہرہ کافی رکھتے اور کتاب اللہ
و حدیث ما یحتاج سے بخوبی ماہر ہین۔ اس لئے وہ واجب الاتباع اور واجب التقلید ہین غیاث الدین
محمد المدعو مرزا عبداللہ چشتی (۷) فضل وکمال نودی زمان المعنی دوران مولوی حکیم سید حافظ کاظم علیصاحب
اظہر عیان راچہ بیان و مولوی صاحب ممدوح ہمہ کتب درسیہ منقول و معقول بتحقیق و تدقیق خواندند و از مدت
دراز در تدریس و وعظ مشغول اند و از ذات شان ہدایت بمردمان حاصل و در تحقیق مسائل شرعیہ
بمولوی صاحب موصوف رجوع باید کرد حررہ ابو البرکات رکن الدین محمد المدعو تراب علی عفی عنہ (۸)
فضل وکمال مولوی حکیم سید حافظ کاظم علیصاحب اظہر من الشمس و ابین من الامس و بمولوی صاحب ممدوح

کہ در علوم واقفیت کما ینبغی دارند رجوع نمایند کہ امید صلاح و فلاح است محمد عبداللہ عفی عنہ"۔

مولانا بہت بڑے ذہین تھے اور اِن کا حافظہ بہت تیز تھا مرزا غالب مرحوم کی طرح انھون نے بھی نہ کسی کتاب کی نقل کی اور نہ کبھی کوئی کتاب مول لی جس کتاب کو ایک نظر دیکھ لیتے تھے، عمر بھر کے لئے ازبر ہو جاتی تھی جو کچھ کسی سے سُنتے تھے، دل مین نقش کالحجر ہو جاتا تھا۔ مذہبی مسائل اور الفاظ کے معنی و تصریح بیان کر کے صرف کتاب کا حوالہ ہی نہین دیتے تھے، بلکہ صفحہ و سطر تک بتا دیتے تھے کہ مین جو کچھ کہتا ہون اس کی تصدیق کے لئے آپ خود فلان کتاب کے فلان صفحہ اور فلان سطر مین دیکھ کر اطمینان کر لین چنانچہ لالہ دیبی دین صاحب بیان کرتے ہین کہ "مولوی مظہر کریم صاحب (دریاباد) اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمنے بہت سی کتابین جمع کی ہین، بغیر اِن کے کام نہین چلتا۔ لیکن، مولوی کاظم علی صاحب کو کسی کتاب کی ضرورت نہین وہ کُل امور اپنے حافظہ کی قوت سے بحسن و خوبی انجام دیتے ہین اور اس بارہ مین وہ اپنی نظیر نہین رکھتے"۔ دماغ بھی ان کا نہایت صحیح اور اعلیٰ تھا۔ تا زندگی کبھی سر مین خوشبو دار تیل نہین ڈالا اور دماغی بیماریون سے محفوظ رہے۔

اگرچہ مولانا نے کوئی کتاب نقل یا قیمت کے ذریعہ سے حاصل نہین کی تاہم ان کے پاس معقول اور مستند کتابین کافی تعداد مین جمع ہو گئی تھین جنھین بعض رئیسون کا عطیہ، دوست و احباب کا تحفہ، اور لایق و سعادت مند شاگردون کی نذر سمجھنا چاہئے۔ افسوس ہے کہ یہ مختصر مگر کار آمد کُتب خانہ برسات کے موسم مین دفعتہً مکان کے گر جانے سے بالکل تلف ہو گیا یہ واقعہ مولانا کے بعد کا ہے۔

سُنا جاتا ہے کہ اِن کی مذہبی تقریر بہت پُر تاثیر اور معنی خیز ہوتی تھی۔ چنانچہ حیدر آباد مین جب ایک مرتبہ اِن کا وعظ ہوا تھا تو حضور نظام (نواب میر محبوب علی خان بہادر مرحوم کے والد ماجد) نے خوش ہو کر پانچ سو روپیہ انھین عنایت فرمایا تھا۔

سیّد صاحب کی ایک خود نوشت تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنہ ۱۲۹۶ھ کے قبل ہز ہائینس حضور نظام کے دربار مین باریاب ہو کر الطاف خاص سے سرفراز ہوئے تھے۔ یہ افتخار حاجی حکیم مولوی مفتی محمد حسن خان صاحب صدر الصدور کے ذریعہ سے حاصل ہوا تھا۔ تحریر مذکور کے الفاظ حسب ذیل ہین:۔

"ازانجا کہ فیض پرورش سرکار گردون وقار دیر و حسنات این دربار و دُربار شاملحال مستحقان دور و نزدیک است درین شہر مبارک سنہ ماضیہ بذریعہ حاجی حکیم مولوی مفتی محمد حسن خان صدر الصدور حال سابق رکن مجلس مرافعہ عدالت حضوری اعانت و پرورش این خادم العلماء الفقراء بالفرط قدردانی و عزت و افزائی بظہور آمدہ .... سوم ماہ مبارک سنہ ۱۲۹۸ ہجری"۔

یہ بات بھی لکھنے کے قابل ہے کہ مولانا نے افلاس اور غریبی کی حالت مین، جبکہ صرف دس برس کا سن تھا، تن تنہا لکھنؤ جا کر (جہان بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی مونس و مددگار نہ تھا) طرح طرح کی

تکلیفین اور مصیبتین جھیلتے ہوئے بڑی خوشی کے ساتھ تمام علوم حاصل کرکے خاص طور پر نام پیدا کیا تھا اِس سے مولانا کا علمی شوق، مولانا کی دلیرانہ ہمت، جفاکشی، جودت طبعی ظاہر ہوتی ہے۔

افسوس ہے کہ ان کی تصانیف کا کچھ بھی پتہ نہین چلتا۔ صرف دو مختصر رسالے (رسالہ فاتحہ، تلک عشرۃ کاملۃ) عالمانہ قابلیت کی مذہبی یادگار مطبوعہ موجود ہین۔ اِسی طرح ان کے شاگردون مین سے جو بیسیون کی تعداد مین تھے فقط شاعری کے متعلق لالہ شنکرلال صاحب **کمال** (دریابادی) اور حاجی مفتی مولوی محمد محسن خانصاحب (صدر الصدور حیدرآباد، ساکن مضافات اودھ) کا نام دریافت ہوا ہے۔ اولاد مین محمد حاتم علی صاحب اولاد بہ قیدحیات، آبائی باغ وعطیۂ شاہی پر قابض۔ مولانا کے بیان مین جن کاغذات کا ذکر کیا گیا ہے وہ مولوی حاتم علی صاحب کے پاس موجود۔ (قضیانہ حال مخدوم زادگان)

مولانا مفتی شاہ محمد صاحب

سنی المذہب، رضوی سید از خاندان میران غوث، مشہور مفتی وزبردست عالم تھے۔ شہنشاہ اورنگ زیب کے دربار مین ان کی بڑی قدرومنزلت تھی۔ ان کے مرنے کے بعد بادشاہ نے ان کی بیٹی، پوتی اور دیگر بیوہ عورتون کی گذر اوقات کے لئے ساٹھ بیگھہ پختہ آراضی مرحمت فرمائی تھی جو ذیل کے پروانہ سے ظاہر ہے:۔

پروانہ بمہر معتمد الملک میر جملہ معظم خان خانخانان بہادر مظفر جنگ، آنکہ گماشتہ ہای جاگیرداران وکرودیان پرگنہ دریاباد سرکار وصوبہ اودھ از اعلام آنکہ بموجب یادداشت واقعہ عہد مرقوم پنجم شہر ذی حجہ سنہ ۱۳ کہ بتاریخ دہم جمادی الاول سنہ ۱۴ بعرض مکرر رسیدہ موازی شصت بیگہ زمین بنجر افتادہ لایق زراعت خارج جمع از پرگنہ مذکور در وجہ مدد معاش مساۃ بی بی وغیرہ بیوہ مستحقات حسب الضمن مقرر گشتہ باید کہ بر طبق یادداشت واقعہ علاقہ آراضی مسطور را پیمودہ وچک بستہ بتصرف آنہا بازگذارند واصلا مطلقا تغیر وتبدل بران راہ ندہند وبوجہ من الوجوہ طلب وطمع ننمائند کہ حاصلات آنرا صرف معیشت خود ہا نمودہ بدعای دوالت ابد مدت استقلال مینمودہ باشند اگر در محلہ بکری دختری داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند ودرین باب قدغن دانستہ حسب المسطور عمل آرند بتاریخ پنجم رجب المرجب سنہ ۱۴ جلوس والا قلمی شد تفصیل آراضی نبت سید رکن الدین نبت عنایت اللہ نبت شاہ محمد نبت محمد علی۔ مہر قاضی اکرم"

محضر نامہ نوشتہ قاضی نورالحق صاحب مرقومہ ۲۲ جمادی الاول سنہ ۱۱۶۸ھ بہ گواہان حاشیہ "سید امام علی خطیب ولد محمد علی بن سید شاہ محمد مفتی" درج ہے اور دستاویز نوشتہ قدرت علی بنام مولوی مخدوم بخش صاحب مرقومہ سنہ ۱۲۰۶ھ مین "سید امام علی خطیب" تحریر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کے بیٹے محمد علی اور پوتے امام علی تھے۔ اولاد مین میر بلاقی بہ قیدحیات۔ (میران نگری، حال مردہی محلہ)۔

تیسری فصل ذی علم اصحاب کے بیان مین

منشی نہال رائے صاحب

کائستھ، ماتھر، چھتری درن، لالہ اُجاگرچند کے فرزند دوم (بڑے صاحبزادے خوشحال رائے تھے) فارسی کے ذی استعداد انشا پرداز، بھاشا ادب کے بھی ماہر، سنسکرت سے بھی واقف، صاحب تالیف

منشی نہال رائے صاحب کے مورث اعلیٰ "رائے جسرتھ رائے" اکبرآبادی تھے جنھیں شیر شاہ بادشاہ دہلی کے زمانے مین رائے کا معزز خطاب عطا ہوا تھا، ساتھ ہی اس کے چند مواضعات بھی بطور جاگیر مرحمت ہوئے تھے - انکے نام سے ایک موضع "جسرتھ پور" ابتک آباد ہے - رائے صاحب کے پوتے گڈھرمل، گوبردھن، جوہرمل، تاراچند، اننت داس بھی بادشاہ دہلی کی قدردانی سے معزز عہدہ پر ممتاز اور "رائے" کے خطاب سے سرفراز تھے - ان بزرگون کی نسل مین شیام سنگھ صاحب منشی نہال رائے صاحب کے دادا شاہی فوج کے رسالدار تھے، ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے - بزمانہ نواب ابوالمنصور خان بہادر صفدر جنگ فیض آباد آئے اور اس طرح رائے صاحب (دریاباد) کے خاندان والون سے سلسلۂ قرابت و رشتہ داری پیدا ہو جانے کے باعث انھون نے دریاباد مین سکونت اختیار کی اور اپنے اصلی وطن (آگرہ) کو خیرباد کہدیا- وہ بھاشا کے اچھے شاعر بھی تھے اور فارسی دان بھی- شاعری مین شیام تخلص کرتے تھے - ناسکیت پُران کا ترجمہ دوہے اور چوپائیون مین غیر مطبوعہ یادگار ہے جو سنہ ۱۸۰۲ بکرمی مین تالیف ہُوا تھا- اُن کے حقیقی بھائی اُودت سنگھ بھی شاہی ملازم تھے - لیکن، وہ راجہ نول رائے صاحب (نائب سلطنتِ اودھ) کی ہمراہی مین تعینات ہو کر لکھنؤ مین آباد ہو گئے تھے - (از بھوپت کرت مجرۂ اُودت سنگھ صاحب)-

منشی صاحب کی لکھی ہوئی تلسی کرت رامائن کے شروع مین یہ عبارت تحریر ہے کہ :- "پوتھی شری رامائن تلسی کرت دستخطی باباصاحب قبلہ شیام سنگھ جیو بے مرمت شدہ بود بندہ نہال رائے در سن ۱۲۲۹ ہجری بمقام نوابگنج کرنا بر فرمایندن واصلاحات لالہ سوہن لال عامل محال مذکور مقیم بود از دستِ خود بالکل پوتھی را مرمت ساختہ دو جلد نمود پھاگن سدی دوج سمبت ۱۸۷۱ بکرمی" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالی کام ان کے سپرد تھا، تحصیلداری کے عہدہ پر مامور رہتے تھے - افسوس ہے کہ ان کے حالات اس سے زیادہ اور کچھ نہ معلوم ہوئے - اولاد مین رام دیال لاولد فوت ہوئے - تالیف کے متعلق دسم اسکند بھاگوت کا ترجمہ ان کی علمی یادگار- مذکورہ بالا پوتھیان منشی نہال رائے صاحب کے خاندان مین منشی گوپال پرشاد صاحب کے پاس موجود- (دیکھیانہ)

مولوی فرید بخش صاحب

شیخ فارسی و عربی کے اعلیٰ ماہر، دریاباد مین شاہی فوج کے تمندار- ان کے والد فوج شاہی مین کیدان تھے- زمانہ حیات اب سے سو برس قبل، اولاد مین محمد حسین، جن کا ذکر باب ۲، فصل ۲ مین ملاحظہ ہو- افسوس ہے کہ مولوی صاحب کے والد کا نام بھی نہ معلوم ہوا، حالات کا کیا ذکر! (قضیانہ حال مخدوم زادگان -

---

۵ ماخوذ از پوتھی ناسکیت مولفۂ شیام سنگھ صاحب جو منشی گوپال پرشاد صاحب کے یہان موجود ہے (مخدوم زادگان)-

مولوی محمد اشرف صاحب

شیخ، از نسل حضرت مخدوم آلکش دریابادی، عربی و فارسی مین صاحب استعداد، ریاضت پسند، دربار لکھنؤ سے بہت سی جاگیر دن کے فرمان حاصل کئے تھے، جو خاندان والون کی غفلت سے تلف ہو گئے۔ زمانۂ حیات اب سے سو برس قبل، اولاد مین فرحت اشرف وغیرہ۔

منشی گیا پرشاد صاحب

شری واستو یہ دوسرے کائیتھ، معروف بہ پانڈے الوڑھا، چھتری ورن، از اولادِ مہاراجہ تلوک چند فرمانرائے دہلی، لالہ درباری لال صاحب چکلہ دار کے بیٹے، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے بھتیجے، عربی و فارسی کے زبردست ماہر ہونے کے علاوہ سنسکرت مین بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے وقت مین یعنی اب سے ۸۵ برس قبل بہ قید حیات۔ اولاد مین مہادیو پرشاد، عرصہ سے تارک الوطن۔ ان کے والد کا ذکر باب ۱۳، فصل ۲ مین اور خاندانی حالات باب ہذا کی فصل اول مین بہ ذکر راجہ بھوانی پرشاد ملاحظہ ہون۔ منشی صاحب کے بعض حالات تواریخ پانڈے الوڑھا سے اخذ کئے گئے ہین۔ (محرّر ان)

مولوی سالار بخش صاحب

سیّد، سُنّی المذہب، مولوی مشرف علی صاحب کے فرزند دوم (بڑے بیٹے مولوی بشارت علی صاحب ندیم تھے) فارسی و عربی کے زبردست بافیض معلّم اور بڑے خوشنویس تھے۔ اُس وقت دریاباد کے عام شرفا پہلے انھین سے اپنے لڑکون کو بسم اللہ کی تعلیم دلواتے تھے اور ان کی نہایت قدر و منزلت کرتے تھے۔ مولوی ثابت علی صاحب کہتے تھے کہ مولوی سالار بخش صاحب نے فرنگی محل لکھنؤ مین تعلیم پائی تھی اور علمی استعداد مین اپنے ہمعصر مولوی واحد بخش صاحب[۱] سے کم نہ تھے۔

---

[۱] مولوی واحد بخش صاحب۔ سید از فرقۂ شیعہ، عربی زبان کے عالم، فارسی کے بہت بڑے انشا پرداز، لکھنؤ مین علم سے بہرہ یاب اور وہین عہدۂ قضا پر ماموری بزمانۂ غدر وہین مارے گئے۔ موضع کولادر (پرگنہ دریاباد) کے زمیندار تھے، وہان کے ٹھاکر دن سے تنگ آ کر دریاباد مین آباد ہو گئے تھے۔ اولاد مین حسن ذکی، علی حسن، علی ارجا۔ مولوی حسن ذکی صاحب عربی و فارسی مین قابل، فارسی کے اعلیٰ انشا پرداز اپنے والد کے شاگرد، زمانہ شاہی مین بہ مقام لکھنؤ امانت کے عہدہ پر ماموری بعد غدر بہرسپورہ ضلع گونڈہ مین سب رجسٹرار ہو کر تا حیات اسی عہدہ پر بحال اب سے نصف صدی قبل موجود۔ اولاد مین قاضی عنایت احمد صاحب اولاد بہ قید حیات، مرزا صاحب کے یہان آنریری مجسٹریٹی کے سررشتہ دار مولوی علی حسن صاحب شاہی مین کوتوال، انگریزی زمانے مین بعلسر دریاباد کے سب انسپکٹر رہنے کے بعد پرتاب گڈھ تبدیل کئے گئے۔ آخر مین بہ سبب ضعف بصارت گورنمنٹ سے پنشن پا کر خانہ نشین ہو گئے۔ اب سے تخمیناً ۲۶ یا ۲۷ برس قبل قید حیات، اولاد نرینہ کوئی نہین۔ سیّد علی ارجا صاحب۔ بہ عہد شاہی گونڈہ و بہرائچ مین عہدۂ قضا پر ماموری آٹھ مواضعات کے مالک، انگریزی مین پولیس سب انسپکٹر اور اسی سلسلہ مین فیض آباد تبدیل ہونے کے ساتھ ہی وہین محلہ سعادت گنج مین سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

تا عمر درس و تدریس مین مشغول رہے۔ اِن کے بزرگ غالباً نواب آصف الدولہ بہادر کے قبل دریاباد مین آباد تھے"۔
لالہ دیبی دین صاحب بیان کرتے ہین کہ مولوی صاحب مُصوّر بھی تھے اور دستکار بھی۔ طرح طرح کے رنگین بیل بوٹے کاغذ اور کپڑے پر بنانے مین فرد تھے۔ پنچہ سازی کے فن سے بھی خوب ماہر تھے۔ پتنگ اور ممل بھی خوبصورت بنالیتے تھے۔ علاوہ اس کے جو نایاب چیز دیکھ لیتے فرمایش پر ہو بہو ویسے ہی تیار کر دیتے تھے مگر یہ سب فنون شوقیہ تھے، ذریعۂ آمدنی نہ تھے۔ مولوی صاحب کے والد بھی بڑے دستکار تھے۔ اِن کے دو بھائی اور بھی تھے۔ فقیر بخش لکھنؤ مین مُعلّم گری پر مامور تھے اور امیر علی دریاباد کے مکتب خانون مین تعلیم دیتے تھے مولوی سالار بخش صاحب اسّی پچاسی برس کے سن مین غالباً اب سے ۴۰ برس قبل موجود تھے۔ اِن کے بعد دریاباد سے اِن کے خاندان کا خاتمہ ہو (محلہ محرّران)۔

مولوی عبد الرحیم صاحب

شیخ قدوائی از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی رح، مولانا محمد مظہر کریم صاحب کے بڑے بیٹے (چھوٹے بیٹے حاجی مولوی ڈپٹی عبد القادر صاحب تھے) فارسی کے ادیب اور اردو کے ظریف الطبع انشا پرداز جس زمانہ مین اخبارات کا رواج بہت کم تھا، یہ کئی کئی اخبارات منگاتے، ملک کے اکثر ادیبون سے اِن کے تعلقات مراسلت قائم تھے۔ علاوہ اِس کے یہ دستکار بھی تھے۔ کاغذ کے خوشنما بیل بوٹے اور پھول قینچی سے تراش کر بنایا کرتے تھے جنھین دیکھ کر طبیعت شگفتہ ہو جاتی تھی۔
مولوی صاحب بہت بڑے مُخیّر بھی تھے۔ طرح طرح کی تکلیفین اٹھاتے مگر اپنی فطری فیاضی سے باز نہین آتے تھے۔ تنخواہ کا ایک زبردست حصّہ خیرات کی نذر ہو جاتا تھا۔ یہ خیرات زیادہ تر خفیہ ہوتی تھی۔ اکثر راہ چلتے بھی یہ جہان کہین کسی کو پریشان دیکھتے تھے، بلا سوال ہندو ہو یا مسلمان، جیب مین جو کچھ ہوتا تھا چپکے سے اُس کے حوالہ کر دیتے تھے۔ علاوہ اس کے مُجرّب نسخہ جات کے ذریعہ اپنے صرف سے دوائین تیار کر کے داد، آتشک وغیرہ کے مریضون کو مُفت تقسیم کیا کرتے تھے۔ تا زندگی یہ نیک مشاغل بدستور جاری رہے۔
اِنھون نے اپنے والد کے ہمراہ شاہجہان پور اور لکھنؤ مین فارسی سے استفادہ حاصل کیا۔ غدر کے بعد یہ جونپور مین کلکٹری کے نقل نویس ہوئے اور ایک عرصہ تک اِسی عہدہ پر مامور رہنے کے ساتھ ساتھ ہردوئی تبدیل کئے گئے اور وہان کچھ دن کام کر کے ملازمت سے خود مستعفی ہو کر اپنے وطن مین آزادانہ زندگی بسر کرنے لگے اور آبائی زمینداری کو ذریعۂ معاش قرار دیا۔ سنہ ۱۳۱۵ھ مطابق دسمبر ۱۸۹۷ء مین انتقال ہوا، ساٹھ سال کی عمر پائی۔
مرحوم نہایت خوش مزاج، زندہ دل، صابر و شاکر، حلیم، قناعت پسند، آبائی وضع کے پابند تھے۔
اولاد مین عبد الحلیم صاحب ایف۔ اے تک تعلیم یافتہ اور ڈاکٹر محمد سلیم صاحب، جن کا حال ہی مین انتقال ہو گیا ہے۔

خاندانی حالات کے لئے باب ہذا کی فصل میں حضرت مخدوم آگبش کا ذکر ملاحظہ ہو۔ (مخدوم زادگان)

منشی منڈی لال صاحب ہیڈ ماسٹر

شری واستو یہ دوسرے کایستھ چھتری ہن، از خاندان محرران دریاباد، لالہ شادی لال صاحب عرف مھنگو کے بیٹے، انگریزی ادب کے اعلیٰ ماہر اور مشہور انشاپرداز۔ عرصہ تک بارہ بنکی ہائی اسکول میں بعہدۂ ہیڈ ماسٹری مامور رہے۔ بعد اس کے کچہری تبدیل ہوئے اور وہیں غالباً سنہ ۱۹۰ء میں وفات پائی اولاد میں تین بیٹے بہ قید حیات۔ (محرران)

مولوی ناظم علی صاحب

سنی المذہب، رضوی سید، مولوی قاسم علی صاحب کے فرزند دوم (بڑے بیٹے حاجی مولانا محمد کاظم علی صاحب تھے) ذی استعداد۔ اپنے بھائی سے لکھنؤ میں تعلیم پائی تھی۔ غدر کے آثار شروع ہوتے ہی دریاباد چلے آنے کے باعث دستار فضیلت سے محروم رہے۔ فارسی و عربی کے علاوہ اردو ادب سے بھی کافی بہرہ رکھتے تھے۔

یہ پہلے کورٹ کی طرف سے شیخ نوشاد علی خان صاحب مرحوم (تعلقدار میلا رائے گنج) کے معلم داتالیق مقرر ہوئے جب اُنھیں عربی و فارسی پڑھنے کے بعد انگریزی تعلیم کے لئے حکم ہوا، تو مولوی صاحب بھیا کشن دت رام پانڈے (تعلقدار ضلع گونڈہ) کے یہاں اُن کے لڑکون کو تعلیم دینے پر مامور ہوئے۔ کچھ دنون کے بعد پانڈے جی کا علاقہ کورٹ ہو گیا۔ ناظم علی صاحب نے ریاست سے علیحدہ ہوتے ہی نارمل پاس کر کے سررشتہ تعلیم کے محکمہ میں ملازمت کر لی اور ضلع گونڈہ کے تحصیلی مدارس میں بعہدۂ افسر مدرسی کام انجام دیتے ہوئے سنہ ۱۹۱ء میں انتقال فرمایا۔ تخمیناً ۰ سال کی عمر پائی۔

مرحوم شاعر بھی تھے، اُردو فارسی میں شعر خوب کہتے تھے۔ شیخ نوشاد علی خان صاحب جو مشہور شاعر اور سخن سنج بھی تھے، مولانا کی بڑی توصیف و تعریف کیا کرتے تھے۔ اُن کی مجلس کے شعرا بھی ان کی شاعرانہ قابلیت کے خاص طور پر مداح تھے۔ کلام کا پتا نہیں ہے۔

سید صاحب شطرنج کے فن میں بھی اوستاد تھے۔ اُن کی دانشمندانہ چالیں، اِن کے پُرغور منصوبے دیکھ کر اچھے اچھے کھیلنے والون کی عقل دنگ ہو کر مات ہو جاتی تھی۔ شطرنج کا فن لکھنؤ میں اور شاعری کا ہنر اپنے بھائی سے حاصل کیا تھا۔ شاعری میں ناظم تخلص فرماتے تھے۔ بڑے نیک، ملنسار، خلیق اور جفاکش بزرگ تھے۔ تا زندگی کسی کے محتاج نہیں رہے۔ اولاد میں حاکم علی صاحب اولاد۔

خاندانی حالات کے لئے باب ۲، فصل ۱، ذکر شیو نراین صاحب ملاحظہ ہو ۱۲۔

قاضی نوازش حسین صاحب

انگریزی زبان کے بہترین انشاپرداز، زمانۂ حال کے گریجویٹوں سے افضل، اور دُور دُور تک مشہور و معروف، عربی و فارسی مین بھی قابل ذکر، اُردو ادب سے بھی آشنا، شعرگوئی کے شوقین، خواجہ نویر کے پوتے خواجہ افضل حسین صاحب قدیر کے شاگرد۔ ولادت سنہ ۱۸۵۶ع، وفات سنہ ۱۸۹۰ع۔

اِن کے والد منشی بہادر علی صاحب مرحوم سیّد عبدالغنی صاحب نیشاپوری کی نسل مین قاضی حسام الحق صاحب (دریابادی) کے نواسے اور موضع احمدپور (ضلع بارہ بنکی) کے رہنے والے تھے۔ قاضی حسام الحق صاحب کے بیٹے قاضی فدا حسین صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے منشی جی نے اپنا وطن چھوڑ کر دریاباد مین سکونت اختیار کرلی تھی اور قاضی صاحب کی وفات پر کُل ناتہائی جائداد کے مالک ہوگئے تھے۔ مخدوم زادون کے شجرہ سے پایا جاتا ہے کہ شیخ نظام الدین صاحب کی بیٹی انکے یہان سیّد عبدالغنی صاحب کو بیاہی گئی تھی۔ اس سے بھی منشی صاحب عالی خاندان اور عالی نسب ثابت ہوتے ہین۔

نوازش حسین صاحب قاضی کے لقب سے مشہور تھے۔ عربی و فارسی گھر پر مکتب خانہ مین پڑھی اور انگریزی بارہ بنکی کے ہائی اسکول مین انٹرنس تک حاصل کی سنہ ۱۸۷۲ع مین جب اِن کے والد کا تبادلہ، جو نظارت کے عہدہ سے متعلق تھا، بارہ بنکی سے لکھنؤ ہوا، تو یہ بھی والد کے ہمراہ لکھنؤ آئے اور اسکول کی تعلیم ترک کرکے پرائیوٹ طور پر بابو کالی پرشاد سنہا (ماہر انگلش پہلے منصرم، بعد کو لکھنؤ مین سب جج ہوگئے تھے) اور مولوی چراغ علی صاحب (انگریزی فارسی کے ماہر، ڈپٹی منصرم لکھنؤ، آخر مین حضور نظام حیدرآباد کے مدارالمہام ہوگئے تھے) ایسے فاضلون کی خدمت مین علمی استفادہ حاصل کرتے رہے، اور کلکٹری کے محکمہ مین نقل نویسی کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ اتفاقِ زمانہ سے مسٹر ویلی صاحب اسسٹنٹ کمشنر بہادر (لکھنؤ) کے ہاتھ مین گھوڑے سے گرجانے کے باعث ایسی سخت چوٹ آگئی کہ وہ کام کرنے سے مجبور ہوگئے اور چونکہ قاضی صاحب انگریزی مین غیرمعمولی قابلیت رکھتے تھے، اسلئے بوساطت جے۔ ڈبلو۔ کوئین صاحب بہادر (ڈپٹی کمشنر لکھنؤ) اسسٹنٹ کمشنر بہادر ممدوح کی پیشی مین کام کرنے لگے اور مقدمات کے متعلق بیانات، ڈگری، تجاویز وغیرہ ایسی فصیح اور صحیت عبارت مین تحریر کئے کہ صاحب بہادر اِن کی انشاپردازی پر بے انتہا خوش ہوگئے۔ جب ممدوح کو صحت کلی حاصل ہوگئی اور اپنی ڈیوٹی انجام دینے لگے تو، بہ صلۂ انعام پانچ سو روپیہ کا ایک نوٹ قاضی صاحب کو دینا چاہا، مگر اِنھون نے مہذب الفاظ مین لینے سے اِنکار کردیا۔ اِس پر ممدوح نے جناب صاحب جوڈیشل کمشنر بہادر کی منظوری سے نقشہ نویسی پر (بہ مشاہرہ مبلغ للعـ۵) اِنھین مقرر کرادیا۔ ایک سال کے بعد اسسٹنٹ منصری کے عہدہ پر مامور ہوکر بارہ بنکی آئے۔ یکم اگست سنہ ۱۸۷۹ع کو مستقل عہدۂ منصری عطا ہوا۔ چند روز کے بعد صحت خراب ہوجانے

سے (کسی کے کہنے پر کشتہ کھالیا جسکی وجہ سے تمام جسم مین دانے نکل آئے) مجبوراً ایک سال کی رخصت لی اور گھر پر علاج کرتے رہے جب کوئی صورت افاقہ کی نہ معلوم ہوئی تو ناچار ملازمت سے دست کش ہوگئے

بیکاری کے زمانے مین مرزا نجف علی بیگ صاحب نجفت نے دوستانہ طور پر ہموطنی کے جوش مین اِن سے کہا کہ "صاحب رزیڈنٹ بہادر کرنیل بار اور مہارانی صاحبہ ریوان مین باہمی ملال ہوگیا ہے، لہذا آپ مہارانی صاحبہ کی طرف سے براہ راست جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند سے خط و کتابت کیجئے۔ یہ خدمت آپ کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی" قاضی صاحب نے اِسے منظور کیا اور منجانب مہارانی صاحبہ عرضداشت لکھنا شروع کیا۔ یا تو جناب مہارانی صاحبہ کے کسی درخواست پر جو قبل روانہ ہوچکی تھین، بالکل توجہ نہ فرمائی گئی تھی، یا اِن عرضداشتون پر غور ہونے کے بعد جناب قیصرۂ ہند نے حکم صادر فرمایا کہ "مفصّل کیفیت آنی چاہئے" چنانچہ مفصل حالات قاضی صاحب نے قلمبند کرکے روانہ کئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بذریعۂ گورنر جنرل کشور ہند حکم صادر ہوا کہ مہارانی صاحبہ جو ناراض ہوکر باہر چلی گئی ہین، بہت عزت کے ساتھ ریاست مین پہونچادیجائین" کرنیل رزیڈنٹ صاحب بہادر لندن طلب کئے گئے اور وہان اُن سے سخت بازپرس کی گئی۔ قاضی صاحب جب تک زندہ رہے، ریاست ریوان سے برابر سلوک ہوتا رہا اور مہارانی صاحبہ بدل وجان قاضی صاحب کے حسن کارگذاری کی مدّاح رہین۔ اس واقعہ سے قاضی صاحب کی انگریزی قابلیت پر زبردست روشنی پڑتی ہے۔

قاضی صاحب خوش فہم اور سخن سنج شاعر بھی تھے۔ شہیر تخلص تھا طبیعت اچھی پائی تھی۔ عاشقانہ رنگ مین خوب کہتے تھے۔ لیکن، افسوس ہے کہ میدان سخن مین اچھّی طرح جوہر نہ دکھانے پائے تھے کہ ساغر حیات لبریز ہوگیا۔ عین جوانی مین انتقال ہوا، ۲۴ سال کی عمر پائی۔ اولاد نرینہ کوئی نہین۔ اِن کے دو بھائی امجد حسن وحاجی حسن بہ قید حیات (قضیا ...)

رائے رگھناتھ بلی صاحب

ماتھر کائستھ، چھتری ورن، از خاندان رائصاحب، رائے پرتاب بلی صاحب کے فرزند دوم، رائے ابھرام بلی صاحب تعلقدار دریاباد کے حقیقی چچازاد چھوٹے بھائی، بھاشا زبان مین قابل، بعض دلچسپ اور کارآمد فنون کے شوقین، تلسی کرت رامائن کے خاص طور پر شیدائی، صاحب تصنیف وتالیف۔ ولادت ماہ پھاگن سمبت ۱۹۱۱ بکرمی مطابق ۱۸۵۴ء، وفات سمبت ۱۹۷۲ بکرمی مطابق ۲۲ جون ۱۹۱۵ء، یوم شنبہ۔

فارسی کا علم اپنے مکتب خانہ مین ضرورت کے موافق حاصل کیا تھا، اور بھاشا پنڈت تنسکر دیال دریابادی سے پڑھی تھی۔ اُردو زبان سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ تین کتابین اِن کی علمی خدمت کی قابل قدر یادگار سے اب تک موجود ہین۔ (۱) رسالہ فوائد عامّہ اُردو، اس مین امراض کی تفصیل اور مجرب نسخون کے علاوہ قدیم وجدید رنگسازی، فن طعام، شعبدے وغیرہ کا بھی بہ تشریح بیان کیا گیا ہے (۲) موسیقی کے متعلق

ایک ضخیم کتاب مین ٹھمریان، ادھے، پد، ہولیان، وغیرہ دلکش اور نفیس گانے عمدہ اور مشہور کتابون سے انتخاب کر کے درج کیے گئے ہین، غیر مطبوع (۳) تلسی کرت رامائن کی لغت جس مین مشکل الفاظ کی نہایت وضاحت کے ساتھ بامعنی تشریح کی گئی ہے - یہ مفید اور کارآمد لغت چھپ گئی ہے اور جو رامائن پنڈت نیل کنٹھ کے اہتمام سے بمبئی مین چھپی ہے، اُس کے آخر مین شامل کر دی گئی ہے - ۲۰×۲۶ تقطیع، حجم ۲۰۳ صفحات مذکورہ بالا تینون کتابین رائے صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی رائے سِدھ ناتھ بلی صاحب کے پاس موجود - انھین شراب سے زیادہ رغبت تھی، اِس وجہ سے جسمانی قوت قبل از وقت بہت زائل ہو گئی تھی - ۱۱ سال کی عمر مین انتقال ہوا - عقیدے کے مضبوط، خلیق، کم سخن، آبائی وضع کے بزرگ تھے - گندم رنگ جوانی مین خوبصورت، دوہرہ بدن، متوسط قد، بابری حجامت، سر پر چھوٹے چھوٹے بال، کتری ہوئی چھوٹی چھوٹی مونچھین، داڑھی ندارد، ہاتھ پانون سُڈول - اولاد مین شمبھو بلی، سِدھ ناتھ بلی بر قید حیات -

مولوی عبد الحلیم صاحب

از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی عبد الرحیم صاحب کے فرزند اکبر، انگریزی مین صاحب استعداد، ایف. اے تک تعلیم یافتہ، ولادت غالباً ۱۸۶۵ء، وفات ۱۹۰۳ء - نہایت نیک، خوش مزاج، صاحب اخلاق - ملنسار، خوش وضع - نہایت افسوس ہے کہ عین جوانی مین انتقال ہو گیا - اولاد کوئی نہین -

چوتھی فصل شاعرون کے بیان مین

سنسکرت دان شعرا

پنڈت رُور دت عرف غریب دھن، پنڈت رامچرن پانڈے، پنڈت شنکر دیال شنکر تخلص، پنڈت بینی مادھو بینی تخلص کے حالات باب ۲، فصل ۱ مین ملاحظہ ہون -

شعرائے بھاشا

قاسم

محمد قاسم نام، قاسم تخلص، عرف قاسم شاہ، مشہور و معروف روشن خیال شاعر، مصنف ہنس جواہر، انکے حالات باب ہذا کی ساتوین فصل مین مفصل درج کیے گئے ہین -

چین

گنگا سہائے نام، چین تخلص، کانکبج برہمن، بالا کے شُوکل، بھردواج گوتر، بہت بڑے معزز، عالی نسب، بلند خیال اور زبردست شاعر تھے۔ حسب ضرورت سنسکرت سے واقف تھے۔ مہابیر دیچھیت اور پنڈت ہنومان دت کی زبانی جس قدر کلام سُننے مین آیا، نیز جو کچھ تلاش سے دستیاب ہوا، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عاشقانہ اور مذہبی دونون رنگ مین خوب کہتے تھے۔ اِن کی شاعری مین فارسی الفاظ کی آمیزش قابل داد ہے۔ اِن کا زمانۂ حیات اب سے سَو برس قبل دریافت ہوا ہے، لیکن اِن کے اشعار زمانۂ حال کے شعرا کی نظمون سے ٹکّر کھاتے ہین۔ اِس سے اِن کی شاعرانہ قابلیت اور کہنہ مشقی بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

سُنا جاتا ہے کہ اِن کے بزرگ دیچھیتون کے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے دریاباد آئے، یہان اُن کی ایسی خاطر و مدارات ہوئی کہ وہ اپنا آبائی مکان اور اصلی وطن بالکل بھُول گئے اور اِس طرح کو یہ جی کا خاندانی سلسلہ دریاباد مین قائم ہو گیا، جو نہایت قدیم زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ کانکبج ونشاولی (قنوجیا برہمنون کی تاریخ) سے پایا جاتا ہے کہ بالا کے شکل برہمنون کی نسل حفیظ آباد اور شکوہ آباد مین قایم ہوئی تھی۔ اِس سے قیاسًا کہا جا سکتا ہے کہ چین کو یہ (شاعر) کے مورث اِنھین مقامون سے آئے ہونگے۔

چین نے اپنی زندگی بڑے سُکھ چین سے بسر کی۔ ریاست ہڑاہا مین اِن کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ یہ راجہ پرتھی پت سنگھ صاحب کے درباری رکُن بھی تھے اور شاعر بھی۔ پچیس[۲۵] بگھہ آراضی ایک کبت (دو شعر کا قطعہ) کے صلہ مین مع خلعت حاصل کی تھی۔ تا زندگی دوسرے دربار کا رُخ نہین کیا۔

پنڈت ہنومان دت کے یہان شکُل مہراج کا ایک بہاریہ کبت ایک پرچے مین لکھا ہوا دیکھا گیا ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ پنڈت رُدر دت (دریاباد کے مشہور پنڈت) نے کسی سے سُن کر لکھ لیا تھا۔ اِس سے پایا جاتا ہے کہ اِن کا کلام ایسا دلچسپ اور نفیس ہوتا تھا کہ بھاشا کے علاوہ سنسکرت دان طبقہ والے بھی مقبولیت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اولاد مین شیو رام کے لڑکے شیو ساگر، اِن کے بیٹے اور پوتے بیجناتھ، رام اوتار، جگناتھ بہ قید حیات، مگر چھ برس سے تارک الوطن۔ یادگار مین صرف آٹھ کبت اور ایک دوہے کی مذہبی تصنیف "گنگا اشٹک" نامے غیر مطبوعہ راقم کے پاس موجود۔ باقی کلام کا پتہ نہین ہے۔ (دیچھیتانہ)

لچھمن

لچھمن پرشاد نام، لچھمن تخلص، عرف لچھمن دوبے، قنوجیا برہمن، دُوبے، کہنہ مشق شاعرون مین مشہور عاشقانہ اور مذہبی دونون رنگ مین بے مثل کہتے تھے۔ بستی کے راجہ صاحب اِن کے بڑے قدردان تھے

زمانۂ حیات اب سے سو برس قبل - افسوس ہے کہ اس سے زیادہ نہ اِن کے حالات معلوم ہوئے نہ کلام کا پتہ چلا

رَسَدیو

دیبی پرشاد نام، رَسدیو تخلص، کانکبج برہمن، اُپ منج گوتر، عالی نسب، رامدین پاٹھک کے بیٹے، اپنے وقت کے نامی شاعروں مین تھے - بھاشا مین بہت اچھی قابلیت رکھتے تھے، ضرورت کے موافق سنسکرت سے بھی واقف تھے، پنگل (عروض) سے اچھی طرح ماہر تھے، طبّاع اور ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ بلند خیال اور جدّت پسند بھی تھے، اکثر برجستہ شعر بھی کہتے تھے -

اِن کے بزرگ دریاباد کے قدیم باشندون مین سے تھے، جاناپوری پاٹھکون کی نسل مین مورانوان (ضلع اناؤ) سے آئے تھے، اسی وجہ سے جاناپوری موراناوان کے پاٹھک کہلاتے تھے - اِن کے نام سے ٹھکانہ محلّہ اب تک موجود اور مشہور ہے - یہ لوگ بڑے دولت مند اور نہایت عالی حوصلہ تھے - اِن پاٹھکون مین تارا، ہربنس، نہرے، مشہور بزرگ گذرے ہین، جن کی یادگار مین تاراپور، ہربنس پور عرف ہربس پور، نہرے پور مواضعات اِس وقت تک آباد ہین - یہ لوگ شہنشاہ اکبر کے زمانے مین موجود تھے - اِن کی نسل والے ایک مدّت تک زمیندارانہ حیثیت رکھتے ہوئے قانونگوئی کے عہدہ پر مامور رہے جو سُور بیر اور سپاہی بھی تھے - کسی وقت دریاباد مین اِن کی بھی دھاک بندھی ہوئی تھی، قرب وجوار کے بہادر لوگ اِن کا خوف کھاتے تھے سنہ ۱۲ھ سے باہمی نفاق کے باعث پاٹھکون کی زمیندارانہ حیثیت شکست ہونے لگی سنہ ۱۲۲۶ھ مین نصف تاراپور رائے بھورام بلی صاحب (تعلقدار دریاباد) کے قبضہ مین آگیا، کچھ دن کے بعد نہرے پور بھی بیع ہوگیا، سنہ ۱۲۲۷ھ مین دیگر جائداد مکان، باغ وغیرہ کا بھی فروخت ہونا شروع ہوگیا - نوابی دَور ختم ہوتے ہی قانونگوئی کا عہدہ نکل جانے کی وجہ سے دفعتہً پاٹھکون پر خرابی آگئی اور غدر کے بعد شروع انگریزی عملداری مین پاٹھک لوگ آوارہ وطن ہوکر غیر جگہون مین آباد ہوگئے، اِن کے مکانون کا نام ونشان مٹ گیا، چند اشخاص جو باقی رہ گئے تھے وہ بھی آہستہ آہستہ اب سے پچیس برس قبل دریاباد چھوڑ کر باہر چلے گئے تاراپور کے پاٹھک اسی خاندان سے ہین، جو بقیہ آبائی زمینداری پر تا حال قابض - آج کل دریاباد مین پاٹھکون کے نام لیوا صرف سرجو پاٹھک زندہ اور رائیصاحب کے یہان سپاہیون مین ملازم -

بیان کیا جاتا ہے کہ "رسدیو آنربیل سر مہاراجہ پرتاب نارائن سنگھ صاحب بہادر اودھ نریس کے

---

۵ اِن حالات کے لکھنے مین بعض بعض مواقع پر تاراپور، ہربنس پور، نہرے پور کی واجب العرض، رہن نامہ نوشتہ بتیمبر پاٹھک قانون گوسائر پرگنہ دریاباد مرقومہ سنہ ۱۲۰۳ھ، بیعنامہ نوشتہ اُجاگر پاٹھک سنہ ۱۲۲۲ھ، بیعنامہ نوشتہ راجہ جیادن و دیبی پرشاد پاٹھک قانونگو مرقومہ سنہ ۱۲۴۲ھ وغیرہ کاغذات سے مدد لی گئی ہے - ان مین آخری کاغذ پنڈت شنکر دیال کے یہان موجود باقی بھولا پرشاد پاٹھک (تاراپور) کے پاس ۱۲ -

سی، ایس، آئی، او، ای، ای اجودھیا، پریسیڈنٹ انجمن ہند لکھنؤ) کے درباری شاعر بھی تھے اور خاص مصاحب بھی، مہاراجہ صاحب کے یہان کھانے (یومیہ دو نفیس خوراکین) کپڑے کے علاوہ پچیس روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے اور پانچ سو بیگھہ آراضی کے معافی دار بھی تھے، جو مندر کے مصارف کے لئے ریاست سے عطا ہوئی تھی۔ مہاراجہ صاحب بہادر اِن کی بیحد قدر و منزلت کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ انھون نے اپنا قدیم وطن دریاباد چھوڑ کر اجودھیا جی مین سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہ صرف اجودھیا ہی مین نہین مشہور تھے، بلکہ دُور دُور تک اچھی خاصی شہرت رکھتے تھے۔ کُل رسون (ہر رنگ) مین کبت کہتے تھے اور دوہے، چوپائی، چھند، سور تھے وغیرہ جملہ اصنافِ شاعری پر قادر تھے۔ اجودھیا جی کے نامی گرامی شاعر لچھ رام، جو راجہ مان سنگھ بہادر کے درباری شاعر تھے، اِن کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ اِن کے اکثر کبت چھپی ہوئی پوتھیون مین متفرق طور پر دیکھے گئے ہین۔ گویہ جی جہان شاعر تھے، وہان شری رامچندر جی کے بڑے بھگت بھی تھے اپنے وطن، نیز قرب و جوار کے رہنے والون کی بڑی عزت کرتے تھے۔ بھاشا کے شاعرون کا سب سے زیادہ لحاظ کرتے تھے۔ گھمنڈی نہین تھے، بڑے بھلے مانس اور ملنسار تھے۔ دس بارہ برس ہوئے (غالباً سنہ ۱۹۱۰ع) کہ نوجوان بیٹے کے غم مین اِن کا بیکنٹھ باش ہو گیا۔ مرنے کے وقت سن ۶۰ سال سے زائد نہ تھا۔ اِن کے مرتے ہی اِن کی عورت بھی گذر گئی۔ اِن کی بہو اِن کی جائداد و پختہ مکان پر قابض۔ یادگار مین پختہ مندر وکٹوریہ پارک کے پورب طرف لب سڑک پختہ موجود۔ گندم رنگ، متوسط قد، مخروطی چہرہ ماتھے پر چندن کا ٹیکا، چوڑا چکلا سینہ، بڑی بڑی آنکھین، زبردست اور لمبی مونچھین، دوہرا بدن، ہاتھ پاؤن مضبوط، چوڑے اور بھاری بھاری ڈنٹر، سر پر چھوٹے چھوٹے بال، وضع آبائی۔ افسوس ہے کہ اِنکے کلام کا پتہ نہین، لیکن چند کبت جو بعض شوقینون کے زبانی سُنے گئے ہین اُن سے رسد یو جی کی شاعرانہ قابلیت بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ (پٹھکانہ)۔

شنکر

شنکر دیال نام، شنکر تخلص، اودھی، قنوجیا برہمن، ذی استعداد شاعر، صاحب تصنیف۔ اِن کے حالات باب ہٰذا کی پہلی فصل مین بیان ہو چکے ہین۔

شنکر

شنکر سہائے نام، شنکر تخلص، قنوجیا برہمن، اپ منیج گوتر، عالی نسب، بڑے معزز، ازاد لادِ اگن ہوتری دریابادی، بہت اچھے شاعر اور شاعری مین شیرین مقال اور نازک خیال ہونے کے ساتھ ساتھ قادر الکلام بھی تھے۔

کویہ جی کے والد نبیچو سنگھ جو بہادر سپاہی بھی تھے، رائے صاحب کے یہاں رائے ابھرام بلی صاحب کے عہد مین بعہدہ ضلعداری نوکر تھے، مگر انھیں علمی ترقی کے شوق مین علمی خدمت پسند آئی۔ یہ پندرہ برس کے سن مین معمولی طور پر دیوناگری سے فارغ ہو کر سررشتہ تعلیم کی ملازمت حاصل کر کے یک لخت ۲۵ برس رامپور (ضلع سیتاپور) کے مدرسہ مین بعہدہ افسر مدرسی مامور رہے۔ اس درمیان مین اِن کی شاعری ایسی چمکی کہ ضلع کے علاوہ دور دور تک ان کا نام روشن ہو گیا، کیونکہ ریاست رامپور مین تعلقدار صاحب کی قدردانی سے بڑے بڑے نامی شاعر آتے تھے اور اِن کا کلام سن کر محظوظ ہونے کے ساتھ ہی غائبانہ تعریف کرنے لگتے تھے۔ ۴۰ برس کے سن مین کویہ جی نے مدرسہ کی ملازمت سے گھبرا کر خود استعفا دیدیا اور اپنے وطن آکر رائے مہراج بلی صاحب کے دربار مین اپنا آبائی عہدہ حاصل کیا، جسے ۲۶ برس تک نہایت نیک نیتی اور ہوشیاری و مستعدی کے ساتھ انجام دینے کے بعد تخمیناً ۶۶ سال کی عمر مین خود اپنی خوشی سے بوجہ پیرانہ سالی ترک کر کے خانہ نشینی اختیار کی۔ رائے صاحب کے یہاں کب جی کی بہت کچھ قدر و منزلت تھی تنخواہ کے علاوہ دو سو بیگھہ آراضی کا پٹہ معمولی لگان پر عنایت ہوا تھا، لیکن لگان وصول نہین کیا جاتا تھا۔ مرتے دم تک بدستور رعایتین قایم رہین، کسی قسم کی تبدیلی واقع نہین ہوئی۔

شنکر کویہ سنسکرت سے بالکل ناواقف تھے، مگر بھاشا زبان سے اچھی طرح ماہر تھے۔ شاعری مین کسی کے شاگرد نہ تھے۔ پنڈت شنکر دیال جی کو اپنے کبت سنایا کرتے تھے۔ لیکن بہ نظر اصلاح نہین، دوستانہ طریق پر۔ کیونکہ بھاشا کی شاعری مین یہ اُن سے کم نہ تھے۔ "تلسی کرت راماین" اور "کاویہ نرنے" کے مطالعہ سے مشق سخن مین قوت بہم پہونچا کر کافی استعداد حاصل کر لی تھی، جسکی نسبت یہ خود اپنی زندگی مین اکثر کہا کرتے تھے کہ "ہمنے راماین پڑھ کر شاعری کا فن سیکھا ہے، اس لئے ہمارے گرو (استاد) صرف تلسی داس جی مہاراج ہین"۔

یہ ہر رنگ مین اچھا کہتے اور ہر صنف کلام پر قادر تھے، لیکن ان کے پھڑکتے ہوئے اور چلبلے عاشقانہ کبت بخصوصیت کے ساتھ قابل داد ہوتے تھے۔ اِن کی شاعری قدیم طرز سخن کے گہوارہ مین پلی تھی، اس لئے سارا کلام پرانے رنگ مین ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔

اِن کی شاعری دور دور تک مشہور تھی۔ لکھنؤ، بنارس، کانپور، سیتاپور وغیرہ کی کاویہ سبھا (مشاعرہ) سے سمیا پتر (طرحی مصرعہ کے خطوط) آتے تھے، لیکن یہ کہین جاتے نہ تھے، البتہ کبت (شعر) کہکر بھیجدیتے تھے، جن کی بڑی تعریف ہوتی تھی۔ رائے صاحب کے یہاں جو شعرا آتے تھے، وہ اِن کے اشعار سن کر بہت خوش ہوتے تھے۔ بنارس، لکھنؤ وغیرہ کے علاوہ سیتاپور کے ضلع مین خاص طور پر اب تک ان کی شہرت ہے پنڈت سنگم لال (کویہ جی کے نواسے) بیان کرتے ہین، کہ اِن مقامات مین اگر بھاشا کے شاعرون یا بھاشا ادب کے ماہرون سے کب جی کا نام لیا جائے تو وہ صرف تعریف ہی نہین کرینگے، بلکہ اِن کے کبت بھی سنا دینگے، جس کا ہمین ذاتی تجربہ ہے۔

انھین ورزش کا بھی شوق تھا۔ مذہبی پابندی کے علاوہ دھرم شاستر کے بموجب اشنان اور لگھر سنکا (غسل اور استنجا) کے فرائض باقاعدہ انجام دیتے تھے جس سے تندرستی ہمیشہ اچھی رہی، نہ ہاضمہ مین کبھی فتور واقع ہوا نہ غذا مین کمی ہوئی۔ کھانے پینے کے متعلق کسی چیز سے پرہیز نہ تھا، ہر شے بلا تکلف شوق سے استعمال کرتے تھے۔ اچار بیحد مرغوب تھا، طرح طرح کے اچار تیار رہتے تھے، جسے کھانے کے وقت روز کھاتے تھے۔

خانہ نشینی کے زمانے مین اِن کی صورت کسی قدر خوفناک ہوگئی تھی، جس سے لوگ انھین مجنون خیال کرتے تھے مگر جب کسی ذی علم یا گویہ (شاعر) سے ملاقات ہوتی تھی تو، اِس قسم کی بات چیت کرتے تھے کہ دیکھنے والے دریائے حیرت مین غرق ہو جاتے تھے اور ملنے والا اِن سے خوش ہو کر اِن کا مدّاح ہو جاتا تھا۔ ۴۸ برس کی عمر پائی، سمبت ۱۹۷۰ بکرمی مطابق ۱۹۱۳ء مین انتقال ہوا۔ سانولا رنگ، لانبا قد، موٹے تازے، ہاتھ پاؤن زبردست گٹھے ہوئے، گرسٹڈ ڈول، سر پر چھوٹے چھوٹے بال، چندیا صاف، بابری حجامت، اوسط درجہ کی سیاہ مونچھین، منڈی ہوئی داڑھی، خوبصورت ملیح چہرہ۔ آدمی ملنسار، خوش اخلاق، زندہ دل، رنگین مزاج، طبیعت کسی قدر شوخ اور ظرافت کے چٹخارے سے آشنا، وضع آبائی۔ دو لنگی مارکین کی دھوتی اور اسی کی مرزائی، دو پلڑی تنزیب کی ٹوپی، چمرودھا جوتا، جاڑے مین چھینٹ کی مرزائی، لیکن، شادی بیاہ یا کسی دیگر تقریب کے موقع پر بجائے مرزائی کے انگرکھا پہن لیتے تھے۔ اولاد نرینہ کوئی نہین، جملہ جائداد اور پختہ مکان پر اِن کی عورت قابض۔ یادگار مین **النکرت مال** نامے قابل قدر تصنیف جس مین مختلف رنگ کے مضامین مختلف بحرون، مختلف اصناف، شاعری پر مشتمل ہین، غیر مطبوعہ موجود۔ اشعار سلیس، عام فہم، پر تاثیر، مضامین چٹیلے، زبان صاف اور شستہ۔ (ٹھکانہ)۔

بینیؔ

بینی مادھو نام، بینیؔ تخلص، مشہور سخنور، صاحب تصنیف۔ ان کے حالات باب ہٰذا کی پہلی فصل مین ملاحظہ ہون۔

گِریشؔ

ہیش دت نام، گریشؔ تخلص، پنڈت گنگا پرشاد عرف گنگا پال اوستھی کے بیٹے، پنڈت شنکر دیال کے حقیقی بھتیجے اور شاعری مین انھین کے شاگرد۔ اچھے شاعرون مین تھے اور شاعری کے علاوہ موسیقی کے فن سے بھی واقف تھے۔ گورے رنگ، لمبے قد کے، دُبلے پتلے سیدھے سادے آدمی تھے۔ رائے صاحب کے یہان پنڈتون کے زمرہ مین ملازم تھے عین شباب مین ۱۹۱۳ء کے ختم ہوتے ہی اِن کا بیکنٹھ باش ہوا۔

ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی "رتن دیونامے" نجومی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمبت ۱۹۱۱ بکرمی کے قبل پیدا ہو چکے تھے۔ یہ پوتھی رائے صاحب کے کتب خانہ مین موجود ہے ۱۲۔

۳۰ سال کی عمر پائی۔ تصنیف سے سکھ بلاس نامے راگون کی نظم یادگار ہے جو عرصہ ہوا کہ چھپ کر شائع ہو گئی ہے اولاد مین دو لڑکیان اور ایک لڑکا موجود۔

شعرائے فارسی

شائق

خدابخش نام، شائق تخلص، بلند خیال اور کہنہ مشق شاعر، اچھے انشا پرداز، فارسی و عربی مین ذی استعداد ہونے کے علاوہ اردو ادب سے بھی آشنا، نجوم کے بھی ماہر اور رمل و جفر سے بھی واقف، نظم و نثر دونون مین صاحب تصنیف و تالیف۔ ولادت ۲۸ شعبان ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء)، وفات ۱۳ شعبان ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۸ء)۔

منشی خدابخش صاحب شائق کے والد منشی نبی بخش صاحب متخلص بہ عاصی عربی و فارسی مین کافی مہارت رکھتے تھے۔ فارسی و اردو کے شاعر بھی تھے۔ کنتور مین پیدا ہوئے[۵۱]، بالغ ہونے پر اپنے وطن دریاباد آئے اور یہین اُن کا عقد ہوا۔ چند روز کے بعد راجہ پرتھی پت سنگھ صاحب (تعلقدار ہڑاہا) کے دربار مین بہ عہدۂ منشی گری مامور ہو کر ایک عرصہ تک اپنے فرائض منصبی خوبصورتی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ ساٹھ سال کی عمر مین ضعف بصارت اور ثقل سماعت کی وجہ سے خانہ نشین ہونے کے ساتھ ہی علمی خدمت مین مشغول ہو گئے اور تا زندگی درس و تدریس کا مشغلہ برابر جاری رہا۔ شائق صاحب کے علاوہ ان کے دو بیٹے اور بھی تھے۔ بڑے بیٹے مولوی نبی بخش صاحب شرفا کے لڑکون کو عربی و فارسی کی تعلیم دیتے تھے، منجھلے بیٹے شیخ مخدوم بخش صاحب حیدرگڈھ کے چکلہ دار تھے۔ منشی صاحب خانہ نشینی کی حالت مین اپنے اُنھین فرزندون کی سعادتمندانہ اطاعت کے باعث تا زندگی دنیاوی تکلیفون سے آزاد رہے۔ ۸ رجب ۱۲۵۸ھ مین وفات پائی۔ شائق صاحب نے تاریخ کہی :-

حیف کز دار فنا کرد نبی بخش سفر   زانکہ او بود زار باب یقین پاک نفس
سالش از روئے بکا گفت سروش محزون   قطرہ پیوستہ بدریائے محیط اقدس

منشی صاحب کے اوّل بزرگ شیخ سلیمان، جو حضرت محمد ابن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسل سے آٹھوین پشت مین تھے، ملک شام مین تحصیل علوم سے فیضیاب ہو کر نجف اشرف ہوتے ہوئے بطریق سیاحی دہلی وارد ہوئے اور اپنی علمی قابلیت اور کشف و کمالات کے زور سے ابوالمظفر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی کے دربار مین باریاب ہو کر خطاب "شیخ الاسلام" سے سرفراز ہونے کے

---

۵۱ عاصی صاحب کے والدین کنتور (پرگنہ بدوسرائے) مین آباد ہو گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد شیخ محمد علی صاحب پان بہت کھاتے تھے۔ گھر والون نے بیجا مصارف دیکھ کر نصیحت کی، اُنھین کچھ ایسی غیرت معلوم ہوئی کہ ترک وطن پر مجبور ہو گئے اور پھر عمر بھر دریاباد کی طرف رخ نہین کیا ۱۲

۵۲ ماخوذ از رسالہ صدیقیہ ۱۲۔

ساتھ ہی موضع موسی پور (پرگنہ دریاباد، غالباً یہ وہی موضع ہوگا جو آج کل ہرسنے پور کے نام سے لال گنج کے قریب آباد ہے) کی معافی کا فرمان حاصل کر کے دریاباد آئے۔ کچھ دن کے بعد اُنھوں نے سید مقبول رضوی کی بیٹی سے نکاح کیا اور دریاباد میں مستقل سکونت اختیار کی۔ اِن کی اولاد شیخوں کے نام سے مشہور ہوئی جن کے نام سے "شیخانہ محلہ" سنگئی محلہ کے قریب ہی آباد تھا۔ اِن شیخوں نے اپنی عالی نسبی، خداداد ذہانت، اپنے قابل تقلید طرزِ عمل اپنے غیر معمولی علم و کمال سے خاص شہرت حاصل کی تھی۔ شہنشاہ اکبر، شاہجہان بادشاہ، شہنشاہ عالمگیر، محمد شاہ بادشاہ (شاہان دہلی) اور نواب ابوالمنصور خان بہادر صفدر جنگ، نواب شجاع الدولہ بہادر، نواب آصف الدولہ بہادر (صوبہ داران اودھ) کے درباروں سے انھیں عہدۂ قضا و قانونگوئی عطا ہونے کے ساتھ ساتھ جائداد اور معافیوں کے فرامین بھی مرحمت ہوئے تھے۔ یہ سلاطین دہلی و حکمرانانِ لکھنؤ کے حضور میں باریابی سے سرفراز تھے۔ اِن کے قبضے میں صرف موسی پور و امین پور مواضعات و جاگیر اور سکنات و پختہ مکانات (واقع محلہ چودھری و شیخانہ) ہی نہ تھے، بلکہ اچھی خاصی زمیندارانہ حیثیت رکھنے کی وجہ سے رئیسوں میں اِن کا شمار تھا۔ اِن میں چند بزرگ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں **شیخ بھیکھا** شیخ سلیمانؒ کے بیٹے، علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ، دربار اکبری میں ذریعۂ فرمان خطاب تقویٰ شعاری سے سرفراز **مولانا ہی رعنا** شیخ سلیمانؒ کے فرزند دوم، ریاضت پسند، ذی استعداد شہنشاہ اکبر کے عہد میں ذریعۂ فرمان محررہ ۹۶۵ھ عہدۂ قضا پر مامور **شیخ حبیب اللہ** مقرب شہنشاہِ اورنگ زیب، اپنے وقت کے بے مثل علامہ اور اعلیٰ زاہد و مرتاض، اِنھوں نے تعمیر کے متعلق کُل ضروری سامان دہلی سے دریاباد بھیجکر قدیم اور آبائی خام مکان کو از سرِ نو پختہ بنوا کر نہ صرف اپنے آبا و اجداد کا نام و نشان ہمیشہ کے لئے استحکام کے ساتھ قائم کیا، بلکہ اپنی حب الوطنی اور مراحم خسروانہ کا کافی ثبوت دیا۔ کچھ آراضی بھی ذریعۂ فرمان ۱۰۸۶ھ میں انھیں مرحمت ہوئی تھی **شیخ محمد شریف**، کعبۂ معظمہ کی زیارت کے بعد مسجدوں میں وعظ دیتے ہوئے عبادت میں ہمہ تن مصروف رہے اور جب علوم باطنی سے بہرہ ور ہو گئے تو شیخ دوست محمد (از اولاد شیخ خلیل الرحمن صاحب رئیس رُدولی) کی بیٹی سے منسوب ہو کر عہدۂ قضا پر ممتاز ہوئے **شیخ گھیسا**، قانونگوئی کے عہدہ پر مامور، دریاباد کے رئیسوں میں شامل۔ یہ حالات رسالہ صدیقیہ فارسی، دیوان گلشن فیض، فہرست[1] فرامین شاہی مرتبہ شائق صاحب، اقرار[2] نامہ نوشتہ مسماۃ امامن، سے اخذ کئے گئے ہیں، جو شیخ اقبال احمد صاحب پدشاہ[؟]

[1] اس فہرست میں چودہ فرامین کے نام درج ہیں (۱) فرمان شاہجہان بنام شیخ بھیکھا (۲) فرمان شہنشاہِ اکبر بنام شیخ سلیمانؒ (۳) فرمان عالمگیر شاہ بنام شیخ حبیب اللہ (۴) فرمان محمد شاہ بنام بی بی صحبن، بنت شیخ سلیمان (۵) فرمان محمد شاہ بنام بی بی صحبن ۱۱۳۳ھ (۶) فرمان محمد شاہ بنام عالم شاہ ۱۱۵۴ھ (۷) فرمان نواب ابوالمنصور خان صفدر جنگ ۱۱۴۵ھ (۸) فرمان بنام شیخ بھکاری ۱۱۶۰ھ (۹) فرمان عالمگیر شاہ بنام شیخ حبیب اللہ ۱۰۹۳ھ (۱۰) فرمان بی بی عائشہ بنت نعمت اللہ ۱۱۶۱ھ (۱۱) فرمان نواب شجاع الدولہ بہادر بنام شیخ بساون و شیخ گھیسا ۱۱۷۱ھ (۱۲) فرمان بنام شیخ خرم علی عرف شیخ گھیسا ۱۱۸۶ھ (۱۳) فرمان نواب آصف الدولہ بہادر بنام شیخ امان اللہ (۱۴) فرمان نواب آصف الدولہ بہادر بنام شیخ رحیم بخش ۱۱۹۳ھ

[2] مصدقہ دفتر رجسٹرار ردناجی، یکم اپریل ۱۸۶۶ء، رجسٹر نمبر ۲۷، صفحہ ۶۵

(شایق صاحب کے پوتے) دریاباد کے پاس محفوظ ہین۔

گلشن فیض (دیوان شایق) کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شایق صاحب نے اپنے والد سے تعلیم پائی تھی اور یہ حاجی وارث علی شاہ صاحب کے مُرید تھے اور اُنھین کی ترغیب سے غزل گوئی پر آمادہ ہوکر شاعری مین اُنھین کے شاگرد ہوئے تھے" لیکن شایق صاحب کے بیٹے مولوی فرید احمد صاحب بیان کرتے ہین کہ شایق صاحب کو اُن کے والد منشی بنی بخش صاحب نے عربی و فارسی علوم کی تعلیم بھی دی تھی اور شاعری مین بھی اُنھین کا فیض تلمذ حاصل تھا۔ اس بارہ مین دیوان مین جو کچھ لکھا ہے وہ محض اُن کی عقیدتمندی کا اظہار ہے۔ راقم کے نزدیک یہ بیان بہت صحیح ہے، کیونکہ عام طور پر سُنا جاتا ہے کہ حاجی صاحب پڑھے نہین تھے۔

منشی صاحب دریاباد مین پیدا ہوئے تھے۔ بیس برس کے سن مین صاحب استعداد ہوکر پہلے ریاست رام نگر دھمینڈی (بارہ بنکی) مین تحصیلدار ہوئے۔ بعد اُس کے برجیس قدر بہادر کی ماں بیگم صاحبہ نے (کسی سے ان کی علمی قابلیت کی تعریف سُن کر) اِنھین راجہ صاحب کی رضامندی سے اپنا میر منشی مقرر کیا۔ غدر شروع ہونے کے پہلے گردھارا سنگھ صاحب جو اُس وقت خیرآباد کے چکلہ دار تھے، اِن پر مہربان ہو گئے اور بیگم صاحبہ سے اجازت لیکر منشی صاحب کو اپنے تعلقہ کے دفتر کا افسر کر دیا۔ گردھارا سنگھ صاحب ذاتی طور پر تعلقدار بھی تھے، اُن کا مکان اور ریاست کا دفتر خیرآباد ہی مین تھا۔ اِسی وجہ سے اُنھون نے نظامتِ دریاباد کے مقابل مین خیرآباد کی چکلہ داری پسند فرما کر خود تبدیلی کرا لی تھی۔ گردھارا سنگھ صاحب کی وفات پر سلیم پور کے تعلقدار راجہ نواب علی خان صاحب نے اِن کو طلب فرما کر مختارگری کے عہدہ پر سرفراز فرمایا اور خاص مصاحبون مین آبروبخشی۔ اُس زمانے مین ریاست سلیم پور کے بارہ مواضعات جو دیگر ذرائع سے شامل تعلقہ ہوکر نکل گئے تھے اُن کی بابت فنانشل کمشنر صاحب بہادر لکھنؤ کی عدالتِ عالیہ مین مقدمہ دائر تھا۔ راجہ صاحب نے منشی صاحب سے فرمایا کہ "اگر کوشش و پیروی کر کے مقدمہ جیت لیجیے گا تو پانچ سو روپیہ انعام آپ کو دیا جائے گا" خدا کے فضل سے منشی صاحب مقدمہ مین کامیاب ہو گئے اور راجہ صاحب کو خوشی سے اپنا وعدہ وفا کرنا پڑا یہ سلیم پور کے دیگر مختارون مین ممتاز اور عام مختار تھے، پینتالیس ۴۵ روپیہ ماہوار تنخواہ تھی اور دیگر رعایتین اس کے علاوہ۔ تاحیات راجہ صاحب کی بیحد قدردانی سے وہین ملازم رہے اور نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کی۔

ملازمت کے سلسلے مین شایق صاحب جہان کہین رہے اپنا فرض منصبی نہایت مستعدی و قابلیت کے ساتھ انجام دیتے رہے، اپنے سے نیچے درجہ کے ملازمون کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور اُن سے بے تکلف ملتے رہے، اپنی شیرین بیانی و دیانت داری اور راستگوئی و انکساری کی بدولت سب مین ہر دل عزیز رہے۔

اِن کی شادی برادری ملک مین شیخ امام بخش صاحب (جو لکھنؤ کے شیوخ مین شہزادۂ بنہرہ کی نسل سے

تھے) کی سلیقہ مند، منتظم اور نیک بخت بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی۔

یہ بڑے خوش نصیب تھے۔ تحصیل علوم سے فارغ ہوتے ہی ملازم ہوگئے اور پھر کبھی بیکار نہیں ہمیشہ معقول مشاہرہ کے ساتھ معزز عہدہ پر مامور رہے۔ مالک جوہر شناس اور قدردان پاتے رہے مین نہ دنیاوی تکلیفون سے آشنا ہوئے نہ کسی سخت بیماری مین مبتلا۔ اِنھین کسی وقت کسی بات نہین ہوئی، حسب حیثیت ہر چیز مُہیّا رہی۔ تباہ کن شوق سے فطری طور پر احتراز رہا۔ مرتے دم لینے کی نوبت نہین آئی۔ بی بی کے مرنے کا غم، اولاد کا داغ مفارقت خواب مین بھی نہ نصیب ہو ہونے تک ان کے سر پر والدین کا سایہ رہا۔ ایک بیٹی اور چار نوجوان[۵] بیٹون کی شادیون سے فراغت حا ہنسی خوشی ۶۹ برس کے سن مین کلمہ پڑھتے ہوئے جمعہ کے دن انھون نے انتقال کیا۔ پستہ قد، گن گداز بدن، مانگ دار زُلفین، شرعی داڑھی، شرعی مونچھین، ہاتھ پاؤن سُڈول اور مضبوط، کشادہ خوبصورت گول چہرہ۔

مرحوم روزہ و نماز کی پابندی کے علاوہ ریاضت پسند بھی تھے۔ ہر روز دو بجے رات کو اُ صبح تک یاد الٰہی مین مشغول رہتے تھے۔ متعصب نہ تھے، ہندو مسلمان سب سے یکسان برتاؤ رکھتے حاجی وارث علی شاہ صاحب کے دلی معتقد تھے۔ دیگر اولیائے کرام حضرت شاہ میناصاحب (لکھنؤ عبدالحق صاحب (ردولی) شاہ عبدالرزاق صاحب (بانسہ) شاہ لطف رسول صاحب، شاہ ر رحمۃ اللہ علیہم سے بھی عقیدت رکھتے تھے اور ہادی اِسلام حضرت سیّد سالار مسعود غازی رح کے تھے۔ ساتھ ہی اِس کے مقدس زیارت گاہون نجف اشرف، کعبہ شریف، مدینہ منورہ کی طرف سے خیالات نہایت ہی پاکیزہ تھے۔ طبیعت مین سخاوت بھی تھی، سائل کا سوال حتی المقدور خواہ ہندو مسلمان، کبھی رد نہین کرتے تھے۔ مزاج مین صفائی اور سادگی بہت تھی، تکلف نام کو بھی نہ تھا۔ کے متعلق نوکر جو کچھ پکا کر سامنے رکھدیتا تھا، یہ خوشی سے کھالیتے تھے اور خدا کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ ان لباس بھی سادہ اور بالکل معمولی تھا۔ بڑے پائینچے والا نین سکھ کا پائجامہ، تنزیب کا انگرکھا، کرتا، دو ٹوپی، زرد مخملی گول پنجے والا جوتا، جاڑون مین روئی دار دگلا استعمال کرتے تھے۔ کچہری کے وقت سر پر گ لیتے تھے۔ نوابی سے انگریزی تک یہی وضع بدستور قائم رہی، کسی قسم کا فرق نہین آیا۔

شیخ صاحب اپنے ہم وطنون کا بہت بڑا ادب کرتے تھے۔ جب سلیم پور سے دریاباد آتے تو جھمجھا قریب پالکی سے اُتر پڑتے اور اپنے مکان تک پیدل آتے تھے، بستی کے اندر کبھی کسی سواری پر سوار اِس سے اِن کے اخلاق و عادات اور طرز عمل کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ کیسے دانشمندانہ اور اصول پر مبنی تھا۔

۵ نوازش احمد، ہادی احمد، فرید احمد، علی حسن۔ ان مین سے نوازش احمد سنہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء مین اور علی حسن سنہ ۱۹۱۲ء مین فوت ہوگئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ "ایک مرتبہ جب یہ بہت بیمار ہوئے تو اِن کے لڑکے جو باہر ملازم تھے، خبرِ علالت سُن کر انھین دیکھنے کے لئے آئے - انھون نے اُن سے کہا کہ "ابھی تم لوگ کیون آئے؟ جب ہمکو اپنی موت کا زمانہ قریب معلوم ہوگا تو ہم تمکو خود اطلاع دینگے" جس وقت اِن کے مرنے مین ایک دن باقی رہ گیا تو، انھون نے گھر مین کہدیا کہ "ہم کل مرینگے، اب سب لوگون کو کیسے اطلاع ہو سکتی ہے؟ چونکہ یہ اتفاقیہ طور پر سلیم پور سے اچھے بھلے چنگے آئے تھے اور دفعتہً بیمار ہو کر پھر سنبھل گئے تھے، اِس لئے کسی کو اس بات کا مطلق یقین نہ آیا - لیکن، دوسرے ہی روز یکایک اِن کا انتقال ہو گیا، جسے سُن کر لوگون کو سخت حیرت ہو گئی" یہ بھی روایت ہے کہ ایک دفعہ انھون نے اپنی بی بی سے خود ہی کہدیا تھا کہ "تم ہمارے مرنے کے دس برس بعد مرد گی" اور یہ پیشین گوئی بھی راست آئی ۔ اِس سے شایق صاحب کی نجوم دانی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے -

اِنھون نے ذاتی قابلیت پر کبھی گھمنڈ نہین کیا، بلکہ ضرورت سے زیادہ اپنی ہیچدانی کا اعتراف کیا ہے - چنانچہ "گلشن فیض" کے دیباچہ مین تحریر ہے کہ "این رہ نوردِ بادیۂ ہیچدانی و بستۂ سلاسلِ نادانی را کہ از ہزار دانگی از بسیار لیاقت صوری و معنوی نصیب نہ گشت بلکہ بالطبع شیشۂ بلند نامی بزرگان را بسنگ جہل و بدلیاقتی با درہم شکست اصلا سزا یہ لیاقتی درخود نداشت کہ حرفی بصفات اکابران آفاق تحریر می ساخت" لیکن، شاعری وہ فن ہے کہ، جسے حاصل ہو جاتا ہے وہ قدرتی طور پر کچھ نہ کچھ نازان ہونے کے ساتھ ہی اُس کا اظہار بھی کرنے لگتا ہے ۔ شایق صاحب بھی اس صفت سے موصوف ہو کر اپنی غزلون کی تعریف مین "ہر غزل گنجینۂ اسرار است و ہر سطرش گوہر آبدار" لکھنے پر مجبور ہو گئے، جو اسی دیباچہ مین کسی جگہ مرقوم ہے "گلشن فیض"، "تحفۃ الاصفیۃ" کے ٹائٹیل پیج اور "مثنوی شایق" کے آخری صفحہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ منشی صاحب عظیم آباد (پٹنہ) تشریف لیگئے تھے (غالباً یہ سفر پیرانہ سالی کے زمانے مین یعنی ۱۳۰۰ھ کے قبل ہوا ہوگا) اور وہان مولوی محمد یحییٰ صاحب (وکیل و آنریری مجسٹریٹ) سے دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے تھے - منشی درگا پرشاد صاحب (دارو غہ محبس ضلع لکھنؤ) سے بھی خاص مراسم تھے - انھین بزرگون کی بیحد قدردانی سے شایق صاحب کی تصانیف چھپ کر دوامی یادگار کا باعث ہوئین -

شایق صاحب وطن کے سچے عاشق بھی تھے اور خادم بھی - ذیل کی غزل اِن کی وطنی خدمت اور وطنی محبت کی ایک شاعرانہ عمدہ یادگار ہے، جو اگرچہ بیجا لفاظی کی بھر مار سے اصلیت کے خلاف غلو کی حد تک پہونچ گئی ہے، لیکن، قابلِ گرفت نہین - کیونکہ اب سے تین سو برس پہلے ہند کے مشہور فاضل اور با کمال شاعر تلسی داس جی مہاراج فرما گئے ہین - "جہان بسے وہ سُندر دیسو" یعنی جہان سکونت ہو وہی خوبصورت ملک ہے -

غزل

بود تا خاک و آب و آتش و باد — الٰہی اباد دریاباد آباد

عجب شہرے کہ در اطرافِ عالم　　　　بہم جنسی نتوان خبر داد
درین بستان دو نخلِ سر کشیدہ　　　　یکے چون سرو دیگر ہمچو شمشاد
بحسنِ صورت و خوبیٔ سیرت　　　　نباشد مثلِ آنہا چرخ را یاد
چو از سامانِ آنجا نقش بندند　　　　بلرزد مر قلمِ مانی و بہزاد
بحسن و دلبری خوبانِ آنجا　　　　سبق بردند از حور و پری زاد
بہ پیشِ عالمانش پیر گردون　　　　کند تہ زانوئے چون پیشِ اُستاد
زحل دارد سرِ مدحت در آنجا　　　　بخاکِ آستانِ جملہ زہاد

لیکن، اِس غزل کو دیکھ کر اِن کے قلم سے نکلے ہوئے یہ الفاظ نہایت دِلشکن اور حیرت انگیز ہوتے ہین کہ: ''مشہور است کہ اول کسے راکہ احداث و تعمیر عمارت پختہ در قصبہ خاص دریا باد کرد آن شیخ حبیب بود کہ چوب کڑی دکنواڑ و سامان طیاری سقف مکانات از دہلی بدریا باد فرستادہ چنانکہ آن عمارت تاحال باستثناء چند ابواب قائم و موجود است داثری از کہنگی ندارد'' (از رسالہ صد بقیہ مولفہ شائق صاحب) منشی صاحب کا یہ فرمانا سراسر خلاف واقعہ ہے کہ ''خاص دریا باد مین پہلے پہل پختہ عمارت کی بنیاد شیخ حبیب اللہ صاحب (شائق صاحب کے بزرگوار) نے قائم کی اور یہ اُن کی جدت ہے'' یعنی دریا باد مین شیخ صاحب کے قبل جس قدر مکانات تھے وہ سب کے سب خام تھے اور پختہ تعمیر اور اُس کے متعلق ضروری اشیا سے کوئی مطلق آگاہ نہ تھا یا تعمیری سامان کا دستیاب ہونا غیر ممکن تھا، جب شیخ صاحب موصوف نے ''چوب کڑی دکنواڑ و سامان طیاری سقف مکانات'' دریا باد روانہ فرما کر اپنا مکان پختہ بنوا یا تو دیکھی دیکھی دیگر مکانات بھی پختہ تیار ہونے لگے۔ شیخ حبیب اللہ صاحب کا زمانہ سن بلوغیت عالمگیر شاہ عہدِ حکومت کے بیشتر نہین ثابت ہوتا اور دریا باد مین اِس سے بہت پہلے صدہا پختہ مکانون کے علاوہ چند نہایت عظیم الشان مشہور و معروف عمارتین بھی تعمیر ہو چکی تھین۔ اکبر شاہ کے زمانے مین حاجی مصطفیٰ صاحب نے محلسرا، رنگ محل، شیش محل، مسجد وغیرہ پختہ عمارتین بنوائین۔ اب سے پانچ چھ سو برس قبل سنگا شاہ کے حکم سے ست کھنڈا (محل) چار منزلہ، الااوفی کنوان، پھلواری کے متعلق پختہ چہار دیواری، مکان تعمیر ہوئے۔ گنج مین پختہ دوکانین بنین، پختہ شہر پناہ قائم ہوئی، پھاٹک بنے، دھرم شالے تیار ہوئے۔ علاوہ اِس کے اوستھیون، اگن ہوتریون، جگد مصریون، دیکشتون کی حویلیان اور رگیتہ شالے عمارتین بھی قدیم زمانے مین تعمیر ہوئی تھین۔ چھٹنکی محل، رنگ بھون، لکشمی بھون، للّو اور لچھی سیٹھ کے دھرم شالے، دھنو سیٹھانی کا پنچ محلہ وغیرہ وہ عمارتین ہین جن کی قدامت کا آج تک باوجود کوشش صحیح نہ چلا۔ ان مین سے چھٹنکی محل جو غدر کے بعد بھی کچھ دن تک شکستہ حالت مین موجود رہا، شائق صاحب نے خود ملاحظہ کیا ہوگا، اور سنگئی ساہ کا محل (کھنڈر کی صورت مین) اِس وقت تک موجود ہے۔ حاجی مصطفیٰ

شاہ صاحب کی عمارتوں کا ذکر کتاب حدیقۃ الارض میں درج ہے۔ دیگر مکانوں کی قدامت تحقیقات سے بخوبی ثابت ہو چکی ہے، جسکے اظہار کی چندان ضرورت نہیں۔ اب ناظرین غور فرمائیں کہ دریاباد میں اول کس نے پختہ عمارت کی بنیاد قائم کی؟ اور اس ایجاد کا سہرا کس کے سر بندھتا ہے؟

تحقیق اور تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ شائق صاحب چوبیس برس کے سن میں باقاعدہ تصنیف و تالیف کے میدان میں آگئے تھے اور ۱۲۹۰؁ھ یعنی ۶۲ سال کی عمر تک علمی خدمت کے جوہر دکھایا کئے۔

منشی خدابخش صاحب شائق معمولی شاعر نہ تھے، قدردان جماعت میں اپنے وقت کے سعدی و حافظ اور مولانا روم سمجھے جاتے تھے۔ انھیں عروض و قافیہ سے اچھی طرح واقفیت تھی، اصناف سخن پر کامل عبور تھا، صنائع و بدائع سے خاص دلچسپی تھی۔ لکھنؤ، عظیم آباد، گورکھپور کے ادبی مجلسوں میں ان کی اچھی شہرت تھی، قدرت نے انھیں زبردست دل و دماغ عطا فرمایا تھا، ان کی طبع موزون روانی میں دریا سے کم نہ تھی، اسپر علمی قابلیت و ذہانت مستزاد تھی۔ زود گوئی، پُرگوئی، خوشگوئی، مشق سخن ان کے خاص جوہر تھے۔ شاعری سے ان کو فطری لگاؤ تھا۔ ملازمت کے سلسلے میں اپنے فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے فکر سخن میں بھی مشغول رہتے تھے اور اس طرح ایک مدت تک مشق سخن کرتے کرتے انھوں نے شاعری میں پوری قابلیت حاصل کرلی تھی جسکی تصدیق کے لئے گلشن فیض (دیوان شائق) اور مثنوی شائق کی ورق گردانی کافی ہے۔

گلشن فیض میں غزلیں، رباعیاں، خمسے، قصائد، مستزاد، قطعات، ترجیع بند، عشرہ، مثنویاں، تاریخ وغیرہ ہر قسم کا کلام موجود ہے۔ بہت سی غزلیں، قطعات، رباعیاں خاص صنائع شاعری کے متعلق نظم کی گئی ہیں جو منقوط، غیر منقوط، مرادف، تجنیس خطی، ذوبحرین، ذوالقوافی، چیتان، معمّا وغیرہ انواع و اقسام کی لفظی صنعتوں سے مرتب ہیں۔ ان میں دو ایک غزلیں ایسی بھی ہیں جن میں خاص شیخ سعدی رح کی تقلید کا گہرا رنگ نظر آتا ہے۔ چند غزلیں اس قسم کی ہیں جو دیوان میں دائرے، مثلث، گلدستہ کے اندر لکھی ہوئی ایک خاص ترکیب سے پڑھی جاسکتی ہیں۔ کلام کا زیادہ حصہ تصوف، معرفت، حمد و نعت، مناجات، اولیائے کرام کے اوصاف، ہادیان اسلام کی تعریف، مقدس زیارت گاہوں کی صفت اور حاجی وارث علی شاہ صاحب کے عشق سے لبریز ہے۔ عاشقانہ رنگ کے اشعار بھی لطیف اور پاکیزہ ہیں۔ اکثر سنگلاخ زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی گئی ہے اور خوب خوب اشعار نکالے گئے ہیں۔ ہر شعر دلچسپ و فصیح، مضامین مفید اور نتیجہ خیز، لفظی رعایتیں معقول، بندش درست، ردیف و قافیہ مربوط۔ بعض بعض نظموں میں قافیہ و ردیف کے اعتبار سے جدت طرازی و اختراع پردازی کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔

مثنوی شائق۔ تصوف و اخلاق میں مشہور و معروف، مثنوی مولانائے روم کے برابر۔ مثنوی کے خاتمہ پر (مستجاب مطبع) لکھا ہے کہ۔ دریں زمان گلدستہ بہارستان توحید و تسنگرف گوہرِ گنج معانی تفرید جامع نکات معارف و حقائق مسمی بہ مثنوی شائق چہ خوش شاہد سیت کہ باآرائش

لمعات فیض ارشادات حضرت سید وارث علی شاہ صاحب از حجلۂ بطون بجلوہ گاہ ظہور خرامیدہ و بمشاطگیٔ طبع موزون سخنور بیمثال شاعر شیرین مقال معتقد خاص الخاص حضرت موصوف مولوی خدا بخش صاحب متخلص بہ شایق ولد مولوی نبی بخش مرحوم تخلص عاصی رئیس دریاباد بزیور نظم آبدار و دلکش ہر ہفت شدہ بر چار بالش جلوہ آرائی متمکن گردیدہ - چہ خوش مثنوی ست مملو از شگرف مضامین اخلاق و تصوف با ایزاد حکایات مثالیہ در صورت و حقیقت با مثنوی حضرت ملا جلال الدین رومی ہم معنی زیرا کہ ہر دو حضرات از یک وادیٔ سخن راندہ اند و ابواب معارف از انداز و نصائح و پند بر روی کافہ طالبین کشادہ و بنای دفاترش بموجب عدد لطائف ستہ مقررہ نزد سالک طریقت کہ لطیفہ اول نفس باشد دوم قلب سوم روح چہارم سر پنجم خفی و ششم اخفی باشد مثنوی موصوف را بر شش دفتر منقسم فرمودہ حسب فرمایش بلند حوصلہ منشی درگا پرشاد صاحب داروغہ محبس ضلع لکھنؤ در مطبع نامی جناب منشی نولکشور صاحب بماہ اکتوبر ۱۸ء منطبع گردید" (خلاصہ از مثنوی شایق مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۳ء)۔

مذکورۂ بالا تصانیف کے علاوہ حال مین گلزار شایق نام ایک تیسری تصنیف کا پتہ لگا ہے، جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب بھی چھپ گئی تھی اور لوگون مین بہت مقبول ہوئی تھی" یہ نظم نایاب ہے، اسلئے اس کی شاعرانہ خوبیون اور اس کے نفس مضمون پر کسی قسم کی رائے زنی فضول محض ہے - لیکن "مثنوی شایق" اور گلشن فیض" دیکھ کر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ "گلزار شایق" بھی شاعری کے جملہ لوازمات سے آراستہ، فصاحت و بلاغت سے معمور اور دیکھنے کے قابل ہوگی -

حضرت شایق محض فارسی ہی کے شاعر نہ تھے، اُردو شعر گوئی کا بھی شوق رکھتے تھے اور اس بارہ مین بھی اپنے والد ہی کے شاگرد تھے - فارسی کی طرح اُردو شاعری مین بھی خوب مشق بہم پہونچائی تھی، اس لئے جو شعر کہتے تھے بہت اچھا کہتے تھے - قیام لکھنؤ کے زمانہ مین وہان کے بعض بعض نامی گرامی شاعرون سے ایسے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے، اُنھین کے ہمراہ یہ اکثر مشاعرون مین شریک ہو کر غزلین پڑھا کرتے تھے اور اس طرح چند روز مین ان کی اُردو صاف اور شستہ ہو گئی تھی - لیکن جس طرح "گلزار شایق" کا پتہ نہین ہے، وہی حال ان کے اُردو کلام کا بھی ہے، صرف دو شعر مولوی ثابت علی صاحب کی زبانی سُننے مین آئے ہین وہ آگے موقع سے درج کئے جائینگے - انھون نے اپنے بیٹے مولوی علی حسن صاحب کو بھی اُردو شاعری کی تعلیم دی تھی اور خود ہی اُن کا تخلص "لائق" قرار دیا تھا - اس سے شاعری کے متعلق ان کی زمانہ شناسی بھی ثابت ہوتی ہے کہ انگریزی عہد مین بجائے فارسی کے اُردو کا رواج ترقی پر ہے، اس لئے اُردو شاعری "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" کے عین مطابق ہونے سے زیادہ مفید اور عام مقبولیت کا باعث ہو سکتی ہے -

مولانا جہان عربی و فارسی اور اُردو زبان کے ماہر اور نجوم، رمل، جفر تین علوم سے آگاہ

ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر و منشی بھی تھے، وہاں خدا کے فضل سے زمیندارانہ حیثیت بھی رکھتے تھے اور دریاباد کے رئیسوں میں مشہور تھے۔

تصنیفات کے ذیل میں (۱) گلشنِ فیض۔ دیوان کا تاریخی نام جس سے ۱۲۹۰ھ نکلتے ہیں اور یہی سال ترتیب ہے۔ یہ دیوان ۱۵ شعبان سنہ مذکور کو مرتب ہوا اور محرم ۱۳۰۵ھ میں مولوی محمد یحییٰ صاحب (وکیل و آنریری مجسٹریٹ پٹنہ) کی فرمائش سے عظیم آباد کے مطبع قیصری میں چھاپا گیا۔ تقطیع ۲۰×۲۶ گندہ اور معمولی کاغذ (۲) مثنوی شایق ۱۲۹۰ھ میں مرتب ہوئی اور حسب فرمائش منشی درگا پرشاد صاحب (داروغہ محبس ضلع لکھنؤ) نولکشور پریس لکھنؤ ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔ ۲۰×۲۶ تقطیع، ۱۲۵ صفحات، فی سطر چار مصرعے۔ خاتمۂ کتاب پر منشی بھگوان دیال صاحب **عاقل** (سابق سررشتہ دار دفتر مطبع، حال ایجنٹ نول کشور پریس کانپور) کا قطعہ تاریخ درج ہے۔ "ہست زیباچہ گلشنِ عرفان" مادۂ تاریخ ہے، جس سے ۱۲۹۴ھ نکلتے ہیں (۳) گلزار شایق مطبوعہ مگر لاپتا ہونے کی وجہ سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ شایق صاحب کا دوسرا دیوان ہے یا کوئی دیگر تصنیف (۴) تحفۃ الاصفیہ۔ حاجی وارث علی شاہ صاحب کی سوانح عمری، نثر، مصنف کی ساٹھ سالہ عمر میں تصنیف ہوئی، اس میں جا بجا موقع و محل سے مصنف کے طبع زاد بہت سے اشعار بھی ہیں۔ عبارت نہایت دلچسپ، سال ترتیب ۱۲۹۸ھ یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع انوار محمدی (لکھنؤ) میں فتح محمد تائب کے اہتمام سے چھپی، ۱۶۸ صفحات، تقطیع خورد ۱۸×۳۰۔ دوسری مرتبہ وکیل صاحب موصوف کی فرمائش سے عظیم آباد کے مطبع قیصری میں چھپ کر شائع ہوئی، سال طبع ۱۳۰۶ھ (۵) رسالہ صدیقیہ، نثر، مولف کے خاندانی حالات کی مختصر کتاب جو ۱۲۸۶ھ میں تالیف ہوئی ۱۸×۳۰ تقطیع ۱۴۴ صفحات، غیر مطبوعہ۔

ناظرین کی آگاہی کے لئے شایق صاحب کے چند اشعار دیوان گلشن فیض سے نقل کرکے بطریق نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ (شیخانہ حال برداری محلہ)

از پنجۂ من موی پریشان گلہ دارد — در گریۂ من دشت و بیابان گلہ دارد
از دیر و خرابات سوی صومعہ رفتم — آن کافر بدکیش ز ایمان گلہ دارد
ہر غنچہ بہ تنگ است ز تنگئ دہانت — وز خندۂ تو ہر گلِ خندان گلہ دارد
جانم ز تن و تن ز رگ و رگ ز دم سرد — وین سردِ دم از سینۂ سوزان گلہ دارد

صد مردہ دلان را بدمی زندہ نماید
شایق ز لبش چشمۂ حیوان گلہ دارد

ثنای حسنِ او حدِ بیان نیست — زبان را چشم و چشمی را زبان نیست[۵]

۵ یہ شعر تلسی داس جی کی اس مشہور چوپائی سے لڑتا نظر آتا ہے:۔ شیام گور کم کردن بکھانی، گرا انین نین بن بانی ۱۲۔

کمال

شنکر لال نام، کمال تخلص، از خاندان کائیتھان کھرے، لالہ شیو دین لال صاحب کے بیٹے، نامور او رخوش فکر شاعر، صاحبِ استعداد - ولادت ۱۸۳۱ء، وفات ۱۹۰۸ء -

فارسی مولانا کاظم علی صاحب (دریا بادی) سے پڑھی اور شاعری کا فن بھی اُنھین سے حاصل کیا۔ شاعری کے علاوہ کبوتر بازی کا بھی شوق تھا، قیمتی کبوتر اِن کے ہان پلے ہوئے تھے۔ بڑے ملنسار، نیک، رنگین طبیعت، خوش مزاج بزرگ تھے۔ شیخ مظفر کریم صاحب (وکیل باندہ) لالہ پرمیشر دیال صاحب، منشی ماتا پرشاد صاحب وکیل، ان کے خاص وطنی دوستون مین تھے۔ قرب و جوار مین ٹھاکر مہا بیر بخش سنگھ صاحب (رئیس سکرورھا) اور بھیا ہمت بہادر سنگھ صاحب (قیام پور) سے بھی خاص مراسم تھے۔

کمال صاحب پہلے ریاست سورجپور مین، بعد اُس کے ریاست رانی مئو مین مختار عام ہوئے اور ٹھاکر ادتار سنگھ صاحب کے زمانۂ حیات تک بدستور نہایت عزت کے ساتھ اپنے کار متعلقہ پر مامور رہے ٹھاکر جنگ بہادر سنگھ صاحب کے عہد مین، جو بیحد شکی مزاج تھے، علیحدہ ہو کر خانہ نشین ہو گئے اور پھر زندگی بھر کسی کی نوکری نہین کی - ۷۵ سال کی عمر پائی، لاولد فوت ہوئے - کلام کا پتا نہین ہے، بڑی مشکل سے ایک غزل کے چند اشعار دستیاب ہوئے ہین، جن سے اِن کا کمال شاعری ظاہر ہوتا ہے - ملاحظہ ہون - (کھرن ٹولہ حال مغلان) —

گفتہ کہ رنجوری چرا، گفتم زفرقت ہائے تو	گفتہ علاجِ خود بہ گو، گفتم کہ خاکِ پائے تو
گفتہ از اینجا دور شو، گفتم اگر بوسہ دہی	گفتہ نہ زیبد این ترا، گفتم بود زیبائے تو
گفتہ کجا داری مکان، گفتم کہ باشم لامکان	گفتہ کہ بر بامم بیا، گفتم بود رسوائے تو

گفتہ کہ اسم خود بہ گو، گفتم کمالِ خستہ دل
گفتہ چرا کردی فغان، گفتم کہ از سودائے تو

خاطر

بینی مادھو نام، خاطر تخلص - اِن کا بیان باب ہذا کی پہلی فصل مین درج ہو چکا ہے - یہ چونکہ کانپور مین فوت ہوئے تھے اور اِن کی تصانیف وہین اِن کے پاس تھین، لہذا اِن کا فارسی دیوان دستیاب نہ ہونے سے کلام کا نمونہ اِس جگہ درج نہ ہو سکا -

ے خاندانی حالات کے لیے باب ۳، فصل ۱، ذکر لالہ بھگوان پرشاد صاحب چکلہ دار ملاحظہ ہو ۱۲ -

اَقبال

مہادیو بلی نام، اقبال تخلص۔ باب ۳، فصل ا میں اِن کا مفصل ذکر کیا گیا ہے، یہاں پر صرف چند اشعار درج کئے جاتے ہیں جن سے اِن کا پایۂ شاعری معلوم ہوتا ہے۔

چو لچھمن و رام شاہِ لنکا بہم نمودند تیر باران — پئے مدد در رسید بیگر پو ہنومتش ہمرکاب آمد

ز تیر و مشت دلکد چو شد خستہ رام ببرید یک سرِ او — سرِ دگر شد بجائش پیدا بچشم امرِ عجاب آمد

چو دید ہر بار این تماشا برید یکبارہ دہ سرش را — فتاد بر روئے خاک و از جام مرگ مست و خراب آمد

نمود تا ہفت روز با رام روز و شب جنگ سخت راون — بآخر از بش شستر رگھبر بکشتنش کامیاب آمد

صدا بر آمد کہ رام برجہ است نیست انسان کہ کشت راون — ہم از پئے قتل ہر ان کہ شب بشکل شیر از عتاب آمد

انگریزی شعرا

مِسٹر

بینی مادھو نام، مسٹر تخلص، صاحبِ تالیف۔ اِن کے حالات باب ہذا کی پہلی فصل سنسکرت دان پنڈتوں کے بیان میں ملاحظہ ہوں۔

سُخنورانِ اُردو

ندیم

بشارت علی نام، ندیم تخلص، سنی المذہب، شیخ مولوی مشرف علی صاحب کے بڑے بیٹے (چھوٹے بیٹے مولوی سالار بخش تھے، جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) مشہور شاعر، خواجہ حیدر علی صاحب آتش لکھنوی کے شاگرد دریاباد میں اُردو شاعری کے بانی مبانی۔ اِن کے قبل یہاں فارسی کے سوا کوئی اُردو کے نام سے بھی آشنا نہ تھا، یہی اول اور قابلِ فخر بزرگ ہیں جنھیں فارسی کے زمانۂ عروج میں ادبِ اُردو سے محبت ہونے کے ساتھ ہی آتش ایسے نامی گرامی اُستاد کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا تھا اور جن کے فیض سے دریاباد میں نہ صرف اُردو کا رواج ہوا، بلکہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو اس نئی انوکھی اور غیر مانوس زبان سے اس قدر دلچسپی پیدا ہوئی کہ انھیں اُردو میں شعر گوئی کا اعلیٰ شوق پیدا ہو گیا۔

ندیم صاحب فرنگی محل (لکھنؤ) میں علوم سے بہرہ یاب ہوئے تھے، عربی و فارسی میں پوری دستگاہ

رکھتے تھے - رند، صبا، خلیل، نسیم وغیرہ مشہور شاعرون کے ہم عصر و ہم صحبت و ہم مشاعرہ تھے - اپنے اوستاد کے ہمراہ مشاعرون مین شریک ہو کر غزلین پڑھتے تھے - یہ سخنور ہونے کے علاوہ سخن فہم اور سخن دوست بھی تھے اور جس طرح اُردو کے زبردست شاعر تھے، اُسی طرح فارسی کی انشاپردازی مین بھی اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے - فارسی خطوط پُر مضمون اور نہایت اختصار کے ساتھ لکھتے تھے، جن کی عبارت رقعات، عالمگیری سے ٹکر کھاتی تھی -

یہ پہلے ٹکیٹ رائے (دیوان ولی عہد بہادر) کے یہان ملازم ہوے، بعد اُس کے راجہ جیالال صاحب گلشن (دیوان قدیم و مہتمم دفتر سلطانی بہ عہد محمد علی شاہ بادشاہ لکھنؤ) کی بیحد قدر دانی سے اُن کے یہان عرصہ تک مُعلم گری پر مامور رہے - بعد غدر اپنے وطن آکر رائے صاحب کے یہان اسی عہدہ پر مقرر ہوئے - ایک روز رائے شیوراج بلی صاحب کی زبان سے نکل گیا کہ "مولوی صاحب لڑکے گستاخ ہوئے جاتے ہین" یہ کلمہ سُنتے ہی مولوی صاحب ناراض ہو کر اپنے گھر چلے آئے اور پھر تا عمر اُن کی ڈیوڑھی پر نہین گئے، حالانکہ منشی مینڈی لال صاحب وغیرہ معزز مصاحبین کے علاوہ رائے شیوراج بلی صاحب خود انھین بلانے کے لئے اِن کے مکان پر تشریف لائے - رائے صاحب کی ملازمت ترک کرنے کے ساتھ ہی انھون نے دیوان روشن لال صاحب کے مکان پر اپنا ذاتی مکتب قایم کر دیا اور شرفا کے لڑکے تعلیم کے لئے آنے لگے اور اِس طرح ایک آزادانہ گذر اوقات کی معقول صورت نکل آئی - اِس درمیان مین رائے صاحب سورجبور نے اپنے لڑکے کی تعلیم کے لئے شیخ کرم کریم صاحب عرف چھیدا میان، جن سے قرب و جوار کے تمام رئیسون سے دوستانہ مراسم تھے، کی معرفت اِن کے پاس پیغام بھیجا کہ "اگر آپ ہمارے یہان ملازمت قبول کر لین تو، ہم پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ دینے، کو تیار ہین" مگر، مولوی صاحب نے جواب مین صاف صاف کہدیا کہ "ہمنے کائیتھون کی نوکری کی ہے اور وہی ہمارے قدر دان ہین، جب ہمنے اُن کی نوکری چھوڑ دی تو، اب گنوارون کی نوکری کرنا شان کے خلاف ہے"

چند روز کے بعد ہائی اسکول ھرویا باد مین دوسری زبان کی تعلیم کے لئے نسفیلڈ صاحب بہادر ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم کی قدر دانی سے کمی تنخواہ پر باین شرط ملازمت اختیار کی کہ "مین اسکول نہ جاؤنگا، لڑکے خود میرے مکتب خانہ مین تعلیم کے لئے آیا کرین" چنانچہ جب تک اسکول قایم رہا، اسی طرح اپنے مکتب خانے مین طلبا کو تعلیم دیتے رہے - دوران ملازمت مین بارہا حکام نے اِن سے کہا کہ "اگر آپ اسکول مین تعلیم دین تو، تنخواہ زیادہ کر دی جائے لیکن، انھون نے اِسے منظور نہین کیا - ورناکیولر مڈل اسکول قائم ہونے پر

سہ مشہور شاعر، لکھنؤ کے امرا رئیس سے تھے - چونکہ یہ بھی حضرت آتش کے شاگرد تھے اس لئے اِن مین اور ندیم صاحب مین باہمی برادرانہ رشتہ قایم ہو گیا تھا، جسے طرفین نے نہایت خوبی کے ساتھ زندگی بھر نباہ دیا - افسوس ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہندو مسلمان آپس مین بھائی ہو جاتے تھے، ایک یہ زمانہ ہے کہ حقیقی بھائیون مین بھی میل نہین ۱۲ -

اعلیٰ درجہ کے طالب علمون کو اُردو زبان کی تعلیم دینے لگے اور تازندگی اپنے قول کی پابندی کے ساتھ علمی خدمت مین مشغول رہے۔ اُس وقت لایق اُردو دان کمیاب تھے، اسی وجہ سے حکام اور گورنمنٹ مین ایسے اوستادون کی زیادہ قدر و منزلت کی جاتی تھی۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب بڑے آن بان والے اپنے عہد کے پکّے اور لاطمع تھے، ساتھ ہی اس کے احسان فراموش بھی نہ تھے، کائستھون کی قدردانی کے حاضر و غائب مداح تھے، اِن کی علمی قابلیت کا شہرہ تھا، رؤسائے نامدار و حکام سررشتۂ تعلیم اِن کے بڑے قدردان تھے۔

مولانا ندیم صاحب نہایت نیک، خلیق، متوسط قد، گندم رنگ، لاغر اندام، باوضع بزرگ تھے، غالباً ۸۰ سال کی عمر پائی، سنہ ۱۸۵۷ء مین انتقال ہوا۔ اولاد نرینہ کوئی نہ تھی، صرف ایک لڑکی تھی، جس کی اولاد مین مولوی علی حسین صاحب ابتک بقید حیات، ایک مدت سے تارک الوطن ہو کر لکھنؤ مین سکونت پذیر
شاگردون مین درسی تعلیم کے متعلق منشی ماتا پرشاد صاحب وکیل مرحوم اور شاعری مین ساغر و فرحت مشہور

یہ مختصر حالات لالہ دیبی دین صاحب اور مولوی ثابت علی صاحب سے دریافت کرکے لکھے گئے ہین۔ (محرران)

نہایت افسوس ہے کہ مرحوم کے حالات نیز کلام کی نسبت مولوی علی حسین صاحب کو کئی مرتبہ تکلیف دی گئی کہ آپ ندیم صاحب کے حالات سے واقف ہین اور سُنا جاتا ہے کہ اُن کا ذخیرۂ کلام بھی آپ کے پاس موجود ہے، مہربانی فرما کر مختصر حالات اور کلام عنایت فرمایئے۔ مگر باوجود حتمی وعدہ کے اُنھون نے کچھ بھی توجہ نہ فرمائی اور آخر مین بہت تقاضے کے بعد صاف صاف کہدیا کہ "ایک بیاض شعرون کی تھی ضرور، لیکن، اب پتہ نہین ہے، اور حالات مجھے کچھ بھی نہین معلوم۔ اِن پرانی اور فضول باتون سے کیا نتیجہ؟ دریاباد کی تاریخ لکھنے سے کیا فائدہ؟ ایک شعر جو مولوی ثابت علی صاحب کی زبانی سُننے مین آیا تھا درج کیا جاتا ہے۔

بیشک یہ فیض حضرتِ آتش کا ہے ندیمؔ ۔۔۔ جو شاعرون مین آج ہمارا شمار ہے

شائق

خدابخش نام، شائق تخلص، اِن کے حالات فارسی شاعرون کے بیان مین مفصل طور پر درج ہو چکے ہین کلام کا پتہ نہین ہے، گھر والون کی غفلت سے تلف ہوگیا۔

لائق

علی حسن نام، لائق تخلص، منشی خدابخش صاحب شائق کے فرزند چہارم، طبّاع اور قابل شاعر ولادت سنہ ۱۲۶۲ھ، مطابق سنہ ۱۸۴۳ء، وفات سنہ ۱۳۲۴ھ، مطابق سنہ ۱۹۰۶ء۔

اِنھون نے اپنے والد سے تعلیم پائی تھی اور اُنھین کی شاگردی مین شاعری کا فن بھی حاصل کیا تھا اور

اس مین اچھی استعداد پیدا کی تھی - یہ قدیم طرزِ شاعری کے عاشق تھے اور عاشقانہ رنگ کی غزلین خوب کہتے تھے - عربی مین معمولی لیاقت تھی مگر فارسی کے لائق ادیب تھے -

اکیس برس کی عمر مین اپنے والد کے ذریعہ سے سلیم پور (ضلع لکھنؤ) کی ریاست مین ضلعداری کے عہدہ پر مامور ہوئے - ۴۰ برس تک یکساں تحت ملازم رہنے کے بعد ۶۱ سال کی عمر مین پنشن لیکر خانہ نشین ہو گئے - ریاست مین پندرہ روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے - دس برس کا زمانہ ہوا کہ انھون نے اپنا وطن دریاباد ترک کر کے اپنی سسرال مین رہنا اختیار کیا تھا - شیخ امتیاز علی صاحب زمیندار (ببرہہا) کی بیٹی سے ان کا عقد ہوا تھا ببرہہا سلیم پور سے تین کوس پر ہے - زمانۂ ملازمت مین کار متعلقہ کو نہایت ہوشیاری و نیک نیتی سے انجام دیا - پنشن پانچ روپیہ ماہوار تھی -

لائق صاحب روزہ نماز کے پابند، خلیق، بڑے منکسر المزاج، حاجی وارث علی شاہ صاحب کے مرید تھے ۸۰ برس کی عمر مین وفات پائی - اولاد مین نظیر حسن، محمد حسن بقید حیات - کلام کا پتہ نہین ہے -

ساغر

ماتا پرشاد نام، ساغر تخلص، شری واستو یہ دوسرے کائستھ اچھتری ورن، از نسل محرران دریاباد، لالہ ہر پرشاد صاحب عرف سدھاری لال کے بیٹے، رنگین خیال شاعر -

فارسی مولوی بشارت علی صاحب ندیم (دریابادی) سے پڑھی تھی اور شاعری مین بھی انھین کے شاگرد تھے - علمی استعداد اچھی تھی، قدیم طرزِ سخن مین طبع آزمائی کرتے تھے - قدرت نے انھین طبیعت کی روانی کے ساتھ ساتھ دل و دماغ بھی اچھا عنایت کیا تھا - ان کے اشعار فصیح اور دلچسپ ہوتے تھے - غزل گوئی کے علاوہ کبھی کبھی قصیدہ بھی کہتے تھے - چنانچہ سنا جاتا ہے کہ "ایک قصیدہ جو رائے نارائن بلی صاحب تعلقدار (دریاباد) کی شان مین کسی تقریب کے موقع پر انھون نے کہا تھا وہ بہت ہی دلکش اور نفیس تھا"

لالہ بدری پرشاد صاحب (راجہ بھوانی پرشاد صاحب مرحوم کے پوتے) بیان کرتے تھے کہ ساغر صاحب ایک مرتبہ بتلاش روزگار ریاست دھولپور پہونچے - وہان کئی روز تک سرگشتہ و پریشان رہنے کے بعد کسی سے پوچھا کہ مہاراجہ صاحب کے دربار مین رسائی کیونکر ہو سکتی ہے ؟ جواب ملا کہ "حضور سے ملاقات ہونا بہت دشوار ہے - اتنا سنتے ہی ان کی زبان سے برجستہ نکل گیا - شعر "دستور خوب دیکھ چکے ہم حضور کے ؛ پورے عدد مین "رنج" کے اور "دھول پور" کے" - اس سے ساغر صاحب کی جولانیٔ طبع اور دماغی قابلیت کا پورا پتہ چلتا ہے - رنج = ر ۲۰۰ + ن ۵۰ + ج ۳ میزان ۲۵۳ - دھول پور = د ۴ + ھ ۵ + و ۶ + ل ۳۰ + پ ۲ + و ۶ + ر ۲۰۰ میزان ۲۵۳ -

ساغر صاحب جوانی مین خوبصورت تھے، ساتھ ہی اس کے نفیس مزاج اور شوقین بھی تھے، پوشاک صاف

اور قیمتی پہنتے تھے، قدیم وضع کے پابند تھے، شراب کباب سے بھی اچھی طرح لذت آشنا تھے۔ انگرکھا، بڑے پائینچے والا پائجامہ، صافہ، زری کا جوتا، چکن کا بڑا رومال تقریبون کے موقع پر، روزمرّہ دھوتی، کُرتا، دوپلّی ٹوپی استعمال کرتے تھے۔ گداز بدن، متوسط قد، گندم رنگ، ملیح چہرہ، کشادہ پیشانی، خندہ رو، بابری حجامت گھونگروالے بال، ہاتھ پانون سُڈول۔

بیس برس ہوئے کہ منشی ماتا پرشاد صاحب ساغر نے مذہب اسلام قبول کرکے مشتاق رسول نام رکھا تھا اور فقیرانہ وضع اختیار کر لی تھی۔ نومبر ۲۳؁ ۱۹ء مین انتقال ہوگیا۔ تخمیناً ستر بہتر برس کی عمر پائی۔ آبائی مکان و زمینداری رخصت۔ اولاد مین شیوراج بلی بہ قید حیات، نواب گنج بارہ بنکی مسکن۔ خاندانی حالات کے لئے باب ، فصل ۲، ذکر لالہ شیو نارائن ملاحظہ ہو۔ (محلّہ محرران)

ساغر صاحب کے کلام کا پتہ نہین ہے، چند شعر جو بڑی مشکل سے دستیاب ہوئے، ملاحظہ ہون۔ زبان فصیح و سلیس، عاشقانہ رنگ قابل داد۔

بادۂ گلگون پلا اب ساقیا دو چار دن	دورِ ساغر دیکھ لین ہم بھی ترا دو چار دن
زلفِ شبگون، روئے مہوش پہ نہ کر اتنا غرور	یہ شبِ مہتاب ہے اے مہلقا! دو چار دن
چشم کا، لب کا، دہن کا، زلف کا، رُخسار کا	ہے یہ سب ہردم جدا گانہ تصور یار کا!
دور مین گیسوئے مُشکین ناز کے بے قدر ہے	مشک تبت کا، ختن کا، چین کا، تاتار کا
کس کس کا بار اُٹھائے دلبر نازک بدن؟	طوق کا، چمپا کلی کا، نورتن کا، ہار کا!!
کوچۂ یار تک اپنی جو رسائی ہوتی +	خاک حسرت سے نہ یون سر پہ اُڑائی ہوتی

فرحت

مرتضیٰ بیگ نام، فرحت تخلص، شاعر شیرین مقال، شاعری مین ندیم صاحب دریابادی کے شاگرد، عربی و فارسی ہر دو علوم کے زبردست ماہر تھے۔ ولادت ۱۸۴۳؁ء، وفات ۱۹۰۸؁ء

سُنا جاتا ہے کہ انھون نے فرنگی محل مین تعلیم پائی تھی اور بیس پچیس برس محنت کرکے اس قدر قابلیت بہم پہونچائی تھی کہ اگر ایک سال اور زندہ رہتے تو دستارِ فضیلت سے سرفراز ہو کر عالمون مین مشہور ہو جاتے۔

ان کے والد کا نام خواجہ مرزا تھا۔ مرزا الماق بیگ صاحب (رئیس دریاباد) کی دو لڑکیان خواجہ صاحب کو بیاہی تھین اور تیسری لڑکی مرزا نیاز بیگ صاحب کو، اس رشتہ سے خواجہ صاحب اور مرزا صاحب آپس مین ہم زلف تھے۔

خواجہ صاحب کے بزرگ مشہور و معروف ولی عبداللہ احرار عربی کی نسل سے تھے، جو ابو المنصور خان بہادر صفدر جنگ کے عہد مین ملک عرب سے ہندوستان آکر مرزا بخش اللہ بیگ صاحب ناظم (مرزا الماق بیگ صاحب کے والد کے چھوٹے بھائی کے ہمراہ پہلے دودہی مین آباد ہوئے۔ کچھ دنون کے بعد جب اُن کے بیٹے مرزا تقی بیگ صاحب

اُردو لی چھوڑ کر دریاباد چلے آئے تو یہ عربی نژاد بزرگ بھی وہان کی سکونت ترک کرکے غالبًا اب سے سوا سو برس قبل یہین آباد ہو گئے۔ یہ لوگ خواجہ کہلاتے تھے۔ اِن کی نسل مین خواجہ مرزا کی اولاد مرزا ابلاق بیگ صاحب سے رشتہ، قرابت پیدا ہو جانے پر مرزا کے لقب سے مشہور رہی۔

مرزا فرحت شعر کہتے کہتے اچھے خاصے شاعر ہو گئے تھے۔ عاشقانہ رنگ کے علاوہ حمد و نعت مین بھی خوب کہتے تھے۔ اصنافِ سخن مین کسی صنفِ خاص کے پابند نہ تھے۔ غزلین، قطعے، رُباعیان، خمسے وغیرہ جو جی مین آتا نظم کرتے تھے۔ شاعری کا شوق فطری تھا طبیعت نہایت موزون اور جولان تھی۔ اپنے دلی جذبات کو سیدھے سادے الفاظ مین صفائی کے ساتھ خوبی سے نظم کرنے پر قادر تھے۔ تحصیل علوم کی غرض سے جب تک لکھنؤ مین رہے، اچھے اچھے مشاعرون مین غزل پڑھتے اور آدابِ مشاعرہ سے آگاہی حاصل کرتے ہوئے دادِ سخن سے فیضیاب ہوتے رہے۔

مرزا صاحب محض اُردو ہی کے شاعر نہ تھے، فارسی مین بھی شعر گوئی کا شوق تھا۔ حکمت کے فن سے باقاعدہ آگاہ ہو کر حکیم بھی ہو گئے تھے۔ ورزش کے بھی بڑے شوقین تھے۔ مرزا نیاز بیگ صاحب (رئیس دریاباد)۔ انھین اپنے بیٹے اصغر بیگ سے روز کشتی لڑواتے تھے۔ اِن کی شادی رونا ہی (ضلع فیض آباد) کے رئیس شہباز خان کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی۔ نہایت افسوس ہے کہ عین جوانی مین عمر کا پینتیسوان سال ختم ہوتے ہی بعارضۂ تپِ دق اِن کا انتقال ہو گیا۔ اِن کی بی بی بھی صدمہ کے باعث دو ہی ایک برس کے اندر دنیا سے گذر گئی۔ خاندان مین اِن کے بھائیون مرزا رضا بیگ، علی مرزا، امان بیگ کی اولاد بقیدِ حیات اور آبائی زمینداری کے متعلق کچھ حصہ کی مالک، مکان مغلن ٹولہ مین موجود۔

مولانا کے کلام کی نسبت بہت کچھ کوشش کی گئی، مگر کچھ دستیاب نہ ہوا۔ صرف چند شعر جو مولوی تاج علی صاحب نے تلاش کر کے عنایت فرمائے تھے، ناچار وہی غنیمت سمجھ کر ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہین۔

جس پہ دل آئے وہی حسن و جمال اچھا ہے	جو حسین دل سے ملے اُس کا وصال اچھا ہی
دردِ فرقت سے نہین چین مجھے کوئی گھڑی	یون تو خاطر سے کہو کہدون کہ حال اچھا ہی
ہم مین اے جان خوشامد کی صفت اچھی ہے	آپ مین ہمکو ستانے کا کمال اچھا ہی
عیش و راحت نہین اچھی تیری مرضی کے خلاف	تو اگر خوش ہو تو، شادی سے ملال اچھا ہی
جس وقت کہ اُس شوخ کی صورت نظر آئی	**فرحت!** مجھے اللہ کی قدرت نظر آئی!!
اُدھر اُس شوخ کی نظر بدلی	چھا گئی دل پہ غم کی اِدھر جو بدلی

نجف

نجف علی بیگ نام، نجف تخلص، سُنی المذہب، مغل، مرزا خیرات علی بیگ صاحب کے بیٹے، فصیح البیان

اور ظریف الطبع شاعر، مرزا خلیل لکھنوی کے شاگرد، حسب ضرورت فارسی سے آشنا - ولادت سنہ ۱۸۴۲ء، وفات سنہ ۱۸۹۶ء
عروض و قافیہ سے زیادہ ماہر نہ تھے، مگر مشق سخن اور موزونی طبع کے باعث شاعروں میں شمار ہوگئے تھے -
عاشقانہ طرزِ شاعری کے دلدادہ تھے اور اِس رنگ مین بہت اچھا کہتے تھے - حمد و نعت اور اخلاقی مضامین پر بھی طبع آزمائی کرتے تھے - غزلون کے علاوہ، قطعے، رُباعیان بھی نظم کرتے تھے - اِن کی طبیعت بہت جولان واقع ہُوئی تھی - چنانچہ سُننے مین آیا ہے کہ جب کبھی کوئی اچھا شعر اِن کے سامنے پڑھا جاتا تھا تو فوراً سُننے کے ساتھ ہی برجستہ مصرعے کہکر خمسہ سُنا دیتے تھے کہ سامعین پھڑک جاتے تھے - کلام صاف، ستھرا، اُلجھاؤ سے پاک -

بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے بزرگ سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب کے ہمراہ جو اُنھین کے خاندانی عزیزدارون مین تھے اب سے ڈیڑھ سو برس قبل دریاباد آکر آباد ہوئے تھے اور سردار صاحب کے توسل سے دربارِ اودھ مین کسی معزز عہدہ پر مامور ہوگئے تھے -

مرزا صاحب علاوہ شاعری کے موسیقی سے بھی واقف تھے - ٹھمریان، دادرے، ادھے، ہولیان خوب کہتے تھے اِن کی تصنیف کردہ ٹھمریان، ادھے وغیرہ گوپال برہمن جو گھبر ساہ کے یہان ملازم تھے، کی زبانی اکثر سُننے مین آئی ہین، جن مین سے ایک اُدھے کا پڑھا بند (مطلع) اور اِس کے بعد کا انترہ یعنی دوسرا شعر اب تک یاد ہے، وہ یہ ہے: "نجف پیا آئے نہ سجیا مور - انترہ ، برہا تھا سون رین کٹت ہنین کیسے ہوئی بھور"
ستار بھی خوب بجاتے تھے اور اِس کے از حد شوقین تھے - عیش پرست بھی تھے -

یہ مضمون نگار بھی تھے - ظریفانہ اور سنجیدہ دونون قسم کے مضامین لکھتے تھے جو "اودھ پنچ" اور "اودھ اخبار" (لکھنؤ کے مشہور اخبار) مین واقعاتی طور پر وقتاً فوقتاً شایع ہوا کرتے تھے - سنجیدہ مضامین کی عبارت فسانۂ عجائب کے طرز پر مسجّع اور مُقفیٰ ہوتی تھی - غالباً ۳۰ برس کا زمانہ ہوا، مولوی مرزا عابد علی بیگ صاحب مرحوم (نجف صاحب کے خاص عزیز) منشی گوپال پرشاد صاحب کے مکتب خانہ مین نجف صاحب کے اشعار اور مضامین راقم کو سُنایا کرتے تھے، جبکہ اِس مذاق کے متعلق دلچسپی کی غرض سے اُنکی خدمت مین حاضر ہونے کی نوبت آتی تھی - افسوس ہے کہ جو کچھ سُنا تھا اُس کے متعلق ایک مضمون کی صرف اس قدر عبارت یاد رہ گئی ہے: "مسمی ... زرگر اُس چاہ جانکاہ مین رَسّی کے سہارے سے اُترا کہ دفعتہً کنوین کا سارا پانی خشک ہوگیا - لیکن، زرگر مذکور پر کچھ ایسی دہشت طاری ہوئی کہ اُسے نہایت بیقراری ہوئی، اور وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا، جان سے ہاتھ دھو بیٹھا - یعنی اُس کا طائر روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگیا، بظاہر بیٹھا تھا، مگر مرگیا"

حضرت نجف بڑے خوش پوشاک، خوش خُلق، ملنسار، قول کے پابند، روزہ و نماز کے عاشق، دوستون کے ہمدرد، ہندو و مسلمان سب کے طرفدار، ہم وطنون کے بہی خواہ، سخنورون، سخن فہمون کے ولی دوست، با وضع، ریاست ریوان مین بہ عہدہ وکالت ممتاز تھے - آخر جوانی مین لجارضۂ تپ دق بہ مقام "ستنا" (ریاست ریوان سے ۳۲ کوس کے فاصلہ پر) وفات پائی - تخمیناً پچاس سال کی عمر نصیب ہوئی - سیاہ فام، پستہ قد، چیچک رو،

چھوٹی داڑھی، نہ بہت دُبلے نہ بہت موٹے، آبائی لباس پہنتے تھے۔ اولاد مین اشرف علی بیگ ریلوے مین ملازم۔ مکان ویران۔ (گھڑیالی)

افسوس ہے کہ مرزا اشرف علی بیگ صاحب سے کئی مرتبہ عرض کیا گیا کہ "آپ اپنے والد ماجد کے حالات نیز مختصر کلام کا نمونہ عنایت فرمائیے" مگر افسوس! صاف مجبوری ظاہر کی۔ کئی پرچے غزلون کے میان محمد مقیم صاحب نے ۱۹۱۳ء مین عنایت فرمائے تھے جو طاعون کے زمانے مین ایک دوست کی غفلت سے کھو گئے، صرف چند شعر حافظہ کی بدولت محفوظ رہ گئے ہین وہ ذیل مین درج کئے جاتے ہین۔

عشق کا شعلہ یون ہی دل مین بھڑکتا جائے گا	حشر تک داغِ جنون اپنا چمکتا جائے گا
آج ٹپکا ہے زمین پر روئے گلگون سے عرق	عطر مٹی کا قیامت تک مہکتا جائے گا
اُن ابرؤن کا عکس ہے جام شراب مین	آتے ہین دو ہلال نظر آفتاب مین
شہیدِ ناز و ادائے نگار ہم بھی ہین	ہزار شکر! ترے جان نثار ہم بھی ہین
لگا نہ تیغِ نگہ کا جگر پہ زخم کوئی	بس، اپنے وقت کے اسفندیار ہم بھی ہین

ناظم

ناظم علی نام، ناظم تخلص۔ اُن کے حالات باب ہٰذا کی تیسری فصل مین درج ہو چکے ہین۔ افسوس کلام کا پتہ نہین ہے۔ شیخ نوشاد علی خان صاحب تعلقدار ان کے بڑے قدردان تھے۔ ایک قصیدے کے صلے مین علاوہ معقول رقم عنایت فرمانے کے ساٹھ روپیہ سالانہ وظیفہ بھی تاحیات (۱۹۰۹-۱۹۱۰ء) برابر دیتے رہے اپنی زندگی مین کئی مرتبہ اپنے یہان کی ملازمت کے لئے ناظم صاحب سے سخت اصرار کیا۔ لیکن۔ انھون نے یہی کہہ کر ٹال دیا کہ جس ریاست سے کورٹ نے ہمکو بیکار سمجھ کے خارج کر دیا اب وہان رہنا شان کے خلاف ہے۔ اس سے ناظم صاحب کی آن بان اور قناعت پسندی بھی ثابت ہوتی ہے۔

خاطر

خاطر، تخلص پنڈت بینی مادھو۔ اِن کے حالات باب ہٰذا کی پہلی فصل مین بیان ہو چکے ہین۔ یہان یہ صرف ایک شعر، جو راقم کو یاد آگیا ہے، درج کیا جاتا ہے۔ دیوان کا پتہ نہین ہے۔

مین وہ ہون "بلبلِ بُستانِ نفاست" خاطر!
"جانبِ گُل نہ اُٹھے آنکھ، جو ہو خار کے پاس"!!

پانچوین فصل ویدون، حکیمون اور ڈاکٹرون کے بیان مین

پنڈت ہیرا لال وید

نامی وید، زمانہ حیات اب سے ڈھائی تین سو برس قبل۔ افسوس ہے کہ ویدجی کے حالات دریافت کرنے میں بے انتہا کوشش کی گئی، لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا۔

پنڈت شیو دت وید

سرِ دیہ برہمن، لکھنؤ راکے شوکل، گرگ گوتر، بہت بڑے عالی نسب، مشہور و معروف وید ہونے کے علاوہ سنسکرت کے ادیب اور جیوتش، منتر، تنتر وغیرہ شاستروں کے بھی اعلیٰ ماہر تھے۔

بارہ برس کی عمر میں تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا۔ کسی وجہ سے مہاراشٹر (مرہٹوں کا ملک) پہنچے، وہاں سنسکرت کی تکمیل کے بعد ویدک (علم طب) پڑھی، پھر بنگال دیش میں تنتر ودیا حاصل کی۔ ۲۵ برس کے سن میں سنسکرت سیاہتیہ اور تنتر ودیا کے علاوہ جین دھرم کے متعلق بھی اچھی طرح واقفیت حاصل کر کے دریاباد واپس آئے۔ چند روز کے بعد اِن کی علمیت کا چاروں طرف شہرہ ہو گیا۔ بڑے بڑے ودوان وید، اچھے اچھے تانترک پنڈت، نامی نامی جین مہاتما اِن کی تعظیم و تکریم کرنے لگے، اور لکھنؤ تک کے جینی اِن کے دلی معتقد ہو گئے۔

ویدجی نبض نہیں دیکھتے تھے، بلکہ بشرے سے تشخیص مرض کرتے تھے۔ پردہ نشین عورتوں کی نبض صرف ڈورے کے ذریعہ سے معلوم کرتے تھے۔ مرض تجویز کر کے جو نسخہ لکھ دیتے تھے، بیمار کو اُس سے شفا ہو جاتی تھی۔ نسخہ مختصر اور زود اثر ہوتا تھا۔ یہ لالچی نہ تھے۔ سراؤگوں کی غیر معمولی قدردانی نے اِن کا دل غنی بنا دیا تھا، اسی وجہ سے اِن کے نزدیک مریضوں سے فیس لینا ایک گناہِ عظیم تھا۔ علاوہ اس کے یہ فطری طور پر قناعت پسند بھی تھے۔ باوجود اس صفت کے اِن میں یہ عیب بھی تھا کہ انھیں ذرا سی بات پر بہت جلد غصہ آ جاتا تھا۔ جہاں مریض نے کسی قسم کا شک کیا یا علاج کرنے میں ذرا بھی پہلو تہی کی، بس یہ جامے سے باہر ہو گئے، پھر ہزار منت سماجت کیجئے لیکن، ویدجی علاج نہیں کرتے تھے۔ اگر اِن کے کہنے کے مطابق عمل کیا جاتا تھا تو دعوے کے ساتھ صحت پانا یقینی تھا۔ بہرحال ویدجی مہراج اپنے وقت کے ایک غیر معمولی حکیم تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ نوابی زمانے میں ایک مرتبہ کسی شہزادی کی طبیعت ناساز ہوئی۔ بڑے بڑے حکیموں نے علاج کیا، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ دریاباد کے چکلہ دار نے اِن کی نسبت بادشاہ کو اطلاع دی۔ شاہی حکم سے ویدجی لکھنؤ روانہ کیے گئے۔ انھوں نے دربار شاہی میں حاضر ہو کر وہی دوا پیش کی، جو چکلہ دار کی زبانی مریضہ کی حالت سُن کر اپنے گھر میں تیار کی تھی۔ شیعہ مذہب میں ہندوؤں کے یہاں کی چیز کھانا شرعاً ممنوع ہے، مگر

۱؎ ۲؎ ۳؎ نام علوم جن سے ہر قسم کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں ۱۲۔

اُترا کیا نہ کرتا، مصیبت کے وقت حرام بھی حلال ہو جاتا ہے! ناچار پنڈت جی کی بنائی ہوئی دوا شہزادی کو دی گئی جس کے استعمال سے صرف تین ہی دن مین عارضہ غائب ہو گیا اور شہزادی کی طبیعت بدستور اول بشاش ہو گئی - بادشاہ نے خوش ہو کر کئی ہزار روپئے معہ خلعت کے مرحمت فرمائے، مگر انھون نے لینے سے صاف انکار کر دیا اور سبب یہ بیان کیا کہ "مین اپنے عہد کے مطابق عام طور پر کسی سے کچھ انعام اکرام یا فیس وغیرہ نہین لیتا ہون، یہ فن رفاہ عام کی غرض سے حاصل کیا گیا ہے، نہ کہ روپیہ کمانے کیلئے کھانے بھر کو جینون سے مل جاتا ہے، بس وہ کافی ہے، اس لئے معافی کا خواستگار رہون - لیکن سُنا ہے کہ حضور کے یہان چڑیا خانہ مین کبوتر کا ایک بے مثل جوڑا ہے، اگر وہ عنایت ہو تو عین بندہ نوازی ہے" بادشاہ نے پہلے تو پس و پیش کیا اور اُس کے عوض بہت سی دولت کی ترغیب دلائی، لیکن جب یہ کسی طرح راضی نہ ہوئے تو ناچار کبوتر کا جوڑا انھین عنایت ہوا اور پنڈت جی خوش ہو کر اپنے گھر واپس آئے اس سے دید جی کی طبعی قابلیت اور قناعت پسندی کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کبوتر کے بہت بڑے شوقینون مین تھے -

شیو دت مہاراج محض دید اور پنڈت ہی نہ تھے، بلکہ ایک قد آور، خوبصورت اور بہادر سپاہی بھی تھے اور اچھے خاصے سوار بھی - چھ مہینے دریاباد مین اور چھ مہینے بارہ بنکی مین رہتے تھے - بارہ بنکی مین کوئی لکھپتی سراؤگ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا، اُسی کے مکان پر قیام رہتا تھا - زمانۂ حیات اب سے ستر اسی برس قبل، اولاد مین شیو دیال محض جاہل - خاندانی حالات کے لئے باب ہذا کی پہلی فصل مین پنڈت کشن دت جی کا بیان، جو دید جی کے حقیقی چچا تھے، ملاحظہ ہو - (دیکھیئے چھپتانی ٹولہ)

حکیم حاجی امداد احمد صاحبؒ

شیخ غلام حسین صاحب کے فرزند دوم، علم طب کے ماہر ہونے کے علاوہ منطق، صرف و نحو، تاریخ فقہ، موسیقی، فن لغت، انشا سے بھی بہرہ ور، عربی و فارسی مین ذی استعداد، اُردو سے بھی آشنا، اور ہر زبان کے مصنف و مولف، اعلیٰ ذہین، کثیر التصانیف، نامی حکیم، اپنے خاندان مین علمی مجلس کے مشہور رکن حضرت مخدوم آبکش دریابادی کی اولاد مین سے تھے -

حکیم صاحب سنہ ۱۲۰۰ھ مین اپنے آبائی وطن دریاباد مین پیدا ہوئے - پہلے فارسی دریاباد مین پڑھی بعد ازان سنہ ۱۲۰۹ھ لغایت سنہ ۱۲۲۲ھ تک لحت چودہ برس لکھنؤ مین قیام کر کے فرنگی محل مین عربی اور مشہور طبیبون سے علم طب حاصل کیا - سنہ ۱۲۲۳ھ مین لکھنؤ سے بنارس پہونچکر دو مہینے تک تعلیم مطب مین منہمک رہنے کے بعد ناگپور مین بخشی محب الحق صاحب کے وسیلہ سے راجہ راگھوجی بھوسلہ سینا بہادر (مرہٹون کے سردار، سیندھیا اور برار کے راجہ تھے) کی ملازمت اختیار کی - تین برس تک اپنے فرائض

منصبی انجام دیکر اپنی والدہ کے حسب الطلب دریاباد واپس آئے۔ دو برس لکھنؤ وغیرہ مین بسر کرکے ۱۲۲۹ھ مین کلکتہ تشریف لے گئے، وہان انگریزون کی تعلیم دینے کے لئے "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے ملازم ہوگئے۔ لیکن ایک ہی سال کے بعد اپنے گھر چلے آئے۔ کچھ دن گھر مین قیام کرکے نواب مولوی عبدالقادر خان صاحب بہادر (والئ ٹونک) کی سرکار مین، جو اُس وقت بنارس مین رونق افروز تھے، حاضر ہوکر ملازمت سے سرفراز ہوئے۔ دو سال سات مہینے کے بعد نواب صاحب کے بیٹے مولوی خادم حسین خان صاحب نے انہین سجل نویسی کے عہدہ پر ممتاز فرمایا۔ انھون نے اپنے حسن خدمات سے ممدوحین کو کچھ ایسا گرویدہ بنایا کہ یہ خاص مصاحبین و رفقا مین شامل کرلئے گئے۔ نواب صاحب کی بیحد مہربانیون سے حکیم صاحب نے چالیس سال کی عمر مین ۱۲۴۲ھ تک لکھنؤ، کانپور، فرخ آباد، مکن پور، سیرٹھ پور، شاہجہان آباد، فیض آباد، ٹانڈہ، جونپور، بنارس، چھپرا، گورکھپور، مجھٹول، الہ آباد، تمام بندیل کھنڈ، جھانسی، دتیا، اورچھا، کالپی، باندہ، ہمیرپور، ساگر، ندیا وغیرہ کی سیر و سیاحت فرماکر خوب معلومات حاصل کئے۔ (از حکایات احمدی مولفہ حکیم صاحب)۔

ان کی لکھی ہوئی مشکاۃ شریف حدیث (عربی، ۵۲ جزو) سے ثابت ہوتا ہے کہ حکیم صاحب ۱۲۴۷ھ مین بنارس مین مقیم تھے اور وہین یہ کتاب نقل کی گئی تھی۔ شاید یہ قیام نواب صاحب ممدوح کی ملازمت کے سلسلے مین تھا۔

حکیم امداد احمد صاحب کے ایک خود نوشت جمع خرچ سے، جو محرم ۱۲۴۶ھ لغایت ربیع الاول ۱۲۴۷ھ کا ہے، پتہ چلتا ہے کہ انھون نے حضرت مخدوم آبکش دریابادی رح کی مسجد اور خانقاہ کی مرمت، نیز جانماز کی خریداری مین ستّانوے روپیہ پندرہ آنہ (۹۷/۱۵) صرف کئے تھے۔ اس سے شاہ صاحب کے متعلق ان کی خاص عقیدتمندی کا اظہار ہوتا ہے۔

ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ضخیم کتابین قرابادین قادری، تحفۃ المومنین، شرح وقایہ، بحر الجواہر، کشف الرموز فی معانی والبیان و رموز القرآن، مشکاۃ شریف حدیث وغیرہ ظاہر کرتی ہین کہ حکیم صاحب عربی و فارسی لکھنے مین خاص مہارت رکھتے تھے۔ لیکن خوشنویس نہین تھے، معمولی لکھنے والون مین تھے۔

میزان طب قلمی محررہ ۵ رجب ۱۲۱۲ھ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دس برس کی عمر مین طب کی کتابین نقل کرنے لگے تھے اور علم طب سے فطرتاً خاص طور پر مانوس تھے۔ ان کی تصانیف و تالیفات سے یہ بھی آشکارا ہوتا ہے کہ حکیم صاحب آغاز شباب سے ضعیفی کے زمانے تک (۱۲۳۲ھ لغایت ۱۲۸۰ھ) جہان کہین رہے برابر علمی خدمت مین مشغول رہے، جس سے ان کو قدرتی دلچسپی تھی۔ اس خدمت کا زبردست حصہ غالباً نواب صاحب ممدوح کی قدردانی پر مبنی تھا۔ یہ خلیق، ملنسار، نیک مزاج، عالی ہمت بزرگ تھے۔

حکیم صاحب جہان علمی خدمت کے شیدائی تھے، وہان مذہبی فرائض کے ادا کرنے مین بھی قاصر نہ تھے چنانچہ "حکایات احمدی" سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مشہور شہرون کی سیاحی کے بعد انہین مدینہ منورہ

اور مکہ معظمہ کی زیارت کا بھی شوق پیدا ہوا تھا، جسکی نسبت سُنا جاتا ہے کہ انھون نے اِن پاک مقامون کی زیارت حاصل کر کے سعادت دارین حاصل کی تھی، اور غدر کے پانچ چھ برس قبل وفات پائی تھی۔ اولادین باسط احمد مکان پختہ موجود، جس پر خلیل احمد و جمیل احمد صاحب قابض۔ یادگار مین حسب تفصیل ذیل تصنیفات و تالیفات غیر مطبوعہ، جو افسوس! کہ غفلت کے ہاتھون غارت ہو کر بہت جلد فنا ہو جائینگی (مخدوم زادگان)

(۱) رسالہ درسیہ فارسی، ۳ جزو موجود، سن تالیف ۱۲۴۱ھ (۲) لغات احمدی فارسی ۱۲۴۱ھ کے قبل تالیف ہوئی، صرف چند ورق موجود (۳) رسالہ احمدی فارسی (۴) انشاء احمدی فارسی، دو جزو موجود، سن تصنیف ۱۲۴۳ھ (۵) رسالہ موسیقی فارسی، چھ ورق موجود (۶) رسالہ منطق، سن تصنیف ۱۲۳۲ھ، آخر کے تین ورق موجود (۷) رسالۂ صرف (۸) رسالۂ نحو (۹) تاریخ قدوایان، شروع کے ۱۲ ورق موجود (۱۰) حدیقۃ الارض فارسی، جغرافیہ و تاریخ، دس ورق موجود (۱۱) بیان العوارض، طب، سولہ ورق موجود (۱۲) حکایات احمدی فارسی، آٹھ جزو موجود، تالیف ۱۲۴۴ھ (۱۳) مجربات احمدی، طب، موجود (۱۴) رسالہ تذکرۃ المذاہب، تالیف ۱۲۵۰ھ، صرف چھ ورق باقی (۱۵) در رد محی الدین وغیرہ، آٹھ ورق موجود (۱۶) رسالہ کلام ایک جزو موجود، سن تصنیف ۱۲۴۱ھ (۱۷) رسالۃ النبض، طب (۱۸) فتاوی، دو ضخیم جلد جس مین مدراس و کاکوری اور کلکتہ کے علماء کی مہرین ثبت ہین (۱۹) رسالہ اوزان الادویہ، ڈھائی جزو موجود، تصنیف ۱۲۵۰ھ (۲۰) نسخۃ الشفاء، چند اوراق موجود (۲۱) رسالہ دلائل احمدی، چوبیس ورق موجود (۲۲) قواعد احمدیہ، ۳۰ ورق موجود، سن تصنیف ۱۲۵۴ھ (۲۳) رسالۂ صلواۃ احمدی، دس ورق موجود ۱۲۵۶ھ مین تالیف ہوا (۲۴) رسالہ شہادت اُردو، سن تصنیف ۱۲۴۶ھ، صرف دس ورق موجود (۲۵) خطبات عربی و اُردو، صرف چند ورق موجود۔

حکیم مرزا برکت اللہ بیگ صاحب

مثل طبابت اور نباضی مین قابل تعریف، اپنے وقت کے نامور حکما مین سے تھے۔ لکھنؤ مین عربی و فارسی کی تعلیم پائی تھی اور وہین طب کا فن بھی کسی مشہور اوستاد سے حاصل کیا تھا۔

اِن کے نسخے مختصر اور زود اثر ہوتے تھے، غریب و امیر سب کا یکسان علاج کرتے تھے۔ بڑے بھلے مانس اور نیک بزرگ تھے۔

حکیم صاحب کے بزرگ سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب ناظم (رئیس دریاباد) کے ہمراہ قندھار سے ہندوستان آکر صوبہ اودھ مین مختلف مقامات پر رہتے ہوئے دریاباد مین آباد ہو گئے تھے، جو سردار صاحب کے خاص عزیز اور رفیق بھی تھے۔

اِن کا زمانۂ حیات اب سے نصف صدی قبل دریافت ہوا ہے۔ اِن کے بعد اِن کے لڑکے مرزا

محمد رضا بیگ صاحب کی اولاد مین صرف ایک لڑکی بہ قید حیات ہے جو مرزا محمد بیگ صاحب (سررشتہ دار ریاست جہانگیر آباد، ضلع بارہ بنکی) کو منسوب ہے۔ اس طرح ڈیڑھ سو برس کے بعد حکیم صاحب کا خاندانی سلسلہ دریا باد سے ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا۔ (مغلان)

فخر وطن حکیم مولانا محمد نور کریم صاحب

ملقب بہ "طبیب گر"، شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریا بادی، مولوی مخدوم بخش صاحب رئیس کے فرزند اکبر، ملک کے مایۂ ناز طبیب اور اپنے وقت کے حکیم ارزانی، عربی و فارسی کے بہترین ماہر، بہت بڑے علمی خادم، دریا باد مین اردو نثر نگاری کے موجد، صاحب تصنیف و تالیف و مترجم۔ ولادت ۱۲۳۳ھ، وفات ۶- رجب ۱۲۹۸ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۸۸۱ء یوم جمعہ، بعد عصر۔

بمقام دریا باد پیدا ہوئے۔ علوم عربیہ و فارسیہ کی تحصیل علمائے فرنگی محل سے کی۔ علم طب ہندوستان کے مشہور و کہنہ مشق اوستاد حکیم محمد علی صاحب عرف حکیم ننّا (لکھنؤ) سے حاصل کیا اور وہ قابلیت پیدا کی کہ اُستاد کو شاگرد پر ناز ہو گیا۔

پہلے لکھنؤ مین مطب شروع کیا۔ لیکن چونکہ جو نازک ذمہ داریان طبیب پر عملاً و مذہباً عائد ہوتی ہین اُن سے مولانا بہ احسن الوجوہ سبکدوش نہین ہو سکتے تھے، لہذا مطب کو خیر باد کہکر درس و تدریس مین بدل و جان مشغول ہو گئے۔ اس غیر معمولی فیاضی سے ان کے اوستاد حکیم ننّا صاحب ناراض ہو کر فرمانے لگے کہ "اگر مین جانتا کہ تم اس شریف فن کو اس طرح عام طور پر ظاہر کر دوگے تو مین ہرگز نہ سکھلاتا" مولانا نے عرض کیا کہ "جس وقت مین نے اس علم کو شروع کیا تھا اور مجھے اس کے حاصل کرنے مین دقتین اور زحمتین پیش آئین، تو مین نے خدا سے معاہدہ کیا کہ اگر مجھے یہ فن حاصل ہو جائے تو مین کسی طالب فن سے بخل نہ کرونگا۔ اب کامیاب ہو جانے پر اس کا ایفاء کر رہا ہون۔ یہ معقول جواب سنکر حکیم ننّا صاحب بہت خوش ہوئے، اور اجازت دیدی کہ خوب پڑھاؤ، چنانچہ یہ آخر عمر تک علم طب پڑھاتے رہے۔ انتقال کے وقت سات سَو شاگردون کا شمار ہوا تھا۔ ان کے حلقۂ درس مین صرف ہندوستان ہی کے طلباء کی کثرت نہ تھی، بلکہ کابل، قندھار، کاشغر، شیراز، طہران تک کے طالب علم آتے اور فیض حاصل کرتے تھے۔ اُس وقت اقلیم ہند کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہان ان کا ایک آدھ شاگرد نہ ہو۔ بوجہ علمی طبقہ مین حکیم صاحب "طبیب گر" کے خطاب سے مشہور ہو گئے تھے۔

---

۵ میان عبد الرشید صاحب کے پاس جو کاغذات موجود ہین اُن کے دیکھنے، نیز تحقیقات سے پایا جاتا ہے کہ مولوی مخدوم بخش صاحب بہت بڑے منتظم اور عقلمند، دور اندیش، زمانہ شناس اور ذی حوصلہ بزرگ تھے موروثی زمینداری کا جس قدر حصّہ نکل گیا تھا، اُسے از سرِ نو حاصل کیا، دریا باد کے بہت سے ٹکڑے خرید گئے۔ اس طرح پھر دوبارہ ایک اچھی خاصی رئیسانہ حیثیت پیدا ہو گئی تھی ۱۲۴۳ھ مین بہ قید حیات تھے ۱۲۔

حکیم صاحب علاوہ طب کے علم ادب وغیرہ کی بھی تعلیم دیتے تھے، اور اس تعلیمی سلسلہ میں اکثر انگریز بھی شامل تھے۔ زبردست عالمانہ استعداد حاصل تھی، ہر علم و فن میں کافی دخل تھا۔ فارسی و عربی کے ساتھ ساتھ اُردو زبان سے بھی دلچسپی تھی۔ اور اس کے بڑے حامی اور ترقی خواہ تھے۔ اُس زمانے میں عام طور پر اردو نثر کا رواج نہ تھا، اس لئے مولانا دریاباد میں اُردو نثر کے بانی اور غالباً اپنے ضلع بارہ بنکی میں اول طبیب تھے جنھوں نے طب کی کتابوں کو عربی و فارسی سے اُردو ادب کے قالب میں جلوہ گر فرما کے اپنی شاندار خدمت کا علمی ثبوت پیش کیا، جس سے اُردو زبان کے سرمایۂ حیات میں ایک معقول اور قابلِ قدر اضافہ ہوگیا۔

خوشنویس بھی تھے اور ساتھ ہی زود نویس اور صحیح نویس بھی، حالانکہ خوشنویسی کے ساتھ زود نویسی و صحیح نویسی کی صفت شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہے۔ قرآن پاک، تفسیر، حدیث، طب، ادب، تاریخ، تصوف، فلسفہ، ہیئت، منطق، کی کتابیں اپنے قلم سے نہایت خوشخط اور صحت کے ساتھ لکھیں۔ ایک رات میں گلستان سعدی، کے چار یا پانچ باب لکھ ڈالے۔ یکمل نسخہ "قانون شیخ (طب) تین مرتبہ لکھا۔ پہلے اپنے استاد کی خدمت میں بطور ہدیہ نذر کیا، دوسرا غدر ۱۸۵۷ء میں تلف ہوگیا، جو کسی طرح "مدرسۂ طبیہ دہلی" کے کتب خانہ میں پہونچا، تیسرا "کتب خانۂ حکیم عبدالحسیب" دریاباد میں موجود ہے۔ انھوں نے ۱۶ یا ۱۸ سال کی عمر میں شرح ملا جامی لکھی، جسے دیکھ کر شاہی عدالت میں سجل نویسی کا عہدہ عنایت ہوا تھا۔ ضخیم سے ضخیم کتابیں دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک قلم ہے، جس پر کبھی قط نہیں لگایا گیا ہے۔

تصنیف اور تالیف کے اعتبار سے بھی ان کا درجہ بہت معزز اور بلند نظر آتا ہے۔ علم طب میں "شفاء الامراض" ایک ایسی نادر و مقبول کتاب تصنیف کی، جو اِس وقت تک طبی دنیا میں ایک خاص شہرت رکھتی ہے اور "یونانی اینڈ طبی کالج دہلی" کے اُردو کورس میں داخل ہے، اور جس کی مدد و مطالعہ سے صدہا لوگ، طبیب ہوگئے۔ علاوہ اس کے "مخزن الادویہ" جو علم الادویہ میں مستند کتاب ہے، مطلع العلوم، کیمیائے عناصر، شرح اسباب وغیرہ کتابوں کے اُردو میں ترجمے کئے، جو بارہا چھپ کر شایع ہو چکے ہیں۔ شفاء الامراض کا اصل مسودہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا، اور "مخزن الادویہ کا اصلی اردو ترجمہ" کتب خانۂ حکیم عبدالحسیب" میں موجود۔

فہرست بُک ڈپو نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۱ء، صفحہ ۱۳۰ میں لکھا ہے: "شفاء الامراض۔ یہ مجموعہ نایاب دستور العمل اطبائے بناص و اُستاد معرفت انواع مزاج و اصول اقسام علاج میں بے مثل و نظیر ہے۔ اس میں کل مطالب طبیہ کو بطور سوال و جواب کے ابواب و فصول میں بیان کیا ہے اور تشریح کے بیان میں تصویر اعضاء بھی دکھادی ہے۔ امراض سر سے تا قدم کا بیان ہے۔ معہ علاج ادرا و ادویہ مفردہ و مرکبہ کا مذکور ہے اور حمیات و بحران و امراض جلدی و علاج زہرہائے معدنی و نباتاتی اور کاٹنے جانوران زہردار وغیرہ شرح و

بسط سے بیان کیا ہے، جو فہرست عنوان کتاب سے بخوبی واضح ہو سکتی ہے۔ "از تصنیفات حکیم مولوی محمد نور کریم صاحب جنکی اور کتابین اور ترجمے بھی علم طب مین موجود ہین"

"از تصنیفات"، "اور کتابین"، "اور ترجمے بھی" کے معنی خیز الفاظ اچھی طرح ثابت کرتے ہین کہ حکیم محمد نور کریم صاحب کئی کتابون کے مترجم ہونے کے علاوہ متعدد کتابون کے مصنف و مولف بھی تھے۔ لیکن، نہایت تعجب اور افسوس ہے کہ بجز شفاء الامراض کے دیگر تصنیفات و تالیفات کا کچھ بھی پتہ نہین چلتا۔

علمی خدمت کے سلسلے مین درس و تدریس، نقول کتب، خوشنویسی، تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ انھین کتب خانہ کا بھی بیحد شوق تھا۔ بہ صرف کثیر اور کوشش و سعئی بلیغ، اور محنت و مشقت سے اس قدر قلمی کتابین بہم پہونچائی تھین کہ غدر کے زمانے مین بہت سے نسخے غارت ہو جانے پر بھی کتابون کی معقول تعداد باقی رہگئی ہے۔

پابندی کے ساتھ باقاعدہ یادداشت لکھنے کی بھی عادت تھی۔ روزمرّہ کے حالات، واقعات، ضروری باتین مختصراً قلمبند کرتے تھے۔ مرنے کے دو روز پہلے تک یہ مشغلہ برابر جاری رہا۔ اس سے مولانا کی عقلمندی اور دوراندیشی پائی جاتی ہے۔

مولانا کے مشہور تلامذہ مین سے، جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، بہت کچھ کوشش اور تحقیق کے بعد صرف چند نام دریافت ہوئے ہین، جو حسب ذیل ہین۔ انھین مین بعض انگریزون کے نام بھی شامل کر دیئے گئے ہین جنکو اُردو اور عربی کی تعلیم دی گئی تھی۔ **خاص طب کے متعلق** (۱) حکیم محمد ابراہیم صاحب جھوائی ٹولہ، لکھنؤ (۲) حکیم مظفر حسین خان صاحب لکھنوی (۳) حکیم سید محمد صاحب موہانی۔ طبیب اول شفاخانہ شاہی (۴) مولوی حکیم وکیل احمد صاحب سکندرپوری، مصنف نصرۃ المجتہدین (۵) حکیم نواب اعتماد الدین مراد آباد (۶) حکیم مشرف حسین صاحب خیرآبادی (۷) حکیم مولوی عبدالعزیز صاحب دریابادی (۸) حکیم ابوالحسن صاحب وزیر دربار نواب مرشد آباد۔ **ادب وغیرہ کے متعلق** (۹) شمس العلماء مولوی سید علی صاحب بلگرامی (۱۰) سید حسن صاحب بلگرامی (۱۱) نواب عماد الملک مؤتمن جنگ سید حسین صاحب بلگرامی حیدرآباد مین ابتک بہ قید حیات (۱۲) شمس العلماء، مولوی امجد علی صاحب پروفیسر میور سنٹرل کالج الہ آباد (۱۳) مولوی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر، دریابادی (۱۴) مولوی اشرف علی صاحب ایم، اے، ہیڈ ماسٹر و فیلو الہ آباد یونیورسٹی (۱۵)۔ مولوی محمد حسین صاحب دیوان ریاست کھیراگڈھ (ممالک متوسط) (۱۶) منشی حامد حسین صاحب طالب برادر امیر مینائی لکھنوی (۱۷) منشی عنایت حسین صاحب برادر امیر مینائی لکھنوی **صاحبانِ انگریز** (۱۸) پادری اسٹور صاحب (۱۹) پادری نک صاحب (۲۰) پادری دا صاحب (۲۱) مسٹر ہیں اسسٹنٹ رزیڈنٹ دربار اودھ۔ دیوان متنبی وغیرہ پڑھکر مستفید ہوئے۔

۱۲۲۶-۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۰۷-۱۸۵۵ء عدالت العالیہ شاہی مین سجل نویس (تجویز و فیصلہ نویس) رہے ۴۸ سال دربار اودھ سے تعلق رہا۔ نواب سعادت علی خان بہادر کے زمانے سے واجد علی شاہ کے عہد حکومت تک برابر شاہی سرپرستی قائم رہی۔ انتزاع سلطنت کے بعد مسٹر ہیں اسسٹنٹ رزیڈنٹ اودھ کی سفارش سے ۱۰- اگست ۱۸۵۶ء کو بعہدۂ پیشکاری صاحب جوڈیشل کمشنر بہادر بمنیشہر روپیہ ماہوار کے مشاہرہ سے مامور ہوئے۔ غدر ۱۸۵۷ء مین محکمہ مذکور شکست ہو جانے سے علیحدگی ہوگئی۔ اگست ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۶ء تک ۸ برس ۵ مہینے بنارس، الہ آباد، غازیپور

مغل سرائے، کلکتہ، بھاگل پور، پٹنہ، مرشد آباد، مونگیر، فیض آباد، جونپور، گورکھپور، کانپور، مرزا پور وغیرہ کے سفر میں گذرے۔ سنہ ۱۹۶ء میں جس وقت "کیننگ کالج" (لکھنؤ) کھولا گیا تو عربی کے پروفیسر ہو کر ۲۵ جنوری سنہ ۱۸۷۱ء تک اپنے عہدہ کا کام انجام دیا۔ ۲۹ جنوری سنہ ۱۸۷۱ء کو حسب الطلب مہاراجہ صاحب لکھنؤ سے بڑودھا کا سفر کیا۔ اپنی جگہ اپنے چھوٹے صاحبزادہ مولوی حکیم محمد عبدالعزیز صاحب کو دلا دی۔ بڑودھا پہونچکر حکیم صاحب مہاراجہ کے دربار میں بہ صیغۂ طبابت سو روپیہ ماہوار پر نوکر ہو گئے لیکن، افسوس ہے کہ وہاں بوجہ ضعیفی دُنا موافقت آب و ہوا ان کی صحت قائم نہ رہ سکی، اور قریباً آٹھ مہینے ملازمت کرکے ۷۰ برس کی عمر میں وہیں انتقال فرمایا۔ بارہ بجے شب "تکیہ بجی تر سیدی" میں دفن کئے گئے۔ اولاد میں عبدالکریم، عبداللطیف، عبدالعزیز۔ وفات کی خبر سُنکر حضرت **طالب** لکھنوی نے تاریخ نظم فرمائی:-

"جناب مولوی نورِ کریم آہ! + کہ رحمت باد بر روحِ روانش + بہ ہر علم و بہ ہر فن بود کامل + کریم النفس عالی خاندانش + خوشا شیخ مشائخ عبدالرزاق + کہ بانسبہ بود ملجا و مکانش + ز اجدادش اجل بود این خوش انجام + گلِ تازہ ز باغ بے خزانش + دل او دفترِ معقول و منقول + اصولِ فقہ حکمت بر زبانش + ز فکرش مشکلے ہر مطلب آسان مفصل جملہ مجمل از بیانش + جہان آرا و دریا بادِ مسکن + کہ خوش شد چون الف اندر میانش + شدہ از لکھنؤ سوئے بڑودھا بغربت بردہ دورِ آسمانش + ملازم گشت در فنِ طبابت + ارسطو علم عالم قدر دانش + در آن بلدہ مہِ ہشتم چو بگذشت + خدا بہا داد در قصرِ جنانش + نوشتم مصرعِ تاریخ طالب + بیامرز د خدا و نہ جہانش"۔ اس کے علاوہ دیگر شاعروں نے بھی وفات کی تاریخیں ارشاد فرمائی تھیں، جو بخوفِ طوالت نظر انداز کی گئیں۔ اس سے مولانا کی اخلاقی وسعت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ قطعہ مذکور حافظ عبدالرشید صاحب، جو مولانا کے خاندان میں سے ہیں، کی "نوٹ بک" میں اسی طرح غلطیوں سے مملو درج ہے، جس پر لکھتے وقت کچھ توجہ نہیں کی گئی۔ راقم الحروف بھی بجنسہ نقل کرنے پر مجبور ہوا۔

مرحوم پابندِ مذہب، وضعدار، خدا ترس، نہایت نیک سیدھے سادے، بڑے مخیر اور فیاض تھے۔ اخلاقی دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ تمام قرب و جوار کے عزیز و احباب اور بڑے بڑے رئیس و شریف مہمان رہتے تھے کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا، جب روز دو چار مہمان تشریف نہ رکھتے ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ عسرت سے بسر ہوئی۔ مگر مہمان نوازی میں کبھی کسی قسم کی پہلو تہی نہیں کی، جیتے جی بڑی فراخدلی اور جوش مسرت کے ساتھ مہمانوں کی خدمت گذار رہے اپنے ہم وطنوں کا بہت خیال رکھتے اور دامے، درمے، قدمے سخنے ہر طرح اعانت کے لئے تیار رہتے تھے بہت سے لوگوں کو سفارش کرا کے نوکر رکھا دیا۔ ہندو مسلمان سب سے اتحاد قائم تھا۔ رنج کے خوگر محنت و مشقت کے عادی تھے۔ دل میں صبر و استقلال تھا۔ طبیعت قانع تھی۔

مسٹر ہبس اسسٹنٹ رزیڈنٹ سلطنتِ اودھ شاگرد ہونے کی وجہ سے بہت ادب اور تعظیم کے ساتھ پیش آتے، نواب علی نقی خان بہادر، نواب امین الدولہ بہادر وغیرہ (وزراء سلطنتِ اودھ) مولوی سبحان علی خان صاحب وکیل سرکار وغیرہ بھی لحاظ کرتے تھے۔ منشی نول کشور صاحب سی۔ آئی۔ ای رئیس و مالکِ مطبع اودھ اخبار لکھنؤ

بڑے قدردان تھے۔ کئی ضخیم نسخے عربی و فارسی کے ترجمے کرائے اور معقول معاوضہ دیا۔ مولانا محمد نعیم صاحب و مولوی نفیر اللہ صاحب وغیرہ علمائے فرنگی محل، افضل الدولہ دبیر الملک منشی مظفر علی خان صاحب تخلص اسیر لکھنوی منشی غلام حسین صاحب قدر بلگرامی پروفیسر کیننگ کالج لکھنؤ کے علاوہ معززین و روسائے لکھنؤ سے بھی خاص دوستانہ مراسم تھے۔ لکھنؤ کی سلطنت آصفی دور سے واجد علی شاہی تک رزیڈنٹی کے ماتحت رہی۔ کوئی حکمران رزیڈنٹ بہادر کے خلاف کچھ نہ کرسکتا تھا، اور اسسٹنٹ رزیڈنٹ بہادر مولانا کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اس سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ مولانا کا دربارِ شاہی میں کیسا وقار رہا ہوگا؟

ایک شاہی پروانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ مان سنگھ بہادر قائم جنگ بھی حکیم صاحب کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، اور کچھ آراضی بطور معافی پہلے سے ان کے نام تھی۔ جب محمد علی شاہی دور ختم ہوا۔ امجد علی شاہ تخت نشین ہوئے تو نا رشوت خور مطلب کی دھن میں "ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت + رفت منزل بدیگرے پرداخت" کا راگ الاپتے ہوئے نئی سند کی پخ لگا کر کاغذی گھوڑے دوڑانے لگے لیکن راجہ صاحب کی مہربانی سے کسی کے کچھ بنائے نہ بنی سب اپنا سا منھ لیکے رہ گئے نقلِ پروانہ حسبِ ذیل ہے۔

"پروانہ بنام تحصیلدار سورجپور بمہر سید ذاکر حسین چکلہ دار۔ برادر عزیز از جان گرامی منش سعادت و اقبال نشان میر راحت حسین تحصیلدار سورجپور دکھنیا حفظ آلٰہی باشند۔ بعد دعوت ترقی عمر و درجات مطالع باد بموجب پروانگی راجہ صاحب خداوند نعمت راجہ مان سنگھ بہادر دام اقبالہ قلمی میکرد دہر قدر آراضی معافی قدیم در موضع دولھدی پور علاقہ متعلقہ ضلع سورجپور بنام مولوی نور کریم صاحب از مخدوم زادگان دریاآباد اند مقرر است یافتہ آمداند لہٰذا در سالہال نیز آراضی مذکورہ مزاحم و متعرض نشوند و آئندہ ہم سند جدید طلب نداشتہ مزاحمت نسازند دریں باب تاکید مزید و قدغن بلیغ دانستہ حسب مسطور بعمل آرند المرقوم بست و دویم ذیقعد ۱۲۶۱ سنہ ہجری" یہ پروانہ شاہی زمانے کی باضابطہ نقل ہی جو حافظ عبدالرشید صاحب کے پاس موجود ہے۔

فخر وطن مولانا محمد نور کریم صاحب کو دربار شاہی میں اچھا رسوخ حاصل تھا، رزیڈنٹ بہادر تک خاص طور پر ذاتی رسائی تھی، اراکینِ سلطنت اور معززین و مصاحبینِ سلطانی مہربان تھے۔ اس لئے اگر یہ ذرا بھی خواہش کرتے تو کسی بڑے عہدہ پر ممتاز ہوجاتے۔ لیکن، انھوں نے کبھی اسکی پروانہ کی۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کی طبیعت قدرتاً درس و تدریس، تصنیف و تالیف وغیرہ علمی خدمت پر مائل تھی۔ سجل نویسی کے علاوہ اور کسی عہدہ کے فرائض کو اچھی طرح انجام نہ دیسکتے تھے۔ ایسی حالت میں عہدہ قبول کرنا مذہباً جائز نہ تھا اور مولانا آئین مذہب کے سخت پابند تھے۔

شاہی دفتر کے معمولی متصدی بھی ہر سال ہزاروں روپیہ پیدا کرکے عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے اور مولانا عدالت العالیہ کے سجل نویس (رجسٹرار منشی رائٹر) تھے، جہاں بالائی آمدنی کی کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ لیکن مولانا کوئی شان و شوکت نہ پیدا کرسکے۔ ان کے نزدیک اس قسم کی آمدنی حرام تھی اور احکامِ آلٰہی کے خلاف۔ اس سے مولانا کی روشن خیالی اور فطری نیک نیتی کا اظہار ہوتا ہے۔ ان حالات کے لکھنے میں اکثر مولانا محمد نور کریم صاحب کی کتاب

یادداشت سے مدد کی گئی ہے۔ (مخدوم زادگان)۔

پروفیسر حکیم مولوی عبدالعزیز صاحب

فخر وطن حکیم مولانا محمد نور کریم صاحب کے فرزند سوم، بڑے نامی گرامی کامل طبیب، فارسی و عربی کے قابل ادیب، اُردو سے بھی خوب آگاہ اور اچھے علمی خادم، اپنے والد کے لائق تعریف طرزِ عمل کے خاص مُقلد، صاحب تصنیف و تالیف و مترجم - ولادت ۱۷ ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ مطابق ۸ نومبر ۱۸۴۵ء یوم چہارشنبہ، وفات ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ مطابق ۲۷ نومبر ۱۸۹۶ء

فارسی و عربی کی تعلیم اپنے والد اور دیگر نامور علمائے فرنگی محل (لکھنؤ) سے پائی۔ کتب طبیہ خاص اپنے والد سے پڑھیں مطب کے معلومات حکیم مظفر حسین خان صاحب لکھنوی و حکیم ابراہیم صاحب (جھوائی ٹولہ لکھنؤ) سے حاصل کئے۔ حکیم ابراہیم صاحب اُس زمانے مین ہز ہائینس نواب کلب علیخان بہادر بالقابہ والئی رامپور کے علاج کی غرض سے رامپور مین تشریف رکھتے تھے اس لئے حکیم صاحب کو وہان جانا پڑا۔ کتاب یادداشتِ مولانا محمد نور کریم صاحب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر ۳۰ مارچ ۱۸۶۸ء کو ہوا تھا۔

جب حکیم محمد نور کریم صاحب نے ریاست بڑودھا مین ملازمت اختیار کرلی، تو اُنکی جگہ پر عبدالعزیز صاحب (فروری ۱۸۷۱ء) کیننگ کالج لکھنؤ مین بر عہدہ پروفیسری (عربی و فارسی کے متعلق) مقرر ہوگئے، ساتھ ہی اس کے لکھنؤ مین مستقل طور پر مطب بھی جاری کردیا اور علم طب کی تعلیم بھی علمًا و عملًا دینے لگے۔ تازندگی نہایت قابلیت سے ہر ایک کام انجام دیتے رہے۔

حکیم صاحب لکھنؤ مین حاذق طبیب اور قابل اوستاد سمجھے جاتے تھے۔ اُس وقت چند ہی اطبا انکی ہمسری کا دعویٰ کرسکتے تھے۔ حُمیات کے علاج مین یدِطولیٰ رکھتے تھے اور خوب مشق بہم پہونچائی تھی۔ دِق اور سل کے مریضون کی نباضی مین خاص دخل تھا۔ ذیابیطس کا علاج بھی معمولی اور خاص طریقہ سے کرتے تھے جس مین اچھی کامیابی ہوئی تھی۔ نسخہ مختصر چند جزو کا ہوتا تھا طویل نسخے ناپسند تھے۔

اپنے والد کی طرح اُنھون نے بھی طب وغیرہ علوم کے پڑھانے مین بہت فیاضی سے کام لیا۔ صدہا طالب علم حکیم بن گئے، سیکڑون شاگرد ہندوستان کے مختلف حصّون مین کامیابی سے مطب کرنے لگے پچاسون طلبا فارسی و عربی کے لائق ادیب ہوگئے۔ خاص خاص شاگردون مین سے چند صاحبون کے نام حسبِ ذیل ہین۔

طب کے متعلق (۱) حکیم محمد علی صاحب طبیب ہردوئی، ایڈیٹر مرقعٔ عالم و مشہور ناولسٹ (۲) حکیم مولانا محمد اظہر علی صاحب دہلوی (۳) حکیم ظہور الحسن صاحب سندیلہ (۴) حکیم سید خورشید علی صاحب لکھنوی (۵) حکیم صفدر علی صاحب ساکن گدیہ، بارہ بنکی مطب بہرائچ (۶) حکیم محمد زبیر صاحب بدایون (۷) حکیم سید حسین صاحب مراد آباد (۸) حکیم محمد حیات صاحب، بہار، مطب کانپور (۹) حکیم محمد عبدالحسیب صاحب دریابادی (۱۰) حکیم عبدالغنی

۵ یہ کتاب کتب خانۂ عبدالحبیب مین بمقام دریاباد موجود ہے ۱۲۔

صاحب غازی پوری (۱۱) حکیم امجد علی صاحب سترکھی، بارہ بنکی (۱۲) حکیم بساو صاحب جائیسی، رائے بریلی علم ادب کے متعلق (۱۳) سید ظہور احمد صاحب وکیل ہائی کورٹ (۱۴) منشی امتیاز علی صاحب وکیل فیض آباد (۱۵) بابو بلدیو پرشاد صاحب وکیل فیض آباد (۱۶) بابو اجیت پرشاد صاحب گورنمنٹ پلیڈر (۱۷) شمس العلماء مولوی محمد عبد المجید صاحب فرنگی محلی (لکھنؤ) (۱۸) مولوی محمد نسیم صاحب ایڈوکیٹ، لکھنؤ (۱۹) بابو پنّا لال صاحب لکھنوی وکیل بارہ بنکی (۲۰) حاجی قربان احمد صاحب وکیل بارہ بنکی (۲۱) منشی سجاد حسین صاحب وکیل بارہ بنکی (۲۲) مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے سکریٹری انجمن اردو لکھنؤ (۲۳) منشی سجاد حسین صاحب کاکوروی، ایڈیٹر اودھ پنچ لکھنؤ (۲۴) بابو جوالا پرشاد صاحب برق جج خفیفہ لکھنؤ، مشہور نامہ نگار اودھ پنچ اور قابل ناولسٹ (۲۵) پنڈت تربھون ناتھ ہجر، خاص نامہ نگار اودھ پنچ (۲۶) ڈاکٹر ہری گوپال چٹرجی سول سرجن بنارس (۲۷) نواب محمد عظیم خان صاحب ڈپٹی کلکٹر (۲۸) پنڈت سورج نارائن سب جج (۲۹) سید شہنشاہ حسین صاحب رضوی وکیل لکھنؤ (۳۰) مرزا محمد سمیع صاحب ڈپٹی کلکٹر (۳۱) عبد الرافع صاحب ڈپٹی کلکٹر (۳۲) پنڈت سیتلا پرشاد جج وغیرہ۔

مولانا محمد نور کریم صاحب کی کتاب یادداشت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہنڈ فورڈ صاحب (ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم ممالک مغربی و شمالی اودھ) بھی مولوی عبد العزیز صاحب کے شاگرد تھے جنھوں نے ۲۰۔ اگست ۱۸۶۹ء کو لکھنؤ میں سبق شروع کیا تھا۔ غالباً عربی یا فارسی و اردو پڑھی ہوگی۔

عبد العزیز صاحب لکھنؤ کے علاوہ شاہجہان پور، بنارس، الہ آباد، کھیری، باندہ وغیرہ دور دور مقامات پر علاج کرنے کے لیے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ راجہ گوکل داس گوپال داس صاحب کے علاج کے واسطے جبل پور بھی گئے تھے اور انھیں صحت ہوگئی تھی۔ سنا جاتا ہے کہ ایک دفعہ مہاراجہ بنارس کے یہاں بھی جانا ہوا تھا اور وہ بھی اچھے ہوگئے تھے۔

قاضی اکرام اللہ صاحب تعلقدار سرکھ، چودھری طالب علی صاحب تعلقدار کرسی، رائے مہاراج بلی صاحب و رائے نارائن بلی صاحب تعلقدار دریاباد، راجہ پرتھی پال سنگھ صاحب تعلقدار سورجپور، چودھری محمد عظیم صاحب تعلقدار سندیلہ، مولوی غلام مجتبیٰ صاحب وکیل ہائی کورٹ الہ آباد، علمائے فرنگی محل لکھنؤ وغیرہ حکیم صاحب کے علاج کے خاص معتقد تھے، ہمیشہ انھیں کا علاج کرتے رہے۔

بلاناغہ ہر اتوار کو اپنے وطن دریاباد جاتے اور غربا و شرفا وغیرہ کا علاج بڑی شفقت و دلسوزی سے کرتے تھے۔ اس وضعداری میں کسی نقصان کی پروا نہیں کی اور نہ کبھی فرق آنے پایا۔ بستی میں کبھی کسی سے نہ فیس لی نہ بعد صحت علاج کا معاوضہ لینا پسند فرمایا۔ اس سے حکیم صاحب کی حب الوطنی اور وطن پرستی کا خوب اظہار ہوتا ہے۔

پروفیسر اور طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ مولوی صاحب مصنف و مولف بھی تھے اور مترجم بھی۔ علم طب کے متعلق میزان الادویہ بزبانِ اردو تصنیف کی، جو استخراجِ مزاجِ ادویہ میں بہترین کتاب ہے۔ میزان الطب اور تحفۂ اثنا عشریہ کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ان کتابوں میں سے آخری کتاب ابتک غیر مطبوعہ ہے۔ رقعات بیدل، سہ نثر ظہوری،

سکندر نامہ، رقعات عالمگیری کے بعض حصص (کتابی صورت میں داخلۂ کورس ایف، اے، بی، اے، ایم، اے) کی شرح اُردو میں لکھی۔ جو کئی مرتبہ مطبع تیغ بہادر و نول کشور پریس میں چھپ کر شائع ہوئی۔ اکثر الہ آباد یونیورسٹی کے ممتحن بھی ہوئے اور عمدہ پرچے تیار کر کے نام پیدا کیا۔ اس سے حکیم صاحب کی ادبی خدمت اور اُردو قابلیت بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

کتابوں سے بھی دلچسپی تھی۔ اپنے آبائی کتب خانہ میں بہت سی کتابوں کا اضافہ کیا اور کتب خانہ کو درست حالت میں رکھا۔ ہر سال کتابوں کی جلد بندی وغیرہ میں روپیہ صرف کرتے رہے۔

لکھنؤ میں مرزا محمد عباس صاحب رئیس، ڈپٹی خداداد بیگ صاحب، بابو باسدیو لال صاحب ایڈوکیٹ، آنریبل بابو گنگا پرشاد صاحب ورما ممبر کونسل ممالک متحدہ و اودھ ایڈیٹر اخبار ہندوستانی و ایڈوکیٹ، منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی سے خاص دوستانہ مراسم تھے۔

مولوی صاحب پابند مذہب، عام طور پر نہایت خلیق، مروت دار، نیک دل، نفیس مزاج، غیر متعصب، خوش وضع، خوش لہجہ، خوش رفتار، جناب حاجی حافظ شاہ غلام جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانسوی کے مرید۔ لباس نہایت صاف ستھرا پسند تھا۔ پان نفاست آمیز طریقہ سے بنے ہوئے استعمال کرتے تھے۔ طبیعت عجز و انکسار اور قناعت کی جانب رجوع تھی۔ نخوت و طمع سے قطعی احتراز تھا۔ غریبوں کی امداد میں حصہ لیتے، ضرورت کے وقت کوشش و پیروی اور سعی و سفارش سے کام نکال دیتے تھے۔ عزیز و اقارب اور خاندان والوں سے نہایت اچھا برتاؤ تھا۔ اکثر اپنے اعزا کو ذاتی صرف سے تعلیم دلوائی، اور ہر طرح کی دستگیری کی۔ اپنے خاص خاندان میں اتحاد و اتفاق کے عملی طور سے حامی رہے، جیتے جی خاندانی شیرازہ کو منتشر نہ ہونے دیا۔

لانبا قد، گورا رنگ، کشادہ پیشانی، گول زبدن، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، خمیدہ ابرو، مانگ وار زلفیں، سر کے بال گھنے، سرخ و نازک لب، گول چہرہ، خوبصورت، فراخ سینہ، ہاتھ پاؤں سڈول اور مضبوط، دراز گردن، جامہ زیب۔ اکثر جامدانی اور کبھی کبھی عمدہ تنزیب یا شربتی کا چوڑی گوٹ والا انگرکھا، نیچے جالی کا شلوکہ، چھالٹین یا نین سکھ کا بڑے پائنچے والا پائجامہ، جامدانی کی دو پلڑی ٹوپی، دلی وال یا امرتسری جوتا، کبھی کبھی مرزائی کے کانکوئے دار سیاہ بوٹ بھی۔ جاڑوں میں عمدہ چھینٹ یا آنتوا (باندہ کا مشہور اور نفیس کپڑا) کا اُلٹو کیا ہوا دگلا، نیچے چھینٹ یا فلالین کا شلوکہ، جامہ وار کی چوگوشیہ ٹوپی، شالی رومال استعمال کرتے تھے۔

نہایت افسوس ہے کہ حکیم صاحب جن امراض کے علاج سے بخوبی واقف تھے، وہی موت کا باعث ثابت ہوئے یعنی بعارضۂ ذیابیطس و سل ۵۲ سال کی عمر میں وفات پائی، اپنے قبرستان میں دفن ہوئے۔ اولاد میں دو لڑکیاں۔ بڑی صاحبزادی کی شادی شیخ محمد نعیم الزمان صاحب رئیس سندیلہ کے ساتھ ہوئی اور چھوٹی حکیم مولوی عبد الحسیب صاحب (پروفیسر صاحب کے برادر زادہ بھتیجے) کو بیاہی گئی۔

ف بابو صاحب مولوی عبد العزیز صاحب کے نامور شاگردوں میں تھے غلطی سے ان کا نام یہاں درج ہو گیا، ناظرین معاف فرمائیں ۱۲

انتقال کی خبر پاکر مسٹر وائیٹ صاحب پرنسپل کیننگ کالج لکھنؤ کو بہت افسوس ہوا اور ایک دن کے لئے کالج بندکر دیا گیا۔ حضرت امیر مینائی مرحوم ومغفور نے تاریخ ارشاد فرمائی جو لوحِ مزار پر کندہ ہے۔

قطعہ تاریخ وفات "ز دنیا سفر کرد عبدالعزیز + بشوقِ بقائے عزیز و حکیم + اُمید است از حق کہ او تنعم نماید بخلدِ نعیم + خدا غرق دریائے رحمت کُند + طفیلِ محمدؐ رسول کریم + مُسخر بُدے خلق از خُلقِ او + کہ بُد حاجتِ فیض و خُلقِ عمیم + وجیہ و فقیہ و حسین و متین + ولش پاک از عیب طبعش سلیم + طبیب و شفیق از جہان رفت شد شدہ جانت دد ستانش نقیم + بسر تربتش نقش کن اے امیر + خلیق و وحید و کریم و رحیم" + یہ تاریخ اسی طرح مشکوک اور غلط حافظ عبدالرشید صاحب دریابادی کی کتاب یادداشت مین درج ہے۔

مرحوم نے اپنی بڑی بیٹی کی شادی مین بڑی اُلوالعزمی اور بلند حوصلگی سے کام لیا تھا۔ اِس تقریب مین لکھنؤ و دریاباد کے قرب وجوار کے شرفا اور زمینداروں کے علاوہ تعلقدار صاحب ستر کھ، رائےصاحب تعلقدار دریاباد، راجہ صاحب ہڑاہا، چودھری محمد عظیم صاحب و چودھری نصرت علی صاحب (تعلقداران سندیلہ) شیخ صمصام علی صاحب تعلقدار گنڈارا، چودھری صاحب تعلقدار بروئی، چودھری خلیل الرحمٰن صاحب تعلقدار رُدولی (بارہ بنکی) وغیرہ شریک ہوئے تھے۔ شمس العلماء مولانا محمد نعیم صاحب ومولوی عبدالوہاب صاحب (فرنگی محل لکھنؤ) بھی تشریف لائے تھے۔ کھانا بہت پُر تکلف، امیرانہ، اور انتظام نہایت معقول، بارگاہ خوب آراستہ تھا۔ (مخدوم زادگان)۔

ڈاکٹر خدا بخش صاحب

شیخ، سنی المذہب، انگریزی فوج مین رسالہ کے ڈاکٹر تھے، انگریزی پڑھے تھے، روزہ و نماز کے پابند، عقیدے کے مضبوط۔ مخیر بھی تھے۔ غریبوں اور محتاجوں کو اکثر کچھ نقد وغیرہ اپنی حیثیت کے مطابق دیا کرتے تھے، علاوہ اس کے ہر سال محرم کے زمانے مین دریاباد آکر عشرہ کے دن شربت کی سبیل کربلا والی سڑک پر جاری کرتے تھے۔ موچیوں کی مسجد پختہ حلقہ بھی انھین کی مذہبی خدمت اور خوش اعتقادی کی قابل تعریف یادگار رہے۔

ان کے باپ دادے بزقصاب تھے لیکن، انھون نے ذاتی طور پر پڑھ لکھ کر اپنا آبائی پیشہ ترک کردیا اور اپنی فطری ذہانت اور علمیت کی بناء پر ڈاکٹری کا معزز عہدہ حاصل کیا جو زندگی بھر برقرار رہا۔

یہ پہلے لکھنؤ مین تعینات تھے۔ بعد کو فیض آباد تبدیل ہوگئے تھے۔ ردناہی کے مقام پر گھوڑے سے گر کر ۱۹۰۱ء مین فوت ہوئے۔ تخمیناً ساٹھ ستر سال کی عمر پائی۔ نہایت خلیق، ملنسار، منکسر المزاج تھے، ڈاکٹری کا غرور ذرا بھی نہ تھا لوگون سے بہت اچھی طرح ملتے تھے۔ اپنی غریبی، اپنی اگلی حیثیت کو بھولے نہ تھے۔ اولاد مین مصاحب، امجد، بابو، واجد چار لڑکے اور دو لڑکیاں۔ یہ چارون لڑکے آوارہ مزاج تھے، جو باپ کے مرنے کے دس بارہ برس بعد آبائی مکان وغیرہ

۵ نقشہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ مرتبہ پنڈت گردھر لال (بہجولی، الہ آباد) سے ثابت ہوتا ہے کہ ضلع بستی مین رُدولی کے نام سے ایک دوسرا مشہور مقام بھی ہے۔ یہ نقشہ مدرسہ جیول (بارہ بنکی) مین موجود ہے ۱۲۔

فروخت کر کے کلکتہ چلدئے۔ خدا بخش کی قبر پختہ لب سڑک موچیون کی مسجد سے متصل شمال رویہ موجود۔

حاجی ڈاکٹر محمد سلیم صاحب

فرزند اصغر مولوی عبد الرحیم صاحب مرحوم، فن ڈاکٹری سے اچھی طرح واقف، حب الوطنی مین قابل ذکر، ولادت غالباً ۱۸۹۰ء، وفات ۱۸۔ اگست ۱۹۳۳ء۔

فارسی کی تعلیم مکان پر پائی۔ ہردوئی، لکھنؤ، گورکھپور، فیض آباد اور سیتاپور کے ہائی اسکول مین انگریزی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، پھر آگرہ میڈیکل اسکول مین داخل ہو کر ڈاکٹری کا علم حاصل کیا۔ اضلاع علی گڈھ، بریلی وغیرہ مین سرکاری خدمات نیک نامی سے انجام دیئے۔ جنگ کے زمانے مین فوج کے ساتھ مختلف مقامات پر کام کیا۔ دو برس سے اپنے وطن دریاباد مین تعینات تھے۔ ایک سو ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ تھی۔ خدا نے دست شفا عطا فرمایا تھا۔ مریض جلد صحت یاب ہوجاتے تھے۔ مریضون کا علاج بہت توجہ سے کرتے تھے۔ کچھ عرصے سے ان کی صحت خراب رہا کرتی تھی مگر اپنے فرائض مین اس قدر منہمک رہا کرتے تھے کہ علاج کی جانب مطلق خیال نہ ہوا شروع جون ۳۳ء سے تپ کا لزوم ہوگیا۔ آخر جون مین علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لیگئے، وہان اطبا اور ڈاکٹرون نے سل اور دق تجویز کیا۔ پیشتر حکیم عبد الحمید صاحب اور حکیم عبد المجید صاحب (جھوائی ٹولہ) کا علاج رہا، بعد مین ڈاکٹر حفیظ اللہ اور ڈاکٹر ٹکو کی جانب رجوع کیا گیا۔ مگر افسوس ہے کہ کوئی دنیاوی تدبیر و ترکیب بار آور نہ ہوئی۔ عین شباب مین ڈاکٹر صاحب نے بمقام گولہ گنج لاولد وفات پائی اور محلہ کا ب گنج، باغ ملا انوار مین سپرد خاک کئے گئے۔

مرحوم نہایت نیک، ظریف الطبع، خوش اخلاق، خندان پیشانی، ہردل عزیز، غیر متعصب، جامہ زیب، مروت دار، خوبصورت، خوش پوشاک اور مذہب کے معتقد تھے ۱۹۱۲ء مین حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب اولوالعزم بھی تھے جس وقت ان کے چچا زاد بھائی مولوی عبد المجید صاحب ڈپٹی کلکٹر پختہ کوٹھی بنوانے پر آمادہ ہوئے تو، انھون نے بھی اس کی تیاری مین کثیر رقم خرچ کی تھی اور اس طرح وہ ایک شاندار عمارت بہت جلد تعمیر ہوگئی سگریٹ کے بہت بڑے شوقین تھے۔ دس بارہ بکس روزانہ پیڈرو سگریٹ کے پی ڈالتے تھے۔ بعض بزرگون کا بیان ہے کہ اس شوق نے بھی ڈاکٹر صاحب کی صحت پر خراب اثر ڈالا تھا۔ (مخدوم زادگان)۔

چھٹی فصل وکیلون کے بیان مین

مولوی مظفر کریم صاحب

شیخ، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے فرزند سوم، از اولاد حضرت مخدوم آبکش دریابادی، باندہ کے وکیلون مین نامی گرامی وکیل، اچھی استعداد، فن تینگ بازی مین اعلیٰ مشاق۔ کھینچ کر تینگ خوب لڑاتے تھے۔ پندرہ بیس برس کے

سن تک انھین پتنگ کا شوق رہا- یہ شوق لکھنؤ مین پیدا ہوا تھا اور وہین پر ختم ہوگیا-

شیخ صاحب لکھنؤ مین کیننگ کالج اور بیرونی طور پر عربی و فارسی علوم سے فیضیاب ہو کر بنارس کی کلکٹری مین نقل نویس ہوئے اور اسی سلسلہ مین قانونی قابلیت بہم پہونچا کر وکالت کے امتحان مین کامیاب ہونے کے بعد انھون نے باندہ مین وکالت شروع کی اور تھوڑے ہی دنون مین اپنی فطری دانائی کے زور سے شہرتِ عوام کی سند حاصل کی یہ اگرچہ اُردو دان وکیل تھے- مگر آمدنی چار سو روپیہ ماہوار سے کم نہ تھی- وکالت مین انھون نے دولت کثیر پیدا کی- خاص باندہ مین ایک بہت بڑا پختہ مکان محفتانہ مین حاصل کیا اور ایک موضع خرید کیا- لیکن کچھ دنون کے بعد موضع سنہ ۱۹۲۰ء مین ۱۹ ہزار روپیے کو فروخت کر ڈالا-

مولوی صاحب ذی علم اور نامی وکیل ہونے کے علاوہ بزلہ سنج، خوش اخلاق اور فیاض بھی تھے- باندہ سے محتاجون کو اکثر دس بارہ مرزائیان اور احباب کے لیے تحفۃً چالیس پچاس گز اَنگوا کپڑا (تحفۂ باندہ) جب تک وہان تیار ہوتا رہا، ہر سال دریاباد بھیجتے رہے- اِن کے وطنی احباب کا حلقہ کچھ کم وسیع نہ تھا- لالہ پرمیشری دیال صاحب، لالہ دیبی دین صاحب، لالہ شنکر لال صاحب کمال، منشی مینڈی لال صاحب ہیڈ ماسٹر، منشی ماتا پرشاد صاحب وکیل، لالہ بدری پرشاد صاحب (راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے پوتے) وغیرہ خاص دوستون مین تھے- عرصہ تیس برس سے بسلسلۂ وکالت باندہ مین سکونت پذیر تھے، مگر وطن سے قطع تعلق نہین ہوا- دو منزلہ پختہ مکان، آبائی زمینداری بدستور تا حال قایم و موجود جس پر اِن کے بیٹے قابض- جولائی سنہ ۱۹۲۰ء مین انھون نے انتقال فرمایا- ۷۰ سال کی عمر نصیب ہوئی- اولاد مین تفضّل کریم انٹرنس پاس، سب جج باندہ مین اہلمد، چالیس روپیہ مشاہرہ، تجمل کریم بی اے، ایل ایل بی- باندہ مین وکالت پر مائل- (مخدوم زادگان)

منشی ماتا پرشاد صاحب

شری واستو یہ دوسرے کایستھ، بھٹری ورن، منشی مینڈی لال صاحب کے اکلوتے بیٹے، مشہور وکیل فارسی و انگریزی مین صاحب لیاقت- ولادت جون سنہ ۱۸۵۰ء، وفات ۲۹- جون سنہ ۱۹۱۱ء-

ان کے بزرگ دیو رائے اور اُدے راج سانڈی کے چودھری اور قصبہ صدرپور محلہ کھروال کے خوشباش تھے، جن کی نسل مین فتح چند صاحب نواب نجف خان بہادر صوبہ دار الہ آباد (بہ عہدِ نواب آصف الدولہ بہادر) کی سرکار مین دیوان پیشکار تھے اور دیبی داس صاحب بسوان و باڑی کی چکلہ داری پر ممتاز تھے، جنھون نے ملازمت کے سلسلے مین اپنا آبائی وطن ترک کر کے بسوان باڑی کی سکونت اختیار کر لی تھی- دیبی داس صاحب کی اولاد مین لالہ ہمت بہادر کی شادی محررانِ دریاباد کے خاندان مین لالہ بیچے لال صاحب کی بیٹی کے ساتھ ہوئی- بیچے لال صاحب کی وفات پر لالہ ہمت بہادر صاحب کے لڑکے لالہ رادھے کرشن صاحب ناناہالی جائداد (زمینداری موضع سرولی و مکان وغیرہ) کے مالک ہو کر دریاباد مین سکونت پذیر ہوئے، جو منشی ماتا پرشاد کے دادا، اور منشی مینڈی لال صاحب کے والد تھے

تھے۔ (از پشت نامہ بسنت رائے بزرگوار منشی بنڈی لال صاحب مرحوم۔ یہ پشت نامہ بابو کالکا پرشاد صاحب عرف وُلارے کے پاس موجود)۔

مولوی بشارت علی صاحب قدیم (دریا بادی) سے فارسی کی تعلیم پائی فیض آباد ہائی اسکول میں انٹرنس پاس کیا، اور ایف۔ اے تک قابلیت پیدا کی۔ ۲۵ برس کی عمر میں ملازمت کرکے فیض آباد۔ اکبر پور وغیرہ اسکولوں میں (مشاہرہ پچاس روپیہ) تعلیم دیتے رہے۔ اسی سلسلہ میں ذاتی محنت و مشقت سے سند وکالت بھی حاصل کرلی۔ سند پاتے ہی ملازمت سے استعفا دیکر تحصیل سنہی گھاٹ کی منصفی میں وکالت شروع کردی جب ۱۸۸۱ء میں منصفی سنہی گھاٹ بارہ بنکی منتقل ہوئی تو پیشہ وکالت کو خیرباد کہکر خانہ نشینی اختیار کرلی۔ بارہ بنکی جانا اور وہاں قیام کرنا انھیں پسند نہ آیا۔

منشی صاحب قانون میں لکھنؤ کے نامی گرامی وکیل منشی کالی پرشاد صاحب مرحوم کُل بھاسکر (بانی کائستھ پاٹھ شالہ الہ آباد) کے شاگرد تھے۔ وکالت میں اچھی خاصی قابلیت رکھتے تھے منصفی سنہی گھاٹ کے وکیلوں میں ان کا مدِمقابل کوئی نہ تھا۔ یہ کم سخن تھے، لمبے چوڑے بیان کو ایک دو جملوں میں حاکم کو سمجھا دیتے تھے۔ تقریر کے علاوہ تحریر میں بھی اختصار پسند تھے۔ دغا، مکر، وغیرہ بُری عادتوں سے قدرتی طور پر متنفر تھے۔ مُوکل کو بہت خوش رکھتے تھے اور بجائے لوٹنے کی فکر کے کم خرچ میں اُس کے تمام معاملات طے کرا دینے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وجوہات تھے جو ان کی شہرت ہوگئی تھی اور لوگ انھیں کو حتی المقدور اپنا وکیل بناتے تھے۔

یہ مذہب کے پکے پابند تھے، دونوں وقت پوجا پاٹ کرتے تھے۔ ایک پنڈت ہمیشہ ان کے پاس نوکر رہا، جسکے ذریعہ سے روز مرہ مذہبی فرائض انجام پاتے تھے۔ قومی کاموں میں بھی انھیں دلچسپی تھی۔ پہلے پہل ۱۸۸۵ء میں جب دریا باد میں رائے مہا دیو بلی صاحب نے "کائستھ سبھا" قائم کی تھی اور اُس کے متعلق زبردست جلسہ منعقد ہوا تھا، تو اُس وقت انھوں نے نہ صرف شریکِ جلسہ ہوکر اپنی پرزور اور مؤثر تقریروں سے حاضرین کو خوش کردیا تھا، بلکہ "سبھا" کے کامیاب بنانے میں بحیثیت سکریٹری کے عملی حصہ بھی لیا تھا۔

ان میں تعصب نام کو نہ تھا، ہندو مسلمان سب کو یکساں مانتے تھے۔ اپنے مذہب کے دلی خیرخواہ تھے، لیکن، دوسرے مذہب کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہر کس وناکس سے اچھی طرح پیش آتے تھے، ادنیٰ آدمی کو بھی ذلیل نہیں سمجھتے تھے انکسار بہت تھا۔ اپنے ہم وطنوں کا یہاں تک ادب کرتے تھے کہ بستی کے اندر تا زیست کبھی کسی سواری پر سوار نہیں ہوئے منصفی سنہی گھاٹ کی آمد و رفت میں ہمیشہ اپنے مکان سے کودی کے کنوئیں تک برابر پیدل آیا جایا کئے۔ ان کے خاص دوستوں میں لالہ پریشر دیال صاحب، لالہ شنکر لال صاحب کمال، مولوی ظفر کریم صاحب وکیل مشہور تھے۔

کتب بینی کا بھی ان کو شوق تھا۔ مگر، زیادہ تر مذہبی کتابیں بشوق پڑھتے تھے۔ تلسی کرت رامائن، منو اسمرتی، اور جاگیہ ولک اسمرتی کے اُردو ترجمے مرغوب الطبع تھے۔

بزرگوں کے بقائے نام کا بھی انھیں بڑا خیال تھا۔ چنانچہ انھوں نے قدیم مکان کو از سر نو درست کراکر ایک پختہ

خوبصورت مکان کی شکل مین منتقل کرکے آبا و اجداد کا نام زندہ کر دیا جس سے اِن کی کسی قدر اُلوالعزمی بھی پائی جاتی ہے۔ تخمیناً ۶۰ سال کی عمر مین اِن کا انتقال ہوا۔ گندم رنگ، متوسط قد، دوہرہ بدن، موٹے تازے، ہاتھ پاؤن سڈول، عمدہ مونچھین، نفیس خشخشی داڑھی، سر پر چھوٹے چھوٹے سیاہ بال، بابری حجامت، آبائی وضع۔ انگرکھا یا پُرانے چال کی اچکن (ایجاد نصیر الدین حیدر بادشاہ) کُرتا، بڑے پائینچے والا پائجامہ، گول ٹوپی یا صافہ، دیسی سیاہ بوٹ (ایکسوٹ دار) عدالت مین حاضری کے وقت یا تقریبون مین اور گھر پر روزمرہ مین سکھ کی دھوتی، دوپلڑی ٹوپی، کُرتا پہنتے تھے۔ اکثر قیمتی پوشاک بھی موسم کے لحاظ سے استعمال کرتے تھے۔ اولاد نرینہ کوئی نہین، صرف ایک لڑکی بیوہ اب تک زندہ۔

افسوس ہے کہ مرحوم نے وکالت کے ذریعہ جو کثیر دولت پیدا کی تھی وہ، نیز آبائی جائداد (حصۂ زمینداری، زیورات قیمتی کپڑے وغیرہ) دو ثلث کے قریب ایک ناگفتہ بہ طریقہ سے تلف ہو کر غیرون کے قبضہ مین آگئی، باقی کی نسبت مقدمہ بازی کی کوششین ہو رہی ہین، جو منشی صاحب کی ناعاقبت اندیشی کا ایک شرمناک واقعہ ہے۔ اگر یہ اپنی زندگی مین کل جائداد کا ایک ثلث باضابطہ تحریر کے ذریعہ مستحقین (بیٹی اور چچا زاد بھائی) کو تقسیم کرکے ماباقی ۲/۳ حصہ فخر قوم منشی کالی پرشاد صاحب مرحوم (گل بجا سکر) کی طرح کسی مفید اور نیک کام کے لئے وقف کر جاتے تو آج یہ تباہ کن اور ناخوشگوار نتیجہ کیون ظہور پذیر ہوتا۔ خاندان مین اِن کے چچا کے لڑکے کنج بہاری لال، کالکا پرشاد عرف دلارے، ستیلا پرشاد بقید حیات۔ (محلہ محرران)۔

ساتوین فصل سادھوؤن اور فقیرون کے بیان مین

حضرت مخدوم آبکش دریابادی

عارفِ کامل، ولیٔ مشہور، اصل نام شیخ محمد، عرف مخدوم آبکش، قاضی قدوۃ الدین صاحب عرف قاضی قدوہ۔ (جو کہ سلاطینِ روم کی نسل سے تھے) کی اولاد مین تھے۔ آپ کے بارہ مین آپ کے خاندانی اصحاب بیان فرماتے ہین، حضرت قاضی عبدالکریم سرسنڈوی کے، جو ایک بڑے باخدا درویش اور حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کے خلیفہ تھے، آپ نواسے تھے۔ پہلے اپنے نانا سے تعلیم باطنی پائی، پھر اُن کے حکم سے جونپور مین حضرت شیخ ابو الفتح رحمۃ اللہ علیہ کے، جو نظامیہ چشتیہ سلسلہ کے نامی بزرگ تھے، مُرید ہوئے اور اُن سے خلافت حاصل کی۔ اُس کے بعد مرشد کے حکم سے قصبہ محمود آباد مین جو دریاباد سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، قیام فرمایا۔ اُس زمانہ مین دریا خان، جو شاہان شرقی جونپور کی جانب سے اِس علاقہ کے حاکم تھے، وہ عقیدتمندانہ آپ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور بڑے اصرار کے ساتھ آپ کو دریاباد لائے۔ دریاباد اُس وقت ویرانہ تھا۔ آپ نے یہان تشریف لاکر آبادی کی بنیاد ڈالی، اور اُس کا نام دریا خان کے نام پر دریاباد رکھا۔ یہ واقعہ سنہ ۸۴۳ھ[1] کا ہے۔ آپ کی وفات سنہ ۸۸۸ھ مین ہوئی، "آفتابِ گشت" سے سالِ وفات

---

[1] راقم کو اِس رائے سے اتفاق نہین۔ ملاحظہ ہو باب اول، ذکر دریاباد ۱۲

نکلتا ہے۔ آپ کے کشف و کرامات کے صدہا واقعات زبان زد عوام ہیں، جن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ بہت بڑے عارفِ کامل و صوفی با صفا تھے۔ آپ کے سلسلے میں پشتہا پشت تک مشائخ و علما پیدا ہوتے رہے، جن کے فیض کا سلسلہ نہ صرف نواحِ دریاباد، بلکہ سارے ہندوستان میں جاری رہا۔ نامور سلاطین دہلی مثلاً شہنشاہ اکبر، شہنشاہِ جہانگیر، شاہجہان، شہنشاہ اورنگ زیب کے درباروں سے آپ کی اولاد کے نام جاگیروں اور معافیوں کے پروانے جاری ہوتے رہے۔ ان میں سے بعض فرامین، جن پر شاہی مہریں لگی ہوئی ہیں، محمد حفیظ الدین صاحب دریابادی اسٹیشن ماسٹر کے پاس، جو آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں، اب تک محفوظ ہیں۔ فرامین کی تفصیل حسب ذیل ہے —

(۱) فرمان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی بنام فضیلت مآب تقویٰ شعار تورع دثار فلاح آثار شیخ عبد الرحیم و شیخ عبد الباقی معہ فرزندان، موازی دو صد بیگھہ زمین، پرگنہ دریاباد، صفر ۹۸۴ھ (۲) فرمان مظفر الدین محمد سلیم عرف جہانگیر شاہ، بنام تقویٰ شعار صلاح آثار شیخ جہان و شیخ محمد و شیخ ناصر وغیرہ، ماصہ ۱۳۳ بیگہ بہ گز الٰہی، سنہ ۱۰۱۴ھ (۳) فرمان جہانگیر شاہ، آراضی معافی ماصہ ۱۱ بیگھہ پرگنہ دریاباد، بنام شیخ عبد اللہ، سنہ ۱۰۲۵ھ (۴) اللہ اکبر، مہر شاہی، فرمان ابو المظفر نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی۔ دریں وقت فرمان عالی شان سعادت نشان شرف اصدار یافت کہ موازی پنجاہ بیگھہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع بگز الٰہی از پرگنہ دریاباد من عمال سرکار اودھ از ابتدائے خریف لوئی ئیل برای خرچ خادمان خانقاہ مشیخت مآب شیخ جہان چشتی گوشہ نشین بموجب ضمن مقرر و مفوض باشد کہ حاصلات آن را فصل بہ فصل و سال بسال در وجہ معیشت خود خرج و صرف نمودہ بدعا گوئی دوام دولت ابد قرین اشتغال می نمودہ باشد می آید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال در استمرار و استقرار این حکم اقدس اعلیٰ کوشیدہ آراضی مذکورہ را پیمودہ و چک بستہ بہ تصرف مشار الیہ باز گذاشتہ اصلا تغیر و تبدیل بدان راہ ندہند و بہ علت بالوجہات و اخراجات مثل شلغہ پیکش و جریبانہ و ضابطانہ و مہرانہ و محصلانہ و داروغکانہ و بیگار و شکار و دہ نیمی و مقدمی و صدودوئی قانونگوئی و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند دریں باب ہر سالہ فرمان و پروانچہ مجدد نہ طلبند و اگر در محلہ دیگر زمین داشتہ باشد آن را اعتبار نکنند از فرمودہ در نگذرند در عہدہ شناسند تحریراً فی تاریخ پنج شہری در ماہ الٰہی سنہ ۱۱ (۵) فرمان ابو المظفر نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی، معافی ۵ بیگھہ پرگنہ دریاباد، بنام بی بی نور جہان وغیرہ، سنہ ۱۰۲۵ھ (۶) فرمان شاہجہان بادشاہ، معافی سو بیگھہ، پرگنہ دریاباد، بنام شیخ عبد اللہ معہ فرزندان سنہ ۱۰۳۹ھ (۷) فرمان شاہجہان بادشاہ، معافی ماصہ گہ، پرگنہ انہونہ بنام شیخ قطب عالم و ورثہ شیخ منصور وغیرہ، سنہ ۱۰۶۲ھ (۸) فرمان عالمگیر بادشاہ، معافی ماصہ ۱۳۳ بیگہ بنام طہرہ وغیرہ، پرگنہ سبیحہ، سنہ ۱۰۷۰ھ (۹) فرمان اورنگ زیب شاہ، معافی سو بیگھہ بنام فاطمہ بانو، پرگنہ دریاباد سنہ ۱۱ھ۔ فرمان نمبر ۴ بہ طور یادگار پورا نقل کر دیا گیا ہے —

تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے خاندانی بزرگوں کے قبضہ میں علاوہ مندرجۂ بالا ایک ہزار آٹھاون بیگھہ

آراضی کے چک چار مئو، چکوکات کھیوراج پور وغیرہ، چک ڈہدسے پور، دو موضعے ضلع بہرائچ مین، سرائے سنگی، شیخ پور، جہبا، الفت خطیب پور عرف کھتری پور، پورۂ شاہ خوبان عرف کھوباکا پورہ وغیرہ مواضعات بھی تھے، جو ذریعۂ شیخ کو معافی حاصل ہوئے تھے۔ اِن مین سے اکثر مواضعات آپ کی نسل والون کے پاس ابتک موجود ہین۔

الغرض شیخ پور سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جنگل کٹوا کر یہ موضع آباد کیا تھا اور چونکہ آپ شیخ تھے اِس مناسبت سے موضع کا نام شیخ پور مشہور رہا جو بعد کو شیخوا پور ہو گیا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دریا خان صاحب عامل نے چند مواضعات بھی معافی کے طریق پر آپ کی نذر کئے تھے۔

حضرت مخدوم صاحب کا خاص مجاہدہ یہ تھا کہ کنوئین سے پانی بھر بھر کر لوگون کو پلاتے اور نمازیون کو وضو کراتے تھے۔ اِس خدمت کی بناء پر اُن کا لقب "حضرت مخدوم آبکش" پڑ گیا تھا۔ آپ کا تذکرہ مشائخ کی متعدد کتابون مین موجود ہے مثلاً کتاب مرآۃ الاسرار (فارسی) کتاب خزینۃ الاصفیاء (فارسی) کتاب تذکرۂ اولیائے ہند (اُردو) کتاب حدیقۃ الارض (فارسی) کتاب حکایات احمدی (فارسی) کتاب شیخ نامہ (فارسی) وغیرہ۔ آپ کے خاندان کی تین باتین خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہین۔ (۱) خاندان مین کبھی مقدمہ[۵۴] بازی نہین ہوئی (۲) علم کا ہمیشہ چرچا رہا اور ہے (۳) خاندان کے اکثر اصحاب وقتاً فوقتاً معزز عہدون پر مامور ہوتے رہے اور اب بھی ہین۔

آپ کے تین صاحبزادے، دو صغر سنی مین فوت ہوگئے، تیسرے صاحبزادے شیخ عبد الحمید قتال کی اولاد مین شاہ عبد الرسول، شیخ جہان چشتی، شاہ حاجی مصطفےٰ، شاہ ابو المظفر، شاہ خوبان رحمۃ اللہ علیہم مشاہیر فقراء مین سے ہوئے ہین، جن کی نسل اِس وقت تک قائم و موجود۔

آپ کی یادگار مین پختہ مسجد ابتک موجود ہے، جو بھولا پرشاد پنساری کے مکان سے متصل پچھم طرف محلہ مہران مین واقع ہے۔ اِس مسجد کی مرمت وقتاً فوقتاً آپ کے خاندان والے کراتے رہتے ہین۔ آپ کے نام سے محلہ بھی مشہور ہے۔

آپ کا مزار مبارک ڈپٹی حاجی مولوی عبد القادر صاحب مرحوم کے مکان سے متصل موجود ہے۔ ہر جمعرات کو قوالی ہوتی ہے۔ دو برس سے آپ کا عرس ۱۲ ذی الحجہ کو بڑی دھوم دھام سے ہونے لگا ہے۔ دو روز تک قرآن خوانی اور قوالی کی محفلین گرم رہتی ہین۔ نامی نامی قوال اپنا کمالِ فن دکھاتے ہین۔ ۱۹۲۲ء کے عرس مین باہر سے متعدد نامور مشاہیر اصحاب نے شرکت فرمائی تھی۔ مثلاً حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی، حضرت شاہ ممتاز احمد صاحب سجادہ نشین بانسہ شریف، سید سلیمان صاحب ندوی ایڈیٹر رسالہ معارف (اعظم گڈھ) مولانا مسعود علی صاحب ندوی، مولانا ظفر الملک صاحب ایڈیٹر الناظر (لکھنؤ) پروفیسر عبد الباری صاحب ندوی، مولانا صبغۃ اللہ صاحب فرنگی محلی (لکھنؤ) ایڈیٹر ہمدم صاحب

۵۰ و ۵۱ و ۵۲ ملاحظہ ہو حدیقۃ الارض اور بیعنامہ نوشتہ مسماۃ زیبا بنت پیر باندی صبیبہ محمد جمیل ولد شیخ نظام الدین ابن شیخ محمد رفیع۔

دریابادی جو کہ میان رشید کے پاس موجود ۱۲ ۔ ۵۳ کرم کریم عرف چھیدا میان اور مولانا نور کریم صاحب کے بیان مین پروانے ملاحظہ ہون

۵۴ ایک مرتبہ اتفاقیہ ایک مقدمہ عدالت مین دائر ہوگیا تھا۔ لیکن صرف پہلی ہی پیشی مین بیان کے بعد فریقین باہم رضامند ہوگئے اور مقدمہ پنچون کے ذریعہ سے فیصل ہوگیا ۱۲۔

اخبار ہمدرد (لکھنؤ) وغیرہ۔ عرس کے حالات بڑی تعریف و توصیف کے ساتھ اخبار ہمدرد (لکھنؤ) اور رسالہ دین و دنیا (دہلی) میں شایع ہوئے۔ یہ عرس قدیم ہے جدید نہیں ۔

شاہ عبدالرسول صاحب

اصل نام ابوالفتح، عرف عبدالرسول، شیخ عبدالحمید صاحب قتال کے بڑے بیٹے، صد درویش کامل اور صاحب معرفت تھے۔ اکبر شاہ کے ایک فرمان میں لکھا ہے کہ "چون موازی دوصد بیگہ زمین از پرگنہ دریاباد سرکار اودھ بموجب فرمان عالی شان کہ بتاریخ شہر صفر ۹۸۶ ہجری باسم قاضی عبدالفتاح بطریق محمل مہر اشرف اورنگ رسیدہ در وجہ مدد معاش فضیلت مآب تقوی شعار تورع دثار فلاح آثار شیخ عبدالرسول و شیخ عبدالباقی معہ فرزندان و شیخ ہمین مقرر بودہ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اب سے ۳۵۵ برس قبل پیدا ہو چکے تھے اور اکبر شاہ کے زمانے میں ان کے کمالات عام طور پر ظاہر ہو گئے تھے جس کی بنا پر "فضیلت مآب تقوی شعار تورع دثار فلاح آثار" ایسے الفاظ ان کی شان میں شاہی حکم سے استعمال کیے گئے تھے، ساتھ ہی اس کے دو سو بیگہ آراضی ذریعۂ فرمان دربار دہلی سے انھیں عطا ہوئی تھی۔ شیخ عبدالباقی صاحب ان کے حقیقی بھائی تھے۔

شاہ صاحب کے دو بیٹے تھے۔ شیخ جہان[لہ] چشتی اور شاہ قطب[لہ] عالم۔ شاہ صاحب کا پختہ مزار محلہ مخدوم زادگان میں موجود ہے۔ ہر سال عرس ہوتا ہے، جس کے بانی چھیدا میاں تھے۔ آج کل عرس کے مہتمم میاں عبدالرشید صاحب ہیں جنھوں نے مزار کی قدیم خام چار دیواری کو پختہ بنوادیا ہے۔ (مخدوم زادگان)

حاجی محمد مصطفیٰ شاہ صاحب

شاہ ابوالخیر صاحب کے اکلوتے بیٹے، شاہ عبدالرسول صاحب کے حقیقی بھتیجے، بہت بڑے زاہد و مرتاض، مشہور آفاق ولی اللہ، کعبہ شریف کی زیارت سے مشرف اندوز۔

بیان کیا جاتا ہے کہ دو چلہ گاہ پختہ الماس گنج کی سرا کے باہر (ایک گوشہ جنوب و مغرب، دوسرا اس کے پورب طرف کچھ فاصلہ پر واقع ہے) جو اب تک موجود ہیں، وہ انھیں کے ہیں، جن میں بیٹھ کر حاجی صاحب دو دو مہینے تک چلہ کشی کرتے تھے۔ حاجی صاحب کے بارہ میں صاحب رسالہ حدیقۃ الارض ارشاد فرماتے ہیں :۔

"حاجی محمد مصطفیٰ را با وصف منصب باطنی منصب ظاہری ہم بسیار بہ تونگری انجا سید چند حویلی مجالس بعضے را نام شیش محل و بعضے رنگ محل و چند باغات مثل اللہ باڑی و محمد باڑی وغیرہ و تالاب رعایائی کثیر بود و حکم بادشاہ بود ہر کجا کہ آں جناب خواہند زمین بگیرند مالک الیشان است الحال بعضے ازان زمین بہ تصرف زبردستان بہ فریب و غضب رفتہ است چنانچہ عرصہ سہ سال میشود کہ در اولاد دختری الیشان از فتح علی نام چند خانہ رعایا لالہ سوبرج بلی قانونگو گرفتہ عوض

لہ لہ ان بزرگوں کی نسل میں سات پشتوں کے بعد اب کوئی خاص اولاد باقی نہیں ۔

آن پانزده بیگہ زمین دادہ بعد دو سال آن زمین از قبضۂ شان برآوردہ گرفت ہمچنان تمام زمین و تالاب و باغات ہا را مفسدان بہ غضب بہ عمل خود ہا در آوردند۔"

ایک کرم خوردہ قلمی نسخہ جناب مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بی۔ اے کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا ہے، جس میں نہ کتاب کا نام لکھا ہے نہ مولف کی سکونت درج ہے۔ صرف مولف نے اپنا نام رفیع الدین محمدؐ ابن علاء الملک بالچی تحریر فرمایا ہے۔ لیکن، کتاب کے تیسرے صفحہ میں "ذکر حضرت حاجی شیخ مصطفےٰ دریابادی نوشتہ میشود" کی عبارت اس امر کا یقین دلاتی ہے کہ کتاب مذکور میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اُس کا تعلق خاص حاجی صاحب ہی سے ہے۔ علاوہ اس کے کتاب کی بعض نظموں سے بھی جن میں "شیخ دریاباد" نظم کیا گیا ہے، اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ یہ کتاب ۳، اوراق کی ناتمام ہی اور درمیان کے جابجا سے ۴۳ - اوراق غائب ہیں، جو ہندسوں سے ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے حاجی صاحب کے تمام وکمال حالات زندگانی نہیں معلوم ہو سکتے تاہم اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ:۔

حاجی صاحب ایک زبردست پاکیزہ صوفی، صاحب زہد وتقویٰ، غیر معمولی مشائخ میں تھے، جو اپنے وقت کے ولیِ کامل اور ہر دل عزیز بزرگ ہونے کے علاوہ بہترین عالم وفاضل اور اعلیٰ فقہ دان، ساتھ ہی اس کے نہایت خوش طبع، شگفتہ خاطر اور قناعت پسند بھی تھے۔ ہر دم بشاش، رنج وملال سے آزاد، سختی کے ساتھ ہوا و ہوس سے متنفر، ہر حال میں صابر و شاکر رہتے تھے۔ جلال الدین محمدؐ اکبر بادشاہ دہلی کے زمانے میں بہ قیدِ حیات "شیخ الاسلام" کے خطاب سے مشہور تھے۔ ۹۸۱ھ میں حج سے مستفیض ہوئے تھے، اور اس سلسلے میں مالوہ، گجرات، احمد آباد، چتوڑ، کابل، خراسان، عراق، ماوراءالنہر، روم وغیرہ بھی تشریف لےگئے تھے۔ انھوں نے مکہ معظمہ کے دوران سفر میں یدلکہ (احمد آباد کے آگے) سے ایک نفیس باغ کے کل میوے، جو نہایت لطیف و شیریں تھے، خرید کرکے عزیزوں کو تقسیم کرنے کے بعد دریاباد، رُدولی، سترکھ، لکھنؤ وغیرہ بھی بطور تحفہ روانہ کئے تھے۔ دریاباد کے نواح میں میووں کے باغات تیار کرکے ہر کس وناکس کے لئے وقف کر دیے تھے، ہر شخص بلا قید مذہب ان باغوں سے حسب خواہش میوے حاصل کر سکتا تھا، کسی کو ممانعت نہ تھی۔ نواب وزیر خان بہادر حاکم چتوڑ، قاضی طوالیس حاکم گجرات کے علاوہ کابل وخراسان، عراق و ماوراءالنہر وغیرہ کے بزرگ بھی ان کے معتقد ہوگئے تھے۔ ریاضت کے وقت نانِ خشک کھاتے، مٹی کے پیالے میں پانی پیتے تھے۔ حج کے قبل شاہ صاحب کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لیکن، ان کی والدہ زندہ تھیں جنھیں یہ بے انتہا چاہتے اور انکے دلی فرمانبردار تھے۔ حج سے واپسی کے وقت گجرات میں یہ ایسا بیمار ہوگئے تھے کہ نزع کی نوبت پہونچ گئی تھی، مگر جلد صحت یاب ہوگئے تھے۔ ان کی تین شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی بی بی کی وفات پر دوسری شادی کرمان (واقع فارس) کے بادشاہ شاہ شجاع کی دختر کے ساتھ ہوئی، جو باوجود شہرۂ آفاق حسین ہونے کے فطری طور پر تقویٰ شعار، نہایت عقیلہ، صابرہ اور شاکرہ بھی تھی۔ تیسرا نکاح مولانا قاسم کاہی کی بیٹی کیساتھ ہوا۔ شیخ شریف اور شیخ اسماعیل دو بیٹے تھے۔"

ــہ مولانا قاسم کاہی۔ اوستاد رفیع الدین محمدؐ صاحب مولف سوانح عمری حاجی صاحب موصوف۔ دربار دہلی میں کسی معزز عہدہ پر ممتاز تھے جس وقت خان زمان و بہادر خان (حاکمان جونپور) باغی ہوگئے تو، اُن کی سرکوبی کو مولانا موصوف وہاں روانہ کئے گئے۔ دہلی سے دریاباد پہونچکر انھیں حاجی صاحب کے کشف وکمالات نے اپنا معتقد کرلیا اور اس طرح طرفین میں باہمی رشتۂ قرابت پیدا ہوگیا ۱۲ ماخوذ از ملفوظات حاجی مصطفےٰ۔

مذکورۂ بالا تحریر و اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاجی صاحب ایک عجیب و غریب صفت کے قابلِ تعظیم بزرگ تھے۔ اُولوالعزم رئیس، اچھے دنیادار، بظاہر عرب کے مشہور عالم ولی شاہ عبداللہ احرار کی طرح شان و شوکت کے فریفتہ، بباطن خدا و رسول کے سچے شیدائی، سخت ریاضت کے پابند، جمیع علوم سے بہرہ ور اور صفاتِ حمیدہ سے موصوف ہونے کے ساتھ ہی اعلیٰ سیاح و بے مثل جفاکش بھی تھے۔ دریاباد سے دہلی اور ہندوستان سے باہر دور دراز ملکوں تک اِن کی قابلیت کا ڈنکا بج گیا تھا اور جہاں پناہ (شہنشاہ اکبر) بھی اِن کے معتقد ہو گئے تھے۔ شیش محل و رنگ محل کی تعمیر، اللہ باڑی و محمد باڑی وغیرہ میووں کے باغات کا تیار ہو کر خلق اللہ کے لئے وقف ہو جانا، تالابوں کا کھدنا، کثیر رعایا آباد ہونا، توکل بر خدا رہ کر ہر وقت طبیعت کو شاد رکھنا، اُس زمانے میں سیر و سیاحت کی غرض سے کابل وغیرہ کی طرف جانا اور مذہبی فرائض ادا کرنے کے لئے اپنے ملک سے باہر عربستان کی دشوار گذار منزلیں بخوشی طے کرنا، جبکہ دس بیس کوس کا سفر بھی مصیبت سے خالی نہ تھا، عبادتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ انتظام خانہ داری میں مشغول رہنا، کابل و خراسان وغیرہ کے باشندوں کا معتقد ہونا، بادشاہ ہند کا حکم دینا کہ جہاں مرضی ہو، زمین حاصل کیجئے، سب جناب ہی کی ملکیت ہے وغیرہ وغیرہ" یہ سب اسی امر کی صاف دلیلیں ہیں کہ حاجی صاحب ایک عجیب و غریب صفت کے بزرگ تھے۔

شیش محل، رنگ محل، اللہ باڑی، محمد باڑی کے دلکش ناموں سے شانِ امارت اور خدا و رسول کی محبت کے علاوہ شاہ صاحب کی عالی دماغی و ذہانت اور جدت طرازی و اختراع پردازی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ مذکورۂ بالا نام اُس وقت کے ہیں جبکہ خاص ہمارے صوبۂ اودھ میں (بارہ اضلاع) اِن سے کسی کے بھی کان آشنا نہ تھے۔ فیض آباد میں گلاب باڑی اور لکھنؤ میں "شیش محل" کا وجود پونے دو سو برس سے زائد نہیں ثابت ہوتا۔ کیونکہ گلاب باڑی نواب شجاع الدولہ بہادر کی یادگار ہے جن کے آغاز حکومت کا زمانہ تاریخ کے مطابق سنہ ۱۱۶۷ھ ہی اور شیش محل کی تعمیر نواب آصف الدولہ بہادر کی شاہانہ اُولوالعزمیوں کا نتیجہ ہے، جو سنہ ۱۱۸۸ھ میں تخت نشین ہوئے تھے۔ لیکن، دریاباد میں یہ نام اب سے تین سو برس یعنی سنہ ۱۰۰۰ھ کے قبل موجود تھے، جن میں سے آخر الذکر دو نام خاص حاجی صاحب کی ایجاد ہیں، جن کی اختراع پردازی کا سہرا انھیں کے سر بندھتا ہے۔ باقی اول الذکر دو ناموں میں شیش محل نام کی عمارت قلعۂ آگرہ میں بھی اکبر شاہ کے حکم سے تیار ہوئی تھی، جبکہ حاجی صاحب موجود تھے، اِس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اِس نام کا موجد کون ہے؟ اور رنگ محل نامی عمارت اب سے بارہ صدی قبل تعمیر ہوئی تھی، جو قنوج کے قلعہ میں اِس وقت تک موجود ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حاجی صاحب نے سنہ ۱۰۰۹ھ میں حج کا سفر کیا تھا۔ اگر سفر کے وقت اِن کی عمر ۲۰ برس فرض کر لی جائے تو، حاجی محمد مصطفےٰ شاہ صاحب کی پیدائش کا زمانہ سنہ ۹۸۹ھ ثابت ہوتا ہے، جسے آج تک چار سو برس ہوئے۔ اولاد میں شیخ شریف، شیخ اسماعیل، شیخ فقیر اللہ۔ ایک رہن نامہ میں لکھا ہے "منکہ خدادی زوجۂ رجب علی ولد بابو اللہ عرف میاں فتح علی نواسۂ فقیر اللہ فرزندانِ حاجی مصطفےٰ مرحوم ساکن قصبہ دریاباد ایم"۔ اور بیعنامہ نوشتۂ رعایت اللہ و بیعنامہ نوشتۂ مراد علی میں گواہوں کے ذیل میں فتح علی نواسۂ شاہ فقیر اللہ مرقوم ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ فقیر اللہ حاجی صاحب کے لڑکوں میں سے تھے اور فتح علی انھیں کے نواسے تھے، حاجی

صاحب کے کوئی بیٹی نہ تھی جیسا کہ عام لوگون کا خیال ہے لیکن تعجب ہے کہ انھین فتح علی نے ایک ہبہ نامہ مین اپنے کو حاجی صاحب کا نواسہ قرار دیا ہے اور حدیقۃ الارض سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے۔ یہ دونون دستاویزین میان عبدالرشید کے پاس موجود۔

اِن کا پختہ مزار انھین کی مسجد[1] سے متصل محلہ مخدوم زادگان کے مغربی سرے پر ایک پختہ بے چھت کی شکستہ کوٹھری مین واقع ہے۔ مریدون مین مشہور فرید شیخ احمد بن حضرت مخدوم محمد آبکش مولف شیخ نامہ[2]۔ افسوس ہے کہ اب سے ایک صدی قبل حاجی صاحب کی بقیہ یادگارین (باغات و تالاب) جو دستبرد زمانہ سے بچ گئین تھین، وہ مفسدون کے ظلم بدعت سے تباہ و برباد ہو کر بے نام و نشان ہو گئین۔ (مخدوم زادگان)

میر نتھا شاہ صاحب

عرف میران نتھا، سُنی المذہب، سید، مشہور و معروف عابد، صاحب کرامات۔ اِن کے نام سے ایک کچا تالاب اب تک مشہور ہے، جسے "میر نتھا" کہتے ہین۔ یہ تالاب آبادی کے باہر تھوڑی دور بر اُتر طرف نگیٹ گروانی سڑک کے قریب ہی واقع ہے، جسکے کنارے دکھن طرف نتھا شاہ کا پختہ مزار ہے۔ لوگون کا بیان ہے کہ قبر کے چارون طرف پختہ دیوار کی تعمیر تھی، جسکی نسبت نتھا شاہ نے مرتے وقت فرمایا تھا کہ "جو شخص چہار دیواری کی ایک اینٹ بھی اپنے کام مین لائے گا وہ تباہ و برباد ہو جائے گا"۔ چنانچہ ایک صاحب نے چہار دیواری کی اینٹین کھدوا کر اپنے مکان مین لگوائین اور وہ تباہ و برباد ہو گئے، نہ اُن کے کوئی اولاد ہوئی نہ وہ مکان رہ گیا۔ شاہ صاحب کا زمانہ حیات اب سے تین سو برس پیشتر دریافت ہوا ہے۔

حضرت شیخ سلاح

اصل نام نہین معلوم عرف شیخ سلاح، بعض شیخ سلا بھی کہتے ہین، مشاہیر مین سے ایک خدا پرست بزرگ تھے۔ "شیخ سلاح" کے نام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ اسلحہ ساز تھے۔ شاہ صاحب کا زمانہ حیات اب سے تخمیناً ڈھائی تین سو برس قبل بیان کیا جاتا ہے۔ اِن کی پختہ قبر ایک خام چہار دیواری کے اندر پختہ سڑک اور رام کلوار کے مکان سے متصل دکھن طرف مغلن ٹولہ مین واقع ہے۔ دو برس سے عبداللہ بزقصاب کے زیر اہتمام چندہ کے ذریعہ سے عُرس بھی ہونے لگا ہے۔

شیخ جہان چشتی گوشہ نشین

شاہ عبدالرسول صاحب کے بڑے بیٹے، مشہور درویش، صاحب کشف و کمالات۔ جہانگیر شاہ کے ایک

---

[1] اس عالی شان مسجد مین غسل خانہ، مسافر خانہ کے علاوہ پختہ حوض اور پختہ کنوان بھی تھا۔ موجودہ نشان سے پایا جاتا ہے کہ مسجد کی بنیاد ۵ فٹ ۳ انچہ تھی۔ آج کل اس کی زمین پر ایک دوسری شکستہ مسجد تعمیر ہے جو انجمن اخوان الصفا کی طرف سے بنوائی گئی تھی۔ [2] اس کتاب مین حاجی مصطفےٰ شاہ صاحب کے حالات زندگی لکھے گئے تھے اور ضمناً دریاباد کے قلعہ، بازار، سرائے وغیرہ کا حال بھی درج کیا گیا تھا لیکن اب یہ کتاب نایاب ہے

فرمان میں "پنجاہ بیگہ آراضی واقع پرگنہ دریاباد برائے خرچ خادمان خانقاہ مشیخت مآب شیخ جہان چشتی گوشہ نشین" دوسرے فرمان میں "تقویٰ شعار صلاح آثار شیخ جہان" تحریر ہے جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت شیخ جہان کو دربار دہلی سے مشیخت مآب اور تقویٰ شعار صلاح آثار کا خطاب حاصل تھا اور جہانگیر شاہ نے خانقاہ کے خادموں کی گذر اوقات کے لئے پچاس بیگھ آراضی بطور معافی عطا فرمائی تھی۔ دیگر شاہی فرمانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چھیاسٹھ بیگھ پختہ آراضی دربار اکبری سے ۹۸۷ھ میں خاص طور پر انھیں ایام طفولیت میں عنایت ہوئی تھی اور دو سو تراسی بیگھ پختہ آراضی جہانگیر شاہ و شاہجہان (بادشاہان دہلی) نے ۱۰۱۱ھ و ۱۰۴۶ھ کے درمیان ان کو اور ان کے بیٹے اور بھائی نیز چچا زاد بھائیوں کو مرحمت فرمائی تھی۔ انھیں فرمانوں سے شاہ صاحب کا ۹۸۰ھ کے قبل پیدا ہونا اور ۱۰۴۶ھ میں بقید حیات رہنا بھی ثابت ہوتا ہے۔ اولاد میں محمد دائم عرف محمد میان۔ ان کا مزار پختہ ان کے والد کے مزار سے قریب ہی واقع ہے۔ (مخدوم زادگان)

شاہ ابوالمظفر صاحب

مخدوم شیخ زاہد صاحب عرف عبدالباقی کی دوسری پشت میں شیخ صدرالدین صاحب کے بیٹے، قابل تعظیم بزرگ ان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ "یہ بغداد شریف سے حضرت شیخ عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا جبۂ مبارک بہ طور تبرک لائے تھے، جو اب تک میان رشید صاحب کے پاس موجود ہے اور عقیدتمند لوگ اس کی زیارت سے مستفیض ہوتے ہیں" شاہ صاحب کا اپنے وطن سے باہر صدہا کوس کی منزلیں طے کرکے غیر ملک کو اس وقت تشریف لیجانا، جبکہ راستے نہایت مخدوش اور سفر کے آسان ذرائع مفقود تھے، کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس سے ان کی عقیدتمندانہ علو ہمتی اور جفاکشی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے۔ ان کا زمانۂ حیات اورنگ زیب کا عہد حکومت پایا جاتا ہے۔ مزار پختہ مخدوم زادگان میں چھیدا میان کی مسجد سے متصل واقع ہے۔ مزار کی خام دیواری کو میان عبدالرشید صاحب نے پختہ تعمیر کرادیا ہے اور ساتھ ہی اس کے گلاب، بیلا، چمیلی، ہار سنگار وغیرہ پھولوں کے درخت بھی نصب کرادئے ہیں۔ شاہ صاحب کا عرس ہر سال ۱۱۔ ذی الحجہ کو میان صاحب موصوف کے زیر اہتمام ہوتا ہے۔ اولاد میں شاہ محمد رفیع۔ (مخدوم زادگان)۔

شاہ ابوالخیر صاحب

عرف شاہ سدھاری و شاہ خوبان، شیخ ابوالفتح عرف شاہ عبدالرسول صاحب کی نسل میں شیخ مبارک محی الدین صاحب کے بیٹے، اولیائے کرام میں سے ایک بزرگ شخص تھے، جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حضرت قطب الاقطاب سید شاہ عبدالرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانسوی کے چوتھے خلیفہ تھے۔ زمانۂ حیات اب سے دو سو برس قبل۔

مناقب رزاقیہ سہ ملفوظ رزاقی (مولفۂ نواب محمد خان صاحب شاہجہان پوری، مطبوعہ مجتبائی لکھنؤ، ۱۳۰۳ھ صفحہ ۱۷۴) حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب کے تذکرے میں ذیل کی عبارت مرقوم ہے:-

---

۵ انھوں نے ۱۰۶۵ھ میں سراے سنگی خرید کیا تھا ان کی بی بی مسماۃ زہرہ کو ماسو بیگھ اور پوتی فاطمہ بانو کو ایک سو بیگھ آراضی اورنگ زیب بادشاہ کے دربار سے ذریعہ فرامین ۱۰۷۸ھ و ۱۰۸۰ھ مرحمت ہوئی تھی۔ ان کی نسل اب تک قائم ۱۲

"ذکر حضرت شاہ ابوالخیر عرف شاہ سدھاری قدس اللہ سرہٗ ساکن قصبہ دریاباد قوم قدوائی از فرزندان مخدوم قاضی عبدالکریم کہ یکی از اولیائی اللہ بود و در موضع سرسنڈا مدفون است چون بحضور حضرت قطب الاقطاب قدس سرہٗ حاضر شد و بشرف بیعت مشرف کردید در تعلیم و تلقین او کار و اشغال سرفرازی یافت و در اکتساب اشغال جد و جہد نمود پس باندک توجہ پیر و مرشد برحق کامیاب مطالب شد و بدرجہ اعلیٰ و مراتب ولی رسید و صاحب کشف و کرامات و خوارق عادات شد و در قصبہ مذکور مدفون گردید قدس اللہ سرہ العزیز و سال و تاریخ وفات معلوم نگشتہ کہ بقلم آوردہ میشد۔"

اِس سے پایا جاتا ہے کہ شاہ خوبان صاحب حضرت شاہ عبدالرزاق صاحبؒ بانسوی کے مرید تھے (تاریخ وفات شاہ عبدالرزاق صاحب شوال ۱۱۳۶ھ) اور اپنے مُرشد کی تعلیم و تلقین کے بموجب ریاضت میں مشغول ہو کر مراتب اعلیٰ حاصل کر کے صاحب کشف و کرامات ہو گئے تھے۔

شاہ صاحب عارف کامل اور صاحب اہل و عیال ہونے کے ساتھ ساتھ پورہ شاہ خوبان و جہٹا و مواضعات کے زمیندار بھی تھے۔ اول الذکر موضع خود انھیں کا آباد کردہ ہے جو اِن کے نام سے موسوم ہو کر "پورہ شاہ خوبان" مشہور ہوا اصل نام اس کا محمد پور تھا۔ حدیقۃ الارض میں تحریر ہے "کہ جہٹا معافی و زمینداری شاہ ابوالخیر بود"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو موضع جہٹا دربار شاہی سے بطور معافی عطا ہوا تھا جو اِن کے صاحب کمال ہونے کی اعلیٰ دلیل ہے۔ پورہ شاہ خوبان عرصہ سے ریاست ٹھرا میں شامل اور رکھوبا کا پُروا کے نام سے مشہور رہی۔ موضع جہٹا کو شاہ صاحب کی نسل میں بی بی پیاری نے ذریعہ دستاویز ہبہ نامہ مرقومہ ۱۲ جون ۱۸۹۹ء شیخ کرم کریم عرف چھیدا میاں کے حوالہ کر دیا تھا، جو اُن کے خاندان میں اب تک موجود ہے۔

شاہ سدھاری صاحب کا مزار پختہ حلقہ کے اندر مخدوم زادگان میں مولوی مظفر کریم صاحب کے مکان کی پشت پر واقع ہے۔ اولاد میں غلام ذکریا اور غلام میر بخش۔ (مخدوم زادگان)۔

قاضی دانا شاہ صاحبؒ

شیخ انصاری، از نسل قاضیان دریاباد، صاحب تقویٰ، مشہور و معروف ولی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ دانا شاہ اور مشتاق شاہ (رنپارا متصل بلکھرہ) ملامت شاہ (بدوسرائے) باباجگ جیون داس میں باہم اتحاد قلبی قائم تھا۔ ڈسٹرکٹ گزٹ بارہ بنکی سے پایا جاتا ہے کہ مہاتما جگ جیون داس سمبت ۱۸۱۷ مطابق ۱۷۶۱ء بکرمی میں بقید حیات تھے، اس سے دانا شاہ کا زمانہ حیات اب سے دو سو برس قبل ثابت ہوتا ہے۔

اِن کا مزار ایک بلند اور مخروطی چبوترے پر بستی کے باہر بجانب گوشۂ شمال و شرق ایک تالاب میں واقع ہے، جو انھیں کے نام سے مشہور ہے۔ اِس تالاب میں ہر سال قصبہ کے تعزیے دفن کیے جاتے ہیں اور محرم کی دسویں تاریخ کو یعنی عشرہ کے دن یہاں ایک میلہ ہوتا ہے۔ اِس کے علاوہ سالانہ عرس بھی ہوتا ہے۔ افضل التواریخ (مؤلفہ منشی رام سہائے صاحب تمنا لکھنوی) میں اس مزار کا ذکر ہے۔ مزار اور چبوترہ دونوں خام۔ بعضوں کا بیان ہے

کردانا شاہ کا یہ مزار اصلی نہین ہے، نقلی ہے، کیونکہ وہ کسی دوسرے مقام پر فوت ہوئے تھے (قضیا نہ حال مخدوم زادگان)

شیخ افضل شاہ صاحب

نامی فقیر، یہ مجرّد تھے۔ پورب پھاٹک کے باہر تھوڑے فاصلہ پر ان کا تکیہ اِن کے نام سے مشہور رہی، جس مین اِن کی پختہ قبر اور ایک پختہ چھوٹا سا کنوان اب تک موجود ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "اِس تکیہ مین ایک مسجد بھی تھی" جس کا اب کوئی نشان بھی نہین۔ لیکن، جا بجا پڑی ہوئی اینٹین ضرور اس بات کا پتہ دیتی ہین کہ کسی وقت یہان کوئی پختہ عمارت تھی۔ تکیہ کے پاس ایک چھوٹا سا کچا تالاب ہے، جسے "افضل شاہ کی گڑھئی" کہتے ہین۔ زمانہ حیات اب سے تخمیناً دو سو برس قبل۔

فخرِ وطن قاسم شاہ صاحب

اصل نام محمد قاسم، اعلیٰ صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ بھاشا زبان کے روشن خیال و معنی آفرین شاعر اور شاعری و فقیری دونون مین مشہور و معروف، ہنس جواہر کے مصنف۔

ہنس جواہر سے پتا چلتا ہے کہ قاسم شاہ کے باپ کا نام "امان اللہ" تھا، سُنی المذہب، شاہ محمد اشرف صاحب (ساکن سلون، ضلع رائے بریلی) کے مرید اور محمد شاہ اول سُلطانِ دہلی کے زمانے مین بہ قید حیات تھے۔

بعضون کا بیان ہے کہ "قاسم شاہ بازدارون کے محلّے مین رہتے تھے اور خود شاہی بازدار تھے۔ انھون نے اپنا آبائی پیشہ ترک کر کے خدا پرستی کا اعلیٰ شیوہ اختیار کیا، جسکی وجہ سے یہ کامل ہوگئے"۔ بعض انھین مسلمانون کے ادنیٰ طبقہ مین شمار کرتے اور دلیل مین ہنس جواہر کے یہ مصرعے پیش کرتے ہین:۔ "قاسم نانوَن جات کا ہینا" + "تہون بیچ بدھ کین کمینا"۔ بعض خوش عقیدہ حضرات "جات کا ہینا" اور "کمینہ" سے عاجزی و انکسار مراد لیتے ہین اور عقل سلیم اِسے تسلیم کرتی ہے۔ لیکن یہ نہین کہا جا سکتا کہ شاہ صاحب کا اسلام کے کس فرقہ سے تعلق تھا، شیخ سیّد تھے یا مغل، پٹھان

ہنس جواہر کا ایک قدیم مطبوعہ نسخہ فرنگی محل کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا ہے، جس کے ٹائیٹل پیج پر یہ عبارت درج ہے:۔ "کلام بلاغت نظام مقبول انام مطبوع صاحبان ہنر اعنی **رموز الفقرا** معروف بہ ہنس جواہر تصنیف شریف درویش حق آگاہ سرمایہ نیک نہادی حضرت قاسم شاہ دریاآبادی مطبع ثمر ہند لکھنؤ مین چھپا"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہنس جواہر کا اصلی نام "رموز الفقرا" تھا، جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ شاہ صاحب فارسی و عربی دان بھی تھے۔ لیکن، بھاشا زبان کی تصنیف کا نام فارسی یا عربی زبان مین ہونا بالکل بے جوڑ اور نامناسب، بلکہ غیر فصیح معلوم ہوتا ہے۔ غالباً یہ جدّت اُن کے بعد کسی خوش عقیدہ حضرت کی ہے۔

شاہ صاحب خدا پرستی اور سخن پرستی کے سلسلے مین اعلیٰ وطن پرست بھی ثابت ہوتے ہین۔ ہنس جواہر مین دریاباد کے متعلق جو غیر مبالغہ آمیز دلکش اشعار نظم کئے گئے ہین وہ اس بات کی بخوبی شہادت دیتے ہین۔ اِن اشعار کا ترجمہ باب اول مین درج ہو چکا ہے، اس لئے اس مقام پر اُن کے اظہار کی ضرورت نہین۔

اِن کا نام فقیرانہ اور شاعرانہ دونون حیثیتون سے علیحدہ علیحدہ کتابون مین دیکھا گیا ہے۔ لیکن، کسی کتاب

سے نہ اِن کے حالاتِ زندگی دریافت ہوتے ہین نہ سالِ ولادت و وفات کا کچھ پتا چلتا ہے۔ اِن کی قبر دانا شاہ کے تالاب کے کنارے پچھم طرف ایک بہت بڑے لمبے چوڑے اور بلند پختہ مزار سے متصل واقع ہے۔ افسوس ہے کہ جس بزرگ کی بدولت دریاباد کا نام بھی ہندوستان کے ادبی حلقون مین (پہلے پہل) مشہور ہوا، اُس کے مزار کی پختگی کا کسی کو بھی خیال نہین۔

فخر وطن قاسم شاہ کا تخلص قاسم تھا۔ اِن کی تصنیف "ہنس جواہر" کا رسالۂ عصر جدید اور الہ آباد کے مشہور رسالہ "سرستی" مین فخریہ ذکر کیا گیا ہے۔ ہنس جواہر بھاشا کی شاعری مین تصوف کے متعلق دوسری اسلامی تصنیف ہے، جو پدماوت کے پونے دو سو برس بعد منظوم ہوئی۔

"خلاصۃ التواریخ" نامے فارسی کی ایک مطبوعہ تاریخ ہے، جس مین شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانہ تک کا حال بیان کیا گیا ہے۔ لائق مورخ نے جن جن کتابون سے مدد لیکر اپنی تالیف کی بنیاد قائم کی ہے، اُن کی تشریح کرتے ہوئے پدماوت کی بابت یہ عبارت ارقام فرمائی ہے :-

"**نسخہ پدماوت** مشتمل بر حقیقت رائے رتن سین مرزبان چیتور کہ بنا بر پدماوت زوجہ خود با سلطان علاء الدین والی دہلی محاربہ نمودہ بود کہ مصر پدماودھر اسامی را جہا بخط ہندی نوشتہ آن را باہو رام خلاصہ مریدان گوسائین ولی رام بعبارت مرغوبہ بفارسی در آوردہ"

اِس سے پایا جاتا ہے کہ "پدماوت" کو اول مصر پدماودھر نے جو رائے رتن سین کے درباری رکن تھے، بزمانہ علاء الدین والیٔ دہلی (۱۲۹۶-۱۳۱۵ء) بھاشا زبان مین تصنیف کیا۔ بعد اُسکے باہو رام مرید گوسائین ولی رام کے ذریعہ اِسے فارسی جامہ نصیب ہوا، اور ہندی تصنیف کی مدد سے ایک مدت کے بعد شیر شاہ کے عہد مین (۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء) ملک محمد جائسی کی کتاب "پدماوت" تالیف ہوئی۔ اورنگ زیب کے زمانے تک نقاش اول کی دھوم رہی، پھر نقش ثانی کا رواج ہوا، جو اس وقت تک شہرت کے ساتھ قائم۔ اِس واقعہ سے ہنس جواہر کا درجہ ملک محمد جائسی کی کتاب "پدماوت" کے مقابلے مین ممتاز نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہ پدماوت مصر پدماودھر اور باہو رام کی کتابون کا ترجمہ ہے اور ہنس جواہر قاسم شاہ کی طبعزاد تصنیف ہے۔

ہنس جواہر[1] کے زمانۂ تصنیف کی بابت رسالۂ "عصر جدید" (اُردو) کے ایک پرچہ مین ۲۲ ... ۱۹۱۳ء اور دسمبر ۱۹۱۳ء کے رسالہ "سرستی" صفحہ ۳۰۷، کالم ۲، آخری حصہ مین ۱۹۱۲ء لکھا ہے۔ لیکن، تصنیف مذکور کے دیباچہ مین خود ایک جگہ پر "گیارہ سو اُنچاس جو باجا + تب یہ کتھا پریم کیہ ساجا" تحریر ہے، جس سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ سنہ ۱۱۴۹ھ یعنی ۱۷۳۶ء مین یہ کتاب تصنیف ہوئی۔ اِس شعر مین اگرچہ کسی سن کی تشریح نہین ہے، تاہم خیال غالب ہے کہ ہجری ہی سن ہوگا۔ کیونکہ قاسم شاہ کو فصلی، سمبت وغیرہ دیگر مروجہ سنون سے سروکار نہ ہونا ایک یقینی امر ہے۔ پس ایسی حالت مین سالِ تصنیف کا اختلاف تعجب اور حیرت سے خالی نہین۔

---

[1] اس کا ترجمہ "ہنس جواہر اُردو" بھی چھپ گیا ہے ۱۲

میر محمد غوث صاحب

عرف میران غوث، سُنی المذہب، سادات رضویہ مین سے ایک صاحب کمال اور نامی بزرگ تھے۔ دو شاہی فرمانون سے پتا چلتا ہے کہ میران غوث کو ۵ بگھے اور ان کے بزرگ سید سلیمان شاہ کو ۳۴ بگھے ۴ بسوہ آراضی دریا دِلی سے عطا ہوئی تھی۔ بعض لوگون کا بیان ہے کہ "میران غوث کے پاس کثیر آراضی تھی جسکی بابت ان کے یہان شاہی فرامین تھے، جو ان کی نسل والون کی غفلت سے تلف ہوگئے۔ علاوہ آراضی کے پچاس ساٹھ مکانون کا سکنہ بھی ان کے قبضہ مین تھا، جسکی آبادی "میران نگری" کے نام سے مشہور تھی۔ ان مکانون مین کئی ایک مکان پختہ دو منزلے سہ منزلے تھے۔ ذاتی مکان میران غوث کا سہ منزلہ تھا، مکان کا پھاٹک اُتر جانب تھا۔ یہ مکان راجہ صاحب ہڑاہا کے ہاتھ بیچا گیا تھا۔ آج کل اس برباد شدہ سکنہ کے متعلق مین پچیس مکانون مین سے صرف گیارہ مکان ان کی نسل والون کی ملکیت مین ہین۔ پختہ مکانات منہدم ہوکر فروخت ہوگئے، باقی مکانات پر ذریعۂ بیعنامہ رائے صاحب بہادر قابض ہین۔ میران نگری کا نصف حصہ مردہی محلہ مین اور نصف چھیپی محلہ مین شامل ہوگیا ہے۔" ایک کرایہ نامہ مین لکھا ہے:۔ منکہ شیخ حیدر سوار رسالہ محمد رضا بیگ رسالدار ایم چون کہ یک منزل حویلی تعمیر کی مملوکہ میر رجب علی و زین علی ردو سادر قصبہ دریاآباد بکرایہ یک آنہ ماہواری برائی اقامت متعلقان خود از ابتدائی شہر محرم سنہ ۱۲۴۱ ہجری مقرر نمودہ گرفتم ...... غرہ محرم الحرام سنہ ۱۲۴۱ ہجری۔" اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ میران غوث کے پاس بہت سی آراضی تھی جسکی بدولت ان کے بعد ان کے پوتے رجب علی و زین علی دریاباد کے رئیس کہلاتے رہے۔ یہ کرایہ نامہ شاہ صاحب کے خاندان والون کے پاس موجود، جس مین دریاباد کے خاص خاص چودھری و قانونگو رئیسون کی گواہیان تحریر ہین۔

میران غوث کے بیٹے میر علی کی اولاد مین زین علی و رجب علی سنہ ۱۲۴۶ھ مین موجود تھے۔ اس سے شاہ صاحب کا زمانۂ حیات اب سے تخمیناً ڈیڑھ سو برس قبل پایا جاتا ہے۔ نسل مین میر شمشیر علی بہ قید حیات۔

پیرا شاہ صاحبؒ

اصل نام پیر بخش، عرف پیرا شاہ، سنی المذہب، روشن ضمیر اور مجذوب درویش بہت بڑے نامی گرامی فیاض باکمالون مین سے تھے۔ روایت ہے کہ نواب آصف الدولہ بہادر ان کے بڑے معتقد تھے۔ چنانچہ جب نواب صاحب اپنی والدہ بہو بیگم صاحبہ کی خدمت مین قدمبوسی کے لئے لکھنؤ سے فیض آباد جاتے تھے[۵] تو اثنائے راہ مین دریاباد کے مقام پر ہاتھی سے اُتر کر پیرا شاہ کی خدمت مین حاضر ہوکر ایک ہزار روپیہ نذر کرتے تھے۔ اور اسی طرح فیض آباد سے واپسی کے وقت۔ پیرا شاہ اس روپئے کو بازار مین لٹا دیتے تھے۔ علاوہ اس کے یہ بھی مشہور ہے کہ "دیوان روشن لال صاحب کی ترقی پیرا شاہ کی دعا کی برکت سے ہوئی تھی۔ انکا مزار پختہ ٹیڑھی بازار مین ہے اور ہر سال عرس ہوتا ہے۔

۵ یہ سفر مہینے مین چار مرتبہ ہوتا تھا ۱۲۔

پیر اشاہ کا زمانۂ حیات اب سے سوا سو برس قبل ثابت ہونے کی بنا پر اِن کے پورے حالات نہ معلوم ہونا ایک افسوس ناک کمی ہے۔

بابا باسدیو داس جی

نامور سادھو، بڑے ذی علم اور یوگ کے ذریعہ صاحب کرامات۔ بابا جی کے مندر میں جسے اب پورنداس کی تکیہ کہتے ہیں، رہتے تھے سابقین کی نسل میں لچھمن داس کے بیٹے بھگوانداس اور پوتے پورنداس تھے۔ باباجی کا زمانۂ حیات اب سے تخمیناً ڈھائی تین سو برس قبل دریافت ہوا ہے۔

بابا جے رام داس جی

اپنے وقت کے مشہور رہا تھا، علم یوگ کے زبردست ماہر، دو ڈھائی سو برس کا زمانہ ہوا کہ بہ قید حیات تھے افسوس ہے کہ باوجود کوشش اِن کے حالات کچھ بھی نہ معلوم ہوئے۔

تیسرا باب

رؤسا و شرفا اور معززین کا بیان

پہلی فصل رئیسوں کے بیان میں

راجہ دینا ناتھ صاحب

اصلی نام دیناسنگھ عرف دینا ناتھ، گوڑ کائستھ، راجہ پربھودیال صاحب کے فرزند چہارم، اقبال مند، خوش نصیب صاحب جاہ و حشمت، بہت بڑے شجاع، اولو العزم، عالی ہمت، فیاض، نامی گرامی رئیسوں میں تھے۔

سمبت ۱۹۰۱ بکرمی مطابق ۱۸۴۴ء کی ایک یادداشت میں (جو اُجین کے ایک گوڑ صاحب کے یہاں بہی میں لکھی ہوئی اب تک موجود ہے) تحریر ہے: " راجہ پربھودیال سنگھ پیچ جناب بادشاہ عالم پناہ تیمور شاہ بادشاہ غازی کی کچہری میں پایہ منشی گری کا پایا۔ تب سب بلوار (خاندان) قدیم اپنے اپنے گانون قدیم میں بسے۔ بعد تھوڑے روز کے گوڑ کل راج راجہ پربھودیال اور راجہ دینا ناتھ دریابادی اور راجہ مہابل رائے نظام آبادی اور راجہ مدن سنگھ بڑھریا اور راجہ ہیرالال بھدوہئے ساتھ تیاری لشکر کے کاسن دیس مون (میں) گئے اور اجیار سنگھ بعد تیاری لشکر اپنے سے میدان مون (میں) پیش آئے اور بارہ روز جنگ سرگرم رہا۔ راجہ پربھودیال سنگھ فتح پایا۔ کل حال گوڑون کا گوڑ نبش کی پوتھی سے صاف ظاہر ہے"۔ اس یادداشت کی نقل تذکرۂ شوجار ونشی کے صفحہ ۹ ۱۷ لغایت ۱۸۱ کے درمیان بہ ضمیمہ (ج) تحریرات اُجین کے ذیل میں درج ہے۔

در سنشئے موچین[1]" (راجہ دنیا ناتھ دریابادی کی خاندانی تاریخ) کا مصنف ہندی مین رقم طراز ہے:- پربھو دیال کے پانچ کمار ا، پانچو پانچ دیس سردارا :. کھیوسر جیٹھ سید پرنگرا :. تاس تنے بربیل اجگرا :. گے اجین اُدو سے گن آگر برہل ما دھو آئے ساگو دریاباد[2] دنیا سنگھ سگئے :. ہرمن رتن کے سنگ بھئے (ذکر شادی وجنگ کاسن) دریاباد گیو اک سوار :. پاتی دیو دنیا پلوار :. چلیو تنبو اور قنات :. ساج دنیا چلے برات :. پربھو تا دنیا ہے اپار :. قلم کاغذ جات ہار :. (مصرعہ تین) سہسر گج اونٹ رتن پالکی سات سے (اشعار) پانچ سہس سنگ پیدل رہیو :. اپر دہت سون پونجھت بھیو :. دل دنیا کے رن مین آئیو :. گوڑ راج لکھ آت سکھ پائیو (دریاباد مین جنگ) بلونتا تب اچرج کینا :. دریا پر[3] پر ڈنکا دینا :. پانچ سمر تا سو کیو دنیا :. رپ کہنہ جیت بہر جش لینا (جنگ بلونڈا) دریاپر[4] پہونچے کل راجا :. ہر کھونت بھئے دریا راجا :. بید ہ بھات سے بھئی بدھائی :. رچیو بین سون برن نجائی (مصرعہ بروزن آلھا) دریاپر[5] کی فوج چلی ہے راجا گوڑ بھو آر (اشعار) چلی فوج سون برن نجائی :. بلونڈا پر کین چڑھائی :. آئے ساج بلونت میدانا :. ہوت بہار رن نہین جات بکھانا :. بھا آناتھ بلونڈ پر[6] جتہین :. دنیا دہائی پھر گئی تہین :. بیس دیوس تنہ رہیو سماجا :. پن بدا بھئے سکل مہراجا۔

تذکرہ شوچار دنشی (مطبوعہ "گوڑ کائستھون کی تاریخ" مصنفہ پروفیسر رامداس صاحب گوڑ ایم۔ اے، بنارسی، صفحہ ۱۵-۱۶) مین لکھا ہے:- "انگ دیش گوڑ دیش کا ایک صوبہ تھا، وہان سے وبا پھیلنے کے باعث لوگ ہر چہار طرف بھاگے اور دُور دُور جا کر آباد ہوگئے۔ چنانچہ چودہ گھر گوڑون کے دکھن مین اُس مقام پر جا کر آباد ہوئے جو اب اورنگ آباد کے نام سے مشہور ہے۔ بارہ گھر بہ سرپرستی موہن لال کاشن مین جا کر آباد ہوئے۔ یہ زمانہ غلام بادشاہان کے زوال اور خلجی کے عروج کا تھا جسے تیرھوین صدی کا آخیر اور چودھوین کا شروع سمجھنا چاہیئے۔ موہن لال کی پانچوین پشت مین پربھو دیال اور سجان سنگھ ہوئے جو کاسن مین مقیم تھے۔ کاسن کے فرمانروا کے دو دیوان منشی رنجیت سنگھ اور منشی اجیار سنگھ بھٹناگر کائستھ تھے۔ انھین کی اعانت اور رسوخ سے وہان کے فرمانروا نے دونون گوڑ بھائیون کو ملازمت اور جاگیر دی تھی۔ اجیار سنگھ نے اپنے لڑکے کی شادی پربھو دیال کی لڑکی سے کرنا چاہی۔ چونکہ پربھو دیال کو معلوم ہو چکا تھا کہ اجیار سنگھ کی اولاد سور یہ زادہ ہے، اس لئے پربھو دیال نے انکار کیا۔ اس انکار سے اجیار سنگھ وغیرہ ناراض ہوگئے اور گوڑ اصحاب وہان سے بھاگ نکلے اور دھرم پنڈت بدایونی کے یہان جو دہلی مین مقیم تھے، پناہ لی۔ اُس وقت انقلاب زمانہ سے خاندان لودی برباد ہوا اور بابر تخت نشین ہوا۔ پربھو دیال تیموری دربار مین مصاحبت سے فیضیاب ہو کر راجہ کے خطاب سے سرفراز ہوئے، اور رفتہ رفتہ دیگر صاحبان گوڑ بھی دربار شاہی

---

[1] اس مین راجہ دنیا ناتھ صاحب دریابادی کے خاندانی و واقعاتی حالات نظم کئے گئے ہین۔ انھین راجہ صاحب ممدوح کے حقیقی بھائی کھیوسر داس یادداشت کے طور پر لکھ کے فوت ہوگئے تھے، اُن کے بعد اُن کے پوتے سوامی داس نے اب سے دو سو برس قبل اس یادداشت کو بھاشا نظم کا لباس پہنا کر اپنے بزرگون کی قابل قدر یادگار قایم کردی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس وقت تک یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے جس کی ایک نقل بخط فارسی پروفیسر رامداس صاحب گوڑ ایم۔ اے۔ بنارسی کے کتب خانہ مین موجود ہے ۱۲ [2] ۔ [3] ۔ [4] ۔ [5] "دریاپر" مراد دریاباد سے اور "دریا راجا" مراد راجہ دنیا ناتھ دریابادی سے ۱۲ [6] بلونڈ پر مراد بلونڈا سے جو در اصل بلونت پور تھا ۱۲ [7] دہلی سے پچھم طرف ۱۲ [8] دہلی سے متصل پورب طرف ۱۲۔

مین عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ یہ واقعہ سنہ ۱۵۲۶ء اور سنہ ۱۵۳۰ء کا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد پربھو دیال، راجہ دنیا ناتھ گوڑ دریا آبادی، راجہ مہابل رائے نظام آبادی، راجہ بل سنگھ پٹھریا، راجہ ہیرالال بھدوہیہ، فوج کشی کر کے کسی تقریب سے کاسن گئے اور وہان اجیار سنگھ سے سخت خونریز جنگ ہوئی۔ گوڑ کائیتھون کو فتح اور اجیار سنگھ کو شکست ملی، اور وہ قید ہوا۔"

مختصر تاریخ اقوام الکائستھ حصہ اول صفحہ ۹۱ و ۹۲ (مولفۂ بابو گوپی ناتھ سنگھ صاحب بی۔ اے دریا بریلوی)۔ مین رقم ہے کہ:۔ "راجہ دنیا ناتھ گوڑ دریا بادی، راجہ مہابل رائے نظام آبادی وغیرہ مشہور روسائے ہند تھے۔"

اقتباسات مذکورۂ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ راجہ دنیا ناتھ صاحب کے بزرگ موہن لال صاحب نے چودھوین صدی عیسوی کے آغاز مین وبا پھیلنے کے باعث اپنے وطن گوڑ دیش سے بھاگ کر کاسن مین سکونت اختیار کر لی تھی اُن کی اولاد مین راجہ پربھو دیال صاحب بہ عہدِ بابر بادشاہ دہلی سلطانی مصاحب تھے اور راجگی کا خطاب مرحمت ہوا تھا۔ راجہ صاحب کے پانچ بیٹے کھیوسر (کھیوسر داس) اُدے (اُدے سنگھ) بریل مادھو، دنیا سنگھ، ہرمن (ہرمن سنگھ)۔ کھیوسر داس کاسن سے سید پور (بنارس) آکر آباد ہوئے، اُدے سنگھ اُنھین مین اور بریل مادھو ساگر (ملک متوسط) مین بسے۔ دنیا سنگھ صاحب نے مع اپنے بھائی ہرمن سنگھ کے دریاباد مین رہنا پسند فرمایا۔ یہ بڑے معزز اور اقبالمند تھے، سربرآوردہ رئیسون مین شمار تھا۔ اِن کی بہادری اور شان و شوکت کی دور دور تک شہرت تھی۔ راجہ کہلاتے تھے۔ لیکن محض نام ہی کے راجہ نہ تھے، بلکہ راجون کی حیثیت رکھتے تھے۔ زبردست ریاست بھی تھی خزانہ بھی تھا، فوج بھی تھی۔ اِن سے اچھے اچھے بہادر راجون سے دوستانہ تعلقات قائم تھے جو بدل و جان وقت پر انکی مدد کرتے تھے۔

"پربھتا دیناہے اپار، کلم، کاگج، جات ہار" "تین سہسر گج، اونٹ، رتن پالکی سات سے" "پانچ سہس سنگ پیدل رہو" مین اگرچہ شاعرانہ مبالغہ اور تصنع بہت ہے، تاہم اِن الفاظ سے راجہ صاحب کے اعزاز و مرتبہ، اُلو العزمی، اور امیرانہ شان و شوکت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ برات مین تین ہزار ہاتھی، اونٹ، گھوڑے، سات سو پالکیان، اور پانچ ہزار پیدل آدمیون کا شریک ہونا، بہت بڑی اہمیت ظاہر کرتا ہے۔ راجہ دنیا ناتھ کی تعریف لکھتے وقت قلم کا مجبور ہو جانا، کاغذ نہ میسّر آنا، پالکیون کا مرصّع بیان کرنا، شاعرانہ تصنع سے خالی نہین۔

راجہ صاحب اپنی زندگی مین تین لڑائیان لڑے، اور تینون مرتبہ دشمنون سے سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن کبھی شکست نہین کھائی، ہر مرتبہ فتحیابی حاصل کی۔ پہلی مرتبہ جنگِ کاسن مین اپنے والد کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ دوسری لڑائی خاص دریاباد کے مقام پر ہوئی تھی، جس مین اِن پر دشمنون نے پانچ حملے کئے تھے۔ تیسرا معرکہ "بلونڈا" سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس مرتبہ راجہ صاحب نے خود بہت بڑی جرّار فوج ہمراہ لیکر چڑھائی کی تھی۔ یہ مہم عظیم الشان مہم تھی۔ بیس دن تک برابر میدانِ کارزار مین قتل و خونریزی کا بازار گرم رہا اور کئی ایک راجے شریکِ جنگ تھے۔ اِس سے راجہ صاحب کی بے مثل دلیری و شجاعت اور جوانمردی و علو ہمتی اور دولتمندی ہی نہین ظاہر ہوتی، بلکہ یہ امر بھی صاف

نمایان ہو جاتا ہے کہ دنیا ناتھ صاحب بڑے اقبال والے بھی تھے جسکی وجہ سے بلونڈا کی لڑائی مین فتحیابی کے بعد ایک بہت بڑی ریاست ہاتھ آگئی تھی۔

تذکرۂ سوچار و تشی، اور سنتشے موچن، وغیرہ سے یہ معمّا کسی طرح حل نہین ہوتا کہ راجہ دنیا ناتھ صاحب کیونکر دریاباد آئے؟ کیون یہان سکونت پذیر ہوئے؟ اور کس طرح ترقی کرکے اتنا بڑا نام پیدا کیا کہ قومی مورخون نے اپنی اپنی تاریخون مین ان کا ذکرِ خیر درج کرنے کی تکلیف گوارا فرمائی؟ لیکن واقعات کو بہ غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت دریاباد مین گوڑ کائستھ آباد تھے، جن کا زمانہ بہت موافق تھا، اچھی خاصی زمینداری کی ملکیت بھی حاصل تھی اور قانونگوئی کی عزت بھی؎ دنیا ناتھ صاحب کی اِن گوڑون کے یہان شادی ہوئی ہوگی اور اس طرح سلسلۂ رشتہ داری وطن کو خیرباد کہکر یہین رہنا مناسب سمجھا ہوگا کچھ دنون کے بعد ہاتھ پاؤن نکالے ہونگے۔ بخت رسا اور خداداد شجاعت کی بدولت دربارِ شاہی مین پہونچکر اعزازی خلعت سے سرفراز ہوکے قابلِ رشک حیثیت پیدا کی ہوگی، پھر بزورِ شمشیر بلونڈا کے حکمران ہوکر راجون مین شامل ہوگئے ہونگے، اور دنیا سنگھ کے بجائے راجہ دنیا ناتھ نام مشہور ہوگیا ہوگا۔

اکثر بزرگون کی زبانی راجہ پٹی، راجہ ٹولا، راجہ منڈی، راجہ بھون، راجہ مندر، راجہ تالاب، راجہ پھلواری وغیرہ کا ذکر سننے مین آیا ہے، اور راجہ پٹی اس وقت تک موجود اور مشہور ہے چونکہ آج تک دریاباد مین بجز بھوانی پرشاد صاحب کے اور کسی دوسرے بزرگ کو راجہ کا لقب نہین حاصل ہوا، لیکن راجہ بھوانی پرشاد صاحب نواب سعادت علی خان بہادر اور غازی الدین حیدر بادشاہ (فرمانروایانِ لکھنؤ) کے زمانے مین تھے اور راجہ دنیا ناتھ صاحب کا زمانہ حیاتِ شاہانِ مغلیہ کا ابتدائی دورِ حکومت ثابت ہوتا ہے، اس لئے بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہین کہ مذکورۂ بالا یادگارین راجہ دنیا ناتھ صاحب کی اُولوالعزمی اور فیاضی کا نتیجہ تھین جو امتدادِ زمانہ اور جانشینون کی تباہی سے بہت جلد بے نام و نشان ہوگئین۔ راجہ پٹی آج کل کھیتون کی صورت مین راجہ صاحب ہڑہا کے قبضہ مین ہے۔

کتاب "سنتشے موچن" سے ثابت ہوتا ہے کہ راجہ دنیا ناتھ صاحب بہادر اور جری ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے دھرماتما اور سخی و فیاض بھی تھے، دان پُن سے خاص دلچسپی تھی۔

منشی کامتا پرشاد صاحب کھرے مصنّفِ ہندوستانی جیوتش (بنارس) اپنے ایک نوازش نامہ مین (۲۲ دسمبر ۱۹۲۶ء) بجواب خطِ راقم الحروف تحریر فرماتے ہین: "میرا خیال ہے کہ راجہ دنیا ناتھ صاحب نام کے دو بزرگ گذرے ہین۔ ایک دریابادی (گوڑ) دوسرے فیض آبادی (شری واستویہ) یہ دونون صاحب مختلف وقتون مین ہوئے ہین۔ شری واستویہ صاحب کا زمانہ نوابی دورِ حکومت ہے اور گوڑ صاحب تیموری خاندان کے بادشاہون کے عہد مین تھے؎ اس سے بھی راجہ دنیا ناتھ صاحب کا دریابادی ہونا اور راجہ کا خطاب پانا اچھی طرح ثابت ہوتا ہے۔

راجہ صاحب کا خاندانی شجرہ اس امر کا پتا دیتا ہے کہ اِن کے بھائیون مین صرف کھیو سرداس کی نسل مختلف

؎ باب اول مین گوڑ کائستھون کا ذکر ملاحظہ ہو ۱۲۔

مقامات پراب تک موجود ہے، دیگر بھائی لاولد فوت ہوگئے تھے۔ ان کے چچا زاد بھتیجے راجہ جھابل رائے صاحب نظام آبادی (اعظم گڈھ) کی بھی نسل منقطع ہوگئی۔ اسی طرح راجہ صاحب کے بھی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، صرف ایک بیٹی تھی جسکی وجہ سے ان کے رحلت فرماتے ہی بہت جلد ان کا نام ونشان دریاباد سے ہمیشہ کے لئے مٹ گیا۔ غالبًا اکبر ہی کے زمانے مین انکا انتقال ہوگیا ہوگا۔

لالہ بھگوان پرشاد صاحب چکلہ دار

عرف بھگوانداس، اچھتری درن، کھرے کائستھ، بڑے خوش نصیب اور ذی حوصلہ رئیس و تعلقدار، شاہی زمانے مین چکلہ داری کے معزز عہدہ پر ممتاز تھے۔ انھون نے اپنے نام سے ایک موضع بھگوان پور آباد کیا تھا۔ ان کے دو لڑکے مرار سنگھ و ہیرالال تھے، جو چودہرائی کے لقب اور قانونگوئی کے عہدہ پر مامور تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ جے چند و بشنداس، جن کی قدیم زمینداری دریاباد کے گرد و نواح مین تھی، دریا خان صاحب عامل کے ہمراہ محمود آباد سے آئے اور جنگل کٹواکر دریاباد مین آباد ہوئے۔ مزروعہ آراضی کا نام پٹی بشنداس پور اور آباد شدہ رقبہ کا نام محلہ کھرے کائستھان یا کھرن ٹولہ مشہور ہوا، جو اب تک شہرت کے ساتھ بدستور قائم ہے۔ واجب العرض دریاباد سے بھی اُن کی قدامت اور زمینداری وغیرہ بخوبی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن جنگل کٹواکر آباد ہونا بالکل خلاف واقعہ ہے (ملاحظہ ہو باب، ذکر دریاباد)۔ لالہ بشنداس صاحب نے دریاباد مین آباد ہوکر محلہ قائم کیا ہوگا اور آراضی مول لیکر بشنداس پور کی بنیاد ڈالی ہوگی۔

کھرے کائستھ معمولی رئیس نہ تھے، بلکہ معزز تعلقدارون مین شمار کئے جاتے تھے۔ اُنھون نے اپنی فطری قابلیت کے زور سے دربار شاہی مین رسوخ پیدا کرکے قانونگوئی کا عہدہ حاصل کیا، جو نسلاً بعد نسلاً آخر زمانہ نوابی تک بحال رہا، ساتھ ہی اس کے قدیم زمینداری کو اتنی وسعت دی کہ دلونہ، حسین پور، جمرطوا، چارمُوا، سینا، ہنگانوان، کاشی پور، اُمرا پور، بشنداس پور وغیرہ مواضعات کا ایک اچھا تعلقہ بشنداس پور کے نام سے قائم ہوگیا۔ تخمیناً تین سو برس تک اس خاندان والون نے اپنی خوش انتظامی سے دریاباد مین اپنی ناموری کا ڈنکا بجایا۔ بعد ازان غفلت و اوباشی کا دخل ہوا، آمدنی سے اخراجات بڑھ گئے، زیر باری کی نوبت آئی۔ بھگوانداس صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹے اور پوتے مُرار سنگھ اور منی داس چودھری و قانونگو نے پہلے حصہ بشنداس پور معہ حویلی دیبٹی دریاباد ۱۱۳۵ھ مین رہن کیا۔ پھر کل موضع بشنداس پور ۱۱۴۳ھ مین مکفول ہوا۔ اکیس برس کے بعد ندھی لال صاحب قانونگو کی بدولت سارا تعلقہ بشنداس پور ۱۱۶۰ فصلی (۱۱۶۶ھ) مین ذریعہ بیعنامہ مرزا بخش اللہ بیگ صاحب ناظم (ساکن دریاباد) کے قبضہ مین آگیا، جو واجب العرض بشنداس پور سے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن حال کی تحقیقات اس امر کا پتہ دیتی ہے کہ بھگوان پور نامے موضع اب بھی کھرے کائستھون کی ملکیت مین ہے، جس پر لالہ

ف شری دیوی کے معتقد شری واستو یہ کائستھون مین سے جو پرگنہ کھر (واقع کشمیر) مین آباد ہوئے اُن کی اولاد "کھرے" کہلائی اور جنھون نے پرگنہ دیوسر (کشمیر) مین سکونت اختیار کی وہ پہلے دیوسرے، بعد کو دوسرے مشہور ہوئے۔ ان مین سے جن کی نسل اُناؤ (اودھ) مین قائم ہوئی وہ اُناؤ یا "دنیائے" کہے گئے ۱۲۔

سنت بخش کی بیوہ عورت قابض ہے۔ تعلقہ کے بعض مواضعات دیگر لوگون کے ہاتھ فروخت کیے گئے تھے۔ کھرے کائیتھون کے یہان کی بھی شادی مشہور ہے۔ دیوان روشن لال صاحب کے بعد یہ دوسری شادی تھی، جو بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ برات سندیلہ سے آئی تھی، بڑے بڑے شاہی معززین ناظم وچکلہ دار وغیرہ برات مین شریک تھے۔ منشی ہنگلی پرشاد صاحب کی پھوپھی کا بیاہ راجہ فتح چند صاحب (تعلقدار سندیلہ) کے ساتھ ہوا تھا۔ خدا کی قدرت دیکھیے جن بزرگون کی نسبت اب تک یہ بات مشہور ہے کہ "کھرے کائیتھون کا بڑا زمانہ تھا" اُن کے نام کا محلّہ بھی جو دریاباد کی واجب العرض مین کھرن ٹولہ کے نام سے درج ہے، باقی نہ رہا۔ کھرے کائیتھون کی یادگار مین دو پختہ کنوئین (ایک مکان کے پچھم طرف، جسے مہیش پرشاد نے بنوایا، دوسرا دروازہ پر) اور شکستہ دو منزلہ مکان اب تک موجود ہے۔ اولاد مین برج راج بہادر ایل ایل بی، ایم ایس سی پروفیسر سائنس، جالپا پرشاد ایم ایس سی پروفیسر بیالوجی، رام سرنداس بی اے، ایل ایل بی وکیل شیام لال بی اے، ایل ایل بی وکیل، گرراج بہادر و برج لال بی۔ اے بہ قید حیات اور برائے نام یعنی صرف ہوس ٹیکس ادا کرنے کے لیے دریاباد سے تعلق۔

لالہ اَچل سنگھ صاحب

ماتھر کائیتھ، چھتری ورن، از خاندان رائیصاحب، خاندانی رئیس و تعلقدار، اپنے بزرگون کی طرح انتظام ریاست مین منہمک، دور اندیش، زمانہ شناس اور تجربہ کار۔ ان کے والد لالہ ٹکیٹ رائے صاحب چودھری قانونگو بڑے دانشمند اور منتظم تھے، جن کی یادگار مین "ٹکیتی تال" اب تک موجود اور مشہور ہے۔ اِن کے مورث دُرگا داس عرف درگداس (از نسل نیمار راؤ) رائیصاحب کے یہان سے علٰحدہ ہوکر دریاباد مین انھین کے مکان سے قریب دوسری جگہ سکونت پذیر ہوئے۔ دُرگاداس کی اولاد مین کُشل سنگھ صاحب کی نسل والون نے جب ترقی کی تو کثرتِ اولاد کے باعث بہت سے پختہ مکانات یکجائی مُسلسل ایک حلقہ کی صورت مین تیار ہوکر آباد ہوگئے اور اِس حلقہ کے متعلق شمال رویہ ایک پختہ پھاٹک بھی تعمیر کیا گیا، جسکی وجہ سے کچھ عرصہ کے بعد یہ لوگ "پھاٹک اندر والے صاحبان ماتھر" یا "صاحبانِ پھاٹک اندر" کے نام سے مشہور ہوگئے اور اِس آباد شدہ حلقہ کو محلّہ "پھاٹک اندر" کہنے لگے۔ اِن بزرگون کی یادگار مین دو شیوالے اور ایک چاہ پختہ معہ پوشالہ اِس وقت تک موجود ہے۔ اِن شیوالون مین ایک شیوالہ پھاٹک اندر منشی شمبھو دیال صاحب کی پھلواری مین واقع ہے، جو بہت ہی مختصر ہے، دوسرا شیوالہ مرگھٹا (مرگھٹ) مین "آنند ھا تال" کے قریب کس مپرسی کی حالت مین ویران ہے، یعنی اِس مین مورت نہین ہے۔ چاہ پختہ مرگھٹا کے قریب، رائیصاحب کی پھلواری سے متصل واقع ہے۔ اِس مین دو پختہ پوشالے بنے ہوئے تھے، جن کے اب صرف نشانات باقی ہین۔ یہ لمبا چوڑا اور بلند کنوان بہت ہیبتناک ہے جسے "ہتیاری کنوان" کے نام سے شہرت ہے، جسکی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اِس کنوئین مین بہت سی جانین ضایع ہوچکی ہین اور جس وقت کوئی آدمی یا جانور گرتا ہے تو اِس زور سے پانی اُبلتا ہے کہ وہ بجز ڈوب جانے کے کسی طرح جانبر نہین ہو سکتا۔ اِس خاندان مین مہابل سنگھ، گلال چند، دھونکل سنگھ، ہمت سنگھ،

دیبی سنگھ، شیو نبس رائے، وغیرہ مشہور و معروف بزرگ گذرے ہین، جو سب کے سب چودھرائی کے لقب اور قانونگوئی کے عہدے سے سرفراز تھے۔ اِن مین بعض اصحاب ایسے بھی تھے، جن پر وقتاً فوقتاً خاص طور سے شاہی رعایتین مبذول ہوتی رہین۔ ملاحظہ ہو باب ۲ کی فصل ۲ مین لالہ سرجو پرشاد صاحب و منشی دیپ چند صاحب کا بیان۔

ایک شاہی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ لالہ اچل سنگھ صاحب نے نواب ابو المنصور خان بہادر صفدر جنگ کے عہد حکومت مین چودھرائی کا لقب اور قانونگوئی کا عہدہ معہ خلعت حاصل کیا تھا۔ تحریر شاہی کی نقل حسب ذیل ہے:۔

نواب ابو المنصور خان بہادر صفدر جنگ ذکریست دربیان آنکہ چون درمیان بن سنگھ و اچل سنگھ ولد ٹکیت رائے چودہری و قانونگو پرگنہ دریاباد در باب دستخط چودہرای و قانونگوئی خرخشہ و مناقشہ بود رفعت و امانت پناہ شیخ محمد روشن امین فوجدار پرگنہ مذکور فریقین راگفت کہ شما ان برای چہ درمیان خود ہا قضیہ و فساد میکنید من شما ہر دو کس را پیش مہاراجہ صاحب کہ ناظم صوبہ است استادہ خواہم کرد ہر کرا صاحب صوبہ از روی احقاق حق امر خواہد کرد ہمونکس خدمت چودھرای و قانونگوی بسر براہ خواہد نمود چون بتاریخ پانزدہم شہر ربیع الاول سنہ ۲۹ جلوس والا بن سنگھ و اچل سنگھ مذکورین پیش مہاراجہ صاحب در قلعہ فیض آباد اودھ رجوع نمودہ ملازمت کنانید چنانچہ مہاراجہ صاحب راجہ نولرای نائب نواب مستطاب معلی القاب۔ ناظم صوبہ اودھ آوردہ بعد از اسماع تقاریر و جواب سوال فریقین از روی عدالت العالیہ انفصال فرمود کہ دستخط چودہرای و قانونگوئی حق بجانب اچل سنگھ است بہ بن سنگھ مذکور نمیرسد دعوی بن سنگھ مسطور دروغی و کذب بتوقع آمدہ در پایہ اعزاضی شد و اچل سنگھ بعطای خلعت سرفراز گردیدہ و حکم صادر شد کہ دستخط چودہرای و قانونگوئی بدستور سابق ارث پدری از اچل سنگھ کنانید و بن سنگھ کہ از راہ خلافنمای بعد واقعہ ٹکیت رای چودہری و قانونگو بسبب خوردسالی اچل سنگھ کار و بار چودہرای و قانونگوئی میکرد آن را بید خل ساختہ حالا از بن سنگھ مذکور ہیچ واسطہ و علاقہ دستخط چودہرای و قانونگوی نیست و نماندہ بار اگر بر تقدیر نامبردہ از اچل سنگھ مذکور بہ نہجی دعوی و خرخشہ نماند باطل و نا مسموعہ کرد و داشت صورت حال و بس کہ مہر محمد روشن انصاری۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب اچل سنگھ صاحب کے بعد ریاست کے متعلق باہمی بٹوارہ ہوا تھا تو، اُس وقت چھوٹے بڑے معہ حصص کے ۴۳ تینتالیس مواضعات کی ایک فہرست تیار کی گئی تھی، جو خاندان والون مین تقسیم ہوگئے تھے۔ لالہ انوکھے لال صاحب کے یہان (جو اِسی خاندان سے تعلق رکھتے ہین) جو کاغذات دیکھے گئے ہین وہ بھی اِس بات کو ظاہر کرتے ہین کہ اچل سنگھ صاحب کے پاس بہت سے مواضعات کا ایک اچھا تعلقہ تھا، جس مین کھرگ پور، ہوسنے پور، گوجر پور، بٹی چکینان پور، لکھی پور، کانٹی، روح اللہ نگر، سکری، جیول، بھگوتی پور عرف کیونلا پور، گوبند پور، کھان پور، ٹیما رانگھو پور، شیام نگر حصص موضع کسنفر حصص موضع بلماد وغیرہ دیہات شامل تھے۔ اِس سے اِن کی اچھی خاصی تعلقدارانہ حیثیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کاغذات مذکور حسب ذیل ہین۔

(۱) مہر حسام الحق ولد نور الحق قاضی انصاری، مطابق باصلہ حضور پر نور دام اقبالہ بیتقہ خاص کرامت اختصاص

بمہر مرشد زادہ آفاق بہادر دام اقبالہ۔ باقر علی تحصیلدار دریا آباد وغیرہ بداند دیبی سنگھ قانونگوی دریا آباد استغاثہ نمود کہ موضع سرای خواجگی عملہ پرگنہ دریا آباد از آباء و اجداد زمینداری مستغیث است و از صد ہا سال متعلقہ "علاقہ سکری وغیرہ" بقبولیت سونبس رای برادر زادہ اش ماندہ در سنہ ۱۲۲۶ فصلی مسمی اکبر کہ بوجہ من الوجوہ از موضع مذکور علاقہ ہذا را بہ اظہار خلاف و باطل موضع مذکور بہ قبضہ خود در آوردہ چنانچہ مستغیث مذکور برای تصدیق دعوی خود نقل بیعنامہ و رہنامہ منظر انور گذار نید لہذا حسب الحکم نگارش میرود کہ در صورت بموجب بیعنامہ و رہنامہ موضع مذکور از قبضہ غاصب برآوردہ بدستور در قبولیت سونبس رای مذکور دارد کہ حق تلفی احدے منظور خاطر مبارک بندگان نیست مرقوم سیزدہم شہر ذی قعد سنہ ۱۲۳۴ ہجری (۳) واجب العرض خان پور عرف کان پور، آباد کردہ بن سنگھ رائے ولد کشل سنگھ برادر حقیقی ٹکیت رائے موصوف (۳) واجب العرض روح اللہ نگر کا نشی (۴) واجب العرض موضع ٹہما (۵) واجب العرض موضع راگھوپور سندر داس ولد درگا داس مورث اچل سنگھ صاحب نے راگھوجی (شری رامچندرجی کے ناموں میں سے ایک نام) کے نام پر از روئے عقیدت آباد کیا (۶) واجب العرض گوبند پور (۷) منکہ بدن سنگھ ولد ابدھوت رای بن سنتوکھ رای چودھری و قانونگوی پرگنہ دریا باد آم۔ چون موضع بھری و مراد پور وغیرہ منجملہ تعلقہ دیہات زمینداری خود کہ از حضور معاف کنانیدہ چنانچہ اچل سنگھ فریق ثانی بحضور نواب صاحب قبلہ محمد نوبیگ خان حیونانش نمودہ کہ در وجہ محاق نصفت حق بمن میرسد چرا کہ آباد و اجداد بندہ دیہات موضع سکری و کنوسے و گوبند پور کہ بذاتی پیدا کردہ ...... چہاردہم ربیع الثانی سنہ ۱۱۸۰ ہجری
(۸) بیعنامہ نوشتہ بھاگونت و کشنداس وغیرہ ساکنان کستر مرقومہ ۲۲۔ رجب سنہ ۱۰۹۵ ہجری بنام درگاداس موصوف۔
(۹) بیعنامہ نوشتہ پرتھی بن لکھمی سین وغیرہ بنام ٹکیت رائے موصوف بابت دو حصہ در دو بست موضع تلیا مرقومہ ۱ جمادی الاول سنہ ۱۱۳۶ھ (۱۰) بیعنامہ نوشتہ بھاگونت وغیرہ بنام درگاداس موصوف تعدادی دو سو بیگھہ پختہ مرقوم ۲۵۔ ربیع الاول سنہ ۱۰۸۳ھ
(۱۱) منکہ سرجوہل ولد درجن سنگھ و دو بدی لعل چودھری و قانونگو پرگنہ دریا آباد چون مبلغ چہل و یک روپیہ سکہ رائج الوقت بابتہ گرونامہ موضع شیام نگر از دست دیبی سنگھ ولد جیت رائی بن ٹکیت رائے چودھری و قانونگو پرگنہ دریا آباد تمام و کمال وصول یافتم دامی درمی باقی نماندہ بنابران این چند کلمہ بطریق قبض الوصول و رسید از تمسک گرونامہ نوشتہ دادیم کہ ثانی۔ الحال سند شد تحریر فی التاریخ سیوم شہر ذی حجہ سنہ ۱۱۹۳ ہجری مطابق سنہ ۱۱۸۶ فصلی گواہ شد بھولا ناتھ قانونگو العبد دمہر سرجوہل گواہ شد سردار سنگھ گواہ شد گنگا پرشاد دوبے گواہ شد بینی سنگھ قانونگو (۱۲) رہن نامہ نوشتہ شنکر دیال بابت کھرگ پور، ہونسے پور گوجر پور، پٹی چکنیاں پور لکھی پور، بنام رائے سورج بلی صاحب مرقومہ ۱۹۔ صفر سنہ ۱۲۴۵ ہجری"۔ کاغذ نمبر اول میں "علاقہ سکری وغیرہ" ایک زبردست، وسیع اور معنی خیز جملہ ہے۔ مذکورہ بالا کل کاغذات ہر کرشن بلی صاحب کے پاس موجود۔

رہن نامہ[۵] نوشتہ بینی داس ولد مراد سنگھ چودھری و قانونگو (کھرے کایستھ) بنام سنتوکھ رائے (از خاندان رئیسان) سے ثابت ہوتا ہے کہ اچل سنگھ صاحب دریا باد میں بھی ایک پٹی کے مشترکہ مالک تھے جس کا نصف حصہ ان کے قبضہ میں تھا اور نصف ابدھوت رائے کی ملکیت میں۔

---

۵ ہر کرشن بلی صاحب کے پاس موجود ۱۲۔

بیعنامہ نوشتہ مسماۃ شو برنا زوجہ گنگا پرشاد قوم کھتری اسمی پنڈت رامیشر مشیر مرقومہ ۲۲ - ربیع الاول سنہ ۱۱۲۵ھ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اچل سنگھ صاحب بڑے بدخط اور معمولی کتابت میں بھی عاری تھے - دیگر تحریروں سے یہ چودھری بشارت علی صاحب، ابد صوت رائے صاحب، بدھی لال صاحب، ہیرالال صاحب وغیرہ چودھری دُقانونگو کے ہم عصر و ہم رتبہ معلوم ہوتے ہیں جواب سے سوا سو برس قبل بقید حیات تھے - ایک کرم خوردہ اقرار نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اچل سنگھ صاحب سنہ ۱۱۰۵ھ میں زندہ موجود تھے -

ان کی وفات کے بعد ان کے پوتے شیونبس رائے کی زندگی تک علاقہ بدستور قایم رہا۔ شیونبس رائے کے مرتے ہی یعنی اب سے ایک صدی قبل باہمی نفاق کا بازار گرم ہوگیا اور سکھلال صاحب کی ناعاقبت اندیشی سے تعلقہ پانچ سات حصوں میں تقسیم ہوکر رفتہ رفتہ معمولی زمینداری کی حیثیت میں باقی رہ گیا جو اس وقت تک قایم ہے -

شیونبس رائے کے بیٹے شنکر دیال چودھری دُقانونگو بڑے عیش پرست تھے تقسیم ریاست کے بعد جس قدر زمینداری ان کے حصے میں آئی وہ بیجا مصارف کے باعث بہت جلد زیر بار ہوگئی - ان کے لکھے ہوئے ایک رہن نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مواضعات کھرگ پور، ہوسنے پور، گوحیہ پور، پٹی، چکمینان پور، لکھی پور، رائے سورج بلی صاحب رئیس دریاباد کے یہاں ۱۹ صفر سنہ ۱۲۴۵ھ مطابق سنہ ۱۲۳۸ فصلی کو صرف سولہ سو روپیہ کے عوض رہن ہوگئے تھے -

شنکر دیال صاحب کی اولاد میں بشندیال صاحب بھی ناعاقبت اندیشی میں اپنے والد سے کچھ کم نہ تھے جن کے مرتے ہی یہ آزادانہ طور پر بے خوف وہراس خوب ہی کھل کھیلے۔ بزم نشاط آراستہ ہوگئی، ناچ رنگ، شراب وکباب کا دھادھند مشغلہ شروع ہوگیا، آنکھ بند کرکے دولت خرچ ہونے لگی - انجام کار زیر باری کی نوبت آئی - کُل مواضعات ذریعہ بیعنامہ معمولی رقم کے عوض غیروں کے قبضہ میں آگئے، دُومنزلہ پختہ مکان فروخت ہوکر منہدم ہوگیا - سُنا جاتا ہے کہ جب سب طرح حسب دلخواہ صفائی ہوچکی تو لالہ بشندیال صاحب ناقابل برداشت مصیبتوں سے تنگ آکر نہ معلوم کہاں چلے گئے، ان کے ایک دستخطی بیعنامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۲۰ - اگست سنہ ۱۸۶۰ء تک بقید حیات دریاباد میں موجود تھے - ان کے نہ کوئی اولاد نرینہ تھی نہ بھائی بھتیجے تھے، صرف دو لڑکیاں تھیں جن میں سے ایک لڑکی کی شادی میں بہت بڑی اُولوالعزمی سے کام لیا گیا تھا - شادی کے مصارف کے لئے انھوں نے مُسلّم موضع کیوٹلا پور بیچڈالا تھا - اس لڑکی کا بیاہ دریاباد ہی میں لالہ ٹھاکر پرشاد صاحب ماتھر کے بیٹے اودھ بہاری کے ساتھ ہوا تھا - (بچانک اندر)

دیوان روشن لال صاحب

کائستھ، سری واستو، دوسرے چھتری ورن، لالہ گنیش پرشاد صاحب کے بیٹے، نامی گرامی اُولوالعزم رئیس و تعلقدار،

۱؎ یہ موضع لال گنج کے قریب اب تک موجود ہے ۱۲ - ۲؎ ان کا دُومنزلہ پختہ مکان لالہ گوپال پرشاد صاحب ماتھر اور مادھو جتی کے مکانوں کے مابین واقع تھا، جو عرصہ سے بے نام ونشان ہے۔ ٹھاکر پرشاد کے خاندان میں جب کوئی باقی نہ رہا تو یہ ناچار مکان بیچکر اپنے بھتیجے کے پاس حیدرآباد چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے ۱۲

رکن الدولہ میاں الماس علی خان صاحب بہادر کے دیوان اوّل وطن پرست، فیاض، مخیر، بیکس نواز ہونے کے ساتھ ساتھ شریف پرور اور قوم پرور بھی تھے۔

بعضون کا بیان ہے کہ دیوان جی صاحب دریاباد کے قدیم باشندون مین تھے اور بعض کہتے ہین کہ ان کے بزرگ کسی وقت مین سیتاپور سے آکر یہان آباد ہو گئے تھے۔ لیکن "پشت نامہ بسنت رائے" (منشی ماتا پرشاد صاحب وکیل کے بزرگوار) سے پایا جاتا ہے کہ بسنت رائے کے خاندان والے دریابادی محررون اور راجہ بھوانی پرشاد صاحب و دیوان روشن لال صاحب کے رشتہ دار تھے۔ پشت نامہ مین راجہ صاحب کے بزرگون کو "خوشباش دریاباد" لکھا ہے محررون اور دیوان جی کی نسبت کچھ بھی تحریر نہین۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان جی صاحب دریاباد کے قدیم باشندے تھے، ان کے بزرگ خوشباش نہین تھے۔ کیونکہ اگر ان کا اصلی وطن سیتاپور ہوتا تو پشت نامہ مین لالہ بسنت رائے صاحب حسب دستور قدیم انھین بھی بے دریغ خوشباش تحریر فرماتے اور اس بارہ مین ذرا بھی رعایت کو دخل نہ دیتے۔ اسی سلسلہ مین یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ دیوان روشن لال صاحب عالی خاندان تھے اور ان مین اور راجہ بھوانی پرشاد صاحب مرحوم اور محررون مین باہمی قرابت داری قائم ہو گئی تھی۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ دیوان جی کی بہن کا بیاہ تنگدستی کی حالت مین ایک بہت بڑے معزز رئیس کے یہان ہوا تھا اس سے بھی ان کی عالی نسبی پائی جاتی ہے۔

سنا جاتا ہے کہ دیوان روشن لال صاحب بہت غریب تھے۔ ایک دن ان کی بی بی نے مصیبت سے تنگ آکر ان سے کہا کہ سنتی ہون یہان (یعنی دریاباد مین) پیر شاہ بہت بڑے کامل فقیر رہتے ہین، تم ان کے پاس جاؤ اور اپنا حال بیان کرو شاید ان کی دعا سے کہین روٹی کا سہارا ہو جائے۔ روشن لال صاحب یہ درد انگیز کلمے سن کر اپنی عورت کے کہنے کے مطابق فوراً ننگے سر، ننگے پانوں پیر شاہ کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب اس وقت جذبہ کی حالت مین ٹہل ٹہل کر کچھ بڑبڑا رہے تھے، کہ دفعتہً ان پر نگاہ پڑ گئی۔ ابھی یہ کچھ منھ سے بولنے بھی نہ پائے تھے کہ روشن ضمیر پیر شاہ کی زبان سے نکل گیا "جا، اسی وقت لکھنؤ چلا جا، تو خدا کے حکم سے بڑا بھاری امیر ہو جائے گا"۔ روشن لال نے دست بستہ عرض کیا کہ پیر و مرشد! میرے بدن پر لتا تا بت نہین، کیونکر لکھنؤ جاؤن؟ حکم ہوا "کچھ پروا نہین، یون ہی اللہ مہربانی کریگا"۔ یہ پھر گڑگڑا کر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ شاہ صاحب نے غصہ سے فرمایا۔ "ابے! جاتا نہین ہے، وہان ماہی مراتب تیار ہے"۔ یہ آخری کلمے سننے کے ساتھ ہی روشن لال اپنے گھر آئے اور اپنی عورت سے مشرح کیفیت بیان کی۔ سعادت مند بی بی نے فوراً کہین سے مانگ جانچ کر زاد راہ کا انتظام کر کے انھین پر میشر کے بھروسے پر رخصت کیا۔ روشن لال بغل مین ایک پرانا ٹوٹا قلمدان دبائے، ہاتھ مین کھانے کی پوٹلی لئے لکھنؤ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ خدا کی شان! جس وقت یہ لکھنؤ مین گومتی کے پل پر پہونچے اس وقت میان الماس علی خان کی

---

۵ دوسرے دیوان لالہ ریوتی رام صاحب رائے بریلی کے تھے جن کی یادگار مین پختہ تالاب، پھلواری، گنج، چاہ پختہ اب تک موجود اور دور دور تک مشہور و معروف ۱۲۔

سواری اُدھر سے آرہی تھی، جسے دیکھ کر انھین گمان ہوا کہ شاید بادشاہ سلامت کی سواری آتی ہے، بایں خیال یہ جلد اُس پار پہونچکر راستہ سے الگ ایک جگہ چپ چاپ مؤدّب کھڑے ہو گئے، اتنے مین سواری قریب آگئی اور میان الماس علی خان نے اِن کی طرف دیکھا، یہ جھٹ فراشی سلام کرکے آگے بڑھے اور نذر مین شکستہ قلمدان پیش کر دیا، دریائے رحمت جوش مین آیا۔ حکم ہوا کہ ہاتھی بٹھا دیا جائے۔ ہاتھی کا بیٹھنا تھا کہ الماس علی خان نے خود بڑھکر اِن کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس زرین ہودج پر بٹھا لیا، اور اُسی وقت فوراً مکان واپس آکر قلمدان معہ خلعت عنایت فرما کے عہدۂ دیوانگری (دیوانی) سے سرفراز فرمایا۔ مصاحبین و رفقا، جو ہمراہ تھے، اس عجیب واقعہ سے مُتحیّر ہوکر انگشت بدندان رہ گئے۔" اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوان جی اگرچہ افلاس کے باعث تنگ تھے، لیکن دل و دماغ قابو مین رکھتے تھے، جس سے بجائے گھبرانے کے وہ اُس کی دفعیہ کے لئے حسب التحریک کوشش پر آمادہ ہو گئے تھے، ساتھ ہی اِس کے بڑے عقلمند، ذہین، ذی علم اور اُس وقت کے آدابِ معاشرت اور شاہی تہذیب سے بھی اچھی طرح آگاہ ہونے کے علاوہ دلیر بھی تھے، اپنے سے بڑے آدمی کی شان و شوکت دیکھ کر مرعوب نہین ہوتے تھے۔

روشن لال صاحب کا طالع خفتہ بیدار ہوتے ہی دریاباد کے نصیب کا ستارہ بھی آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ انھون نے اپنے فرائض منصبی انجام دینے کے ساتھ ساتھ اپنے وطن کی قابل قدر خدمت کرنے مین بھی نہایت فیّاضی سے کام لیا۔ عالی شان پھاٹک، مکان، کنوئین، شیوآلے، ٹھاکر دوارہ، تالاب، دھرم شالے، گئو شالہ، حمام، سراؤن، کوٹھیون وغیرہ کی تعمیر وسیع پیمانہ پر شروع کر دی۔ گنج و بازار قائم کئے گئے، باغون اور پھلواریون کی بُنیاد ڈالی گئی۔ حکیم، طبیب، مولوی، ہُنرمند، کاریگر، پیشہ ور لوگون کو جو اپنے علم و فن مین اوستاد تھے، لکھنؤ سے اپنے ہمراہ لاکر دریاباد مین آباد کیا، جن کے رہنے کے لئے ذاتی صرفہ سے مکان بنوانے کے علاوہ دیگر ضروری رعایتون کا بھی حسب مناسب لحاظ کیا گیا۔ اِس طرح دیوان جی نے لاکھون روپیہ خرچ کرکے دنیا کے سامنے اپنی عالی ہمتی مذہبی عقیدتمندی، بے تعصبی، عام فیاضی کا عملی ثبوت پیش کر دیا۔ روشن لال صاحب کی دیکھا دیکھی اِن کے بیٹے دربار ی لال، مہی لال، سیوک رام بھی، جو نظامت اور چکلہ داری کے عہدہ پر مامور تھے، رفاہ عام پر آمادہ ہو گئے، اور اُنھون نے بھی گنج اور بازار بنوانے کے علاوہ عالی شان پھاٹک اور سرائین بھی تعمیر کرائین، جن سے نہ صرف دریاباد کی آبادی و رونق مین دوچند اضافہ ہوا، بلکہ ہزارہا غریب غربا بھی نہال ہو گئے۔

ہر پرشاد دستھی کہتے تھے کہ "ہمارے چچا اکثر بیان کیا کرتے تھے کہ، ہمارے ان داتا (ولی نعمت) روشن لال بڑے دھرماتما تھے۔ ایک مرتبہ قحط سالی کے زمانے مین جبکہ لوگ دین سے بے دین ہونے لگے تھے، بیشمار روپیہ خرچ کرکے ہزارون غریبون اور سفید پوشون کی جان بچائی تھی۔ یہ تالاب، شیوالے، گنج، سرا، مسجد وغیرہ کی بنیاد اُسی وقت ڈالی گئی تھی، جس مین سیکڑون مزدور روزانہ کام کرتے تھے اور بیسیون بھلے مانس دیکھ بھال کے لئے نوکر تھے۔ جو لوگ دن مین محنت مزدوری کرنے سے مجبور اور خیرات لینا شان کے خلاف سمجھتے تھے، اُنکی گذر اوقات کے لئے رات کو کام جاری رہتا تھا اور برائے نام محنت لیجاتی تھی، مگر اُجرت معقول اور حیثیت

دیجاتی تھی - اِن سفید پوشون مین پردہ دار عورتین بھی شامل تھین، جو مردون سے علیحدہ کام کرتین اور عورتون کے ذریعہ سے اُجرت پاتی تھین - علاوہ اِس کے ایک بہت بڑا خیرات خانہ بھی قایم کیا گیا تھا، جس کے ذریعہ سے پردہ نشین غریب بیواؤن اور لاوارث مستورات کی بلا قید مذہب خفیہ طور پر پرورش کیجاتی تھی، اور اُن محتاجون کو دونون وقت کھانا کھلایا جاتا تھا، جو کام کرنے کے قابل نہین تھے" اِس سے روشن لال صاحب کی روشن خیالی، دریا دلی، بیکس نوازی اور دانشمندانہ شرفا پروری پر زبردست روشنی پڑتی ہے -

لالہ سرجو پرشاد صاحب ایک مرتبہ بر سبیل تذکرہ بیان فرماتے تھے کہ "ہمنے اپنے والد سے اکثر سنا ہے کہ دریاباد مین دیوان روشن لال بڑے فیاض اور قوم پرور گذرے ہین - اِن کی بدولت بہت سے کائستھ اور برہمن آرام کی زندگی بسر کرتے تھے، سیکڑون غریب ہندو مسلمان لکھنؤ اور دریاباد مین اِنھین صبح و شام دعائین دیتے تھے - اِنھون نے لکھنؤ کے اطراف مین اکثر سڑکون پر دورویہ آمون کے سایہ دار درخت لگوائے اور جابجا پختہ کنوئین اور دھرم شالے تعمیر کرائے تھے - دریاباد کے باہر لکھنؤ والی سڑک پر دودھ دہی کی چوکی والا پختہ کنوان اِنھین کا بنوایا ہے دریاباد مین اُس وقت خیرات کے متعلق اِن کا نام خاص طور پر مشہور تھا - جو سادھو یا فقیر باہر سے آتا تھا، لوگ اُسے اِنھین کی ڈیوڑھی کا پتہ بتا دیتے تھے - یہ بہت بڑے مسافر نواز بھی تھے - اپنے آباد کردہ گنج کی سراؤن مین خود جانچ پڑتال کیا کرتے تھے کہ مسافرون کو کسی قسم کی تکلیف تو نہین ہوتی ہے - اگر کسی قسم کی شکایت سُن پاتے تو، فوراً اُس کا تدارک کرتے تھے - بھٹیارون کو خاص حکم تھا کہ غریب مسافرون سے کرایہ ہرگز نہ لینا اور جس مسافر کے پاس کھانے کو نہ ہو، اُس کی فوراً اطلاع کر کے ہمارے بھنڈارخانہ (بوتات) سے جنس دلوا دینا، فاقہ نہ ہونے پائے - میان الماس علی خان اِن پر بہت مہربان تھے - ایک دفعہ جس وقت دریاباد مین گنج، تالاب، مسجد، سراؤن، شیوالون وغیرہ کے متعلق تعمیر کا کام شروع ہوا تھا، کسی نے اُن سے چُغلی کھائی تھی کہ "روشن لال جناب کی ساری دولت اپنے ذاتی عیش و آرام مین صرف کر رہے ہین، اور آپ کو اِس کی خبر نہین ہے - الماس علی خان نے جب اس بات کی تحقیقات کی تو اِنھین بجائے عیش پرستی کے رفاہ عام کے کامون مین مشغول پایا - چونکہ وہ خود بھی فیاض اور مُخیّر تھے، اِس لئے روشن لال کی یہ جبلی فیاضیان دیکھ کر نہ صرف خاموش ہو گئے، بلکہ بہت خوش ہوئے"

بعض بزرگون کی زبانی سُنا گیا ہے کہ میان الماس علی خان کو دریاباد بہت پسند تھا، اس وجہ سے اُن کی آمد و رفت یہان زیادہ رہتی تھی اور جم غفیر لشکر ہمراہ ہونے کے سبب وہ دریاباد کے باہر پچھم طرف باغون مین ٹھہرتے تھے، جس سے اکثر برسات کے موسم مین اُنھین سخت تکلیف ہوتی تھی - اِس تکلیف کے دور کرنے کے لئے اُنھون نے ایک عالی شان بارہ دری[1] تیار کرائی اور ساتھ ہی اِس کے ایک گنج بھی[2] آباد کیا، بعد ازان ہمراہیون نیز گھوڑے ہاتھیون وغیرہ کے رہنے کے لئے مکانات بنوانے کا ارادہ کر کے بدین خیال کہ اِن مکانات کے متعلق ضروری اخراجات مثل مرمت و تنخواہ ملازمین وغیرہ کا معقول بند و بست ہونا چاہئے، نعمت پور، بھلونہ، لال پور، اندرپور وغیرہ کئی

[1] و [2] اِس بارہ دری و گنج کا مفصل ذکر باب ہشتم کی دوسری فصل مین درج کیا گیا ہے ۱۲-

ایک مواضعات، جو دریاباد کے قریب ہی واقع تھے، نواب آصف الدولہ بہادر سے حاصل کرلئے جنھیں آخر مین گنج سمیت روشن لال کو اُن کی دیانت داری اور اطاعت پر خوش ہوکر بخشدئے تھے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوان جی اپنے ولی نعمت کے دلی بہی خواہ اور ایماندار تھے، جسکی وجہ سے الماس علی خان اِن پر اتنا مہربان ہُوئے کہ ایک دم پانچ سات گانوٗن بخشدئے۔ واہ ری نیک نیتی! اور واہ ری قدردانی!!

کہا جاتا ہے کہ جس روز دیوان جی صاحب لکھنؤ سے دریاباد آتے تھے، اُس شب کو بستی بھر کے کائستھون کی دعوت ہوتی تھی، اور جتنے دن قیام رہتا تھا، روزآنہ رات کو محلہ کے اہل برادری اُن کے ساتھ کھانے مین شریک ہوتے تھے۔ دعوت کی طرح یہ کھانا بھی پُرلطف اور پختہ ہوتا تھا۔ تازندگی اِس معمول مین کسی قسم کا تغیر وتبدل نہین ہوا۔ روشن لال صاحب کا یہ معمول قومی خدمت یا قوم پرستی کا پورا پتا دیتا ہے۔

روائیت ہے کہ "انھون نے اپنے بیٹے کی شادی مین نہایت اُلوالعزمی اور جدّت سے کام لیا تھا۔ ایک مہینے تک بلاناغہ ہر روز دریاباد بھر کے غریبون اور محتاجون کو جنس مفت اور سرائون کے مسافرون کو بلاقیمت ہر قسم کی اشیاء ضروری عالم طور پر حسب دلخواہ برابر تقسیم ہوا کین۔ برات دیرہ ننگل پور (ضلع کانپور) گئی تھی، جس مین میان الماس علی خان بہ نفس نفیس شریک ہُوئے تھے۔ سو ضرب توپ، ایک لاکھ فوج اُن کے ہمراہ تھی۔ برات دن بھر آرام کرنے کے بعد رات کے وقت ایک حیرت انگیز اہتمام سے دُو رویہ آتشبازی کی روشنی مین شاہانہ جلوس کے ہمراہ غیر معمولی تزک واحتشام کے ساتھ ساتھ مسّرت خیز صدائین بلند کرتی ہوئی روزآنہ نصف منزل طے کرکے ایک ہفتہ مین مقام مقصود پر پہونچی تھی، اور اِسی شان سے دریاباد واپس آئی تھی۔ لڑکی والے نے برات کے لئے ایسا معقول انتظام کیا تھا کہ کسی قسم کی شکایت نہین ہوئی۔ جنواسے کے وسیع میدان مین ضرورت کی ہر شئے ڈھیر لگوادی گئی تھی، اور گلاب، کیوڑہ، عطر، خوشبودار تیل سے پختہ حوض بھروادئے گئے تھے۔ نقد اور دیگر قیمتی سامان کے علاوہ بہت بڑے دو گانوٗن بھی جہیز مین روشن لال کو ملے تھے۔ الماس علی خان نے دروازے کے چار مین اشرفیان لٹائی تھین، اِس شادی مین کئی لاکھ روپیہ صرف ہُوا تھا۔ اُس وقت اودھ مین صرف ڈھائی شادیان بہت مشہور تھین، دو لکھنؤ کے شاہی خاندان سے متعلق تھین اور آدھی یہ دریاباد مین ہوئی تھی۔

اسی سلسلہ مین یہ بھی مشہور ہے کہ ایام تقریب مین ایک کائستھ صاحب سرا مین آکے مُقیم ہُوئے اور بازار مین جنس مول لینے گئے۔ بنئے نے جنس دیکر قیمت لینے سے انکار کیا۔ سبب دریافت کرنے پر بنئے نے کہا کہ "آج کل شادی کے دنون مین ہم لوگون کو مسافرون سے قیمت لینے کا حکم نہین ہے، سرکار سے (یعنی روشن لال سے) حساب کا روپیہ بعد فراغت شادی مل جائے گا۔" لالہ صاحب نے یہ سُنتے ہی جنس واپس کردی اور کہا کہ ہم رشتہ دار کا احسان لینا پسند نہین کرتے۔ روشن لال کو اِس واقعہ کی اطلاع دی گئی جب لالہ صاحب سامنے بُلائے گئے تو، حال دریافت کرنے پر اُنھون نے کہا کہ آپ ہمین بھول گئے! سمپت اور بپت دو بہنین، سمپت (عیش) آپ کے ساتھ منسوب ہوئی اور بپت (مصیبت) ہمارے حصہ مین آئی، اِس لئے ہم اور آپ قریبی رشتہ دار یعنی ہم زلف ہُوئے۔ یہ سُنتے ہی روشن لال اُٹھ کر لالہ صاحب سے

بغلگیر ہوئے اور حکم دیا کہ آپ کو ہمیشہ کے لئے رہائش کا مکان دیا جائے اور کل مصارف آپ کے میرے حساب میں لکھے جائیں۔ لالہ صاحب جب تک زندہ رہے عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے رہے

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک سرا کے مسافر نے کہا کہ ہم جنس مُفت نہ لیں گے، کیونکہ ہمارا نیوتہ نہیں ہے۔ روشن لال کو اس امر کی اطلاع ہونے پر تشویش ہوئی اور خود جا کر پانچ اشرفیاں نذر دیکے انھوں نے اُس مسافر کو دعوت میں شریک کیا اور تا اختتام شادی مہمان نوازی کی۔

روایات مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوان جی کے حال پر میان الماس علی خان صاحب کی خاص طور پر نظرِ عنایت تھی اور وہ اِن کو نوکر نہیں، بلکہ اپنا خاص عزیز سمجھتے تھے یا دوستِ قلبی، جن کی خوشی اور عزت افزائی کے لئے وہ خود شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ برات میں شریک ہوئے تھے۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ برادر پرور ہونے کے علاوہ مسافر نواز بھی تھے اور ایسے مسافر نواز کہ موقع و محل پر اُس کو اپنے رشتہ دار سے کم نہیں سمجھتے تھے

مولوی حافظ مشرف کریم صاحب گرداور قانونگو (پنشنر) بیان فرماتے ہیں کہ ہمنے سُنا ہے کہ جب روشن لال کٹرہ بنوا رہے تھے اور اُس میں دوکانیں، سرائیں تیار ہو رہی تھیں اور پھاٹک تعمیر ہو چکے تھے، اُسی وقت انھوں نے اپنے عظیم الشان مکان کی بھی تعمیر شروع کر دی تھی۔ لوگوں نے میان الماس علی خان کو اِس امر کی اطلاع دی کہ "روشن لال اپنا مکان بہت بھاری بنوا رہے ہیں"۔ الماس علی خان نے حکم دیا کہ "میں خود دریا یاد چل کر دیکھونگا"۔ قبل آمد میان الماس علی خان روشن لال کو اِس واقعہ کی اطلاع ہوگئی، اُنھوں نے رات بھر میں کٹرہ کے اندر مسجد تیار کرا دی اور اپنے مکان کا صرف ایک کمرہ رہنے دیا، باقی کُل عمارت مسمار کرا کر بے نام و نشان کرا دیا۔ دوسرے دن صبح کو الماس علی خان لکھنؤ سے میان گنج اپنے آباد کردہ گاؤن کے قریب آکر مقیم ہوئے اور روشن لال کو بلوا کر دریافت کیا کہ "تم کیا بنوا رہے ہو؟" جواب میں انھوں نے عرض کیا کہ "میں جناب کے نام سے کٹرہ اور سرا بنوا رہا ہون"۔ جب الماس علی خان نے آکر خود ملاحظہ فرمایا تو، سرا میں مسجد بھی تیار پائی، جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُنھوں نے روشن لال سے دریافت کیا کہ "تمنے اپنے رہنے کے لئے بھی کوئی مکان بنوایا ہے؟" انھوں نے عرض کیا کہ "جی ہاں! اپنے بیٹھنے کے لئے ایک کمرہ بنوایا ہے"۔ الماس علی خان نے اُسے دیکھ کر فرمایا کہ "یہ کمرہ تمھارے لئے موزون نہیں ہے، بڑا مکان بنواؤ، اور خود مکان کا نقشہ تجویز کر دیا کہ اِتنے رقبہ میں تمھارا مکان ہونا چاہیئے، ساتھ ہی اِس کے میان گنج میں بارہ دری کی تعمیر کے لئے بھی اِنھیں حکم دیا اور کُل مصارفِ تعمیرات اپنے ذمہ لیئے"۔

پنڈت نتیانند مہاراجہ ٹکیت رائے کے گرو (مُرشد) نے ایک طولانی چھٹّی بھاشا زبان میں بھوانی شنکر دیکھت کو لکھی تھی (یہ بھی پنڈت جی کے مُرید تھے) جو مہابیر دیکھت کے یہان کاغذات دیکھنے کے وقت دستیاب ہوئی ہے۔ یہ چٹھی اِس قدر بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے اور اِس میں سنسکرت کے ایسے سخت الفاظ ہیں کہ جلد مطلب ذہن نشین ہونا ایک مشکل امر ہے لیکن، خیریت یہ ہے کہ نہایت خوشخط اور صاف لکھی ہوئی ہے جس سے لغت کے ذریعہ مفہوم بآسانی سمجھ میں آجاتا

۵ یہی روایت مہاراجہ ٹکیت رائے کے نام سے بھی منسوب ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں طرف اسی قسم کے واقعات ظاہر ہوئے ہون ۱۲۔

چونکہ یہ چھٹی روشن لال صاحب کے بارہ مین لکھی گئی ہی، لہذا اُس کا ترجمہ ذیل مین درج کیا جاتا ہے :-

پیارے بھوانی شنکر! ہزارون آشیرباد - جب سے تم بیمار ہو کر لکھنؤ سے گئے کچھ حال نہ معلوم ہوا، تردد ہی، بہت جلد اپنی خیریت سے اطلاع دو کہ اطمینان ہو۔ مہاراجہ صاحب تمکو بہت یاد کرتے ہین۔

ہمکو معلوم ہوا ہے کہ دیوان روشن لال جی نے تم سے بالمیکی رامائن پڑھنے کے لئے مانگی تھی، اُن کی رامائن مہاراجہ صاحب کے پاس تھی جو کسی دوست نے گانٹھ لی، تمنے دینے مین عذر وحیلہ کیا، دیوان جی کو اس بات کا بڑا ملال ہوا اور انھون نے ہمسے اور مہاراجہ صاحب سے اس امر کی شکایت کی۔ مہاراجہ صاحب کو یہ سُن کر بڑا رنج ہوا اور ہمکو بھی افسوس ہوا۔ ہمارے خیال مین تمھارا یہ فعل اخلاق ومروت کے بالکل خلاف ہوا جو مُفت مین باہمی رنجش کا باعث ٹھہرا۔ اگر وہ اُن کے پاس مہینے دو مہینے رہتی تو تمھارا کیا نقصان ہوتا؟ دیوان جی روز مرّہ رامائن کا پاٹ (مطالعہ) کرتے ہین۔ اُنھین بغیر اُس کے چین نہین، اس لئے تمسے مانگی تھی، تمنے نہین دی۔ ہمنے یہ بھی سنا ہی کہ وہ ڈیڑھ سو روپیہ قیمت بھی دیتے تھے کہ اگر مستعار نہ دو تو یہ قیمت حاضر ہی، تمنے کوئی بات نہ مانی۔ اب اس مین تمھارا ہی قصور ہے، اُنکا کچھ بھی نہین۔ وہ اس وقت میان الماس علی خان بہادر کے منظور نظر ہین، جو چاہین کرین، ایک رامائن کیا، پچاس رامائن مول لے سکتے ہین چنانچہ بنارس سے پانچ سو روپیہ خرچ کرکے ایک بہت عمدہ رامائن، جو بانسی کاغذ پر خوشخط لکھی ہوئی، خوبصورت رنگین تصویرون سے مزین ہونے کے علاوہ بہت پُرانی بھی ہی، بڑی کوشش سے منگوائی ہے اور اب وہ روزانہ اُس کا پاٹ کرکے خوش ہوتے ہین۔ آج کل تو علی العموم سوائے فارسی، عربی کے سنسکرت کا نام بھی نہین لیتے۔ شکر کا مقام ہے کہ مہاراجہ صاحب اور دیوان جی کو اس ودیا سے بڑی محبت ہے۔ ہمنے تو دونون صاحبون کو خاص کرکے سنسکرت پڑھائی ہی اور اب بھی باز نہین۔ اگلے زمانے کے برہمن کایستھون کو دھرم شاستر پڑھاکر اُن کو ہندو دھرم سے آگاہ کرتے تھے جسکی وجہ سے وہ اُن کی عزت وتعظیم کرتے تھے اور تم ایسے برہمن ہو کر پوتھی بھی مانگے نہین دیتے۔ خیر، جو کچھ ہوا وہ ہوا، اب بہتر یہ ہے کہ تم دیوان جی سے معافی مانگو اور ہم سفارش کردین، ورنہ دیوان جی کا ملال اچھا نہین، حالانکہ وہ بڑے دھرماتما بزرگ ہین، کسی کے ساتھ بدی نہین کرتے۔ لوگون نے میان الماس علی خان سے اِن کی نسبت بہت سی چغلیان کھائین تحقیقات ہونے پر سب کی قلعی کھل گئی، سب موردِ عتاب ہوئے۔ لیکن دیوان جی نے سفارش کرکے پھر سب کو اپنی اپنی جگہ پر بحال کرا دیا۔ ایسے نیک اور بھلے مانس آدمی کہین پیدا ہوتے ہین؟ اچھے کے دوست سب ہوتے ہین، برون کا کوئی نہین ہوتا، مگر دیوان جی صاحب برون کے بھی دوست ہین۔ اُن کا قول ہی کہ "نیکی نیک راہ، بدی بد راہ"۔ علاوہ اس کے تم جس کا نمک کھاتے ہو اور جسکی بدولت ہزارون روپیہ ہر سال نواب صاحب آصف الدولہ بہادر) کے یہان سے پیدا کرتے ہو، اُس کے بھی تو وہ بھی خواہ ہین۔ کیا تمکو یاد نہین ہی؟ کہ جب مہاراجہ صاحب پر اُن کے ایک عزیز کی نالائقی سے عتاب شاہی نازل ہوا تھا تو، دیوان جی نے الماس علی خان سے کہہ سُن کر تقصیر معاف کرائی تھی"۔ اور یہ بھی تو مشہور ہی کہ جب نواب صاحب نے دیوان جی کی ایمانداری اور علمی و انتظامی قابلیت کی تعریف سُنی تو، الماس علی خان سے کہا کہ دیوان جی کو ہمین دیدو، ہمکو ایک اور دیوان کی ضرورت ہے"۔ الماس علی خان نے کہا کہ غلام اور دیوان جی دونون نمکخوار سلطنت ہین، کسی کو تعمیل ارشاد مین عذر نہین۔ جب روشن لال صاحب طلب ہوئے تو، شاہی حکم سے مطلع ہوتے ہی انھون نے دست بستہ عرض کیا کہ "جان پناہ! ارشاد والا بسر وچشم منظور، مگر، خادم کے ماتھے پر یہ کلنگ کا ٹیکہ قیامت تک رہے گا کہ روشن بڑا طماع اور عیر شریف النفس تھا، جس نے پیاوے سے فیل نشین کیا، اُس سے بلاوجہ خود کنارہ کش ہو کر بادشاہ کا دیوان بن بیٹھا، قدیم حقِ نمک اور مہربانیون کا ذرا بھی خیال

گیا۔ نواب صاحب انصاف پسند تھے، معقول جواب سُن کر نہایت خوش ہُوئے اور دیوان جی کو خلعت وانعام مرحمت ہوا بھلا ایسے بزرگ سے رنجش پیدا کرنا کہاں تک درست ہے؟ ہم تم اور دیوان جی سب ایک ہی بستی (یعنی دریاباد) کے رہنے والے ہیں، ہم لئے باہمی میل جول چاہئے نہ کہ نفاق۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ تم اس طول طویل تحریر کو بغور پڑھ کر اس پر عمل کر کے ہمیں خوش کروگے۔ باقی خیریت۔ فقط۔ تمہارا خیراندیش نیتانند، از لکھنو، ساون سُدی دُوج سمبت ۱۸۴۳ بکرمی۔

مذکورۂ بالا تحریر کے الفاظ اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں کہ روشن لال صاحب فارسی کے علاوہ اپنی قومی زبان سنسکرت سے بھی خوب واقف تھے اور اس علم کی تکمیل میں پنڈت نیتانند کے شاگرد تھے، بالمیکی رامائین کے عاشق زار تھے، بڑے اقبالمند، نیک چلن اور نیک طینت تھے، دوست دشمن سب کے یکساں خیر خواہ تھے، مہاراجہ ٹکیت رائے کے ہم جلیس تھے، حقِ نمک کا خیال رکھتے تھے، احسان فراموش نہ تھے، طمع سے متنفر، قناعت میں ممتاز تھے، اپنے مالک کو بادشاہ سے بھی زیادہ سمجھتے تھے، فطری دانائی، خوش تقریری، حاضر جوابی میں لاجواب تھے، ایمانداری، سیاست دانی علمی استعداد میں دربار سلطانی تک مشہور تھے، بدیں وجہ نہ صرف الماس علی خاں بیحد ان پر مہربان تھے، بلکہ نواب آصف الدولہ بہادر بھی ان کے دلی قدردان تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ روشن لال صاحب محض دیوان ہی نہ تھے، بلکہ ایک زبردست امیر کبیر بھی تھے اور راجوں کی سی شان و شوکت رکھتے تھے۔ اِن کا مکان نہایت نفیس اور عالی شان بنا ہوا تھا۔ اِن کے یہاں مصاحب، دیوان، متصدی، وکیل، منشی، معلّم، حکیم، وید، پنڈت، جیوتشی، پوجاری، شاعر، چوبدار، سپاہی، سوار، خدمت گار وغیرہ ہر قسم کے لوگ بکثرت ملازم تھے۔ پھاٹک پر نقّارہ بجتا تھا، زنانی ڈیوڑھی پر روزمرّہ نوبت بجتی تھی۔ ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، وغیرہ جانور پلے ہوئے تھے۔ میانہ، فینس، پالکی، نالکی، ہوادار، بوچا، رتھ، بہل وغیرہ سواریاں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ مشہور ہے کہ شاہی زمانے میں بجز بادشاہ کے دوسرے کے یہاں نوبت بجنے کا حکم نہیں تھا، جب روشن لال صاحب کا زمانہ موافق ہوا تو اِن کے یہاں نوبت بجنے لگی، شاہی دربار میں اِس امر کی اطلاع کی گئی، لیکن، الماس علی خاں کی مہربانی سے کچھ باز پرس نہ ہوئی، بلکہ خاص طور پر اجازت ہو گئی۔

دیوان جی صاحب دولت مند امیر ہونے کے علاوہ شانِ تعلقداری بھی رکھتے تھے۔ چند دیہات ذاتی، دو زبردست گانوں جہیز والے اور اندرپور، نعمت پور، بھلونہ، لال پور، میاں گنج وغیرہ عطا کردہ الماس علی خاں جملہ بیدرہ سولہ مواضعات کے مالک تھے، تعلقہ لال پور کے نام سے مشہور تھا۔ دستاویز نوشتۂ مہی لال صاحب (جس کا ذکر آگے آئے گا) سے پتہ چلتا ہے کہ صرف پرگنۂ دریاباد کے متعلق مواضعات یعنی تعلقہ لال پور کی خاص رعایتی اور برائے نام مالگزاری (اس لئے کہ دیوان روشن لال صاحب میاں الماس علی خاں کے منظورِ نظر تھے اور ان کے بیٹے چکلہ دار و ناظم تھے) ۱۲۵۱ھ یعنی اب سے ۸۸ برس قبل ایک ہزار روپیہ سے کچھ زائد تھی، جس کے بموجب اُس وقت ان مواضعات کی نکاسی خام دس بارہ ہزار سے کم نہ رہی ہوگی، جسے آج کل چالیس پچاس ہزار روپیہ کی آمدنی والا ایک اچھا تعلقہ کہہ سکتے ہیں۔

لالہ دیبی دین صاحب فرماتے ہین کہ دیوان جی نے اپنے یہان ہر قسم کے ظروف مسی و برنجی وغیرہ خرید کر کے جمع کر رکھے تھے، جو شادی بیاہ یا دیگر تقریبون کے موقعون پر ضرورت کے وقت امیر غریب سب کو دیے جاتے تھے برتن گم ہو جانے پر نہ قیمت لی جاتی تھی نہ عیوض لیا جاتا تھا اور نہ اُس پر زیادہ زور دیا جاتا تھا اس مفید اور معقول انتظام سے ہندو مسلمان دونون قومین یکسان مستفیض ہوتی تھین۔ اس سے دیوان جی کی شانِ امارت کا پُرمائیگی اور مرُوت سبھی کچھ ظاہر ہوتی ہے۔

دیوان جی صاحب کا زمانہ قابلِ رشک زمانہ تھا۔ اِن کے اقبال اور شان و شوکت کی دُور دُور تک چاروں طرف دھوم تھی۔ خود میان الماس علی خان صاحب کے دیوان اور رئیسانہ حیثیت رکھتے تھے، بڑے بیٹے چکلہ دار تھے، چھوٹے دو بیٹے سلطنت اودھ مین ناظم تھے۔ طرفین کے مہاراجہ ٹکیت رائے اور مہاراجہ جھاؤ لال ایسے معززین شاہی سے خاص مراسم تھے، بدین وجوہات انھین سب طرح کی حکومت حاصل تھی۔ قرب جوار کے رئیس، زمیندار، نمبر دار، مہاجن وغیرہ سب اِن کی خوشامد کیا کرتے تھے۔ الغرض دیوان جی اُن خوش قسمت بزرگون مین سے تھے، جنھین پرمیشر کے فضل سے ہر طرح کا سامانِ عیش و آرام میسّر ہونے کے ساتھ ساتھ تین لائق فائق بیٹون[1] کا دیدار بھی نصیب تھا۔

روشن لال صاحب کی یادگارین برائے نام پختہ مکان، دو پختہ کنوئین (مکان کے متصل) شکستہ تالاب، دو شیوآلے، باولی کنوان، ویران گنج، شکستہ سرا و مسجد، پورہ روشن لال۔ ان کی قبر پختہ تالاب کے اُتر جانب کچھ فاصلہ پر شیوآلہ سے متصل ایک پختہ حلقہ مین واقع۔ (محرران)

لالہ درباری لال صاحب چکلہ دار

دیوان روشن لال صاحب کے فرزندِ اوّل، فیاض اور منتظم رئیس و تعلقدار، بہ عہدِ نواب آصف الدولہ بہادر باڑی و بسوان کے چکلہ دار تھے۔ دل مین حب الوطنی کا جوش تھا، طبیعت رفاہِ عام پر مائل تھی، اس لیے اِنھون نے اپنی کل کمائی ایک عالی شان کٹرے کی تیاری مین صرف کر ڈالی اور بالکل سادی اور معمولی حیثیت سے زندگی بسر کی کٹرہ کا نام اپنے ولی نعمت کے آبائی لقب پر نواب گنج رکھا تھا جس مین ایک شاندار سرا بھی تھی اور قابلِ دید بازار بھی قائم تھا۔ والد کی وفات کے چند روز بعد انتقال کیا۔ اولاد مین صرف ایک لڑکی۔

لالہ مہی لال صاحب ناظم

دیوان روشن لال صاحب کے فرزندِ دوم، رئیس و تعلقدار، دورِ آصفی مین نظامت کے اعلیٰ عہدہ سے

---

[1] بعض لوگون کا بیان ہی کہ دیوان روشن لال کے کوئی اولاد نہ تھی، اُنھون نے اپنے بھانجون درباری لال، مہی لال، سیوک رام کو متبنیٰ کیا تھا لیکن "دیشت نامہ بسنت رائے" کے صفحہ ۱۹ مین یہ عبارت تحریر ہے: "لالہ مہی لال درباری لال خلف دیوان روشن لال دریا آباد" اس سے بیان مذکور خلافِ واقعہ اور غلط معلوم ہوتا ہے۔ اگر درباری لال وغیرہ اولادِ غیر ہوتے تو قدیم اصول کے مطابق بجائے "خلف" کے "متبنیٰ" کا لفظ لکھا جاتا۔ اگلے زمانے کے لوگ اس قسم کی باتون کو ظاہر کر دیتے تھے ۱۲۔

سرفراز، وطن پرست ہونے کے علاوہ بڑے فیاض اور مخیّر بھی تھے۔ انھون نے ایک کٹرہ آباد کرکے اُس مین عمدہ بازار بھی قایم کیا تھا، اور پختہ سرا بھی بنوائی تھی۔ تا زندگی غریبون اور محتاجون کی امداد کرتے رہے۔

اِن کی لکھی ہوئی ایک دستاویز مین یہ عبارت رقم ہے:۔ آنکہ مبلغ دوصد و پنجاہ و سہ روپیہ سکہ چلن کہ نصف آن یک صد و بست و شش روپیہ ہشت آنہ میشود از بیشں پانڈے شیورام دکاشی ناتھ مہاجن ساکن دریاآباد بمانضامنی لالہ مہری لال قرض گرفتہ بابت قسط چہارآنی تعلقہ لال پور وغیرہ داخل سرکار نمودہ شد اقرار آنکہ مبلغ مرقوم معہ سود بحساب سوا نیز دو روپیہ ماہانہ بمیعاد یا نزدہ روز بلا عذر ادا کردہ خواہد شد ہیچ عذر حیلہ نخواہد آمد بنابراین چند کلمہ بطریق تمسک نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال سند باشد۔ فقط (مہر مہی لال) تحریر فی التاریخ چہاردہم شہر رجب المرجب مطابق اگھن بدی یکم روز جمعہ سنہ ۱۲۵۱ ہجری مطابق سنہ ۱۲۴۳ فصلی"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ناظم صاحب اب سے ۸۸ برس قبل موجود تھے اور وہ باوجود تعلقہ لال پور کے مالک ہونے کے اپنی بدانتظامی و فضول خرچی کے باعث اِس قدر تہیدست رہتے تھے کہ جب ایک دفعہ دوسو ترپن روپیہ دستاویز لکھ کر مہاجن کے یہان سے قرض لیا گیا تب سرکاری مالگذاری ادا ہوئی۔

تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ لالہ درباری لال صاحب کے مرتے ہی ناظم صاحب کی غفلت و ناعاقبت اندیشی سے قریب قریب کل علاقہ انھین کی زندگی مین زیربار ہوکر غیرون کے قبضہ مین آچکا تھا۔ جہیز والے دو گاؤن فروخت ہونے کے بعد پرگنہ دریاباد کے متعلق لال پور، کعبلوتہ، اندر پور، نعمت پور، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے یہان رہن کیے گئے تھے جو واپس نہین ہوئے اور میان گنج رائے صاحب کے یہان بیچڈالا گیا تھا، باقی مواضعات پر دیگر اشخاص ذریعہ بیعنامہ قابض ہوگئے تھے۔ مہی لال صاحب کے مرنے پر اِن کے بیٹے بھیا ہرپرشاد نے جو کچھ حیثیت باقی رہ گئی تھی (یعنی کٹرہ مہی لال و درباری لال و بازار سیوک رام کے متعلق پھاٹک، پختہ دو کانون، سراؤن کی اینٹین اور کڑیان، قیمتی پارچے، شال دوشالے دریان، قالین طلائی زیورات، ظروف نقرہ و مسی، ہاتھی، گھوڑے وغیرہ) اُس پر ہاتھ صاف کرکے کٹرہ روشن لال کی دوکانون کے کرایہ پر گذر اوقات کی ٹھہرائی۔ ہرپرشاد کے لڑکے لالتا پرشاد و شنکر لال کے وقت مین کٹرہ کی نصف شہر پناہ معہ سرا تلک رام کلوار نے ذریعۂ نیلام کھدوا کے اپنا قرضہ وصول کیا، نصف کٹرہ یون تباہ و برباد ہوا، اور نصف کٹرہ بیع و قرض کے ذریعہ سے راجہ صاحب ٹہرا کے قبضہ مین آگیا۔ موجودہ مکان جو برائے نام باقی رہ گیا ہے، اُس کا کچھ حصّہ ذریعۂ رہن راجہ صاحب ٹہرا کے قبضہ مین ہے اور کچھ حصّہ محفوظ، جس پر شنکر لال کی اولاد مین شمبھر دیال اور اُن کے رشتہ دار لالہ رامدت تاحال قابض، مگر بیع کی فکر مین مستغرق۔ شمبھر دیال آر۔ ایم۔ یس مین سارٹر ساٹھ روپیہ مشاہرہ بنارس سکونت۔ لالہ رامدت پنشن یافتہ، بہرایچ سکونت۔ (محرران)

شیخ فضل علی صاحب چکلہ دار

ازخاندانِ شایق دریابادی، بڑے خوش نصیب، شجاع، اُلوالعزم رئیس ہونے کے علاوہ شاہی الطاف سے سرفراز چکلہ داری کے عہدہ پر فائز۔ اچھی خاصی زمینداری تھی، کئی ایک مواضعات قبضہ مین تھے، سربرآوردہ

رئیسون مین شمار تھا۔ شیخ مدت علی صاحب کے نامی بیٹے تھے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے سے غازی الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے عہدِ حکومت تک چکلہ داری پر ممتاز رہے۔ غالباً اب سے پون صدی قبل بہ قیدِ حیات تھے۔ ان کا مکان اُس مقام پر تھا، جسے آج کل رام کا چبوترہ کہتے ہین۔ یہ مکان ایک عالی شان عمارت تھی، جس مین دیوانخانہ، بارہ دری وغیرہ نامون کی کئی ایک عمدہ عمارتین شامل تھین۔ اس مکان کے بیرونی حصّہ کا شکستہ پھاٹک راقم الحروف نے خود دیکھا ہے، جو اب سے ۳۰ برس قبل موجود تھا۔ جگاتی املی کے پاس ہی، جہان آج کل بھورجی کا مکان ہے، شیخ صاحب کی ایک نفیس مسجد تعمیر تھی، اور پختہ امام باڑہ بھی بنا ہوا تھا۔

چکلہ دار صاحب کی وفات کے بعد اگلی حیثیت ایک افسانہ ہوگئی۔ اِن کے بیٹے شیخ نعیم اللہ نے کُل موضعات بیچ ڈالے، مکان کس مپرسی کی حالت مین منہدم ہوکر بے نام و نشان ہوگیا۔ نعیم اللہ نے لاولد وفات پائی۔ (ٹھٹھکانی ٹولہ)

راجہ بھوانی پرشاد صاحب

شری واستو یہ دوسرے کائیتھ چھتری ورن، معروف بہ پانڈیہ الموڑھا،[۵] پردھان تلوکچندی، از نسل مہاراجہ تلوکچند سریر آرائے سلطنتِ دہلی)، لالہ کُمار سنگھ صاحب کے بڑے بیٹے، نامی گرامی رئیس، سلطنتِ اودھ کے وزیرِ مال، راجگی کے خطاب سے سرفراز۔

راجہ صاحب کے بزرگ الموڑھا کے رہنے والے راج کمایون کے وزیر تھے۔ جس وقت وہان کے راجہ سُکھونت (مہاراجہ بکرم کے کئی صدی قبل) راجہ جے پال کے وقت مین دہلی پر حملہ آور ہوئے تو وہ بھی اُن کے ہمراہ دادِ شجاعت مین مصروف تھے۔ جنگ مین راجہ جے پال عُرف راج پال کو شکست ہوئی اور راجہ صاحب ممدوح سلطنت دہلی کے مالک ہوگئے۔ اس خوشی مین بصلۂ خیر خواہی راجہ سُکھونت کے دربار سے اُنھین بہرائچ کی راج جاگیر مین عطا ہوئی اور اس سلسلہ مین اُنھون نے الموڑھا قدیم وطن ترک کرکے بہرائچ مین رہنا اختیار کیا۔ چونکہ یہ بزرگ شراب و گوشت سے قطعی محترز تھے اس لیے پانڈیہ الموڑھا کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس خاندان مین کئی پُشتون کے بعد راجہ تلوک چند بہت بڑے نامی گرامی اور اقبالمند راجہ ہوئے جنھون نے سنہ ۶۴۳ بکرمی مطابق ۵۸۶ء مین راجہ بکرم پال والی دہلی کو شکست دیکر ہندوستان کی حکمرانی حاصل کی، جس نے تمام قلمرو مین ایک مدت تک فتح و ظفر کا ڈنکا بجانے کے بعد بہت بڑی خونریز فوج لیکر بہرائچ پر چڑھائی کی تھی۔ مہاراجہ بہادر نے آخر زمانہ مین مذہب بودھ قبول کرلیا تھا۔ دو برس سلطنت کرکے ۹۸ سال کی عمر مین عالم جاودانی کی راہ لی۔ اُن کے بعد بکرم چند، کرم چند، کان چند، رامچند، ادھر چند، کلیان چند، بھیم چند، گوبند چند آٹھ راجے یکے بعد دیگرے دہلی کے تخت پر بیٹھے۔ آخری راجہ گوبند چند کی وفات پر چونکہ اُن کے بیٹے کنور بھان چند صرف چند مہینے کے تھے، اس لیے اُن کی زوجہ محترمہ مہارانی پریم دیوی مسندنشین ہوئین۔ لیکن، وزیرون کی

[۵] جن کائستھون نے مذہب بودھ اختیار کرلیا تھا وہ شراب و گوشت سے پرہیز کرنے کے باعث پانڈیہ، پردھان، ارادھا نجھی کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے، جس کا سلسلہ اس وقت تک قائم ہے۔ ۱۲

نمک حرامیون سے تنگ آکر ایک ہی سال کے بعد ۳۲ء میں دہلی کا تخت چھوڑ دیا اور قدیم و موروثی راج بہرائچ میں قیام فرمایا۔ اس طرح قریباً ڈیڑھ سو برس کے بعد مہاراجہ تلوک چند کا خاندان تخت دہلی سے محروم ہو گیا۔ کنور بھان چند کی آٹھوین پشت مین راجہ بھگونت سین بڑے بہادر راجہ ہوئے۔ اُن کے وقت مین سید سالار مسعود غازی نے بہرائچ پر حملہ کیا لیکن مسلمانون کو شکست اور راجہ صاحب کو فتح نصیب ہوئی اور سید سالار مارے گئے۔ راجہ بھگونت سین بھی اِس جنگ مین کام آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان لوگ ہندوستان پر حملہ آور ہو رہے تھے اور ہندوؤن کو جبراً مسلمان کر ڈالتے تھے۔ اِس خوف سے اُن کے بیٹے رائے بھوپ سین صاحب بہرائچ کا راج پاٹ چھوڑ کر اجودھیا مین سکونت پذیر ہو گئے اِن کی اولاد مین رائے کھڑگ سین سمبت ۱۶۰۹ بکرمی مطابق ۱۶۲۹ء مین ریاست ہلدی (ضلع رائے بریلی) کے نائب ہوئے۔ اُن کے پوتے راجہ رام ہنسداس، نبسی دھر، ہردے رام۔ اول الذکر دونون صاحب ۱۶۷۱ء کے بعد قصبہ انھونہ (رائے بریلی) مین آباد ہو گئے، نبسی دھر لاولد فوت ہوئے، ہردے رام کے بیٹے چھترپتی نے لکھنؤ چھوڑ کر دریاباد مین سکونت اختیار کی جو مرار سنگھ صاحب کے دادا اور راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے پردادا تھے[۵]۔ اس سے صرف یہی نہین ثابت ہوتا ہے کہ راجہ صاحب بہت بڑے معزز خاندان مین سے تھے اور اِن کے بزرگ بے مثل شجاع اور سلطنتِ دہلی کے فرمانروا تھے، بلکہ اِس امر پر بھی گہری روشنی پڑتی ہی کہ کائستھون کے اقبال کا آفتاب بھی کسی وقت نصف النہار پر تھا، جبکہ اِن مین اصلی شان موجود تھی۔ یعنی کائستھ لوگ چھتری ورن ہونے کی وجہ سے اب سے ہزار بارہ سو برس قبل راجپوتی آن بان، راجپوتی جوش، راجپوتی دلیری و شجاعت کے ساتھ ساتھ شاہانہ جاہ و جلال رکھتے ہوئے کشور کشائی و ملکی فرمانروائی مین باعدل و انصاف مصروف ہو کر چار دانگِ عالم مین مشہور رہتے تھے۔

پشت نامہ خاندان لبسنت رائے (منشی ماتا پرشاد صاحب مرحوم وکیل کے بزرگوار) کی یہ عبارت "تفصیل نبس سماندہان کہ مشارالیہ در قصبہ دریاآباد بخانہ لالہ ہلاس رائے تربیت رائے خوشباش ال پردہان تلوکچندی منسوب شدند"، ظاہر کرتی ہے کہ راجہ صاحب کے خاندان سے منشی ماتا پرشاد صاحب مرحوم کے بزرگون سے رشتہ داری قایم تھی لیکن "تاریخ پانڈیہ الموڑھا" مین راجہ صاحب کے خاندانی سلسلہ کی فہرست اِن نامون سے خالی نظر آتی ہے تاریخی شجرہ مین ہردے رام کے بیٹے کا نام چھترپتی اور پوتے کا نام بھاگ مل درج ہی۔ بھاگ مل کے مرار سنگھ اور ایک بیٹی اور مرار سنگھ کے چار بیٹے، ایک بیٹی تھی۔ اِن لڑکیون کی شادیان دوسری جگہون مین ہوئی تھین۔ چونکہ یہ بزرگ تلوک چندی کائستھ اور دریاباد کے نئے باشندے (خوشباش) تھے، جہان آج تک کوئی دوسرا پانڈیہ یا پردھان تلوکچندی کائستھ نہین سُنا گیا، اِس لئے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہی کہ ہلاس رائے و تربیت رائے انھین بزرگون کے مشہور نام ہونگے، جن کی تشریح شجرہ مین سہواً نہین درج ہو سکی اور اسی طرح دیگر لڑکیون کے نام بھی لکھنے سے رہ گئے پشت نامہ مذکور بابو کالکا پرشاد صاحب عرف دُلارے کے پاس موجود ہے۔

راجہ بھوانی پرشاد صاحب پہلے شاہی متصدیون مین ملازم ہوئے، چند روز کے بعد بخشی گری پر مامور ہو کر

---

۵ ماخوذ از ماہی جنتری کاپور، سیر المتاخرین، اودھ کا بیان، خلاصہ تواریخ، تاریخ پانڈیہ الموڑھا ۱۲۔

اپنے فرائض منصبی نہایت ایمانداری و دیانت داری کے ساتھ انجام دینے لگے- ایک ہی سال کے اندر نواب سعادت (۱۲۱۲ھ-۱۲۲۹ھ)
علی خان بہادر نے اِن کی علمی قابلیت و فطری دانائی اور حسنِ کارگذاری پر خوش ہو کر اُنھیں دیوانگری کے معزز عہدہ
پر سرفراز فرما کے خلعت فاخرہ سے ممتاز فرمایا اور ساتھ ہی اِس کے خطاب راجگی بھی مرحمت ہوا- بعدِ وفاتِ نواب صاحب
بہادر ممدوح غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہدِ حکومت میں بھی یہ اُسی عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے "خلاصہ تواریخ
پانڈے المورڈھا" (مولفہ منشی سنگت پرشاد صاحب طع لکھنوی، مطبوعہ مطبع مظہر العجائب لکھنؤ ۱۸۹۲ء، صفحہ ۱۳۲ اضافہ
کیفیت) سے ثابت ہوتا ہے کہ راجہ صاحب کو راجگی کا خطاب معہ عہدۂ دیوانی غازی الدین حیدر شاہِ اودھ (۱۲۲۹-۱۲۴۳ھ)
نے عطا فرمایا تھا- لیکن، بوستانِ اودھ (مولفہٗ راجہ دُرگا پرشاد صاحب مہر تعلقدار سندیلہ صفحہ ۴۴) میں لکھا ہے کہ "نواب
سعادت علی خان بہادر نے اِن کی دیانت داری پر خوب اعتماد کر کے اُنھیں عہدۂ نظامت سے سرفراز فرمایا تھا- بعض
بزرگوں کی زبانی یہ بھی سُنا گیا ہے کہ راجہ بھوانی پرشاد صاحب دورِ آصفی میں بخشی، نواب سعادت علی خان بہادر کے
زمانے میں ناظم اور غازی الدین حیدر بادشاہ کے وقت میں دیوان عام رہے- راجگی کا خطاب بھی اسی عہد میں عنایت ہوا تھا
دربار میں اِن کا نام نکٹے راجہ کے لقب سے مشہور ہے، جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اِن کے
کسی دشمن نے اِن پر حملہ کیا تھا، مگر یہ صاف بچ گئے، صرف ناک ذراسی زخمی ہو گئی تھی، جس کا نشان زندگی بھر قائم
رہا- یہی وجہ تھی کہ لوگ اُنھیں "نکٹے راجہ" کہتے تھے- بعض بزرگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک یہ بخشی رہے، تب تک نکٹا
بخشی اور راجگی کا لقب حاصل ہونے پر نکٹے راجہ مشہور ہوئے- لکھنؤ میں اُس وقت یہ الفاظ زبان زد عوام تھے "نکٹا
بخشی، سِڑی نواب" نکٹا بخشی بھوانی پرشاد، اور سڑی نواب، سعادت علی خان بہادر تھے"- لیکن، اِس افواہ کی کچھ
اصلیت نہیں پائی جاتی، جو بالکل خلافِ واقعہ ہے- کیونکہ تاریخوں میں نواب سعادت علی خان بہادر کو بہت مُدبر منتظم
اور نہایت عقلمند لکھا ہے- اور راجہ بھوانی پرشاد کا دربارِ شاہی میں باریاب ہو کر اراکینِ سلطنت میں شامل ہونا اِس
بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ نکٹے نہ تھے- ظاہراً یہ کارروائی اُن بدمعاشوں، خود غرضوں اور حرام خواروں کی معلوم ہوتی ہے
جو راجہ ٹکیت رائے اور نواب آصف الدولہ بہادر کی فیاضی اور سیر چشمی سے مالامال ہو کر ہر شب شب برات اور ہر روز
عید کا لطف اُٹھاتے تھے- مگر نواب سعادت علی خان بہادر اور راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے وقت میں دُودھ کی
مکھی کی طرح دربار سے نکال دئے گئے تھے- راجہ صاحب زبردست اہل و عیال والے تھے، راجہ ٹکیت رائے صاحب
کی طرح جن کے آگے پیچھے کوئی نہ تھا، کیونکر زربخشی پر آمادہ ہوتے؟ اور نواب صاحب بہادر کو اِس بات کا قلق تھا
کہ ہائے آدھا ملک نگل گیا! وہ دن رات اِس فکر میں مستغرق رہتے تھے کہ کسی طرح روپیہ جمع کر کے ملک سرکار انگریزی
سے واپس لیجئے- چنانچہ بہت جلد ۷ کرور روپیہ اُنھوں نے جمع کر لیا تھا- ایسی حالت میں نواب صاحب ممدوح نواب آصف
الدولہ بہادر کے مانند گہر پاشی اور زر پاشی میں کس طرح مشغول ہوتے؟ جن کی ہمت عالی اسی مشغلہ کو نظام سلطنت کا
ایک جزوِ اعظم اور زندگی کا خاص مقصد قرار دے چکی تھی- اگر راجہ صاحب نکٹے اور نواب صاحب سِڑی ہوتے تو راجہ
درگا پرشاد صاحب مہر اپنی تاریخ "بوستانِ اودھ" میں ضرور تحریر فرماتے جنھوں نے نواب آصف الدولہ بہو بیگم الماس علیخان

ٹکیت راے وغیرہ مشہور فیاضون کی بابت ایک ہجو آمیز قطعہ لکھنے سے دریغ نہ فرمایا، جو اُس وقت لکھنؤ مین بہت مشہور اور زبان زد عوام تھا اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہی خواہان سلطنت ان بزرگون کی فیاضی سے خوش نہ تھے۔ مہر صاحب نے راجہ بھوانی پرشاد صاحب کو ستدین کا زندہ تحریر فرمایا ہے، برخلاف اِس کے راجہ ٹکیت راے کے غبن کی خوب قلعی کھولی ہے۔ الغرض راجہ صاحب نکٹے نہ تھے۔ ناک پر تلوار یا چاقو کے زخم کا نشان پڑ جانے کے باعث دریاباد کے مسخرون اور بیہودہ لوگون نے فضول انھین نکٹے راجہ کہہ کر بدنام کر دیا تھا۔

راجہ صاحب آغازِ جوانی مین بیجا عیش و عشرت پر مائل ہو گئے تھے۔ مگر چند ہی روز کے بعد طبیعت راہِ راست پر آکر سنبھل گئی تھی۔ خلیق، ملنسار، دلیر، خوش شرو، بامروت، ذی علم، با وضع بزرگ تھے۔

اِن کی دو شادیان ہوئی تھین۔ تین بیٹے تھے۔ کنور راجہ دھیا پرشاد و مصری لال، ہمت بہادر جن کی اولاد فیض آباد، راے بریلی، کانپور، بلرام پور مین تاحال موجود۔

بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ صاحب شاہی دیوان ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی خاصی رئیسانہ حیثیت بھی رکھتے تھے۔ نعمت پور، بھلونہ، لال پور، میر نگر وغیرہ سات آٹھ مواضعات کے مالک تھے۔ اِن کے یہان دولت کثیر تھی۔ اِنکے مرنے کے بعد اِن کے بیٹون نے اشرفیان ترازو مین تول تول کر باہم تقسیم کی تھین۔ علاوہ نقد روپیہ کے مرصع زیورات، قیمتی شال دوشالے بھی بہت تھے۔ لیکھراج کے لڑکے بینی پرشاد نے ایک طلائی مرصع کنگن ایک مہاجن کے پاس گیارہ سو روپیہ پر رہن کیا تھا۔ رانی صاحبہ (راجہ صاحب کی بی بی) نے ایک شیر دہان کڑے کی جوڑی راجہ صاحب ہرا کے ہاتھ ایک ہزار روپیہ کو فروخت کی تھی۔ راجہ صاحب کے بیٹے خوش پوشاک ہونے اور قیمتی کپڑے پہننے مین دور دور تک مشہور تھے۔ روزمرہ پانچ روپیہ قیمت کا کامدار جوتا پہنتے تھے، مگر تقریبون یا دیگر موقعون پر سینکڑہ روپیہ قیمت والا زرین پاپوش استعمال کرتے تھے۔ ہمت بہادر نے ایک شادی کی تقریب مین خدمت گارون تک شال دوشالے تقسیم کئے تھے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ صاحب نے لاکھون روپیہ پیدا کیا تھا۔ مگر افسوس کہ انھون نے کوئی ایسی یادگار نہ قائم کی کہ آج اِن کا نام بھی دیوان روشن لال صاحب کی طرح فخر کے ساتھ لیا جاتا اور وطن والے اِن کے مشکور ہوتے۔

جب تک راجہ صاحب زندہ رہے، امیرانہ شان و شوکت بدستور قائم رہی۔ اِن کی وفات کے بعد اِن کی جائیداد باہمی نفاق کی وجہ سے اِن کے لڑکون مین غارت ہو ہو کر تقسیم ہوئی۔ زمین ناپی گئی، شال دوشالے مساوی حصہ کی غرض سے پھاڑے گئے، دریان۔ قالین۔ شطرنجیان وغیرہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹی گئین، زیورات توڑ توڑ کر ایک دوسرے کے حصے مین آئے، الغرض اسی طرح ترکہ کی ہر چیز ستیاناس کی گئی۔ اس حماقت آمیز باہمی تقسیم کے بعد اشرفیان خفیہ طور پر رہن ہونے لگین۔ ایک اشرفی دو تین روپیہ کے عوض رہن ہوئی، وہ مہاجن ہی کے پاس رہی، کہ دوسری اشرفی رہن کی گئی۔ اس طرح چند روز مین بلا حساب کتاب کُل زر نقد مہاجنون

ـــــــــــــــــــ

۵ اِن کے لڑکے مہراج بہادر کی شادی لکھنؤ کے مشہور رئیس و شاعر منشی جگناتھ پرشاد خوشتر کے یہان ہوئی تھی ۱۲۔

کے قبضہ مین آگیا اور اکثر معمولی آدمی دولت مند ہو گئے۔ جب خزانہ خالی ہو چکا تو، زمینداری کی نوبت آئی اور تھوڑے ہی دلنون مین ذریعۂ بیع تصرف مین آگئی۔ اب رہی جائیداد غیر منقولہ (عالی شان حویلی، باغات) اُسے راجہ صاحب کے پوتون نے تلف کر ڈالی۔ مکان کی ہر چیز (مثلاً اینٹین اور کڑیان وغیرہ) مٹی کے مول فروخت کی گئی اور باغات ذریعۂ بیعنامہ دوسرے کے قبضہ مین آگئے۔ خلاصہ یہ کہ بہت جلد کثیر دولت (یعنی نقد، خاص اشرفیان) وزیورات اور تمام جائیداد فروخت و تباہ ہو گئی اور اس طرح راجہ صاحب اور اِن کے بزرگون کا نام ونشان دریاباد سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا گیا۔

مرحوم بہت بڑے خوش نصیب تھے۔ ہر طرح اِن کا زمانہ موافق تھا کسی بات کی کمی نہ تھی۔ دھن، دولت، شان وشوکت، اعزاز و مرتبہ، اولاد وغیرہ سبھی کچھ میسّر تھا۔ یہ چار بھائی تھے اور چارون صاحب اولاد و متفق الرائے۔ تین بھائی الطافِ شاہانہ سے سرفراز، ایک بھائی گھر کے کاروبار مین مصروف۔ تاریخ پانڈے الموڑھا (راجہ صاحب کی خاندانی تاریخ) مین جو شجرہ چھپا ہے، اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ صاحب اور اِن کے تین بھائیون کی اولاد مین چودہ بیٹے، سترہ پوتے چار بیٹیاں، چھ پوتیان تھین جن کی مجموعی تعداد ۴۱ ہوتی ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ راجہ صاحب کے وقت مین اِن کا خاندان بہت عروج پر تھا اور اِن کے گھر مین غیر معمولی رونق رہا کرتی تھی۔ (محرران)

مرزا بُلاق بیگ صاحب

مرزا چغتائی، اصل نام حسن علی بیگ، سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب ناظم کے بیٹے، رعب دار، خوبصورت، بڑے سکلّے ٹھلّے کے اور نوک پلک والے رئیس تھے۔

حالاتِ خاندانی مرزا محمد یوسف بیگ (مطبوعہ اخبار دبدبہ سکندری پریس، ریاست رامپور ۱۹۰۸ء) مین لکھا ہے کہ "سردار مرزا بخش اللہ بیگ بہ عملداری نواب آصف الدولہ بہادر ملک قندھار سے آئے تھے اور بہ عہدہ نظامت ممتاز ہوئے۔ چونکہ علاقۂ نظامت قریب قصبۂ دریاباد تھا لہٰذا معہ اپنے قبائل کے دریاباد مین قیام کیا اور علاقۂ تشنداس پور وغیرہ معہ دریاباد[۵۱] خرید کیا۔" واجب العرض تشنداس پور سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا بخش اللہ بیگ صاحب نے ۱۱۶۵ فصلی مین تشنداس پور معہ دیگر دیہات کے ٹھکرے کائستھون سے خرید کیا تھا۔ یہ زمانہ نواب شجاع الدولہ بہادر کے عہد حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اس سے قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ سردار صاحب نواب ابو المنصور خان صفدر جنگ کے زمانے مین آئے ہونگے اور اُنھین کی بیجد مہربانیون سے نظامت کے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہو کر شجاع الدولہ بہادر کے شروع زمانہ مین علاقہ حاصل کیا ہوگا۔ سُنا جاتا ہے کہ سردار صاحب نے ایک بہت بڑا موضع جو نظامت بہرائچ کی تعیناتی کے وقت قبضہ مین تھا، اور جس مین کئی ایک دیہات شامل تھے، سید سالار مسعود غازی کی درگاہ مین وقف کر دیا تھا۔ اسکی تصدیق درگاہِ شریف کے اندرونی دروازہ کے ایک کتبہ[۵۲] سے ہو سکتی ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سردار صاحب

۵۱ صرف ٹھکرے کائستھون کے مقبوضہ سکنے۔ مولف ۵۲ کتبہ مین فارسی کا یہ قطعہ کندہ ہے۔ قطعہ باعتقاد نیازت بنام بخش اللہ ؛ گزشت از سر تو فیر موضع درگاہ ہمود نذر جناب سعید پاک شہید ؛ بہمہ وجوہ زد بہا شان معانی جاہ ؛ اگر کسے متعرض شود ازان دیہات ؛ علیہ تا بقیامت مدار لعن اللہ ۱۲

اُس مکان مین رہتے تھے جو آج کل مرزا محمدؐ یوسف بیگ صاحب کے قبضہ مین ہے۔ اِس مکان کا مشرقی حصّہ (زنانخانہ) لالہ بدھی لال صاحب کھرے کائستھ کا ذاتی مکان تھا جسے سردار صاحب نے اُن سے خرید کر کے ضروری ترمیم کے بعد بارہ دری وغیرہ بنواکر اُسے ایک وسیع اور شاندار امیرانہ عمارت کی صورت مین تبدیل کر دیا تھا۔ نواب آصف الدولہ بہادر نے ایک مرتبہ اس بارہ دری مین دعوت کھائی تھی، جو مرزا بخش اللہ بیگ صاحب کی اِستدعا پر قبول کی گئی تھی۔ نواب صاحب ممدوح مرزا صاحب پر خاص مہربان تھے۔ اُس وقت کے چند برتن مرزا صاحب کے خاندان مین مرزا ببّن صاحب کے پاس اب تک موجود ہین۔ یہ ظروف چینی کے ہین، جو نہایت نفیس اور خوبصورت بھلدار دیکھنے کے قابل ہین۔ سردار صاحب کے بعد اُن کے بیٹے مرزا اُبلاق بیگ صاحب نے اپنے داماد مرزا نیاز بیگ صاحب کو یہ مکان بخشدیا تھا۔

ایک دستاویز سے پتا چلتا ہے کہ مرزا اُبلاق بیگ صاحب ۱۲۱۷ھ کے قبل تعلقہ کے مالک ہوچکے تھے اور ۱۲۱۷ھ سے علاقہ زیر بار ہونے لگا تھا۔ واجب العرض تشندلاس پور سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے ۱۲۴۹ فصلی مین اپنا کُل تعلقہ رائے سورج بلی صاحب تعلقدار رامپور کے پاس صرف گیارہ ہزار پچاس روپیہ کے عوض رہن کر دیا تھا۔ اس سے اِن کی نفس پرستی اور ناعاقبت اندیشی ثابت ہوتی ہے۔

ان کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، مگر لڑکیاں چار تھین۔ ایک مرزا نیاز بیگ صاحب کو، دوسری مرزا تقی بیگ صاحب کو، جو سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب کے چچازاد پوتے تھے، تیسری اور چوتھی خواجہ مرزا کو بیاہی تھین۔ نے اپنی کل جائداد معہ مکفول شدہ زمینداری کے اِنھین لڑکیون مین بحصّہ مساوی تقسیم کر دی تھی۔

افسوس ہے کہ مرزا صاحب کے حالات اس سے زیادہ باوجود کوشش کچھ بھی نہ معلوم ہوئے۔ ناچار مندرجہ بالا چند سطرون پر قناعت کی گئی۔ آج کل اِن کے خاندان مین مرزا غفار بیگ صاحب عُرف ببّن بہ قید حیات (شغلہؔ ہین)

رائے ابھرام بلی صاحب

ماتھر کائستھ، چھتری ورن، دریاباد کے مشہور و معروف خاندان کے اعلیٰ رُکن، بڑے زمانہ شناس، اقبالمند، خوش نصیب، دانشمند، اور اُولوالعزم رئیس و تعلقدار تھے، جنھون نے اپنے قابلِ تعریف طرزِ عمل سے نہ صرف اپنے باپ دادے کا نام روشن کیا، بلکہ خاندان کی شہرت مین بھی چار چاند لگا دیے۔ ولادت تخمیناً ۱۲۰۷ فصلی مطابق ۱۷۹۹ء، وفات جیٹھ سدی پورنماشی ۱۲۸۷ فصلی مطابق جون ۱۸۸۰ء۔

اِن کے والد رائے سورج بلی صاحب بڑے عقلمند تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "وہ ایسے ہوشمند اور زیرک تھے کہ اُس وقت اُن کے برابر کوئی نہ تھا۔ دریاباد مین آدھی عقل اُن کے پاس تھی اور آدھی عقل مین تمام دریاباد کے باشندے شریک تھے"۔ لیکن، منشی رام اوتار لال صاحب[۵] کے بیان سے، جسے اُنھون نے اپنے دادا کی زبانی سُنا تھا، ظاہر ہوتا ہے کہ سورج بلی صاحب صرف دریاباد ہی مین عقلمند نہین مشہور تھے، بلکہ دریاباد، رُدولی، سورجپور

[۵] ساکن بھلسر، سابق مدرس مدرسہ جیول، حال دیوانِ ٹھاکر رام پال سنگھ صاحب رئیس سکرورہ ۱۲۔

تین پرگنون کے وسیع رقبہ مین بجز دو آدمیون کے تیسرا کوئی شخص اُن کا مدمقابل نہ تھا۔ اِن دو آدمیون مین سے ایک صاحب رُدولی کے تھے، دوسرے صاحب سورجپور کے۔ مذکورہ پرگنون کے متعلق ہر اہم معاملہ کا فیصلہ انھین تینون بزرگون کی باہمی صلاح و مشورہ پر منحصر تھا۔ یہ جو رائے تجویز کر دیتے تھے وہ نہایت معقول اور قابلِ عمل ہوتی تھی۔" سورج بلی صاحب نے اپنی فطری دانائی سے قدیم تعلقہ کو خوب وسعت دی۔ وہ دوراندیش بھی تھے۔ اُن کے وقت مین ریاست کمیار، رانی مئو، سکرورھا، ہنورا، بردولی، شاہ پور، دھنانوان، آٹا، پرسپور وغیرہ کے بہادر سرداروں سے از سر نو دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے، جو شاہی زمانے مین وقتاً فوقتاً اُن کی مدد کے لیئے تیار رہتے تھے۔ عمال شاہی بھی اُن کی اطاعت سے اُن کا دم بھرتے تھے۔ چیت سدی تیرس سنہ ۱۲۵۹ فصلی کو وفات پائی۔ یادگار مین گوپال مند اور پھلواری والا ٹھاکردوارہ (متصل ٹکیتی تال) جسے اب رائے راجیشر بلی صاحب نئے سر سے بنوا رہے ہین۔

واجب العرض تعلقہ رامپور و تاریخ تعلقداران اودھ سے پایا جاتا ہے کہ رائے صاحب کے مورث اعلیٰ رائے پرتھی راؤ بہ عہدِ محمد جلال الدین فیروز شاہ بادشاہ دہلی سنہ [illegible]ھ مین صوبہ دار اودھ کے ہمراہ محمود آباد آکر، جو اُس وقت حکام شاہی کا صدر مقام تھا، سکونت پذیر ہوئے اور ساتھ ہی اس کے صیغہ داری و قانونگوئی سے بھی سرفراز ہوئے۔ چونکہ اُس زمانے مین بھر قوم کا اِس طرف بڑا زور و شور تھا، اس لئے صوبہ دار صاحب نے رائے پرتھی راؤ کی مدد سے اس قوم کا خاتمہ کر کے امن و امان کی بنیاد قائم کی۔ اِس خیرخواہی کے صلہ مین صوبہ دار ممدوح کی سفارش سے ۳۶ مواضعات پرتھی راؤ کو دربارِ دہلی سے عطا ہوئے۔ لیکن چند روز کے بعد بدنظمی سلطنت کے باعث بھر قوم نے پھر سر اُٹھایا، جس نے پرتھی راؤ کے کل خاندان کو تہ تیغ کر کے تمام مواضعات پر قبضہ کر لیا۔ اُس خاندان سے صرف ایک حاملہ عورت بچ گئی تھی، جو رفقاء قدیم کی حمایت سے دہلی اپنے ماں باپ کے گھر پہونچی اور وہان نیما راؤ[5] پیدا ہوئے۔ بالغ ہونے پر اُنھون نے اپنی دانائی و حسنِ قابلیت سے دربارِ شاہی مین حاضر ہو کر اپنا آبائی منصب حاصل کر کے بہ عہدِ سلطان محمد مرزا بادشاہ سنہ ۸۴۳ھ مین دریا خان صاحب صوبہ دار کے ہمراہ آکر اپنے قدیم وطن محمود آباد کی سکونت اختیار کی۔ صوبہ دار موصوف نے بھر قوم کو خارج کر کے پھر نئے سر سے جملہ دیہات پر نیما راؤ کا قبضہ کرا دیا۔ اُس وقت دریاباد ایک جنگل[52] تھا۔ نیما راؤ کے مشورہ سے صوبہ دار صاحب نے جنگل کٹوا کے اپنے نام سے "دریاباد" آباد کیا اور بجائے محمود آباد کے اسے حکام شاہی کا صدر مقام قرار دیا۔ جنگل مذکور کا ایک بہت بڑا ٹکڑا نیما راؤ کو عنایت ہوا، جسے اُنھون نے آباد کر کے اپنی سکونت اختیار کی اور آباد شدہ حصہ "پٹی دریاباد" کے نام سے موسوم ہو کر تعلقہ کا ایک جزو تسلیم کیا گیا۔ بعد اُس کے نیما راؤ کی نسل والون نے رہن و بیع کے ذریعہ سے ۲۰ موضعے اور پٹیات حاصل کر کے ۵۷ مواضعات کا تعلقہ قائم کر دیا، جو اِس وقت تک برقرار و بحال ہے۔" ایک شاہی فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ نیما راؤ کی اولاد مین روپ چند و سندر داس کو چار سو بیگھہ پختہ اراضی بطور نانکار

[5] اِن کی ماں نے نیم کے ایک درخت کے جوف مین پناہ لی تھی اِس وجہ سے نیما راؤ نام رکھا گیا۔ سنا جاتا ہے کہ یہ درخت کیونلا پور مین تھا۔ ایسے حضرات کے خاندان والے اب تک اُس مقام کو بہت متبرک خیال کرتے ہین ۱۲

[52] راقم کو اس رائے سے اتفاق نہین۔ ملاحظہ ہو باب اول، ذکر دریاباد ۱۲۔

۱۰۲۵ھ مین شہنشاہِ جہانگیر کے دربار سے مرحمت ہوئی تھی نقلِ فرمان حسبِ ذیل ہی:۔

فرمان عالی شان چون بموجب اسناد حکام موازی چہار صد بیگہ زمین مزروع از پرگنہ دریا بادسرکار اودہ در وجہ نانکار روپ چند قانونگوئی پرگنہ مذکور مقرر بود درینولا سندر داس ولد مشار الیہ بدرگاہ خلایق پناہ حاضر آمدہ بنظر اشرف اقدس گذشتہ حکم جہا نمطاع آفتاب شعاع صادر شد کہ آراضی مذکورہ را بمواضع مقدمی او بشرط قبض و تصرف وجہ نانکار او مفوض و مقرر باشد کہ حاصلات آنرا فصل بفصل و سال بسال در وجہ معیشت خود خرچ و تصرف نمودہ بدعای دوام دولت بندگان حضرت استقبال میمودہ باشد می باید کہ حکام و عمال و جاگیر داران و کروریان حال و استقبال و استمرار و استقرار اینحکم اقدس اعلی کوشیدہ آراضی مذکورہ را مقرر داشتہ اصلا تغیر و تبدیل بدان راہ ندہند و ہر سالہ فرمان دیر دا نچہ مجدد طلب ندارند تحریر فی التاریخ فروردی الہی سنہ ۱۱؎

یہ فرمان لالہ انوکھے لال صاحب کے یہان موجود، آلہی سنہ شہنشاہ اکبر کی یادگار ہے ۔

گزیٹیر بارہ بنکی (۱۹۰۴ء) مین لکھا ہے:۔ ریاست رامپور کے تعلقدارون کا خاندان وہ خاندان ہے، جس نے گورنمنٹ اودھ کی کئی پشتون سے وفادارانہ خدمتین کی ہین ۔ وہ اِس بات کا اظہار کرتے ہین کہ رائے پرتھی راؤ ۸۰۰ھ مین جبکہ جلال الدین فیروزشاہ کے زمانہ سلطنت مین قانونگو مقرر کئے گئے تھے (لیکن تاریخی لحاظ سے یہ بات غیر ممکن ہی کیونکہ علاءالدین اُس زمانے مین بہت دنون تخت پر رہا) اودھ کے صوبہ دار کو اپنے ساتھ محمود آباد دیلگئے، اور وہان اُنھون نے بھارون کو شکست دینے مین بہت بڑی مدد دی، جس کے صلے مین اُن کو بطور انعام کے جاگیر ملی، جسے اُن کے بعد کے لوگون نے مختلف طریقہ سے بڑھایا۔ آٹھ یا نو پُشت کے بعد رائے سوبھا رائے ہوئے، جو کہ رام نگر کے چکلہ دار تھے اور جن کو رکیوارون سے لڑنا پڑا جنھون نے ادائیگی لگان سے انکار کیا تھا۔ سوبھا رائے اودھ کی تاریخ مین ایک بہت بڑے مشہور شخص گذر رہے ہین، نیز اُن کے پوتے سیتل پرشاد ناظم بھی۔ رائے ابدھوت سنگھ پسر سوبھا رائے بھی چکلہ دار تھے اور وہ نوگانون کی لڑائی مین مارے گئے، جس کے صلہ مین اُنکے بعد والے لوگون کو تین مواضعات بطور جاگیر اور ایک شاہی سند ملی۔ رائے سیتل پرشاد رکیوارون کی لڑائی مین سنہی کے قریب زخمی ہوئے تھے، جہان کہ اُنھون نے ریکوارون کو شکست دی تھی اور شاہ پور کا موضع بلا لگانی اُنھین ملا تھا۔ اُن کے بعد رائے ابھرام بلی ہوئے اور اُن کے بعد رائے نارائن بلی جنھون نے ۱۹۰۰ء مین رحلت فرمائی۔ رائے کا خطاب ۱۸۷۷ء مین موروثی تسلیم کیا گیا۔"

مختصر تاریخ اقوام الکائستھ دیر بھو وٹھاکر (مولفہ بابو گوپی ناتھ سنگھ صاحب ورما بی۔ اے بریلوی مطبوعہ اناتھ آلیہ پریس بریلی ۱۹۱۲ء، حصہ دوم، صفحہ ۱۵۲) مین تحریر ہے:۔ رائے ابھرام بلی تعلقدار رامپور کے یہان ۱۳ موضع اور ۱۱ پٹی ہین۔ گورنمنٹ سے رائے خطاب موروثی ہی ۔ اس خطاب کو شاہ اکبر نے دیا تھا۔ رائے نرائن بلی، رائے سوبھا رائے و رائے سیتل پرشاد اِسی دودمان کے رتن تھے اور رائے بہادر چندر بلی اور رائے راجیشور بلی او۔ بی۔ ای اِسی خاندان کے رتن ہین، ماخوذ از گولڈن بک آف انڈیا صفحہ ۵۷۴"

عرصہ سے یہ خاندان تین شاخون مین منقسم ہوگیا ہی ۔ اول شاخ مین رائے صاحب (از نسل سوبھا رام

عرف سوبھا رائے) دوسری مین پھاٹک اندر کے اصحاب (از اولاد درگا داس عرف درگداس) تیسری مین صاحبانِ متھرا نگر (از نسل مرار داس)۔ رائےصاحب کا خاندان اخلاق و تہذیب، خوش انتظامی، دوراندیشی، علمیت، دانشمندی، معاملہ فہمی، حکمتِ عملی، اتفاق باہمی، امیرانہ شان و شوکت، حکام رسی، عالی ہمتی وغیرہ صفات مین دور دور تک مشہور رہی۔ رائےصاحب کے یہان کی دھوم دھامی محفلین اور پُرتکلف دعوتین تسرادھ اور مکتب کی تقریبین بھی ایک خاص خصوصیت رکھتی ہین۔ اس قسم کی دعوتین صرف تعلقدار صاحب کی ولادت اور رسم قشقہ یعنی ٹیکے کے موقع پر یا تعلقدار صاحب کی بڑی بیٹی کی شادی کے وقت غیر معمولی اہتمام اور نہایت وسیع پیمانے پر کی جاتی ہین۔ اسی طرح رسم مکتب اور تسرادھ کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اُن کا تعلق بھی تعلقداری سے ہوتا ہے۔

رائے ابھرام بلی صاحب شاہی زمانے سے شروع انگریزی عملداری تک قانونگوئی کے عہدہ پر مامور رہے انتظام جدید کے وقت، جبکہ بصلہ خیر خواہی رائے کا لقب موروثی قرار پایا، خلعت ۞ عطا ہوئی، سندِ تعلقداری ملی، آنریری اسسٹنٹ کمشنری کے اعلیٰ عہدہ سے سرفراز ہوئے۔ اُس زمانے مین یہ عہدہ ہندوستانیو کے حق مین ہفت اقلیم کی سلطنت سے کم نہ تھا اور غالبًا اُس وقت تک ضلع مین کوئی بھی اس عہدہ سے فیضیاب نہ ہوا ہوگا۔ انھون نے بھی اپنی دانشمندانہ حکمت سے علاقہ مین بہت کچھ اضافہ کیا۔ بندوبست کے زمانے مین ابھرام بلی صاحب کے نام تعلقہ کا اندراج ہوا اور یہ ایکٹ (۱) کے اعلیٰ تعلقدارون مین نامزد کئے گئے۔ اُس وقت سے آج تک اِن کے خاندان والے رائے کے لقب اور بانفاظ تعلقدار کے نام سے مشہور و معروف ہین، جو بلحاظ اپنی غیر معمولی امیرانہ شان و شوکت کے ضلع بارہ بنکی کے علاوہ دیگر اضلاع کے نامی گرامی تعلقدارون سے کسی طرح کم نہین، جن کی قابل رشک ترقی، خاندان پروری، اور حیرت انگیز انتظامی قابلیت ایک خاص شہرت رکھتی ہی۔

انھین اپنے مذہب سے گہری عقیدت تھی، روزمرہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ آبائی وضع کے پابند، نہایت نیک، بڑے متحمل مزاج، رعایا پرور، خوش اخلاق اور ملنسار تھے۔ دوست و احباب، عزیز و اقارب سے دلی محبت رکھتے اور عالمون، پنڈتون کی اچھی طرح تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ دل مین تعصب کو دخل نہ تھا، ہندو مسلمان سب سے یکسان ملتے تھے اور دونون قومون کے لوگ ملازم تھے۔ ہندوؤن کی طرح مسلمان بھی معزز عہدون پر مامور تھے۔ جو عزت لالہ گوری شنکر صاحب دیوان ریاست کی تھی وہی اعزاز شیخ وارث علی صاحب (ساکن امیٹھی، ضلع لکھنؤ) مختار عام کا تھا۔ یہ دونون کارندے بھی ریاست کے اعلیٰ خیر خواہ اور اپنے مالک کے دل سے فرمان بردار تھے۔

اپنے والد کی طرح یہ بھی حکام رس تھے۔ شاہی زمانے مین چکلہ دار اور ناظم کو ضرورت کے وقت پورے طور پر مدد دیتے رہے۔ برٹش حکومت مین حکام انگریز کو اپنی خیر خواہانہ خدمتون سے ہمیشہ خوش رکھا۔

اپنے فرائض منصبی کا بھی انھین بہت خیال تھا۔ پہلے قانون گوئی کا کام کرتے تھے۔ بعد اُس کے انگریزی عملداری مین

۞ اِس خلعت مین ولایتی تلوار (کامدار میان)، میناکار نقرئی قبضہ سلفتہ ولایت) قیمتی دوشالہ، بجلی کا بکس (اکثر امراض کے دور کرنے کا آلہ) خوردبین، یہ چار چیزیں شامل تھین۔ بجلی کا بکس اور خوردبین اُس وقت ایک عجیب و غریب چیز تھی۔ دوشالہ و تلوار اِس وقت تک موجود ہ۱۲-

آنریری اسسٹنٹ کمشنری" کا اہم کام سپرد ہوا جسے انھون نے تا زندگی نہایت مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ انجام دیا۔ ریاست کا انتظام ان کے بچا رائے پرتاب بلی صاحب کرتے تھے۔

انھون نے اپنے والد کے قائم کیے ہوئے دوستانہ تعلقات کو جو ریاست کیار و رانی مئو اور بنیورا وغیرہ سے وابستہ تھے اپنی دانشمندی و خلوص سے ایسا مستحکم کر دیا کہ ٹھاکر اوتار سنگھ و شیر بہادر سنگھ وغیرہ ان کا دم بھرنے لگے۔ چنانچہ جب رائے صاحب اور سور جپور کے تعلقدار سے موضع دلونا کی بابت باہمی جنگ ہوئی تو ریاست کیار کے مشہور اور بہادر تعلقدار شیر بہادر سنگھ اور ٹھاکر اوتار سنگھ (تعلقدار رانی مئو) و ٹھاکر پرتاب سنگھ رئیس سکرور ھا نے معہ اپنے دوست و احباب ٹھاکر مرتنجے بخش سنگھ تعلقدار شاہ پور، ٹھاکر رگھبیر سنگھ تعلقدار دھنا نوان اور سرداران آٹا و پرسپور وغیرہ کے اعانت پر آمادہ ہو کر وہ داد شجاعت دی کہ سورج پور والون کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس لڑائی کے متعلق یہ بات بہت مشہور ہی کہ جنگ مین جس وقت بندوقون کی گولیان ختم ہو گئین اور سیسہ نہ میسّر آیا تو رائے صاحب نے بکشادہ پیشانی فوراً چھوٹی گولی کے روپیے، جو اُس وقت رائج تھے، خزانہ سے منگوا کر حکم دیا کہ انھین گولیون کے عوض استعمال کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک یہ روایت ضرب المثل ہی کہ "رائے صاحب نے دلونا کی لڑائی مین سیسہ کی گولیون کے بجائے چاندی کی گولیان چلائین" بھیا شیو رتن سنگھ صاحب اس امر کی تصدیق کرتے ہوئے بیان کرتے تھے کہ اس واقعہ کے بعد ہمارے اطراف مین دُور دُور تک شہرت ہو گئی کہ "رائے صاحب کے یہان دولت کی انتہا نہین ہی، اُنھون نے گولیون کے بدلے چاندی کا مینھ برسا دیا" پانچ چھ ہزار آدمیون سے زائد شریکِ جنگ تھا، اور آٹھ دس روز تک سخت معرکہ رہا، ہزارہا روپیہ صرف ہوا۔ اس سے رائے ابھرام بلی صاحب کی اُولوالعزمی اور دلیرانہ آن بان کے ساتھ ساتھ اُن کی دولت مندی پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہی کہ "رائے ابھرام بلی صاحب کے زمانے مین دو ہزار آدمیون کے لیے غلہ، ایندھن، مٹی کے برتن، تیل، دونے، وغیرہ ضروری سامان ہر وقت جمع رہتا تھا کہ ضرورت پر وقت نہ ہو۔ اہل برادری کے ساتھ ان کا برتاؤ نہایت اعلیٰ تھا، انکسار سے پیش آتے، مصیبت کے وقت خفیہ طور پر کافی امداد دیتے، دعوتون مین خود ہر ایک بھائی کے سامنے جا جا کر خوشامدانہ لہجے مین فرماتے کہ "بھائی صاحب! یہ چیز نہایت عمدہ ہی، اسے میری خاطر سے نوش فرما کر مجھے شکر گذار بنایئے"۔ اسی طرح خاندان والون پر بھی خاص نظرِ عنایت تھی۔ گھر مین بچے سے لیکر بوڑھے تک کے لئے امیرانہ عیش کا سامان مہیا رہتا تھا، کسی کو کسی بات کی تکلیف نہ تھی، اُن کی پرورش اور اُن کی خوشی سب سے مقدم سمجھتے تھے" اس سے اِن کی خاندان پروری، قومی ہمدردی، قومی محبت صاف طور سے آشکارا ہوتی ہے۔

رائے صاحب گورنمنٹ برطانیہ کے بھی خیر خواہون مین تھے۔ زمانہ غدر مین اِنھون نے بہت سے انگریزون کو اپنے مکان مین خفیہ طور پر پناہ دیکر اُن کی جان بچائی، غدر کے بعد ضلع کی کچہری اور پولیس وغیرہ کے لئے مکان سکونتہ کا ایک حصّہ دیدیا یہ کارروائی صرف چندروزہ تھی، دوامی نہین۔

---

۵ اگر رائے صاحب دب جاتے تو لڑائی نہ ہوتی۔ مگر ایسا نہین ہوا۔ ان کے یہان بھی اچھے اچھے باٹھک وغیرہ نامی سپاہی نوکر تھے جو بذات خاص بیس بیس آدمیون پر غالب آسکتے تھے ۱۲۔

رائےصاحب کے کتب خانہ مین نظم و نثر کے متعلق اُردو بھاشا زبان کی چند قلمی کتابین دیکھنے مین آئی ہین جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ رائے ابھرام بلی صاحب نے کوشش سے حاصل کی تھین؟ ان مین بعض کتابون سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خاص انھین کے لئے لکھی گئی تھین - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رائےصاحب کو فارسی کے زمانۂ عروج مین بھی اُردو و بھاشا ادب سے خاص دلچسپی تھی، جن کے قبل رائےصاحب کے خاندان مین کوئی بھی اُردو سے آشنا نہ تھا۔

بعض بزرگون کی زبانی سنا گیا ہے کہ ان کو عیش پرستی کا بھی شوق تھا۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر پائی - اولاد مین چھ بیٹے، مہراج بلی، بھگونت بلی، شنکر بلی، مہادیو بلی، بھینا تھ بلی، کدار بلی، سب لائق اور صاحب اولاد، جن مین مہراج بلی کے بیٹے نارائن بلی انھین کے سامنے پیدا ہو کر دس برس کے ہو چکے تھے - اس سے مرحوم کی قابلِ رشک خوش نصیبی ظاہر ہوتی ہے۔

رائے پرتاب بلی صاحب

رائے سیتل پرشاد صاحب تعلقدار کے فرزند سوم (بڑے بھائی سورج بلی صاحب تھے منجھلے آنند بلی صاحب)، رائے ابھرام بلی صاحب کے حقیقی چچا، اپنے خاندان کے سربرآوردہ ذی اختیار رکن، سیاہ و سفید کے مالک، بڑے بیدار مغز عالی حوصلہ، منتظم - ولادت تخمیناً ۱۲۰۰ فصلی مطابق ۱۷۹۳ء، وفات ساون سدی دوج ۱۲۷۰ فصلی مطابق آخر جولائی ۱۸۶۲ء۔

یہ تعمیرات کے بڑے شوقین، امیرانہ شان و شوکت کے دلدادہ اور فیاض بھی تھے - انھون نے بارہ دری، اکبر عالی شان صدر دروازہ، دیوانخانہ، فیلخانہ، اصطبل، جنوبی و شمالی پھاٹک وغیرہ عمارتین تعمیر کرا کے قدیم مکان کو ایک عظیم الشان رئیسانہ عمارت کی صورت مین منتقل کر دیا - اجودھیا جی مین عین سرجو کے کنارے دو منزلے دو پختہ مکان اور پختہ گھاٹ برج سمیت تعمیر کرائے، جن مین ایک[1] بدھیی جی کو منسکلپ کر دیا تھا - یہ دونون مکان مع گھاٹ ہنوز اب تک موجود ہین - لیکن، افسوس! کہ ریاست دالامکان ایک خاص[2] وجہ سے شکستہ اور ناگفتہ بہ حالت مین ہے - علاوہ اس کے دلمئو (ضلع رائے بریلی) مین گنگا کے گھاٹ کے متعلق چند سیڑھیون کی پختہ تعمیر جو آج کل شکستہ اور کس مپرسی کی وجہ سے بہت کچھ مخدوش ہو گئی ہے، اور پرتاب گنج، پائین باغ اور اُسکی بارہ دری بھی انھین کی یادگار ہے -

پرتاب بلی صاحب مخیر بھی تھے - انھون نے غربا کی پرورش کے لئے خیرات کا ایک خاص صیغہ قائم کیا تھا جس کا معمول یہ تھا کہ روزانہ صبح سے شام تک جس قدر پردیسی سادھو ڈیوڑھی پر آتے تھے اُن کو فی کس آدھ سیر پختہ آٹا، دال، معہ پیسہ بھر گھی، لکڑی، ظروف گلی کے دیاجاتا تھا - اگر کوئی سادھو کمبل یا رضائی وغیرہ یا تیرتھ جاترا کی غرض سے کچھ نقدی

---

[1] بعضون کا بیان ہے کہ بدھیی جی والامکان معہ پختہ گھاٹ کے پرتاب بلی صاحب کے بڑے بھائی آنند بلی صاحب نے بنوا کر بدھیی جی کو منسکلپ کر دیا تھا۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہین کہ آنند بلی صاحب ان تعمیرون کی بنیاد ڈلوانے کے تھوڑے ہی دن بعد قضا کر گئے تھے جنھین پرتاب بلی صاحب نے تیار کرا کے منسکلپ کر دیا تھا۔ [2] اس مکان مین عرصہ سے ایک پیپل کا درخت اُگ آیا ہے جس سے مکان بہت مخدوش ہو گیا ہے اور پیپل کے درخت کو بعض ہندو متبرک سمجھ کر کٹوانے سے مجبور ہین - علاوہ اس کے چند ہندو پختہ قبرین بھی ہین جو قبل تعمیر مکان یہان موجود تھین لیکن اُس وقت کچھ خیال نہین کیا گیا۔ اب طرح طرح کے شکوک پیدا ہو رہے ہین۔

کا سوال کرتا تھا تو وہ بھی پورا کیا جاتا تھا۔ قصبہ کے ہندو مسلمان محتاجوں کو ہر روز شام کے وقت ایک من یعنی چوبیس سیر پختہ جنس (چنے، جوار) تقسیم کی جاتی تھی۔

انھیں فنس کی سواری بہت پسند تھی۔ گندم رنگ، متوسط قد، دُبلے پتلے، آبائی وضع کے پابند تھے۔ روز مرّہ دھوتی، انگرکھا، نیچے شلوکہ، چوگوشیہ ٹوپی، نری کا جوتا، خاص موقعوں پر انگرکھے کے اوپر قیمتی ریشمی چکن، بڑے پائینچے والا مشروع کا پاجامہ، شملہ، زردوزی کفش پہنتے تھے۔ تخمیناً ۷۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ اولاد میں شیوراج بلی، رگھوناتھ بلی۔

رائے شیوراج بلی صاحب

عرف چھوٹے راجہ، رائے پرتاب بلی صاحب کے بڑے بیٹے، مخیر، رعب دار، خوبصورتی میں مشہور، امیر دل ذی حوصلہ بزرگ تھے۔ برادری سے بہت خلوص سے ملتے، عام طور پر بھی ملنسار اور خلیق تھے۔ ولادت تخمیناً ۱۲۳۵ فصلی مطابق ۱۸۲۷ء، وفات اگہن بدی دسمی ۱۲۸۵ فصلی مطابق نصف نومبر ۱۸۷۷ء۔

رائے پرتاب بلی صاحب کی وفات پر رائے ابھرام بلی صاحب کے زمانے میں جو ان کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے، ریاست کے کاروبار میں مشغول ہوئے، جسے انھوں نے نہایت جانفشانی اور حسن انتظام کے ساتھ تا زندگی انجام دیا۔ اپنے والد کی طرح انھیں بھی ریاست کے متعلق کسی کام کے بارہ میں صلاح و مشورہ کی ضرورت نہ تھی۔

رائے شیوراج بلی صاحب ریاست کے بڑے خیر خواہ تھے، انھیں کی بدولت تعلقہ قائم رہا، ورنہ تقسیم ہو جاتا۔ بزرگ لوگ شیوراج بلی صاحب کی تعریف کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ "جس وقت دریاباد میں پختہ بندوبست کی کارروائی شروع ہوئی تو انھوں نے بیان کر دیا تھا کہ "ہمارے یہاں اولاد اکبر تعلقدار ہوتی ہے لہذا تعلقہ کا اندراج ابھرام بلی صاحب کے نام ہو، ہم سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور نہ آئندہ کوئی حق حاصل ہوگا"۔ منشی کریم احمد صاحب صدر منصرم (منظورِ نظر کرنیل شمیر صاحب بہادر مہتمم بندوبست) نے شیوراج بلی صاحب کو بہت کچھ سمجھایا کہ "آپ کیا غضب کرتے ہیں؟ آپ کی اس کارروائی کا اثر تمام خاندان والوں پر خراب پڑیگا، مہربانی کر کے آپ اس بیان سے باز آیئے اور اپنے ساتھ خاندان والوں کو تباہ نہ کیجیے"۔ لیکن شیوراج بلی صاحب اپنے بیان پر ثابت قدم رہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمکو کچھ بھی اختیار نہیں، اگر رائے صاحب مکان سے نکال دیں تو ہم سوا اس کے کہ علیحدہ ہو کر بھیک مانگیں اور کوئی چارہ نہیں"۔ حاکم نے مجبور ہو کر ابھرام بلی صاحب کے نام تعلقہ کا اندراج کر دیا۔ یہی وجہ تھی جو رائے ابھرام بلی صاحب ان کا بہت بڑا لحاظ کرتے تھے۔ یہ جو چاہتے کرتے، مگر وہ کچھ مخبر نہیں ہوتے تھے۔ پختہ بندوبست ۱۲۷۲ فصلی مطابق ۱۸۶۴ء میں شروع ہوا تھا"۔

مولوی ثابت علی صاحب بیان کرتے تھے کہ مولوی ندیم صاحب رائے صاحب کے یہاں معلم گری پر مامور تھے۔ ایک مرتبہ ذرا سی بات پر ناراض ہو کر گھر چلے آئے، ان کے بلانے کے لئے شیوراج بلی صاحب خود مکان پر تشریف لائے اور بہت کچھ معذرت کی، مگر ندیم صاحب (دریابادی) نہیں گئے"۔ اس سے شیوراج بلی صاحب کی علمی قدردانی بخوبی ظاہر

ہوتی ہے۔

شیوراج بلی صاحب شانِ امارت کے شیدائی تھے۔ چنانچہ انھون نے مردانے کمرون اور بارہ دریون کے لئے قیمتی فرش، شیشہ آلات وغیرہ خرید کئے۔ شاندار جلوسی سامان فراہم کیا۔ قلمی آمون[1] اور میوؤن[2] کے باغات کی بنیاد ڈالی۔ سیر و تفریح کے لیئے عمدہ پھلواری تیار کرائی، جس سے نہ صرف ان کی یادگار قائم ہوئی، بلکہ ریاست کی شان دو بالا ہو گئی۔ شیشہ آلات مین چند بنیادی ہانڈیان ایسی بھی ہین، جو خاص جرمن کی ایجاد اور بجیروالی کھینچ کی ہانڈیان کہلاتی ہین اس قسم کی ہانڈیان اُس زمانے مین ایک عجیب و غریب اور بیش قیمت چیز خیال کیجاتی تھین اور غالباً ہمارے اطراف مین ان سے بیشتر ایسی ہانڈیون کو کسی نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ شیوراج بلی صاحب دل بزرگ ہین جنھون نے اب سے نصف صدی قبل اپنے ہم وطنون کو جرمنی صنعت کی روشنی سے آگاہ کر دیا تھا۔ اسی طرح پانی نکالنے کی ولایتی مشین بھی انھین کے دم سے اُس وقت دریاباد مین استعمال کی گئی تھی، جبکہ عام طور پر ہندوستان مین لوگ اس کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ مشین اور اس کے متعلق نل، جرمنی ہانڈیان رائیصاحب موصوف کلکتہ سے خرید کر لائے تھے۔ غدر کے بعد امن و امان قائم ہونے پر جس وقت کلکتہ مین بہت بڑے اہتمام کے ساتھ شاہی دربار منعقد ہوا تھا تو رائے ابھرام بلی صاحب کے ہمراہ یہ بھی شریکِ دربار ہوئے تھے اور اسی سلسلہ مین یہ دلچسپ مغربی اشیاء انھون نے خرید فرمائی تھین۔

انھین زیادہ تر گھوڑے اور بُوچے کی سواری کا شوق تھا، فنس پر بہت کم سوار ہوتے تھے۔ تفریحی مشغلہ کے متعلق پتنگ بازی سے خاص دلچسپی تھی۔ رنگ برنگ کے خوبصورت پتنگ جاڑے کے موسم مین روز سہ پہر کے بعد اڑایا کرتے تھے۔ لیکن ان کو صرف پتنگ اُڑانے مین ملکہ تھا، لڑانے مین نہین۔ یہی وجہ تھی کہ یہ میان حاجی عبد اللطیف صاحب سے پتنگ بازی مین کبھی بیش نہین پاتے تھے، جو پتنگ بازی کے فن سے عدم وقفیت کی دلیل ہے۔

رائیصاحب آمون کے بھی بڑے شوقین تھے لیکن، یہ شوق ایک خاص لطف رکھتا تھا۔ برسات کے موسم مین اُمڈی ہوئی گھٹا دیکھ کر اکثر میان گنج جاتے اور اپنے دوست و احباب کو بھی ہمراہ لیجاتے، دن بھر وہان قیام رہتا، کھانے کا معقول انتظام ہوتا، انواع و اقسام کے آم باغون سے منگواتے، دوستون کو کھلاتے اور خود بھی کھاتے تھے۔ بستی مین شرفا کے گھرون پر عمدہ اور مزیدار آم فصل مین دو ایک مرتبہ بطور تحفہ ضرور بھیجے تھے۔ غریب بھی محروم نہین رہتے تھے اُنھین بھی آم تقسیم کئے جاتے تھے۔ اسی طرح فصلی میوے نارنگی، امرود، شریفہ، کیلے وغیرہ بھی ان کے حکم سے ہر سال برابر تقسیم ہوا کرتے تھے۔ دوستون کی خاطر داری اور سال مین کئی مرتبہ انھین پُر تکلف دعوتون سے خوش کرنا بھی ان کا ایک خاص وصف تھا۔ اس سے شیوراج بلی صاحب کی فیاض طبیعت کا حال اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔

دعوتون مین عین صدر دروازہ پر شیوراج بلی صاحب خود شراب کی بوتل اور پیالہ لیکر کھڑے ہوتے تھے قریب ہی خدمت گار میوؤن کی کشتی (گزک) لئے حاضر رہتا تھا۔ برادری کے جو صاحب تشریف لاتے، اُنھین یہ

---

[1] کمیار والی پختہ سڑک سے متصل واقع۔ اس باغ کے قریب ایک عمدہ پھوس کا بنگلہ بھی تھا جس کی دیوارین پختہ تھین ۱۲ [2] یہ دو باغ تھے، دونون مین قلمی آم اور میوؤن کے بکثرت درخت تھے ایک بلہری مین تھا، دوسرا میان گنج مین بلہری والا باغ ویران حالت مین موجود، مگر میان گنج والا عرصہ سے بے نام و نشان ۱۲

ایک جام شراب، پانسو روپے خدمت گار میوے کی کشتی پیش کرتا، پھر فرماتے "اب محفل مین چل کر ناچ دیکھئے" جب تک برادری کے کل اصحاب محفل مین نہ آ لیتے تھے، شیو راج بلی صاحب صدر دروازہ پر کھڑے رہتے تھے، بیٹھتے نہ تھے۔ ایک منشی دعوت کا بندوبست ہر وقت دیکھا کرتا تھا کہ "فلان صاحب آ گئے، فلان صاحب ابھی نہین آئے" کھانا کھانے کے وقت یہ ہر شخص کے سامنے جاتے اور جھک جھک کر نہایت انکسار کے ساتھ بڑی سیر چشمی سے کھانا کھانے کی ترغیب دیتے تھے۔

پچاس برس کے سن مین لاولد وفات پائی۔ طرز لباس وضع مین اپنے والد کے خاص مقلد۔ گورا رنگ، بڑی بڑی سیاہ آنکھین، ہاتھ پاؤن سڈول، گول چہرہ، زبردست نفیس مونچھین، پیچدار زلفین، قد آور جوان، نفاست پسند، خوش مزاج، جامہ زیب، خوش فہم، خوش چلن۔

رائے مہراج بلی صاحب

اصل نام مہاراج بلی، عرف مہراج بلی، رائے ابھرام بلی صاحب کے فرزند اول، نہایت نیک، صاحب اخلاق، بامروت، کم سخن، اور اولوالعزم رئیسون مین سے تھے۔ ولادت تخمیناً سنہ ۱۸۳۳ء، وفات آخر سنہ ۱۸۹۳ء۔

والد کی وفات پر تعلقہ کے مالک ہوئے۔ لیکن، افسوس ہے کہ چار ہی پانچ برس کے بعد زندگانی نے جواب دیدیا، عنان ریاست ہاتھ سے نکل گئی۔ ان کا دل میوشی پر زیادہ مائل تھا، عقد برائے نام تھی، ہر وقت نشے مین مخمور رہتے تھے، بوجوہ صحت خراب ہو گئی، قبل از وقت انتقال ہو گیا۔

مرحوم کی طبیعت نہایت صلح پسند واقع ہوئی تھی۔ ہندو مسلمان دونون کے بہی خواہ تھے۔ ایک مرتبہ جبکہ دسہرہ و محرم کے موقع پر مذہبی جوش کے باعث ہندو مسلمانون مین باہمی کشیدگی پیدا ہو گئی اور جس سے بلوہ کے آثار نمایان ہونے لگے، اُسے اُنھون نے بڑی جانفشانی اور دانائی کے ساتھ بات کی بات مین رفع کرا دیا۔ اگر رائے صاحب اس معاملہ مین شرکت نہ کرتے تو عجیب نہ تھا کہ دریاباد مین خون کی ندیان بہ جاتین۔

ان سے نہ صرف قرب و جوار کے رئیسون سے دوستانہ مراسم تھے، بلکہ ذاتی طور پر نواب کلب علیخان صاحب بہادر والئی رامپور سے بھی اچھے تعلقات قائم ہو گئے تھے، جو ان کی فطری دانائی و زمانہ شناسی کی ایک عمدہ دلیل ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "جس وقت ان کے حقیقی بھائی بیجا بہادر بلی صاحب کی شادی رامپور مین ہوئی تھی تو، انھون نے نواب صاحب سے ملاقات کی تھی۔ ملاقات کا کمرہ نہایت پُرتکلف اور آراستہ تھا۔ چارون طرف طلائی و نقرئی کرسیان بچھی ہوئی تھین جن مین پھولدار مخملی گدّے منڈھے تھے۔ رائے صاحب کو چاندی کی کرسی پر بیٹھنے کا حکم ہوا تھا۔ انھون نے ایک سو ایک اشرفیان، لکھنوی چکن کے ایک سو ایک قیمتی تھان، ایک کٹار، ایک بندوق، یہ کل سامان نذر کے طور پر نواب صاحب کے حضور مین پیش کیا تھا۔ نواب صاحب نے صرف ایک اشرفی اور ایک تھان چکن کا قبول فرما کر باقی چیزین یہ ارشاد فرما کے واپس کر دی تھین کہ "ہمارے شہر کی لڑکی آپ کے بھائی کو منسوب ہوئی ہے، اس لئے ہمین آپ کی نذر

لینا مناسب نہین، لیکن "اس خیال سے کہ آپ کی دلشکنی نہ ہو، ایک اشرفی اور ایک تھان لے لیا گیا"۔ برات کی رخصتی کے وقت نواب صاحب نے ایک ہاتھی معہ نقرئی ہودج اور ایک عربی گھوڑا زرین سامان سے آراستہ رائے صاحب کو مرحمت فرمایا تھا۔ برات خسرو باغ مین ٹھہری تھی۔ برات مین جلوسی سامان نواب صاحب کے یہان کا تھا، رائے صاحب اپنے ہمراہ کسی قسم کا جلوس نہین لے گئے تھے۔ نواب صاحب نے رائے صاحب سے رشتۂ اتحاد قائم کیا تھا جب تک نواب صاحب زندہ رہے، خط وکتابت کے ذریعہ تعلقات بدستور قائم رہے"۔

رائے شنکر بلی صاحب

رائے ابھرام بلی صاحب کے فرزند سوم، اپنے بڑے بھائی رائے مہراج بلی صاحب کے زمانے مین ذی اختیار نائب ریاست، عالی ہمت، خوش اخلاق، نفیس و امیر مزاج، منتظم اور عقلمند بزرگ تھے۔ ولادت ۱۲۵۴ فصلی مطابق ۱۸۴۶ء، وفات ۱۲۸۹ فصلی مطابق آغاز ۱۸۸۲ء۔

رائے شیوراج بلی صاحب کے انتقال کے بعد رائے مہراج بلی صاحب نے انھین نیابت کے عہدہ پر سرفراز فرمایا۔ انھون نے اپنے فرائض منصبی نہایت دیانت داری و مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ انجام دیے۔ انتظام ریاست مین کبھی کسی قسم کی بے عنوانی یا غفلت نہین ہونے پائی، ہمیشہ اپنے حسن کارگذاری اور قابلیت سے سب کو خوش رکھا جس سے رعایا و ملازم، اعلیٰ و ادنیٰ، سبھی حاضر و غائب مدّاح رہے۔

رائے پرتاب بلی صاحب کی طرح تعمیر سے انھین بھی خاص دلچسپی تھی چنانچہ ایک عالی شان کوٹھی اسٹیشن دریاباد سے متصل ایک وسیع اور نفیس باغ مین ابتک ان کی یادگار سے موجود ہے، جو ان کے مرنے کے بعد مہادیو بلی صاحب کی کوشش اور انھین کے خاص اہتمام مین تیار ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اگر شنکر بلی صاحب کچھ دن اور زندہ رہتے تو یہی کوٹھی معہ اپنے باغ کے آج ایک عجیب و غریب چیز نظر آتی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شنکر بلی صاحب ذی علم بھی تھے۔ ان کی فارسی تحریر بہت دلچسپ اور پرمضمون ہوتی تھی۔ اکثر نواب کلب علیخان بہادر (والئ رامپور) کے بیان سے جو خطوط رائے مہراج بلی صاحب کے نام آتے تھے، ان کے جوابات یہی لکھتے تھے۔ یہ اپنے وطن اور پبلک کے سچے بہی خواہ بھی تھے۔ کوٹھی اور باغ کی نیاد ڈالنے کے ساتھ ہی رائے مہاراج بلی صاحب کے نام سے "مہراج گنج" کا سنگِ بنیاد رکھ کر انھون نے ارادہ کیا تھا کہ اسٹیشن سے دریاباد تک دو رویہ آبادی قائم کر کے پختہ دوکانین تعمیر کی جائین، جس کے متعلق دور دور کے مہاجنون، سوداگرون، کاریگرون اور دیگر پیشہ ورون سے مشورہ لینے پر حسب دلخواہ کامیابی کی امید ظاہر ہو چکی تھی۔ لیکن افسوس! کہ یہ تمنا پوری نہ ہوئی، ساتھ ہی اس کے گنج بھی تیار نہ ہو سکا عین جوانی مین قبل از وقت انتقال ہو گیا۔ تخمیناً ۳۵ سال کی عمر پائی۔ گورا رنگ، میانہ قد، دوہرہ بدن، خوبصورت، نیک چلن، آبائی وضع، اولاد مین چندر شیکھر بلی بر قید حیات صاحبِ اولاد۔

رائے بہادر رائے نارائن بلی صاحب

رائے مہراج بلی صاحب تعلقدار کے اکلوتے بیٹے، نہایت نیک، زیرک و دانا، معاملہ فہم، غریب پرور، عالی ہمت اور فیاض منتظم رئیس و تعلقدار، جن کا نام نامی دور دور تک خاص و عام مین یکسان طور پر بڑی عزت اور تعریف کے ساتھ ابتک لیا جاتا ہی - ولادت سنہ ۱۸۶۹ء، وفات ۳۱ - اگست سنہ ۱۹ء -

رائے نارائن بلی صاحب ہر شخص سے بہ خندان پیشانی ملتے اور نرمی سے بات چیت کرتے تھے - ذی علم اور ہنر کے قدردان تھے - بزرگون کے ادب کا بہت بڑا خیال رکھتے تھے - نوکرون، چاکرون سے اچھی طرح پیش آتے تھے اگر کسی ملازم سے کچھ قصور ہو جاتا تھا، تو اُسے طرح دیجاتے تھے، نہ غصہ کرتے نہ جرمانہ - شریف و رذیل کا فرق سمجھتے تھے - خاندان والون سے نہایت عمدہ برتاؤ رکھتے اور اہل برادری پر خاص مہربان رہتے تھے - کم سخن اور صاف گو تھے رعایا کی ضرورتون کو کان لگا کے سُنتے اور اُنکی خوشحالی سے خوش ہوتے تھے - قومی یا مذہبی تعصب سے بری تھے - اپنے دھرم کرم کے سچے پابند، روزمرہ پوجا پاٹ کرتے تھے، طبیعت صلح پسند تھی، مزاج نہایت نفیس اور امیر واقع ہوا تھا - رشک و حسد بغض و نخوت وغیرہ بُری عادتون سے سخت متنفر تھے -

سات برس کی عمر سے چودہ سال کے سن تک اپنے مکتب خانہ مین فارسی کی تعلیم پائی - بعد اُس کے سات سال یکسا لخت انگریزی علم حاصل کرنے مین صرف کئے (انگریزی تعلیم کے لئے علاوہ خوراک کے تیس روپیہ ماہوار پر ایک لائق ماسٹر نوکر تھا) اور انٹرنس تک قابلیت بہم پہونچائی ۲۱ سال کی عمر مین شادی ہوئی - بائیسوین برس سے ریاست کا کاروبار دیکھنا شروع کیا اور صرف نو برس حکومت کرکے ۳۱ سال کی عمر مین دار فانی سے کوچ فرمایا -

رائے صاحب تعلقدار ہونے کے ساتھ ساتھ آنریری مجسٹریٹ بھی تھے اور انجمن ہند (تعلقداران اودھ کی مجلس شورہ، واقع قیصرباغ، لکھنؤ) کے ایک معزز رکن بھی، جس کے فرائض انجام دینے مین کسی قسم کی پہلو تہی نہین کرتے تھے - یہ بقول اودھ پنچ مرحوم "نادرشی مجسٹریٹ" اور بقول حضرت اکبر الہ آبادی "بھولے بھالے" ممبر نہ تھے، بلکہ ایک قانون دان، ہوشیار اور قابل و منصف مجسٹریٹ اور ذی عقل و صاحب علم جفاکش اور کام کرنے والے ممبر تھے - ان کی کرسی ڈھائی تین سو تعلقدارون کے درمیان گورنمنٹی دربار مین ۱۱۸ نمبر پر تھی -

رائے صاحب کے زمانہ مین چند کارہائے نمایان ایسے بھی انجام دئے گئے ہین، جو بلحاظ اپنی اہمیت کے بہت کچھ لائق تعریف اور قابل قدر ہین، جن سے اُن کی اولوالعزمی، عام فیاضی، غربا پروری، قومی خدمت، مذہبی عقیدتمندی اچھی طرح ظاہر ہوتی ہی - کارہائے نمایان حسب ذیل ہین -

(۱) مجسٹریٹی کچہری کے متعلق پائین باغ مین ایک عمدہ ہوادار کمرہ تیار کیا گیا (۲) نبارس والا معمولی خام مکان، جو بالکل گر گیا تھا، از سرنو پختہ دو منزلی سنگی عمارت بنوا کر نبارس مین دریاباد کا نام روشن کیا گیا (۳) سنہ ۱۸۸۵ء مین سوشل رفارم کے متعلق ایک بہت بڑا دھوم دھامی جلسہ منعقد ہوا، جو اپنی نوعیت اور بعض خصوصیات کے لحاظ سے

غالباً اودھ مین "پہلی کانفرنس" تھی جس مین تمام ضلع بارہ بنکی کے کائستھ نیز دُور دُور کے مشہور اصحاب قوم (اسپیکر اور لیکچرار وغیرہ) شریک ہوئے تھے، جن کے آرام و آسایش کے لیے معقول انتظام کیا گیا تھا۔ پنڈال بہت کشادہ خوشنما، اور سجاوٹ مین شانِ امارت کا عمدہ نمونہ تھا۔ نشست کرسیون پر تھی۔ صدر نشین رائے مہادیو بلی صاحب (رائے صاحب کے حقیقی چچا اور نائب ریاست) سکریٹری منشی ماتا پرشاد صاحب مرحوم وکیل، اسسٹنٹ سکریٹری لالہ اُلفت رائے صاحب (از نسل محرران) تھے۔ بعدِ اختتام جلسہ رات کو نہایت وسیع پیمانے پر پُرتکلف اور نفیس دعوت دی گئی۔ جلسہ مین جو تجاویز منظور ہوئین، اُنھین عملی صورت مین لانے کی کوشش کی گئی۔ اکثر مقامات پر سبھائین قایم ہوئین (۴) نواب گنج بارہ بنکی مین کلب گھر، زنانہ اسپتال، اور اُس کے متعلق مِس کے رہنے کی کوٹھی یہ تینون عمارتین تعمیر ہو کر گورنمنٹ کے حوالہ کر دی گئین۔ آخر الذکر دو عمارتون کی زمین خود رائے صاحب نے خریدی تھی۔ ہسپتال کا سنگِ بنیاد لاٹ صاحب نے رکھا تھا، جسکے متعلق ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا تھا۔ چاندی کی کنی بسولی اور آفتابہ، سلفچی، یہ کل سامان لکھنؤ مین تیار کرا کے منگوایا گیا تھا جسے بعدِ استعمال گورنمنٹ کی نذر کر دیا گیا تھا (۵) سنہ ۱۸۹۵ و ۱۸۹۶ء کے قحط مین غربا کی پرورش کے لئے دریاباد کے چند گڑھے جو برسات کے موسم مین سخت تکلیف کا باعث ہو جاتے تھے، پٹوا دئیے گئے اور لال پور والی خام سڑک، جو بالکل زمین دوز اور نہایت تنگ تھی، از سرِ نو درست کرائی گئی جس سے وہ وسیع اور کشادہ و بلند ہو کر ایک عمدہ اور آرام دہ سڑک بن گئی۔ اس کارِ خیر مین نہایت دور اندیشی سے کام لیا گیا تھا۔ دن کے علاوہ رات کو بھی مشعلون کی روشنی مین مد جاری رہتی تھی، تاکہ سفید پوش غریب بھی بلا احسان روزی سے محروم نہ رہین (۶) سعد اللہ پور (دریاباد سے چار کوس کے فاصلہ پر بہ قبضۂ رائے صاحب) مین ایک پختہ شیوآلہ کی تعمیر ہوئی۔ استھاپنا کے موقع پر ایک زبردست جشن منایا گیا جس مین بارہ بنکی کے مشہور اور نیک دل ڈپٹی کمشنر مسٹر "ہوپ" صاحب بہادر بھی شریک ہوئے تھے۔ برہمن بھوجن کے بعد عام برادری کی بھی دعوت کی گئی تھی۔ انتظام معقول اور کھانا پُرتکلف اور مزیدار تھا۔ پبلک کامون کے صلہ مین گورنمنٹ نے خوش ہو کر از راہِ قدر دانی نارائن بلی صاحب کو "رائی بہادری" کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔

حال کے ایک مطبوعہ ایڈریس مین، جو رائے صاحب کے بڑے صاحبزادہ آنریبل رائے راجیشر بلی صاحب منسٹر کی خدمت مین "ممبرانِ کائستھ صدر سبھا جونپور" نے ۲۱ - اپریل سنہ ۱۹۲۳ء کو پیش کیا تھا، لکھا ہے کہ: "جب سے کائستھ کانفرنس کی بنیاد قایم ہوئی ہے (سنہ ۱۸۸۶ء مین کائستھ کانفرنس کا سنگ بنیاد رکھا گیا) آپ کے خاندان کے بزرگون (رائے نارائن بلی صاحب و مہادیو بلی صاحب - مولف) کی جانب سے کائستھ سبھا دریاباد، کائستھ پراونشل سبھا اودھ لکھنؤ، کائستھ صدر سبھا ہند، اور جلسہ ہائے کائستھ کانفرنس لکھنؤ و فیض آباد وغیرہ کی جو بیش بہا قومی امداد و اعانت ہوئی ہے، وہ قومی تاریخ مین آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے"۔ اس سے معلوم کر سکتے ہین کہ رائے صاحب قومی خدمت کے سلسلے مین مالی امداد دینے کے وقت کس شاندار فیاضی سے کام لیتے تھے!

اِن کو پُرانے تعلقات کے قایم رکھنے کا بھی بہت بڑا خیال رہتا تھا۔ چنانچہ سننے مین آیا ہے کہ جب سکر درحا

کے مشہور سردار ٹھاکر مہابیر بخش سنگھ صاحب مہادیو بلی صاحب کے پاس اِس غرض سے تشریف لائے کہ راجہ صاحب ہرداہا اور ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر (بارہ بنکی) کے درمیان جو رنجش ہو گئی ہے، آپ مہربانی کر کے اُسے رفع کرا دین، تو، مہادیو بلی صاحب نے ایسا دلشکن اور یاس انگیز جواب دیا کہ ٹھاکر صاحب جھلّا اُٹھے۔ لیکن، رائیصاحب کو اِس بات کی خبر ہوتے ہی اُنھون نے فوراً اُن سے معافی مانگی اور بارہ بنکی جا کر راجہ صاحب اور صاحب بہادر مین باہمی صفائی کرا دی۔ اس سے یہ بھی اندازہ کر سکتے ہین کہ رائے صاحب کیسے حکام رس تھے اور حکام کے دل مین اِن کا کتنا وقار رہتا!

رپورٹ کارروائی انجمن ہند (مطبوعہ اودھ پریس یحییٰ گنج لکھنؤ ۱۸۹۳ء) مین اِن کی ایک اسپیچ شائع ہوئی ہے، جسکے دیکھنے سے اِس بات کا یقین ہوتا ہے، کہ رائیصاحب اُردو مین اچھی تقریر کرنے کی قابلیت رکھتے تھے، ساتھ ہی اس کے اِن کی بیدار مغزی، بے خوف صاف گوئی، اور اپنے گروہ کے ساتھ سچی ہمدردی بھی آشکارا ہوتی ہے۔

تعلیمی معاملات مین بھی یہ حصّہ لیتے تھے۔ جب کبھی اپنے علاقہ کا دورہ کرتے تو، جہان جہان سرکاری اسکول ہوتے تھے، وہان وہان ضرور جاتے اور طلباء کا امتحان لیکر حوصلہ افزائی کی غرض سے اُنھین شیرینی تقسیم کرتے تھے، جن کی تصدیق کیلئے مدرسۂ جیل وغیرہ کے "رجسٹر معائنۂ اصحاب دیگر" کافی ہین۔

رائے بہادر صاحب کے زمانے کی پُرتکلف اور دھوم دھامی دعوتین بھی بیان کے قابل ہین، جو غیر معمولی اہتمام کے ساتھ اکثر تقریبون کے موقعے پر ہوئی تھین۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے صرف ایک دعوت کا ذکر ذیل مین درج کیا جاتا ہے۔ یہ دعوت غالباً رائیصاحب کی بہن کی شادی مین ہوئی تھی، جس مین راقم الحروف بھی شریک تھا۔

اِس موقع پر بارہ دری دُلھن کی طرح سجی گئی تھی۔ بارہ دری میز، دری کے فرش پر سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ سفید چھت گیری لگی ہوئی چھت مین سفید و رنگین بھاری بھاری بیش قیمت جھاڑ، کمرخی ہانڈیان، جھاڑ، آویزان تھے، جن کی آہنی سلاخین سُرخ، شالبافت سے منڈھی تھین۔ چھت کے سفید قمقمے روشنی کے عکس سے آسمان کے جگمگاتے تارے معلوم ہوتے تھے۔ اکثر بڑے بڑے بھلا سفید حبابون مین چھوٹی چھوٹی رنگین اور خوشنما مچھلیان بند پانی کے اندر تیرتی تھین، جن کا مضطربانہ گھڑی گھڑی ڈوبنا، اُبھرنا، تیرنا ایک ایسا عجیب و غریب نظارہ تھا جو قدرت کی حیرت انگیز نیرنگیون کا نقشہ آنکھون کے سامنے پیش کر کے دلون مین ایک روحانی کیفیت پیدا کرتا تھا۔ ان حبابون کے پیندے سوراخ دار نہ تھے، اِس لیئے اِن کے زیرین حصے باسانی پانی سے لبریز کر کے بالائی حصون مین ایک خاص ترکیب سے گلاس روشن کیے گئے تھے۔ دیوارون پر انواع و اقسام کے کنول روشن تھے۔ محرابین سفید قمقمون اور رنگین ہانڈیون سے مزیّن تھین۔ درون مین زرد حاشیہ والے سُرخ بانات کے پردے پڑے ہوئے تھے، جن کا نصف سے زائد حصّہ ڈوریون کے ذریعہ لپٹا ہوا خوبصورتی کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ بارہ دری کے اندرونی کمرون مین بالائی کمرے شیشہ آلات سے آراستہ اور روشن تھے، اکثر لوگ دروازون کے قریب بیٹھے ہوئے محفل کا رنگ اور ناچ دیکھ رہے تھے۔ اِن درون کی رنگین چقین اور پردے بالکل اُوپر کو لپٹے ہوئے تھے، صرف تھوڑا سا حصّہ خوبصورتی کے لیے لٹکتا تھا۔ زیرین کمرے بالکل بند تھے اور ہر ایک دروازہ چق اور پردے سے سجا ہوا تھا۔ بارہ دری کے بیرونی حصّے مین دیوار پر اِدھر اُدھر بائین دہنے سنہرے چوکھٹے والے قدِ آدم دو آئینے لگے تھے، جن کے زیرین حصّے دو بڑے طاقون پر قائم تھے، اِن کی کانسون پر رنگین پھولون کے گلدستے عجب بہار دکھاتے تھے۔ بارہ دری کے آگے تخمیناً ڈیڑھ فٹ بلند چبوترے پر

شامیانہ موسوم بہ چھپّر (جو خاص اسی بارہ دری کی زینت کے لیے تیار ہوا تھا، جس کا شمالی حصّہ چوبون پر قایم تھا اور جنوبی حصّہ بارہ دری کی دیوار پر آہنی کڑون کے ذریعہ رُکا ہوا تھا) اِستادہ تھا، جس مین گیندے کے سُرخ و زرد پھولون کی خوبصورت جھالرین لٹکتی تھین۔ اِس کی چھت مین جرمن کی بنی ہوئی بیضاوی زنجیروالی کھینچ کی رنگین ہانڈیان اور مچھلی والے سفید جھابے اور لمپ روشن تھے۔ اِن کی ملاخین بھی سُرخ شالباف سے منڈھی ہوئی تھین۔ یہ لیمپ رائے نارائن بلی صاحب خود لکھنؤ سے خرید کرلائے تھے جنھین ہم ہندوستانی اپنی زبان مین چھت کا لمپ کہتے ہین۔ شامیانہ کی چوبون پر بھی کنول روشن تھے۔ شامیانہ کے تلے سفید فرش پر دکھن، اُتر طرف بڑے بڑے سیاہ بیل بوٹون والے سفید قالین بچھے ہوئے تھے۔ مغرب طرف ایک چھوٹے سے زرنگار (کارچوبی) سبز مخملی شامیانہ کے تلے جسکی چوبون پر چاندی کا منقش خول چڑھا ہوا تھا، زرین سبز مخملی مسند تکیہ آراستہ تھا۔ مسند کے آگے تخمیناً ۹ فٹ کی لمبی دو قطار رنگین رنگ برنگ کے فرشی کنول، فرشی جھاڑ، مردنگین، فانوس وغیرہ روشن تھے۔ بیچ مین مسند کے قریب ہی دہنی طرف نقرئی پیچوان نوشاہ کے سامنے لگا تھا، بائین جانب کشتی مین پاندان، عطردان وغیرہ قرینے سے رکھے تھے۔ چبوترہ کے دو طرف شمال و مشرق روشنی کی چوبی ٹٹیان روشن تھین، جن کے سفید گلاس اِس وجہ سے زیادہ بھلے معلوم ہوتے تھے کہ اُن مین پانی کی جگہ سُرخ رنگ گھول کر بھرا گیا تھا۔ اِن ٹٹیون کے درمیان پورب طرف محفل کی آمد و رفت کے لیے ایک محراب دار منقش چوبی پھاٹک کھڑا کیا گیا تھا جسکی موزونیت اور دلکشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اِس کے محراب مین ایک چھوٹا سا چار بتی کا خوشنما جھاڑ روشن تھا۔ کارچوبی شامیانہ کے قریب ہی مغرب طرف بھی سنہرے چوکھٹے والے قدِ آدم دو آئینے اِدھر اُدھر لگے ہوے تھے اور دیوار پر باسلیقہ کنولون کی زیبائش تھی۔ علاوہ اس کے جس حصہ مکان مین یہ بارہ دری واقع ہے اُس کے تمام در و دیوار طرح طرح کے رنگین و سفید کنولون کی روشنی سے منور تھے اور اس طرح سارا مکان روشنی کی جگمگاہٹ سے بُقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ اسی سلسلہ مین یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تمام جھاڑون اور کنولون وغیرہ مین مومی بتیون کے بجائے سفید گلاس روشن کئے گئے تھے جن مین پانی کی جگہ سُرخ رنگ بھرنے کی وجہ سے کنولون، جھابون، اور سادی ہانڈیون کی زینت دوبالا ہوگئی تھی۔ محفل کا انتظام بھی نہایت معقول تھا۔ چوبی پھاٹک پر دہنے بائین دو سپاہی عمدہ وردی پہنے ہوئے کاندھے پر بندوق دھرے کھڑے تھے، جو عوام کو محفل مین آنے سے روک دیتے تھے۔ اُتر طرف بھی کئی ایک سپاہی تعینات تھے جن کے خوف سے تماشائی شور و غل مچانے اور دنگا فساد کرنے سے مجبور تھے۔ بارہ دری کے اندر غیر برادری کے لوگ سفید پوش، نیز برہمن وغیرہ بیٹھے تھے۔ شامیانہ کے تلے صاحبان برادری اور قصبہ کے معززین کی نشست تھی۔ کارچوبی شامیانہ کے نیچے نوشاہ سلامت جلوہ فرما تھے۔ دہنے بائین پہلو مین ریاست ینورا کے تعلقدار محمد حسین صاحب اور اعلیٰ ہندوستانی حکام رونق افروز تھے۔ پُشت پر اِدھر اُدھر آٹھ سپاہی سُرخ بانات کا کوٹ، خاکی زین کا پائیجامہ، سیاہ بوٹ، بنارسی صافہ ڈانٹے ہوئے، کاندھے پر بندوق دھرے اور بیچ مین خدمتگار قیمتی پوشاک پہنے مؤدب کھڑے تھے۔ پھاٹک کے قریب شمال رویہ سادے فرش پر رائے صاحب خود اور چند خاندانی اصحاب۔ رائے صاحب کے اس جگہ بیٹھنے کا مطلب یہ تھا کہ ہم حاضرینِ محفل کے خاکِ پا ہین، اِس لیے ہمارا سب کے برابر دو زانو بیٹھنا تہذیب کے خلاف ہے۔ رائے صاحب کے یہان یہ قدیم سے دستور ہے کہ ریاست کا مالک محفل کے اندر نہ صدر مین کسی جانب بیٹھتا ہے نہ برادری کے درمیان، بلکہ آمد و رفت کے راستہ کے قریب علیحدہ ایک گوشہ مین۔ رائے صاحب کی یہ آبائی تقلید اخلاقی نقطۂ خیال سے ایک نہایت ممتاز اور قابلِ قدر تصور کی جا سکتی ہے۔ ۹ بجے رات کو پان، الائچی، عطر وغیرہ تقسیم ہونے کے بعد ارباب نشاط کی طلبی ہوئی۔ پہلے کانٹی کی مشہور اور حسین طوائف الٰہی جان زرق

برق پوشاک پہنے ہوئے دلکش ناز و ادا کے ساتھ مجرے کے لئے کھڑی ہوئین، جو مشہورِ آفاق استاد نیداادین (لکھنوی) کی اعلیٰ شاگرد تھین۔ ایک گھنٹے مین الہی جان نے اپنے کمال سے تمام مجمع کے لوگون کو مست کر دیا۔ دس بجے پر فضل حسین کشمیری (لکھنؤ کے مشہور و معروف بھانڈ) بُلائے گئے، اُن کے آتے ہی ساری محفل یا تو چُپ چاپ سکوت کے عالم مین تھی یا یک بیک آن و احد مین قہقہہ دیوار بن گئی، ہنستے ہنستے ہر شخص کا پیٹ پھول گیا۔ بارہ بجتے ہی ناچ گانا موقوف ہوا، اور نفیس آتشبازی چھٹنے لگی، آدھ گھنٹے مین یہ دلچسپ تماشا بھی ختم ہو گیا۔ اب کھانے کا وقت آیا۔ غیر برادری والے حضرات اور تماشائی اپنے اپنے گھر روانہ ہو گئے، صرف محفل مین برادری کے اصحاب باقی رہ گئے، جن کی نشست بارہ دری سے شہ نشین تک کئی صفون مین تقسیم ہوئی تھی۔ پہلے آفتابہ و سلفچی آیا، ہاتھ منھ دھولائے گئے۔ اُس کے بعد گزک کی تیلین آئین، اور مٹی کے چھوٹے چھوٹے پیالے ولایتی شراب سے بھرے گئے۔ دورِ مستی کا آغاز ہوا، بوتلین خالی ہونے لگین، جام پر جام چلنے لگے۔ شراب کے ساتھ گزک کی چاٹ عجیب لطف پیدا کرتی تھی۔ گزک مین چنے اور مونگ کی دال موٹ، موٹے نہین مہین سیوتکو نے (مینی سبنوسے) گلگلا، کباب اچار، چٹنی، نمکین میوے پستہ، بادام وغیرہ شامل تھے۔ ابھی آدھ گھنٹہ بھی نہ گذرا تھا کہ گرم گرم کھانا آنے لگا۔ ہر شخص کے سامنے پتّل مین پوریان، کچوریان (سادی و خستہ ہر دو قسم کی) اور اُس کے گرد پانی پینے کے لئے صراحی و گلاس، گوشت اور ترکاری کے پیالے، خشک ترکاریون کے چھوٹے چھوٹے دونے، ہر دو قسم یعنی سادی و نمکین مٹھائی اور میوون (انگور، سیب وغیرہ) کی تشتریان، اچار، چٹنی، مربّہ کی چھوٹی چھوٹی رکابیان قرینے سے چُنی ہوئی تھین، جن سے تخمیناً چار مربع فٹ کا ایک حلقہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ کُل ظروف مٹی کے تھے۔ کھانا نہایت لذیذ اور پُر تکلف تھا۔ پستہ کی برفیان، بالائی کے لڈو، بھُنے ہوئے کھوئے کے پیڑے، نورتن چٹنی، نورتن اچار۔ خاص طور پر قابلِ ذکر۔ قریب صبح کھانے پینے سے فراغت ہوئی اور پان، الائچی لیکر سب لوگ ہنسی خوشی جھومتے جھامتے اپنے اپنے گھر گئے اور محفل برخاست ہو گئی۔

نہایت افسوس ہے کہ شباب کا زمانہ شروع ہوتے ہی رائے نارائن بلی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ گورا رنگ، میانہ قد، خندان رو، خندان پیشانی، دوہرہ بدن، خوبصورت گول چہرہ، خوش پوشاک، آبائی وضع۔ اولاد مین راجیشر بلی و بشیشر بلی بقید حیات۔

رائے بہادر رائے مہادیو بلی صاحب

رائے ابھرام بلی صاحب کے فرزند چہارم، نائب ریاست، ذی حوصلہ، حُکّام رس، ذہین، منتظم اور فیاض، اپنے خاندان مین اول شاعر، فارسی کے ادیب، صاحبِ تصنیف۔ ولادت ۱۹ دسمبر ۱۸۵۵ء، وفات ۲۲ جنوری ۱۹۰۹ء۔

اپنے مکتب خانہ مین فارسی کی تعلیم پائی شنکر بلی صاحب کے مرنے کے بعد رائے مہراج بلی صاحب نے انھین ریاست کا نائب قرار دیا۔ اُن کے بعد رائے نارائن بلی صاحب اور رائے راجیشر بلی صاحب کے زمانے مین بھی تا زندگی اسی عہدہ پر مامور رہے جسے انھون نے نہایت قابلیت اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔

یہ اپنے دھرم کرم کے پکے پابند تھے۔ روزمرّہ پوجا پاٹ کرتے، شیوجی کے خاص طور پر معتقد تھے۔ ہر روز شام کو درشن کی غرض سے اسٹیشن شیوالہ تک پیدل جاتے تھے۔ تا زندگی یہ وظیفہ بدستور جاری رہا۔

سر مہاراجہ پرتاب نارائن سنگھ بہادر کے.سی.ایس.آئی. اودھ رئیس، والی اجودھیا (پریسیڈنٹ انجمن ہند لکھنؤ) خاص طور سے ان پر مہربان تھے۔ یہ اکثر اُنکی خدمت مین حاضر ہوا کرتے تھے۔ وہ بھی دو ایک مرتبہ (بہ سلسلۂ آمد و رفت لکھنؤ) ان کی خاطر سے ان کے مہمان ہوکر اسٹیشن دریاباد والی کوٹھی مین قیام پذیر ہوئے تھے۔

ہواخوری کا خاص شوق تھا۔ بلاناغہ ہر روز (شیوجی کے درشن کے قبل یا بعد حسب موقع) شام کے وقت مکان سے بستی کے باہر ڈیڑھ میل پیدل چل کر فٹن پر واپس آتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مرتے دم تک انھین معدہ کے متعلق کوئی شکایت نہین ہوئی اور صحت تازندگی اچھی رہی۔ پتنگ کے بھی شوقین تھے لیکن یہ شوق ان کا رائے مہراج بلی صاحب کے زمانہ تک محدود رہا، اُن کے بعد ریاست کے انتظام مین منہمک ہوجانے کے باعث عدیم الفرصتی نے مجبور کردیا تھا۔

تعلیمی معاملات سے بھی انھین دلچسپی تھی۔ اسکول دریاباد کے علاوہ اکثر اپنے علاقہ کا دورہ کرتے ہوئے سرکاری مدرسون کا معائنہ کرکے طلبا کا امتحان لیتے اور انھین شیرینی تقسیم کرتے تھے۔

شنکر بلی صاحب اور رائے نارائن بلی صاحب کی طرح مہادیو بلی صاحب بھی بڑے خوش وضع اور خوش پوشاک تھے لباس قیمتی اور نفیس استعمال کرتے تھے۔ روزمرہ گرمیون مین دردامن گوٹ والا مہین تنزیب کا انگرکھا، نیچے چکن کا شلوکہ، ترتچی کی چوگوشیہ ٹوپی، نین سُکھ کی اِک لنگی دھوتی، دیسی بکسوے دار سیاہ بوٹ؛ تقریبون مین اکثر اصلی جامدانی کا انگرکھا، مشروع کا یا ریشمی چوڑیدار پائجامہ، سفید یا ریشمی شلوکہ، کامدار چوگوشیہ ٹوپی، سلمہ ستارے کے کام کا سبز مخملی بوٹ؛ جاڑون مین اکثر اُتو کی ہوئی نیلی گرنٹ کی گوٹ والا جامے دار کا انگرکھا جس مین بنارسی بیل ٹکی ہوئی، نیچے فلالین کا شلوکہ، جامے دار کی چوگوشیہ ٹوپی؛ حُکام سے ملنے کے وقت دیگر قسم کے کپڑے اور تعلقداری (کارچوبی) ٹوپی استعمال کرتے تھے۔ مکان پر زیادہ سردی کے وقت صبح و شام سفید انگرکھے پر قیمتی چھینٹ کی رُوئی دار مرزائی پہن لیتے تھے اور چھ انگل کی چوڑی نیلی گرنٹ کی گوٹ والی بادامی رنگ مین رنگی ہوئی تنزیب کی دُولائی، جس مین تین چھٹانک یا پاؤ بھر پختہ سے زیادہ رُوئی نہین پڑتی تھی، اوڑھتے تھے۔

انھون نے اپنی حیات مین خاص اپنے رہنے کے لیئے بالاخانہ اور کمیار دالی سڑک پر ایک پختہ پُل[۵] بنوایا۔ رام لیلا کے میدان مین پتھر کا شیوآلہ معہ ایک چاہ پختہ بنوانے کے ساتھ ہی قدیم باغ کو از سرِ نو درست کراکر کوٹھی نما خوبصورت دومنزلہ پھاٹک بھی تعمیر کرایا جس سے باغ کی زینت مین دوچند اضافہ ہوگیا۔ لیکن افسوس ہے کہ ممدوح کی قبل از وفات سے شیوآلہ اور پھاٹک کے متعلق ضروری تجاویز کا انتظام موقوف ہوجانے کے باعث دونون عمارتین غیر مکمل رہ گئین اور باغ کی پختہ چہاردیواری بھی نہ تیار ہوسکی۔

پبلک کامون مین بھی مہادیو بلی صاحب بہت مستعد تھے۔ ۱۹۰۶ء کے ہولناک قحط کے موقع پر جس وقت دریاباد مین غربا کی پرورش کے لیئے سرکاری محتاج خانہ قایم کیا گیا تو، انھون نے اُس کی نگرانی کا بار بخوشی متعلق فرماکر اپنے فرض منصبی کو بحسن و خوبی انجام دیا، جس کے صلے مین گورنمنٹ سے "رائے بہادری" کا خطاب مرحمت ہوا۔

رائے بہادر صاحب نائب ریاست ہونے کے علاوہ فارسی کے اچھے شاعر اور انشاپرداز بھی تھے۔ گرونڈہ کے مشہور حکیم

---

[۵] یہ لیلا چوڑا پل سنگین شیوالہ کے متصل پورب طرف واقع تھا۔ جدید انتظام کے وقت سڑک پختہ ہونے پر مسمار ہوکر جدید طرز کا نیا پل تیار کیا گیا جو اس وقت تک موجود ہے

جناب میان سید غلام رسول صاحب مرحوم کے یہان جو خطوط ان کے لکھے ہوئے موجود ہین اُن سے ان کی ادبی قابلیت ظاہر ہوتی ہو۔ جناب میان سید خادم رسول صاحب (حضرت میان سید غلام رسول صاحب کے بیٹے) ان خطوط کی انشا پردازی کی بہت تعریف کرتے ہین۔ شاعری کے متعلق غالباً اپنے خاندان بھر مین یہ پہلے شاعر تھے جنھون نے مذاقِ شاعری پیدا کرکے غزل کی زمین مین رامائن تصنیف فرماکر علمی خدمت و شاعرانہ استعداد کا عملی ثبوت پیش کیا۔ یہ مختصر سی مذہبی نظم تعلقدار پریس فیض آباد مین چھپ کر شایع ہو چکی ہو۔ اِن کا تخلص **اقبال** تھا۔ ذوقِ شاعری بہت اعلیٰ، عاشقانہ رنگ سر پاک ہو۔

انھین شاعری و نیابت کے مناصب کے ساتھ ساتھ آنریری مجسٹریٹی و منصفی کا بھی اعزاز حاصل تھا جب تک زندہ رہے، ہر ایک عہدہ کا کام بخوشی خاطر عمدہ طریقہ سے انجام دیتے رہے۔

رائے نارائن بلی صاحب کی وفات کے بعد ریاست کی تمام ذمہ داریون کے علاوہ دیگر ضروری مشاغل مین مصروفیت کی وجہ سے ان کے عیش و آرام مین خلل آگیا تھا جس کا اثر تندرستی پر ایسا خراب پڑا کہ قبل از وقت ۳۲ سال کی عمر مین دفعتہً فالج گرنے سے انتقال ہوگیا۔ اولاد مین اُمانا تھ بلی و سومنا تھ بلی بہ قیدِ حیات۔

مرحوم نہایت خوش اخلاق، نیک طینت، امارت پسند، نفیس مزاج، جفاکش، ملنسار، غیر متعصب، آغازِ جوانی مین کسی قدر عیش پرست بھی تھے۔ خوبصورت، دوہرہ جسم، گورا رنگ شگفتہ اور گول چہرہ کشادہ پیشانی، کتری ہوئی عمدہ مونچھین داڑھی ندارد، خمیدہ ابرو، بڑی بڑی سیاہ آنکھین، خمدار زلفین، بابری حجامت، سر کے بال گھنے، دراز گردن، چوڑا چکلا سینہ، میانہ قد، ہاتھ پاؤن سڈول۔

چودھری عبّاس علی صاحب

سنی المذہب، چودھری حسین علیؓ صاحب قانونگو کے بڑے بیٹے مشہور و منتظم باوضع رئیس و تعلقدار، چودھرائی کے لقب سے سرفراز، قانونگوئی کے عہدہ پر مامور تھے، جن کی تعریف آج بھی دریاباد کے علاوہ دُور دُور تک عزت کے ساتھ عام طور پر ہو رہی ہو۔ چودھری صاحب کے خاندانی حالات جو اُن کے خاندانی رُکن چودھری امتیاز علی صاحب نے عنایت فرمائے ہین، اُن کا خلاصہ شکریہ کے ساتھ حسبِ ذیل ہو:۔

چودھری صاحب کے مورثِ اعلیٰ سمرقند کے رہنے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول کی اولاد مین سے تھے، جو شہاب الدین غوری کے ہمراہ ہندوستان آکر سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے سے دہلی مین سکونت پذیر ہونے کے ساتھ ہی معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے جنھین ہمیشہ قربِ شاہی حاصل رہا۔ اُن کی نسل مین شیخ محمد سلیمان بحکم بادشاہِ دہلی محمود آباد کے افسر مقرر ہو کر وہین آباد ہوگئے اور محمود آباد کے قرب و جوار کا علاقہ بھی اُنھین دربارِ دہلی سے عنایت ہوا (وجہ نہ معلوم ہوئی۔ مولف) اُن کے بعد خاندان والون نے وقتاً فوقتاً وہان کے قدیم زمیندارون سے ذریعۂ بیعنامہ اُن کی آراضی خرید کرکے اپنی آبائی زمینداری کو خوب وسعت دی۔ کئی پشتون کے بعد شیخ سکندر و شیخ عبدالحمید کے زمانے مین جب دریاباد کی آبادی بادشاہِ دہلی کے حکم سے قائم ہوئیؓ تو یہ دونون حقیقی بھائی دریاباد آکر آباد ہوئے اور چودھرائی و قانونگوئی

سلہ راقم کو اس رائے سے اختلاف ہو۔ ملاحظہ ہو باب اول، ذکر دریاباد ۱۲۔

عطا ہونے کے ساتھ ہی بہت سی آراضی دریاباد کی دربار شاہی سے مرحمت ہوئی۔ شیخ عبدالحمید صاحب نے اپنے نام سے
حمید نگر آباد کیا۔ شیخ سکندر بڑے رحمدل اور شجاع تھے۔ ایک موقع پر کار خیر[1] میں جان دیکر شہید کے لقب سے ملقب ہوئے
تھے۔ اُن کے بعد عبدالجلیل صاحب مالک ریاست ہوکر چودھرائی و قانونگو پر مامور ہوئے۔ وہ بڑے امیر کبیر اور اچھے منتظم
تھے۔ ایک بہت بڑا وسیع جنگل کا ٹکڑا (عطیۂ شاہی) صاف کرا کر چھ موضعے آباد کئے جن میں سے ایک موضع کا نام اپنے نام
پر "جلیل آباد" رکھا، جو آخر میں کثرت استعمال سے جلال آباد مشہور ہو گیا۔ عبدالجلیل صاحب کی اولاد میں چودھری فتح علی
صاحب بڑے عیش پرست مگر عالی حوصلہ بزرگ گذرے ہیں جنھوں نے ایک بہادر قوم خانزادہ کو دریاباد میں آباد کرکے
ایک زبردست محلہ کی بنیاد قائم کی تھی[2]۔ وہ سلطنت کے خیر خواہ بھی تھے۔ ایک مرتبہ شاہِ دہلی کے حکم سے کسی راجہ کے مقابلے
کو بھیجے گئے، وہاں فوج کو تنخواہ نہ مل سکی، سپاہیوں نے تقاضا کیا، ناچار انھوں نے اپنا علاقہ جنگرابادون پر رہن کرکے فوج
کو تنخواہ تقسیم کردی اور واپسی پر کل قرض ادا کردیا۔ کچھ دنوں کے بعد قرضہ کا مطالبہ خزانۂ شاہی سے حاصل ہو گیا۔ اُن کے
بعد چودھری بشارت علی، پھر چودھری سبحان علی، آخر میں چودھری حسین علی صاحب (چودھری عباس علی صاحب
کے والد) مالکِ ریاست و صیغہ دار ہوئے، جن کے وقت میں دشمنوں کی افترا پردازی سے عتابِ شاہی نازل ہوکر علاقہ
ضبط ہو گیا اور چودھری صاحب لکھنؤ کے جیل میں قید ہوئے۔ لیکن فقیر محمد خان صاحب رسالدار کی کوشش سے علاقہ
معہ عہدہ پھر واپس مل گیا اور چودھری صاحب رہا کردیے گئے۔" اس سے چودھری صاحب کی عالی نسبی[3]، رئیسانہ
حیثیت اور بعض خاندانی بزرگوں کے قابلِ تقلید کارنامے ظاہر ہوتے ہیں اور ریاست کی بابت تو عام طور پر مشہور رہا کہ چودھری
صاحب اور اُن کے بزرگ تعلقدارانہ حیثیت سے بڑے رئیسوں میں شمار تھے۔ لیکن مذکورۂ بالا تحریر سے چودھری صاحب
دریاباد کے قدیم باشندے نہیں کہے جا سکتے، کیونکہ چودھری عبدالجلیل صاحب شیخ سکندر کے بعد سنہ ۱۰۸۲ھ مطابق سنہ ۱۶۷۱ء
یعنی اورنگ زیب شہنشاہِ دہلی کے زمانے میں قانونگو مقرر ہوئے[4] تھے۔ اس سے شیخ سکندر کا دریاباد میں آباد ہونا شاہجہاں
بادشاہ کے عہدِ حکومت کے قبل نہیں ثابت ہوتا۔ پس مجبوراً ماننا پڑتا ہے کہ چودھری صاحب کے مورث شیخ سکندر اب سے دو ڈھائی
سو برس قبل یعنی سنہ ۱۶۲۸ء اور سنہ ۱۶۵۷ء کے درمیان دریاباد میں آباد ہوئے ہونگے، حالانکہ ذیل کی روایت اور ایک شاہی
تحریر سے نہ صرف اس امر کی تردید ہوتی ہے، بلکہ چودھری صاحب کی قدامت پر بھی گہری روشنی پڑتی ہے۔

روایت۔ مشہور ہے کہ "ایک مرتبہ چودھریوں کے خاندان میں کسی قانونگو صاحب کی جو اُس وقت مالکِ ریاست
اور صیغہ دار تھے، دربارِ دہلی میں طلبی ہوئی۔ اُنھوں نے اپنی طرف سے اپنے دیوان لالہ بھکاری لال عرف بھکھاری داس کو

---

[1] ایک مرتبہ حمید نگر کے قریب سیف پور کے زمیندار معہ اپنے سپاہیوں کے ایک عورت کو جو ڈولی میں تھی لوٹتے ہوئے نظر آئے۔ شیخ سکندر برسر مقابلہ ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں صاحب زخمی ہوکر جان بحق تسلیم ہوئے۔" [2] بعضوں کے نزدیک خانزادے دریاباد کے قدیم باشندوں میں سے تھے۔ [3] چودھری صاحب و پیرزادوں میں باہمی رشتہ داری قائم ہے اور پیرزادوں کا خاندان نامی خاندان ہے، اس سے بھی چودھری صاحب عالی خاندان ثابت ہوتے ہیں۔ [4] ایک شاہی فرمان مورخہ سنہ ۱۰۸۲ھ میں تحریر ہے: "خدمت چودھرائی و قانونگوئی نصف پرگنہ دریاباد معاف معوبہ اودھ بہ عبدالجلیل و مراد سنگھ مطابق تفصیل سطور در ضمن مقرر باشند۔" اس فرمان کی نقل محرروں کے خاندان میں منشی بالا پرشاد صاحب کے پاس موجود

جو محمرون کی نسل سے تھے، بھیجدیا۔ مگر ہندو ہونے کی وجہ سے اُن کی وکالت نامنظور ہوئی۔ ناچار بھکھاری داس نے مذہب اسلام اختیار کرکے اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ مسلمان ہونے پر اُنھیں خطاب خواجگی مرحمت ہوا اور وہ خواجہ بھکھاری کے نام سے مشہور ہوگئے، جن کی یادگار میں ایک خام تالاب ابتک موجود ہے۔ خواجہ بھکھاری مسلمان ہونے کے بعد اپنے گھر سے علیحدہ ہوگئے تھے اور انھوں نے دوسری جگہ مکان بنواکر ایک مسلم عورت سے نکاح کرلیا تھا جس کی اولاد میں محمود احمد تھے اور پہلی بی بی کی نسل بدستور سابق آبائی جائداد موروثی ملکیت پر قابض و دخیل اور ہندو دھرم کی پابند رہی جو اس وقت تک قائم ہے"۔ خواجہ بھکھاری کا زمانۂ حیات اب سے ۲۹۰ برس قبل ثابت ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو باب ۳، فصل ۲، ذکر لالہ شیونارائن صاحب منصرم۔

نقل تحریر شاہی "سلار بخش مردہ بوکالت مدعا علیہ آمدہ ظاہر کرد کہ پٹی مذکورہ (واقع دریاباد) موروثی ابواسد بودہ است و نام مورثان ابواسد یادنیست و ابواسد را عرصہ یک صد و پنجاہ سال گذشت کہ مرگذاشت یک پسر مسمی سکندر روا و لاولد مرگذاشت برادر زادہ خود مسمی فتح علی را و نام پدر فتح علی مرا یادنیست و فتح علی مرگذاشت سہ پسر بشارت علی و سعادت علی و سبحان علی اولاً سعادت علی مرگذاشت یک پسر حسین علی مدعا علیہ پس بشارت علی لاولد مرد بعدہ سبحان علی مرگذاشت دو پسر امام علی و محمد علی را و پٹی مذکورہ از عرصہ یا نصد سال مملوک مورثان موکلم است و سلاطین ماضیہ بمورثان موکلم معاف فرمودند" ماخوذ از سجل شاہی بمقدمۂ خیراتی پسر ساز نام چودھری حسین علی از اجلاس وزارت العالیہ شاہ اودھ مورخہ ۲۳ ربیع الاول ۱۲۵۴ھ۔ یہ شاہی تحریر میاں رشید صاحب کے پاس موجود۔

عباس علی صاحب اپنے والد کی زندگی ہی میں، جبکہ وہ بوجہ ضعیفی کاروبار ریاست اور عہدۂ قانونگوئی سے علیحدہ ہوگئے تھے، کام کاج کرنے لگے تھے۔ انھوں نے معقول طریقہ سے علاقہ کا انتظام بھی کیا اور اپنے عہدہ کے فرائض منصبی کو بھی نہایت دانشمندی اور جفاکشی سے انجام دیا جسکی وجہ سے رعایا مطیع و فرمانبردار رہی اور حکام ہمیشہ خوش رہے چودھری صاحب بڑے آن بان والے محض ظاہری رئیس نہ تھے، بلکہ دل بھی رئیس رکھتے تھے اور ساتھ ہی اس کے ذی حوصلہ، شریف نواز اور غریب پرور بھی تھے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ہر روز بلاناغہ ان کے دسترخوان پر دونوں وقت پچیس تیس آدمی غیر خاندان والے شریف اور غریب بلاتکلف کھانا کھایا کرتے تھے۔ تازندگی یہ چشمۂ فیض برابر جاری رہا۔

کہا جاتا ہے کہ "ان کے والد چودھری حسین علی صاحب کُل پرگنہ دریاباد کے قانونگو نہ تھے، بلکہ ایک جزو کے قانونگو تھے اور نصف سے زائد علاقہ انہی کے قبل فروخت ہوچکا تھا، صرف حمید نگر، اصالت نگر، مشکی پور، دناپور، بگھورا، جلال آباد، پٹی محمود آباد، حصہ مشک آباد، پٹی دریاباد یعنی چھ موضعے اور تین پٹیاں باقی رہ گئیں تھیں۔ لیکن چودھری عباس علی صاحب نصف پرگنہ کے قانونگو ہوگئے تھے، ساتھ ہی اس کے انتظامی قابلیت کے زور سے جنگرا، بسادن پور کا علاقہ خرید کرکے پھر دوبارہ تعلقدارانہ حیثیت بھی پیدا کرلی تھی۔ تعلقہ حمید نگر کے نام سے مشہور تھا۔"

ان کو عیش پرستی کا بھی شوق تھا، مگر نہ تباہ ہوئے نہ مقروض۔ آبائی ریاست اور جدید زمینداری سب بدستور ان کے قبضہ میں رہی۔ اس سے چودھری صاحب کی بیدار مغزی اور دانشمندانہ دوراندیشی بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

چودھری صاحب نے آخر عمر مین نہایت دور اندیشی سے کام لیا تھا - اپنے بھائیون اور مستحقین کو عدالتی زیر باری، بیجا مصارف اور باہمی نفاق مین آئے دن کی مصیبتون سے بچانے کے لئے بندوبست پختہ (۱۸۶۱ء لغایتہ ۱۸۶۳ء) مین اپنی ریاست ذریعۂ تقسیم حسب مناسب باقاعدہ علیحدہ علیحدہ ہر ایک کے نام کھیوٹ مین اندراج کرادی تھی - لیکن بعضون کا بیان ہے کہ "چودھری صاحب کے بھائیون نے خود عدالت مین دعویٰ دایر کر کے ازروئے ڈگری اپنے اپنے حصہ کا داخل خارج کرالیا تھا"

چودھری صاحب کے خاندان والون کا بیان ہے کہ "چودھری عباس علی صاحب کے پاس چند پروانے اور چٹھیان اِس قسم کی تھین، جو اُنھین انگریزون کی طرف سے عنایت ہوئی تھین" نہایت تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ ایسے ضروری اور کارآمد کاغذات ابھی حال ہی مین چودھری ساجد علی صاحب (چودھری عباس علی صاحب کے خاندانی رُکن) کے یہان نذرِ غفلت ہو کر ضائع ہوگئے، صرف ایک پروانہ چودھری صاحب موصوف کے پاس اِس وقت تک موجود - اِس پروانہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ چودھری عباس علی صاحب کے حُسنِ خدمات سے یورپین حکام اِن پر بہت مہربان رہتے تھے - پروانہ مذکور کی نقل حسب ذیل ہے :-

"بحکم صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع دریا آباد - نمبر ۹۴ - مہر انگریزی - چودھری عباس علی بعافیت باشند - تمکو ۲۵ نفر ہتیار بستہ ہر وقت اپنے ہمراہ رکھنے کی اجازت دیجاتی ہے - کسی سے لڑنا بھڑنا نہین - تاکید مزید جانو - المرقوم ۱۸ ستمبر ۱۸۵۸ء - بقلم علی واجد پروانہ نویس دستخط انگریزی صاحب ڈپٹی کمشنر"

عباس علی صاحب کی طبیعت سپاہانہ واقع ہوئی تھی - ہندو مسلمان سب کے بہی خواہ، عام طور پر نہایت خلیق اور ملنسار تھے - ورزش کا خاص شوق تھا - بلاناغہ ہر روز ڈنڑ کر کے مگدر ہلاتے تھے اِس مفید مشغلہ سے کبھی غافل نہین ہوئے اِسی وجہ سے اِن کی تندرستی ہمیشہ اچھی رہی - انھون نے اپنی زندگی بڑے اطمینان اور بے فکری کے ساتھ بسر کی، باوجود تقسیم علاقہ شان و شوکت اور عیش و آرام مین کسی قسم کا فرق نہین آیا - تخمیناً ۵۰ برس کے سن مین اب سے نصف صدی قبل لاولد انتقال ہوا - گندم رنگ، لانبا قد، موٹے تازے، گسیلا بدن، طاقتور، لمبے چوڑے بھاری بھاری ڈنڑ چکلا سینہ، سیدھی داڑھی، سر پر گھنے بال، خمیدہ زلفین، کتری ہوئی خفیف مونچھین، رعب دار گول چہرہ، بڑی بڑی آنکھین لمبی گردن، آبائی وضع - یادگار مین ایک پھلواری موجود -

افسوس ہے کہ مرحوم کے بعد اِن کے بھائیون وغیرہ مین باہمی نفاق و مقدمہ بازی شروع ہو جانے سے بہت جلد خاندان پر تباہی آگئی، علاقہ غارت ہو گیا، اب صرف چند دیہات باقی، جن پر قرض کے بار کی کوئی انتہا نہین - آج کل چودھری صاحب کے خاندان مین مصطفےٰ علی، امتیاز علی نائب ریاست دیولی، نواب علی وکیل گوالیار، عاشق علی انسپکٹر، فرزند علی تحصیلدار ریاست جہانگیر آباد، ساجد علی انسپکٹر ٹنک بھوپال، وغیرہ بقید حیات - (چودھریان)

---

۵ سنا جاتا ہے کہ چودھری عباس علی صاحب کے بعد غلام عباس اُن کی جائیداد و زمینداری کے مالک ہوئے تھے اور قاضی نگونی کا عہدہ بھی حاصل کیا تھا - غلام عباس صاحب بڑے خوش پوشاک، سلیقہ شعار، خوش فہم، خوش اخلاق اور مردم شناس تھے - اِن مین ایسی نوک

تفصیل بیان کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵۱ - ۲۸۳ -

مرزا محمد اصغر بیگ صاحب

عُرف اصغر بیگ، مرزا چغتائی، مرزا نیاز بیگ صاحب صوبہ دار کے اکلوتے بیٹے، مشہور و منتظم اور فیاض و مخیّر رئیس تھے
ولادت ۱۸۴۹ء، وفات ۱۸۸۸ء۔

یہ نہایت خلیق اور ملنسار، دوست و احباب سے بہت اچھی طرح ملتے، عزیز و اقارب پر خاص مہربان تھے۔ ہر شخص کے اعزاز و مرتبہ کا خیال رکھتے، رعایا کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرتے، اُن کے دکھ، درد کو خوب جی لگا کے سُنتے اور حتی المقدور امداد دیتے تھے۔ روزہ و نماز کے سخت پابند، غیر متعصب، ہندو مسلمان سب سے مراسم تھے۔ ناچ گانے سے قطعی احتراز تھا۔ طبیعت ورزش پسند تھی۔ دس بجے دن سے بارہ بجے تک روزآنہ ڈنڑ کر کے مگدر ہلاتے تھے۔ دورانِ ورزش مین مگدر ہلاتے ہوئے ایک منزل قرآن شریف ختم کر جاتے تھے۔ سو ڈیڑھ سو ڈنڑ کا روزآنہ معمول تھا۔

مرزا صاحب کے مورث اعلی سردار مرزا شکر اللہ بیگ صاحب سردارانِ ایران کی نسل سے تھے، جو معہ اپنے چند اہل خاندان کے شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانے مین دہلی آئے اور اپنی عالی نسبی و قابلیت کے باعث نائب وزیر مقرر ہوئے۔ بعد وفات اُن کے لڑکے مرزا ہدایت اللہ بیگ فوج کے سپہ سالار ہو کر جنگِ دکن مین کام آئے۔ اس خیر خواہانہ خدمت کے صلہ مین شاہِ دہلی نے خاندان کی پرورش کے لئے جاگیر عطا فرمائی۔ اُن کی اولاد مین مرزا قربان بیگ کے بیٹے مرزا شاہ بیگ بدنظمی سلطنت کی وجہ سے دہلی چھوڑ کر معہ اپنے خاندان کے لکھنؤ آئے، اور دربار اودھ سے گونڈہ و بہرائچ کی نظامت پر ممتاز ہو کر بہرائچ مین سکونت پذیر ہوئے۔ اُن کے بعد اُن کے پوتے مرزا نیاز بیگ صاحب فوج شاہی کے صوبہ دار مقرر ہوئے اور کرنل بارو صاحب بہادر کی ماتحتی مین اپنے فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے ضلع گونڈہ مین "بروٹ پور" کے نام سے ایک علاقہ حاصل کیا۔ اُن کی شادی مرزا ایلاق بیگ صاحب رئیس دریاباد کی بیٹی کے ساتھ ہوئی۔ اسی سلسلہ مین مرزا نیاز بیگ صاحب نے دریاباد مین سکونت اختیار کی۔ سُنا جاتا ہے کہ انھون نے ایک مگدر، جسے دو آدمی نہین اُٹھا سکتے، سید سالار مسعود غازی کی درگاہ مین بطور نذر پیش کیا تھا، جو آج تک موجود اور وہان کے دفتر مین درج ہے۔ ماخوذ از حالاتِ خاندانی مرزا محمد یوسف بیگ، مطبوعہ اخبار دبدبۂ سکندری پریس، ریاست رامپور ۱۹۰۷ء۔

مرزا صاحب کی شادی غضنفر الدولہ معزز الملک مستقل جنگ مرزا مینڈو خان صاحب بہادر کے چھوٹے بیٹے قدرت اللہ بیگ خان ناظم کی دختر سماۃ رابعہ بیگم کے ساتھ ہوئی تھی۔ مینڈو خان صاحب کے پردادا سردار عباد اللہ خان بہادر مغل بلاس بلک تھی کہ کسی رئیس سے دب کر نہین رہے۔ اکثر معزز اصحاب ان سے خود ملنے آتے تھے۔ چودھری عباس علی صاحب کی طرح یہ بھی عیش پسند تھے، جو ان کے مصاحبون کی خود غرضی کا ایک خاص باعث تھا، لیکن ان کی خوش انتظامی سے کاروبار زمینداری مین کسی قسم کی بے عنوانی نہین ہونے پائی۔ خوبصورتی مین یہ آپ ہی اپنی نظیر تھے جسکی شہرت کا فسانہ اس وقت بھی دور دور تک زبان زد عوام ہے۔ عین جوانی مین اب سے ۴۶ برس قبل لاولد وفات پائی۔ یہ کون تھے اور کیونکر چودھری صاحب کی جائداد پر قابض ہوئے؟ اس کے اظہار کے لئے حکومت وقت کا قانون مانع ہے ۱۲۔

بھی فرخ سیر بادشاہِ دہلی کے وزیر تھے اور دادا نواب قطب الدین خان بہادر محمد شاہ سلطانِ دہلی کے زمانہ مین فوج کے سپہ سالار تھے۔ مینڈو خان صاحب قبل مین انگریزی فوج کے رسالدار (اٹھارہ سو سوارون کے جنرل) بعدہٗ غازی الدین حیدر شاہ اودھ کے عہد مین فوج کے کمانڈرن چیف (سپہ سالار) تھے اور ۷۰ لاکھ روپئے کا علاقہ اِن کے زیرِ نظامت تھا۔ لکھنؤ مین مینڈو خان کی سرا مشہور ہے۔ مرزا قدرت اللہ بیگ خان شاہی مین ناظم اور رضی الدولہ فخر الملک سہراب جنگ کے خطاب سے سرفراز، ۱۸۵۸ء کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے تحصیلداری کے عہدہ پر مامور تھے۔

انھین فضول خرچی سے سخت نفرت تھی، مگر معقول فیاضی سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ باغ کے میوے موسم کے لحاظ سے تمام ملازمین اور غریب غربا کو ایک مرتبہ اور مکتب خانہ کے لڑکون کو علمی حوصلہ افزائی کی غرض سے چوتھے پانچویں دن خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کیا کرتے تھے۔ لاوارث بیوہ عورتون کو بلا قیدِ مذہب خفیہ طور پر حسبِ حیثیت ماہوار تنخواہ دیتے تھے۔ تا حیات یہ نیک مشغلہ برابر جاری رہا، جو قابلِ تقلید دانشمندانہ اصول کے لحاظ سے بہت کچھ تعریف کے لائق ہے۔ مرزا صاحب کی یہ خفیہ فیاضی اُنکے مرنے کے بعد لوگون کو معلوم ہوئی تھی۔

سُنا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جاڑے کے موسم مین ایک عالم صاحب، جن کے پاس اوڑھنے کو کچھ نہ تھا، شام کے وقت آکر اِن کی مسجد مین چپکے سے پڑ رہے۔ جب مرزا صاحب نماز پڑھنے کے لئے وہان گئے تو دیکھا کہ وہ سردی کے باعث کانپ رہے ہین۔ انھین یہ حال دیکھ کر ترس آگیا، فوراً اپنی قیمتی دُلائی اُنھین اوڑھا دی۔ اس سے اِن کی رحمدلی اور شریف پروری بھی ظاہر ہوتی ہے۔

اصغر بیگ صاحب اپنی حیثیت کے موافق علم و ہُنر کے قدردان بھی تھے۔ مبلغ پانچ روپیہ ماہوار ایک بہت بڑے ذی علم کو ہمیشہ دیتے رہے۔ مکتب خانہ کے نیکدل مُعلّم مولوی رونق علی صاحب کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، جو عربی و فارسی کے ماہر ہونے کے علاوہ اعلیٰ خوشنویس اور خطِ نسخ لکھنے مین اوستاد تھے۔ اِن کے مکتب خانہ مین عام لڑکون کے پڑھنے کی اجازت تھی، قومی تفریق اور اعلیٰ و ادنیٰ کی قید نہ تھی نشست کا انتظام بھی معقول تھا۔ اِن کے بیٹے اور خاندانی و غیر خاندانی جملہ لڑکے مساوی حیثیت سے تخت پر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ اِس سے مرزا صاحب کی وسیع النظری و روشن خیالی پائی جاتی ہے۔

اِنھون نے آبائی زمینداری کو بہت کچھ ترقی دی۔ مرزا آغا حسن خان صاحب سے چند گانون خرید کرکے اپنے علاقہ مین شامل کئے۔ رعایا کی سرسبزی کی غرض سے ڈیہوا نامے (دریاباد سے متصل) مقام پر ایک بہت بڑا پختہ کنوان، جس مین چار پُر متواتر چلنے سے بھی پانی کم نہین ہوتا، بنوا کر آبپاشی کے ذرائع کو وسیع کر دیا۔ پُرانی پھلواری کی ضروری ترمیم و مرمت کے ساتھ ساتھ ایک پختہ بلند کرسی پر عمدہ مسجد بھی تعمیر کرائی، جو اب تک موجود اور مکان سے ملی ہوئی بجانب گوشۂ شمال و مغرب واقع۔

اِن کی وضع سادی، مگر نفاست آمیز تھی۔ گرمیون مین تنزیب کا بے گوٹ انگرکھا، دو پلڑی سفید ٹوپی، نین سُکھ کا بڑے پائنچے والا پائیجامہ نری کا جوتا۔ جاڑون مین سبز گرنٹ کی گوٹ لگی ہوئی سفید بانات کا انگرکھا، نیچے اُسی کا شلوکہ

استعمال کرتے تھے۔ چلّے کے جاڑے (پوس، ماگھ) شروع ہونے پر صبح و شام نفیس چھینٹ کی رُوئی دار مرزائی انگرکھے کے اوپر پہن لیتے تھے۔ اور اودی گرنٹ کی چوڑی گوٹ والی بادامی رنگ کی دُلائی، یا دُبھر بخیہ روئی پڑی ہوئی، اُوڑھتے تھے۔ ۳۸ برس کی عمر مین دفعتہً بعارضۂ ہیضہ انتقال ہوا۔ فربہ اندام، دراز قد، گورا رنگ، خوشرو، رعب دار گول چہرہ، کڑی ہوئی خفیف مونچھین، شرعی داڑھی، منڈا ہوا سر، بڑی بڑی سیاہ آنکھین، چوڑا سینہ، کشادہ پیشانی، لمبے چوڑے ڈنڑ، زبردست رانین۔ اولاد مین محمد یوسف بیگ و محمد یونس بیگ دو راشتا قابضِ علاقہ اور صاحبِ اولاد۔ (مغلان)۔

دوسری فصل شرفاؤ معززین کے بیان مین

بھبھو اَوستھی

کانیکبج برہمن، اُپ منیو گوتر، دریاباد کے اول اوستھی، عالی نسب، دھرماتما، خوش نصیب، دولتمند اور اُولوالعزم بزرگ۔ اِن کے دادا بھوپا پنڈت مشہور اور بہت بڑے اقبالمند، بتاک پور کے راجہ دھرم پال کے گرو (مُرشد) تھے جھجھوت پور مین یگیہ کراکے وہین آباد ہوگئے تھے اور دکشت کہلاتے تھے۔ بھوپا پنڈت کے بیٹے یعنی بھبھو کے باپ جانی بڑے وِدوان، وید کے ماہر، جانان پور مین بسے اور پاٹھک مشہور ہوئے۔ بھبھو نے دریاباد مین سکونت اختیار کی، اور "اوستھیہ یگیہ" کرنے کے بعد اوستھی کے لقب سے ملقب ہوکر "دریابادی اوستھی" کہلائے۔

کانیکبج ونشاولیون (قنوجیا برہمنون کی تاریخین) سے معلوم ہوتا ہے کہ بھبھو مہاراج اب سے آٹھ سو برس قبل دریاباد مین آباد ہوئے تھے۔ اسکی تشریح وضاحت کے ساتھ بابِ اوّل مین دریاباد کی قدامت پر بحث کرتے ہوئے کردی گئی ہے ونشاولیون مین اوستھی جی کے تین بیٹے لکھے ہین۔ کمل، نل، بھٹ۔ کمل یگیہ کرنے کے بعد دسورا کے اوستھی، نل تین ویدون کے ماہر اکڈلا کے تربیدی، بھٹ چندن پور کے باجپئی مشہور ہوگئے تھے، اور دریاباد چھوڑ کر دسورا، اکڈلا چندن پور مین رہنے لگے تھے۔ لیکن، اکثر مقامون پر اس قسم کے اوستھی پائے جاتے ہین، جو اپنے کو "بھبھو والے دریابادی اوستھی" کہتے ہین، جسکی تصدیق "کانیکبج جغتامن" سے بھی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بھبھو مہاراج کے کوئی اور لڑکا بھی تھا جسکی نسل دریاباد مین قائم ہوگئی تھی۔ لیکن، اس اولاد نے ذاتی طور پر کچھ اعزاز حاصل کرنے کی کوشش نہین کی۔ ایک زمانے کے بعد کسی وجہ سے خاندانی لوگ دوسری جگہون مین آباد ہوکر بھبھو والے دریابادی اوستھی کہلانے لگے اور دریاباد مین اُن کا نام لیوا باقی نہ رہا۔ (دیکھیتانہ)

سِدھ ناتھ اَوستھی

بھبھو کی تیسری پُشت مین دھرمائی اوستھی کے بیٹے، عالی نسب، بڑے دھرماتما، فیاض، بلند حوصلہ، دریاباد مین اعلیٰ اور معزز اوستھیون کے بانی، اپنے وقت کے نامی اور قابلِ تعظیم بزرگ تھے۔ اِن کا اصلی وطن موُرایان تھا غالباً رشتہ داری کی وجہ سے دریاباد مین بذاتِ خاص آباد تھے۔

قنوجیا برہمنون کی تاریخون مین اِن کے باپ دادے کی مرجاد (عزت) صرف ۵ بسوہ لکھی ہی اور اِن کے نام کے آگے ۱۰ بسوہ تحریر ہین، ساتھ ہی اِس کے اِنھین "دریابادی اوستھی" بھی لکھا ہے - اِس سے ظاہر ہوتا ہی کہ سِدھ ناتھ مہراج نے دُھوم دھامی یگیہ کر کے اپنے آباواجداد سے دوچند مرتبہ حاصل کیا تھا اور "دریابادی اوستھی" کے لقب سے شہرت پائی تھی - اگر یگیہ کا مُقدّس فرض ادا کیا جاتا تو سدھ ناتھ جی اور اِن کے خاندان والے مورایان کے اوستھی کہلاتے دریابادی اوستھی نہ کہے جاتے اور نہ یہ اعزاز وافتخار نصیب ہوتا، نہ اوستھی جی دنشاولیون کے صفحون مین جگہ پاتے - کیونکہ تاریخ مین اُنھین بزرگون کے حالات لکھے ہین، جن کے کارنامون سے خاندان کو ناموری حاصل ہوئی ہے - سدھ ناتھ کا زمانۂ حیات اب سے ۷۰۰ برس قبل -

"کانکبج جنتامن" اور تحقیق سے پایا جاتا ہے کہ اِن کی نسل والے جہان آباد ہین، اب تک "سدھ ناتھی دریابادی اوستھی" کے نام سے مشہور ہین، اور رُتبے مین صرف تیوراسی کے اوستھیون سے کم (دو بسوہ) ہے گانؤن ہمت پور، گورا، سندھ پور، اِکڈلا سکے اوستھیون کے برابر اور باقی جملہ کانکبج اوستھیون سے بڑھ کر خیال کیے جاتے ہین (یعنی اُپ منیُ گوتر کے علاوہ پندرہ گوترون مین (کاتیائن، بھردواج گوتر مین کوئی اوستھی نہین ہوا) کسی گوتر کا کوئی اوستھی بھی ان کا مد مقابل نہین

اوستھی جی گیارہ بھائی تھے جن مین سے برہم دت کی اولاد تیوراسی کے اوستھی اور جگدت کی نسل لکھنؤ کے باجپئی مشہور ہوئی، جن کا خاندان بہت بڑا معزز خاندان تسلیم کیا گیا ہی، باقی نو بھائی دیودت وغیرہ دوسرے مقامون مین آباد ہو گئے تھے -

بیان کیا جاتا ہی کہ "دریاباد کے اوستھیون کا قابل تعریف زمانہ تھا - یہ لوگ بڑے دولت مند، دھرم کرم کے پابند، اور سخی تھے - اِن کا خاندان بہت بڑا اور مشہور خاندانون مین سے تھا"

دریاباد خاص مین گمان اوستھی کے نام سے "یگیہ شالہ" اور بستی کے باہر دُور دُور تک اوستھیون کے نام سے یگیہ اِس وقت بھی مشہور ہی - گمان اوستھی کی بابت یہ نہین کہہ سکتے کہ وہ بنھئو کی نسل سے تھے یا خاندانِ سدھ ناتھ سے - یہ یگیہ شالہ ایک مدت تک معمولی پختہ ٹیلے کی صورت مین نمودار رہا، راقم کی دیکھا دیکھی بالکل نیست و نابود ہو گیا - آج کل اِس مقام پر پنڈت رام ادھین کا خام احاطہ بنا ہوا ہی - اوستھیون کی اولاد مین رام سُکھ اوستھی موجود اور شکستہ مگر پختہ مکان تاحال قائم - (دیچھپانہ)

کِندر اگن ہوتری

بنھئو اوستھی کی چوتھی پُشت مین بڑے وِدوان اور دو ویدون کے ماہر دیودت دُوبے کے چھوٹے بیٹے، سدھ ناتھ اوستھی کے حقیقی بھتیجے، بڑے اقبال مند اور نامی گرامی بزرگون مین سے تھے - اصلی وطن مورایان سے آکر دریاباد مین "اگن ہوتر یگیہ" کرنے کے بعد اگن ہوتری کے لقب سے مشہور ہوئے - بعضون کا بیان ہی کہ "دریاباد کے باٹھکون مین سے کسی نے یگیہ کیا تھا جسکی اولاد اگن ہوتری کہلائی" لیکن کسی دنشاولی (تاریخ) سے اِس بات کی تصدیق نہین ہوتی - دنشاولیون مین "کِندر دریابادی اگن ہوتری" صاف طور پر لکھا ہی - اِن سے پہلے دریاباد مین کوئی اگن ہوتری

برہمن آباد نہ تھا۔ یہ اوّل بزرگ ہیں جو پہلے دُوبے تھے، یگیہ کرنے کے بعد دریابادی اگن ہوتری کہلائے۔

کانیکبج ونشاولیوں میں کندر مہراج کا مرتبہ سولہو گوتروں کے اگن ہوتری برہمنوں میں جیون، مت کر، اور ہرشکھ کے علاوہ سب سے افضل نظر آتا ہے، جن کے برابر کانیکبج دیش میں کسی مقام پر آج تک کوئی دوسرا اگن ہوتری برہمن پیدا نہیں ہوا۔ جیون، مت کر، ہرشکھ اگن ہوتری صرف کندر کے ہم رتبہ تھے، ان سے بڑھ کر نہیں۔ ریواڑی کے جیون اور بدرکا کے ہرشکھ کندر کے حقیقی بھائی تھے اور اُوگو کے مت کر خاص انھیں کے خاندان والوں میں سے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگن ہوتری جی نے اپنے دھرم کرم، دولت اور اُولوالعزمی کے زور سے دریاباد میں اعلیٰ اعزاز حاصل کر کے بہت بڑا نام پیدا کیا تھا۔ ونشاولی میں اِن کی مرجادا ا بسوہ اور ان کے باپ کی عزت صرف ۵ بسوہ درج ہے۔

چار بھائی تھے۔ جیون ریواڑی میں، جھگنی جونپور میں، ہرشکھ بدرکا میں، بہاری بیگانوں میں رہتے تھے اوّل الذکر تینوں بھائی اگن ہوتری اور آخر الذکر بزرگ دُوبے کہلاتے تھے۔ اولاد میں بابو رام وغیرہ۔ (ٹھکانی ٹولہ)

بابو رام اگن ہوتری

کندر مہراج کے بیٹے سخاوت و فیاضی، اُولوالعزمی اور دھارمک کاموں میں اپنے باپ کے مقلد اور انھیں اوصاف کے باعث واجب التکریم۔ یگیہ کے ذریعہ ذاتی طور پر اعزاز حاصل کر کے قومی خطاب سے بھی سرفراز ہوئے تھے جسکی تصدیق کے لئے اتنا ہی کہدینا کافی ہے کہ قنوجیا برہمنوں کی تاریخ میں یہ سلسلۂ مشاہیر اِن کا بھی کندر مہراج سے علیحدہ ذکر ہے، اور انھیں بھی "دریابادی اگن ہوتری" لکھا ہے، لیکن، عزت میں یہ اپنے باپ سے کسی قدر کم تھے، اِن کی مرجاد ۹ بسوہ لکھی ہے اور کندر جی کی ۱۱ بسوہ، جو اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے فیاضی میں کچھ کفایت شعاری کو دخل دیا ہوگا۔

تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ دریاباد میں اگن ہوتریوں کے دو خاندان قایم تھے۔ ایک کندر کے نام سے، دوسرا بابو رام کے نام سے موسوم تھا۔ چنانچہ اضلاعِ بارہ بنکی، لکھنؤ، ہردوئی، بہرایچ، شاہجہان پور، مین پوری، متھرا، آگرہ، اٹاوہ وغیرہ میں جو اگن ہوتری آباد ہیں، اُن میں بعض اپنے کو کندر والے دریابادی اگن ہوتری کہتے ہیں، اور بعض بابو رام والے دریابادی اگن ہوتری کہلاتے ہیں۔

اوستھیوں کی طرح اگن ہوتریوں کے یگیہ کو بھی ابتک شہرت ہے۔ اِن کا خاندان بھی بہت بڑا خاندان تھا۔ اِن کے دم سے بیسیوں پختہ عمارتیں تعمیر ہو گئی تھیں۔ اِن کے دھرم کرم اور طرزِ عمل کی جا بجا تعریف تھی۔ یہ لوگ جوانمرد اور بہادر بھی تھے۔

دریاباد میں گیا پرشاد، رام بہاری، شمبھو دت اگن ہوتریوں کے نام لیوا بہ قیدِ حیات، اور دو قدیم پختہ مکان موجود، یگیہ شالہ کا صرف نشان باقی۔ یگیہ شالے کی زمین پر ایک خام مکان بنا ہے جس میں شیو پرسن کی ماں رہتی ہیں۔ لیکن، یگیہ شالے کی یادگار میں تھوڑی سی زمین مکان سے علیحدہ چھوڑ دی گئی ہے جس پر اس مقدس عمارت کے جنوبی حصہ کی زمین دو زینہ

ابتک قائم ہی۔ (دھکیتانی ٹولہ)۔

شانت دکھیت

بنھوا وستھی کی نوین پشت مین والمیک دکھیت کے بڑے بیٹے اچھوٹے سنتوش تھے، جو نمش کے دکھیت کہلائے، بڑے معزز اور قابلِ ذکر بزرگ تھے۔ کھیورا مین پیدا ہوئے، دریاباد مین بذاتِ خاص شہرت حاصل کی۔ یہ اپنے باپ سے زیادہ فیاض اور بلند حوصلہ تھے۔ چنانچہ غیر معمولی اہتمام سے یگیہ کراکر دریابادی دکھیت کہلانے کے ساتھ ساتھ اعزاز و مرتبہ مین بھی اُن سے سبقت لیگئے۔ آبائی عزت ۸ بسوہ تھی، لیکن، انھین اپنی برادری مین ۱۰ بسوہ کی عزت عطا ہوگئی تھی۔ یہ اعزاز کل گوترون (کاتیاین، بھردواج، شانکرت گوترمین کوئی دکھیت نہین) کے دکھیتون مین مُتّھل پور، اُدگو، انیٹر، نوگانو، بھٹپورہ، کیونا پور کے دکھیتون کو چھوڑ کر کسی دکھیت کو میسّر نہین ہوا۔ (ماخوذ از تاریخہائے برہمنانِ قنوج)۔

اِن کی نسل والے سدھور، اٹورا، اریاسئو، تارا پور (ضلع بارہ بنکی) سکروری، جرج پور، بہادر پور (ضلع گونڈہ) اُدگو، مراد آباد وغیرہ مین ابتک موجود ہین، جو دریابادی دکھیت کہلاتے اور اعلیٰ معززین مین شمار کیے جاتے ہین۔ دریاباد سے اُتّر ۴ میل کے فاصلہ پر اُستولی کے قریب "پورہ دکھیت" آبادی ہی جسکی بابت کہا جاتا ہی کہ یہ دریابادی دکھیتون کا آباد کردہ ہے۔ لیکن، جو بزرگ یہان آئے تھے، اُن کی اولاد اب کوئی باقی نہین ہے۔ یہ پورہ عرصہ سے ریاست رانی مئو مین شامل ہی۔

اگن ہوتریون اور اوستھیون کی طرح دریابادی دکھیتون کے نام سے بھی یگیہ دُور دُور تک مشہور و معروف ہی۔ سُنا جاتا ہی کہ یگیہ بڑی دھوم دھام سے کیا گیا تھا، جسکے متعلق ایک خاص پختہ عمارت یگیہ شالہ کے نام سے تعمیر ہوئی تھی جس مین ایک مندر بھی بنوایا گیا تھا۔ اس مقدس رسم کی ادائگی کے لئے ضلع بستی سے ایک بہت بڑے نامی گرامی ویدک پنڈت بلائے گئے تھے۔ یگیہ شالہ کی عمارت دکھیتون کے قدیم مکان (جس مین مہابیر دکھیت رہتے تھے) سے متصل پچھم طرف واقع تھی۔ مکان کے اُتر طرف مختصر مگر عمدہ پھلواری تھی۔ آج کل ان زمینون پر کاشتکاری ہوتی ہے۔

مہابیر دکھیت کہتے تھے کہ ہمارے اصل بزرگ، جے کرشن، ہر کرشن، ہری رام، لچھمن جاناپوری مورایان کے پاٹھک کہلاتے تھے، جو دریا خان کے وقت مین مورایان (ضلع اُناؤ) سے دریاباد آئے اور جنگل کٹوا کر یہان آباد ہوئے تھے، جن کی نسل والے یگیہ کرنے کے بعد دکھیت مشہور ہوئے۔ لیکن تاریخی نقطۂ خیال سے یہ بیان صحیح نہین معلوم ہوتا۔ دراصل دکھیتون کے مورثِ اعلیٰ شانت مہاراج تھے، جو پہلے کھیورا کے دکھیت کہلاتے اور دریا خان صاحب سے بہت پیشتر دریاباد کے باشندون مین شامل ہوگئے تھے (کیونکہ اِن کا زمانۂ حیات کانیچ دنشاولی سے اب سے ساڑھے پانچ سو برس قبل ثابت ہوتا ہی اور دریا خان صاحب گزیٹیر بارہ بنکی کے مطابق سنہ ۱۴۴۴ء مین موجود تھے، جسے آج تک صرف ۴۹۷ برس ہوتے ہین) جب انھون نے یہان خود بھی یگیہ کیا تو وہ برہمنی اصول کے موافق دریابادی دکھیت مشہور ہونے کے علاوہ اعلیٰ معززین مین بھی شمار ہوگئے۔

سن رسیدہ بزرگون کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ دکھیتون کے خاندان والون نے یہان تک ترقی کی تھی کہ بیسیون پختہ مکانات تیار ہوکر آباد ہوگئے تھے اور اس سلسلۂ آبادی کا نام "دکھیتانی ٹولہ" مشہور ہوگیا تھا، جو اس وقت تک قائم۔ دکھیت لوگ اقبالمندی، اُلوالعزمی و دولتمندی مین اگن ہوتریون، اوستھیون سے کم نہ تھے۔ قرب وجوار مین ان کی دھوم تھی۔ ان دکھیتون

کی یادگار مین محلّہ کے علاوہ مولچند کے نام سے ایک خام تالاب بھی ابتک موجود ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ جب مولچند نے اپنے مکانات بنوائے، تو جس جگہ کی مٹی گارے اور اینٹون کے کام مین آئی تھی، وہان ایک لمبا چوڑا گڈھا ہوجانے کے باعث اُسے لوگ مولچند کا تال کہنے لگے جو آخر مین کثرتِ استعمال سے "مُلھیا تال" مشہور ہوگیا۔ مدت دراز تک ان دکھچھتون کا زمانہ موافق رہا۔ بعد اُس کے اس خاندان پر دفعتہً ایسی تباہی آگئی کہ دھن دولت، شان وشوکت سب خاک مین مل گئی لیکن مکان کا قدیم پختہ پھاٹک نما بلند دروازہ اب بھی بگڑی ہوئی صورت مین موجود ہے، جس سے دکھچھتون کی اگلی شوکت کا کچھ کچھ پتا چلتا ہے۔ یہ مکان مُنّو اور رام سُوچت دکھچھت کے قبضہ مین ہے۔ (دیچھتانی ٹولہ)

جمراج مشر

ننھکو کی سولھوین پُشت مین گوپال دوبے کے بیٹے لیسپا سے دریاباد آئے اور یہان رہ کر مشر کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے۔ ان کے تین بھائی اور بھی تھے جگو نتھ اومی پور مین اور رگھو ونش دیپور بلورا مین آباد تھے اور سب اوستھی کہلاتے تھے مشر جی کے تین بیٹے نامی تھے۔ بڑے لنکا دھن گوردوان کے مشر کہلائے، دیودت اکڈلا کے اگن ہوتری اور الیشری بیٹھاپور کے اُپادھیا مشہور ہوئے۔

بعض بزرگ بیان کرتے ہین کہ "دریاباد مین مشرون کا زمانہ بھی اچھا تھا اور انھون نے بھی یگیہ کر کے نام پیدا کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمراج مشر کی اولاد مین سے مذکورۂ بالا تین بیٹون کے علاوہ کوئی اور لڑکا بھی تھا، جس کی نسل دریاباد مین قایم ہوکر مشرون کے نام سے مشہور ہوگئی تھی"۔ لیکن مشرون کا خاندان کب قایم ہوا؟ اور کب تک رہا؟ اور ان کا مکان کس محلہ مین تھا؟ اس کا کچھ بھی پتا نہین چلتا۔ اس سے جمراج مشر کا زمانۂ حیات یقیناً اب سے تین چار سو برس قبل معلوم ہوتا ہے۔ اور مشرون کے نام سے جو یگیہ بیان کیا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ کیونکہ برہمنی اصول کے موافق یگیہ کرنے یا کرانے سے اوستھی یا باجپئی، اگن ہوتری اور دکھچھت کا خطاب دیا جاتا ہے اور کانیکبج ونشاولیون مین جمراج کو مشر کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے جو ان کے اوصاف حمیدہ اور دانائی کی صاف دلیل ہے۔ مگر مشرون کے یگیہ کی شہرت اس بات کا ضرور پتا دیتی ہے کہ انھون نے کوئی زبردست مذہبی جشن منایا ہوگا اور اُس مین دل کھول کر دولت خرچ کی ہوگی، مدت دراز کے بعد لوگون نے اُس جشن کو یگیہ کہنا شروع کردیا ہوگا۔

نوٹ سنھُو اوستھی، سیدناتھ اوستھی، کندرو بابو رام اگن ہوتری، شانتِ دکھچھت، جمراج مشر کو قنوجیا برہمنون کی تاریخ مین دریابادی لکھا گیا ہے اور انھین بزرگون کی وجہ سے کانیکبج دیش مین دریاباد کی شہرت ہونے کے ساتھ ہی دریاباد کی قدامت بھی ثابت ہوئی ہے، اس لئے بزرگانِ موصوف کو تاریخ ہذا مین جگہ نہ دینا غیر مناسب نہین معلوم ہوتا۔

قاضی محمد نور الحق صاحب

قاضی صبغتہ اللہ صاحب کے بیٹے، رئیس مزاج، نیک، عہدۂ قضا پر ممتاز تھے۔ واجب العرض دریاباد سے معلوم ہوتا ہے

کہ اِن کے مورث جو محمود آباد کے قدیم معززین مین سے تھے، دریا خان صاحب کے ہمراہ دریا آباد آکر جنگل کٹواکے آباد ہوئے تھے۔ لیکن، قاضی حاجی حسن صاحب فرماتے ہین کہ "قاضیون کے مورث اعلیٰ قاضی داؤد جبکہ پرگنہ محمود آباد کے نام سے نامزد تھا، عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ اُن کی اولاد مین حضرت خواجہ عبداللہ انصاری بزمانۂ ہمایون شاہ بادشاہِ دہلی عہدۂ قضا سے سرفراز ہوکر دریاباد مین سکونت پذیر ہوئے تھے، اور چند مواضعات بجلدوئے خدمتِ قضا انھین دربارِ شاہی سے مرحمت ہوئے تھے" قاضیون کے نام سے محلہ اور پورۂ قاضی اب تک مشہور رہے اس خاندان مین جو اصحاب عہدۂ قضا پر مامور رہے وہ حسب ذیل ہین۔

قاضی صبغۃ اللہ بن قاضی محمد ناصر بن قاضی ضیاء اللہ بن قاضی محمد حاتم عرف حبیب اللہ بن قاضی فیض اللہ ابن قاضی عبدالفتاح ابن قاضی محمد ابن قاضی ملا راجہ ابن قاضی نصیرالدین ابن اعزازالدین ابن قاضی خواجہ اسحاق انصاری فرزند حضرت خواجہ عبداللہ انصاری مورث اعلیٰ قاضیانِ دریاباد۔

واجب العرض کھتری پور سے ثابت ہوتا ہے کہ قاضی صاحب خطیب بھی تھے اور اس لقب خاص سے مشہور تھے۔ انھون نے ایک موضع اسی لقب کی رعایت سے "خطیب پور" نامے آباد کیا تھا، جسے آج کل "کھتری پور" کے نام سے شہرت ہے۔

قاضی صاحب ۱۱۸۲ھ مین ذریعۂ فرمان شاہی عہدۂ قضا پر مامور ہوئے اور ۱۱۹۳ھ تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۱۹۴ھ مین حسب فرمان بادشاہ دہلی عہدۂ قضا قاضی محمد مشرف صاحب کو مرحمت ہوا اور وہ ۱۲۰۷ھ تک اسی عہدہ پر مامور رہے۔ ۱۲۰۸ھ مین پھر قاضی صاحب ذریعۂ فرمانِ شاہی اپنے آبائی عہدہ سے مستفیض ہوگئے اور جب تک زندہ رہے، الطافِ شاہانہ سے سرفراز رہے۔

یہ اچھے زمیندار بھی تھے۔ اِن کے قبضہ مین میرنگر، قاضی پورہ، رحمان پور، خطیب پور، بھگلیان پور، مرکا پور وغیرہ کئی مواضعات تھے۔ فرامین شاہی اور رسالہ حدیقۃ الارض سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ "قاضی صاحب کے بزرگ شیخ انصاری تھے۔ لیکن انھون نے بذات خود نواب شجاع الدولہ بہادر کے حکم سے یا اعزاز و مرتبہ کے لالچ مین خوشامدانہ طور پر شیعہ مذہب قبول کر لیا تھا، جس سے انھین دلی عقیدت نہ تھی، در اصل باطنی طور پر سُنّی ہی رہے" اس سے اگرچہ قاضی صاحب کی اخلاقی کمزوری پائی جاتی ہے، تاہم اگر غور و انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو چندان قابل اعتراض نہین۔ کیونکہ ان کا یہ فعل مجبوری سے تھا، خوشی سے نہ تھا۔ موقع و محل دیکھ کر سبھی ایسا کرتے ہین۔

محمد نورالحق صاحب عاشقِ رسول بھی تھے اور فدائے حسین بھی۔ چنانچہ میلاد کے ساتھ ساتھ عزاداری بھی کرتے تھے۔ محرم وغیرہ کے مصارف کے لئے تین سو اُنیس روپیہ سالانہ نقد بطور نانکار دربار اودھ سے مقرر تھا۔ انھون نے اپنی زندگی مین پختہ امام باڑہ بنوانے کے بعد ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ مسجد کا سنگِ بنیاد [illegible]ھ مین رکھا گیا تھا، جو اب تک شکستہ حالت مین قاضیون کے نام سے موجود۔ لیکن امام باڑہ کی بارہ دری کا صرف اگلا حصہ برائے نام باقی رہ گیا ہے۔

جو چندر وز کا مہمان ہی - اِس امام باڑہ کی تعمیر مکان ہی سے تعلق رکھتی ہی - ناظرین کی آگاہی کے لئے نامنگار کی بابت چند فرامین شاہی کا خلاصہ حسب ذیل ہی :-

(۱) پروانہ ہر پرشاد چکلہ دار پرگنہ دریاباد باسم گوبند پرشاد تحصیلدار محال پرگنہ دریاباد بہ سہ صد و نوزدہم روپیہ بابت نیاز امام باڑہ وغیرہ از قدیم باسم قاضی حسام الحق مقرر و معاف لہذا نگارش میرود کہ الحال در ۱۲۲۳ فصلی مبلغ مرقوم بہ مشار اللہ بدہند کہ مصارف تعزیہ داری جناب سید الشہدا نمودہ بدعای ترقیات حشمت و اجلال بندگان پرداختہ باشند محرم ؎، عیدو بقرعید ۳۸ لوسیے (قیمت دوشالہ ؎، رسوم ؎) (۲) پروانہ مہر راجہ ہرگوپال چکلہ دار پرگنہ دریاباد بنام پنڈت ڈلارام نائب چکلہ بابت نیاز امام باڑہ وغیرہ، ۱۲۴۹ھ، بنام قاضی فداحسین (۳) پروانہ مہری راجہ رام ادہین ناظم محالات دریاباد وغیرہ بنام رائے سوہن لال بابت نذر امام باڑہ وغیرہ، ۲۵ صفر ۱۲۵۲ھ، باسم قاضی فداحسین (۴) پروانہ مہری میر خلیل احمد چکلہ دار پرگنہ دریاباد بنام شیخ شرف الدین نائب چکلہ بابت نذر امام باڑہ۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ، بنام قاضی فداحسین۔ مذکورۂ بالا فرامین شاہی اور پروانے قاضی حاجی حسن صاحب کے پاس موجود ہیں۔

قاضی صاحب کے بعد ان کے بیٹے قاضی حسام الحق اور پوتے قاضی فداحسین صاحب آبائی زمینداری پر بفضل اور عہدۂ منصب قضا سے سرفراز رہے - قاضی فداحسین صاحب کی وفات پر غدر کے بعد انگریزی انتظام ہونے کی وجہ سے عہدۂ قضا شکست کر دیا گیا اور کل مواضعات جو خدمتِ قضا کے صلہ میں وقتاً فوقتاً دربار شاہی سے عطا ہوئے تھے، ضبط ہو کر کچھ تعلقہ رامپور میں اور کچھ قیام پور میں شامل ہو گئے - ذاتی مواضعات بیع ہو گئے - چونکہ قاضی فداحسین صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے اُن کے بعد قاضی حسام الحق صاحب (فداحسین صاحب کے والد) کے نواسے منشی بہادر حسین صاحب اُن کی جائیداد کے مالک ہوئے، جن کی اولاد میں امجد حسین اور حاجی حسن علی اس وقت تک بقیدِ حیات - (قضیانہ محلہ، حال مخدوم زادگان)

بھوانی شنکر دیچھت

کانکبج برہمن، اُپ منیُو گوتر، از اولادِ شانت دیچھت دریابادی، عالی نسب، راجہ ٹکیت رائے کے مشہور خزانچی و مصاحب خاص، بڑے خوش نصیب، اُولوالعزم، خاندان پرور، فیاض، وطن پرست، اور امیر کبیر بزرگ تھے قبل اِن کے دیچھتوں کا خاندان کس مپرسی کی حالت میں گرفتار تھا، اور اِس قدر مصیبت نازل تھی کہ مسماۃ شوبرنا زوجہ گنگا پرشاد دیچھت نے ۲۰ گز لمبی، پون گز چوڑی، اور پانچ گز اونچی پختہ دیوار صرف چار روپیہ کے عیوض پنڈت رام شنکر مشر کے ہاتھ ذریعہ بیعنامہ (مرقومہ ۲۴ ربیع الاول ۱۱۷۴ھ) بیچ ڈالی - لیکن، نواب شجاع الدولہ بہادر کے آخری زمانہ حکومت میں پھر دیچھتوں کا زمانہ عروج پر آیا اور بھوانی شنکر پیدا ہوئے، جنھوں نے اپنے بزرگوں کا نام از سر نو دوبارہ روشن کیا، اور دیچھتانی ٹولہ کی خراب حالت کو بھی خوب درست کر دیا، یہاں تک کہ چالیس گھر پختہ دیچھتوں کے تیار ہو گئے -

بھوانی شنکر معمولی حیثیت کے آدمی تھے۔ صغر سنی مین راجہ ٹکیت رائے کے یہان پہلے سپاہیون مین نامزد ہوئے بعد اُس کے رفتہ رفتہ اپنی فطری دانائی و حسن کارگذاری سے اِس درجہ کو پہونچے کہ لاکھون کی دولت پیدا کر کے آسمانِ شہرت پر آفتاب بن کر چمکے۔

سنہ ۱۲۲۲ھ کی ایک رسید نوشتۂ محمد یوسف سوداگر ملازم سرکار راجہ ٹکیت رائے مین لکھا ہے کہ "مبلغ ۲۰۶۶ روپیہ بتحویل بھوانی شنکر دچھت بابت حساب مہاراجہ صاحب وصول یافتم"۔ اِس سے بھوانی شنکر کا راجہ صاحب کے یہان تحویلدار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ اِس کے شیودین، گیادت، للّو دچھت اِن کے بھتیجے بزمرۂ ملازمانِ شاہی معزز عہدون پر مامور تھے۔ شیودین مہتاب باغ کے داروغہ، گیادت کوتوالِ شہر، للّو فوج مین تمندار تھے، اور بلدی رام و امرت لال اِن کے حقیقی بھائی مہاجنی کے کاروبار مین مصروف تھے۔ الغرض زمانہ موافق تھا، ہر طرح چاندی تھی سُنا جاتا ہے کہ "راجہ ٹکیت رائے اِن کو بہت مانتے تھے۔ چنانچہ اِن کا پختہ مکان، جو دریاباد کی مشہور عمارتون مین شمار تھا، انھین کے حکم سے تیار ہوا تھا جس کی تعمیر مین بھوانی شنکر کا ایک ڈبل بھی نہین خرچ ہوا تھا"۔

مہابیر دچھت کے یہان جس قدر گرنتھ (سنسکرت کتب) اور کاغذات دیکھنے مین آئے ہین، وہ قریب قریب سب بھوانی شنکر و بلدی رام کے زمانے کے ہین جو اگرچہ تلف شدہ ذخیرہ کا ایک جزو بھی نہین ہین، اور خاندان والون کی غفلت اور بے پروائی سے بوسیدہ ہو کر کوڑے کرکٹ سے بھی بدتر ہو گئے ہین، تاہم اُن سے اِتنا پتا ضرور چلتا ہے کہ بھوانی شنکر دولت کثیر کے ساتھ ساتھ امیرانہ شان بھی رکھتے تھے۔ اِن کے یہان دفتر؎۱ قایم تھا جس مین ہندی، ناگری اور فارسی خوان کارندے کام کرتے تھے، اِن کارندون مین رام بخش بہت بڑے عقلمند اور ذی اختیار فارسی دان کارندے تھے۔ مہاجنی کا حساب کتاب ہندی مین، زمینداری وغیرہ کا حساب فارسی مین لکھا جاتا تھا۔ دفتر کے علاوہ پنڈت پراگدت (بھوانی شنکر کے بیٹے) کے اہتمام مین کتب خانہ کا محکمہ بھی جاری تھا۔ اِس مین مکرند دچھت؎۲، اجودھیا؎۳ پرشاد اور پنڈت بختاور؎۴ وغیرہ کئی محرر سنسکرت اور ناگری کی کتابین لکھنے کے لیے نوکر تھے۔ منشی و محرر کے علاوہ سپاہی و خدمتگار وغیرہ بھی بہت سے ملازم تھے جنھون نے تنخواہ وصول ہونے پر اپنی رسیدون مین "سرکار دچھت" اور "سرکار بلدی رام دچھت" وغیرہ شاندار الفاظ اِستعمال کیے ہین۔

بھوانی شنکر معمولی امیر نہ تھے، بلکہ زبردست امارت کی شان رکھتے تھے۔ چنانچہ سُنا گیا ہے کہ اِن کے پلنگ کے پایے سونے کے تھے، اور سیروے، پٹیون پر چاندی کا منقش خول چڑھا ہوا تھا۔ خوابگاہ کی آراستگی دیکھنے کے قابل تھی۔ اِن کے یہان چاندی کے برتن بکثرت تھے۔ سواریون مین رتھ، بہل، فنس، میانے، اِن کے ذاتی تھے لیکن، گھوڑے، ہاتھی وغیرہ راجہ صاحب کی طرف سے اِن کے یہان بندھے رہتے تھے، جن پر یہ حسب خواہش سوار

؎۱ دچھتون کی حویلی مین دیوانخانہ کے نام سے بھی ایک تعمیر تھی، اِس سے بھی دفتر ہونا ثابت ہوتا ہے ۱۲ ؎۲ معمولی خوشنویس تھے ۱۲

؎۳ یہ اچھے خوشنویس ہونے کے علاوہ پنڈت بھی تھے۔ چھڈکانہ محلہ مین رہتے اور پنڈت سالک رام کے خاندان سے تھے ۱۲

؎۴ معمولی لکھنے والون مین تھے، مگر، پنڈت اچھے تھے ۱۲

ہو کر راجہ صاحب کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔

مہاراجہ ٹکیٹ رائے کے گرو نے اِن کے نام ایک چٹھی مین لکھا تھا کہ "ہزارون روپیہ سال نواب صاحب کے یہان سے پیدا کرتے ہو"۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دھکیت مہراج کا دربارِ شاہی سے بھی توسل تھا۔ اِس چٹھی کی پوری نقل دیوان روشن لال صاحب کے بیان مین اُوپر درج ہو چکی ہے۔

سنبھل مراد آباد کی چٹھیون سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہان بھوانی شنکر کے رشتہ دار زیادہ تھے، جن مین سے ایک رشتہ دار نے محض اپنی ناموری کے لئے ایک شادی کی تقریب مین اُنھین بڑی عاجزی کے ساتھ بلایا تھا۔

سُنا جاتا ہے کہ بھوانی شنکر کے زمانے مین لڑکیون کی شادیان قنوج، اوگو، سنبھل، مراد آباد کے نامی اور دولت مند خاندانون مین بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھین، جن مین دیگر قیمتی سامان کے علاوہ چاندی کے برتن، آٹھ آٹھ دس دس ہزار روپیہ نقد جہیز اور بجائے بہنگیون کے مٹھائی اور پکوان سے بھرے ہوئے کئی کئی چھکڑے دیئے گئے تھے۔ اِن کے یہان کی "پراکین" اور "پوریان" مشہور تھین، جو شادی بیاہ کے موقعون پر تیار کی جاتی تھین پراکین دو قسم کی ہوتی تھین۔ ایک وہ جو محض رسم[5] کے طور پر خالص شکر کی سانچہ کے ذریعہ سے ڈھالی جاتی تھین، دوسری میدہ کی خستہ و نہایت لذیذ جس مین میوہ اور کھویا بھرا جاتا تھا۔ شکر والی پراکین انگریزی سیر (۱) کے مطابق بیس بیس سیر کی اور میدہ والی چار پانچ سیر سے کم نہین ہوتی تھین۔ پوریان نہایت صاف، کاغذ کی طرح باریک، دو ہاتھ کے قطر کی تیار ہوتی تھین دریاباد کے برہمنون مین اِس رسم کو اِس فیاضی کے ساتھ کسی نے نہین ادا کیا۔ رگھناتھ پانڈے کے یہان بھی بہت بھاری پراکین تیار کی جاتی تھین، مگر وہ چار پانچ سیر سے زیادہ وزنی نہین ہوتی تھین۔ دھکیتون کے یہان کی پراکون کی شہرت سُن کر اُنھون نے دھکیتون کے یہان سے ایک سانچہ منگوایا تھا، جسے دیکھ کر اُن کے حواس باختہ ہو گئے، حالانکہ وہ خود شکر کے کارخانہ دار تھے بہرحال بھی کے رو صرف مسلمانون کو اور شادی بیاہ کی تقریبون مین شہر بھر مین عام طور پر کیا ہندو کیا مسلمان، سب کو مذکورہ بالا پوریان اور ایک فٹ قطر والی عمدہ کچوریان مع دیگر لوازم ضروری ترکاری اور چٹنی وغیرہ کے بافراط تقسیم کی جاتی تھین کہ ایک آدمی کا حصہ پانچ چھ آدمیون کو کافی ہوتا تھا"۔ اِس سے دھکیت مہراج کی فیاضی، بے تعصبی اور اُولوالعزمی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے۔

ہر پرشاد اوستھی بیان کرتے تھے کہ بھوانی شنکر دان پُن خوب کرتے تھے۔ جب کبھی بنارس اور اجودھیا جی تیرتھ کی غرض سے جاتے تو وہان ہزارون روپیہ خرچ کر کے سادھوؤن اور محتاجون کو نہال کر دیتے تھے۔ اِن کے دروازے پر روزانہ خیرات بھی ہوتی تھی۔ ان مین سب باتین اچھی تھین، لیکن یہ بڑا بھاری عیب تھا کہ غیر خاندان والون کی ترقی اور اُن کی نمود و شہرت دیکھ کر جل جاتے تھے۔ اِن کی ہمیشہ یہی خواہش رہا کرتی تھی کہ دریاباد مین کوئی

۵ اکثر برہمنون مین یہ رسم ہے کہ حسب حیثیت خالص شکر کی پراکین بھی پکوان مین شامل کر کے جہیزی سامان کے ساتھ نوشہ والے کو دیتے ہین اِس سے لڑکی والے کی عالی ہمتی اور دولت مندی کا اظہار ہوتا ہے ۱۲۔

ہمارے مقابل شان وشوکت والا نہ ہو، سب ہم سے نیچے ہی رہین اور ہماری خوشامد کیا کرین۔ اسی بنا پر انھین روشن لال صاحب سے ہمیشہ دلی بغض رہا اور ہمارے چچا من سُکھ تا زندگی اِن سے ناراض رہے۔ کیونکہ دیوان جی کو میان الماس بہت مانتے تھے، اور من سُکھ دیوان جی کے داروغہ تھے۔ اِس سے بھوانی شنکر کی سخاوت ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اِن کی طبیعت مین رشک وحسد کا مادّہ بھی تھا۔

بھوانی شنکر کے گرو نے ایک مرتبہ انھین لکھا تھا کہ: "جب سے تم بیمار ہو کر لکھنؤ سے گئے، کچھ حال نہ معلوم ہوا۔ مہاراجہ صاحب تمکو بہت یاد کرتے ہین۔ ہمکو معلوم ہوا ہی کہ دیوان روشن لال جی نے تم سے بالمیکی رامائن پڑھنے کے لئے مانگی تھی، تمنے دینے مین عذر وحیلہ کیا، دیوان جی کو اِس بات کا بڑا ملال ہوا، اور ہمکو بھی افسوس ہوا۔ ساون سُدی دُوج سمبت ۱۸۴۳ بکرمی"۔ اِس چٹھی کا پورا ترجمہ روشن لال صاحب کے بیان مین اوپر درج ہو چکا ہے۔

اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سمبت ۱۸۴۳ بکرمی مین سخت بیمار ہو گئے تھے۔ مہاراجہ صاحب ممدوح اِن کو بہت چاہتے تھے۔ یہ کسی قدر بداخلاق اور مغرور بھی تھے۔ بھاشا زبان سے واقف اور بلاوجہ جھوٹ بولنے سے دریغ نہین کرتے تھے۔

بھوانی شنکر کی وفات کے بعد اِن کے لڑکے پنڈت پراگدت کاروبار کی دیکھ بھال کرتے رہے اور بلدی رام اپنے بھائی کی جگہ پر راجہ بھوانی دین (جانشین مہاراجہ ٹکیٹ رائے) بہادر کے یہان ملازم ہوئے۔ ایک رسید مین تحریر ہے "منکہ ٹھاکر پرشاد دیکھت ساکن دریاباد۔ چون در سرکار راجہ بھوانی دین صاحب نوکر قدیم تنخواہ از ابتدائے نوکری معرفت بلدی رام دیکھت دام دام وصول یافتہ سمبت ۱۸۹۹ بکرمی"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلدی رام اب سے ۸۰ برس قبل موجود تھے اور راجہ بھوانی دین صاحب کے تحویلدار تھے۔

تخمیناً ۷۰ برس تک کاروبار بدستور قائم رہا۔ بلدی رام و پنڈت پراگدت کے مرتے ہی بنا بنایا کھیل بگڑ گیا یہان تک کہ سمبت ۱۹۰۲ بکرمی مین سرجو پرشاد، رام ادھین، شری کرشن (مالکِ جائداد بھوانی شنکر) بلدو اور کنہیا پانڈے کے قرضدار ہو گئے، جو گوپال سیوک دیکھت کی ایک ہندی چٹھی سے ثابت ہوتا ہے۔ تھوڑے دنون کے بعد مکان کھدنے لگا۔ اینٹین اور بیش قیمت چوبی چیزین کوڑیون کے مول فروخت ہونے لگین۔ آخرش نوبت باینجا رسید کہ سنہ ۱۸۸۰ع کے قبل قریب قریب کُل مکان ہمیشہ کے لئے بے نام ونشان ہو گیا۔ خاندان والے پریشان ہو کر آوارۂ وطن ہو گئے محلہ کے بہت سے بیشہ ور کوری وغیرہ پورۂ خوبان مین آباد ہو گئے۔ افسوس ہے کہ دیکھتون کے خاندان مین اب صرف رام سُوچیت اور مُنّو دیکھت باقی رہ گئے ہین جو اپنے قدیم مکان مین تاحال صحیح وسلامت۔ (دیکھتانہ محلہ)۔

قاضی محمد مُشرف صاحب

شاہ عالم بادشاہِ دہلی کے حکم سے ذریعۂ فرمانِ سُلطانی سنہ ۱۱۹۴ھ مین منصب قضا پر فائز ہو کر سنہ ۱۲۰۸ھ مین چودہ برس اپنے فرائضِ منصبی انجام دینے کے بعد علیحدہ ہو گئے تھے، جو قاضیون کے یہان کا غذات دیکھنے سے ثابت ہوتا ہی۔ حدیقۃ الارض سے معلوم ہوتا ہے کہ موضع میرنگر اِن کی معافی مین تھا۔ اِن کا مکان محلہ محرران مین بھولا

پرشاد نبیاری کے مکان سے متصل پچھم طرف مسجد کے اُتر جانب واقع تھا۔ یہ مکان قاضی سلار بخش صاحب کے نام سے اب تک مشہور ہے، حالانکہ مکان کا کہین نشان بھی نہین۔ افسوس ہے کہ اس سے زیادہ اِن کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (محرران)

سیّد امام علی صاحب خطیب

سنّی المذہب، از خاندان میران غوث، محمد علی صاحب کے بیٹے، مشہور خطیب تھے محضرنامہ نوشتہ قاضی محمد نور الحق صاحب اور بیعنامہ نوشتہ رعایت اللہ وغیرہ بنام مولوی مخدوم بخش صاحب سے پتا چلتا ہے کہ سیّد صاحب ۱۱۸۸ھ کے قبل جوان ہو چکے تھے اور ۱۲۳۰ھ مین بہ قید حیات تھے۔ اِن کے دادا شاہ محمد بہت بڑے عالم اور مشہور و معروف مُفتی تھے، جن کا ذکر باب ۲ فصل ۲ مین درج ہو چکا ہے۔ (میران نگری، حال مرہی محلہ)

گیادت دیچھت کوتوال

کانیکُبج برہمن، از خاندانِ شانتِ دیچھت دریا بادی، امرت لال کے لڑکے، بھوانی شنکر کے بھتیجے، نوابی مین مشہور کوتوال، شطرنج کے شیدائی اور اعلیٰ ماہر۔

یہ زبردست قد آور جوان اور رعب دار ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت خوبصورت اور بہادر بھی تھے ان کی آواز اِس قدر خوفناک تھی کہ جب یہ زور سے بولتے تھے تو بڑے بڑے سپاہی کانپ اُٹھتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن یہ اپنے بھائی شیو دین کے پاس مہتاب باغ مین موجود تھے کہ یکایک بادشاہ کی سواری آگئی اِنھون نے سلام کیا، بادشاہ اِن کی صورت دیکھتے ہی ایسا خوش ہُوئے کہ اُسی وقت اِنھین شہر کی کوتوالی کا پروانہ عطا ہو گیا۔

کوتوال صاحب بڑے عقلمند تھے، اور اگرچہ فارسی دان نہ تھے، لیکن محض جاہل بھی نہ تھے۔ ہندی بھاشا اچھی طرح لکھ پڑھ سکتے تھے۔ سرکاری کاغذات لکھنے کے لئے ایک مُتصدی اِن کے پاس نوکر تھا جو کل واردات وغیرہ فارسی مین قلمبند کیا کرتا تھا۔ پندرہ برس کوتوالی پر مامور رہے۔ پانچ برس لکھنؤ مین، پانچ برس گونڈہ مین، پانچ برس دریاباد مین۔ نواب آصف الدولہ بہادر کی وفات پر خود ملازمت سے علیحدہ ہو کر خانہ نشین ہو گئے اور پھر جب تک زندہ رہے، نوکری کے خواستگار نہین ہُوئے۔

خانہ نشینی کی حالت مین گیادت مہراج صبح اُٹھ کر اشنان کر کے کامل ایک پہر تک پوجا کرتے، بعد اُس کے کھانا کھا کر دن بھر شطرنج کھیلا کرتے تھے۔ اِس فن کو انھون نے لکھنؤ مین کسی مشہور اُستاد سے حاصل کیا تھا۔ لاولد وفات پائی (دیچھتانہ)

لالتا دت تمندار

عرف للو، گیادت کوتوال کے بھائی، شاہی مین تمندار[٥] تھے - مہاراجہ ٹکیت رائے کی مہربانی سے اِس عہدہ کا منصب انھین عطا ہوا تھا - یہ گھوڑے پر خوب سوار ہوتے تھے اور سواری کے وقت زرین ڈاب کمر مین لگاتے تھے - نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے سے نواب سعادت علی خان کے عہدِ حکومت تک زندہ اور الطافِ شاہانہ سے سرفراز رہے - (ڈیچھتانہ)

داروغہ شیودین ڈیچھت

بلدی رام ڈیچھت کے بیٹے، بھوانی شنکر کے حقیقی بھتیجے، نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین مہتاب باغ کے داروغہ تھے، شیش محل کے متعلق بھی کچھ کام سپرد تھا - آصفی دورِ حکومت اِن کے حق مین بھی اکسیر سے کم نہ تھا - انھون نے اپنے ٹھاکر دوارہ کے لئے تین سو پینیٹھ روپیہ سالانہ کا فرمان دربارِ اودھ سے حاصل کیا تھا، جو بطورِ نانکار نوابی زمانہ تک علاقہ ڈوسے مسیٔ (پرگنہ رُدولی) سے برابر ملتا رہا - (ڈیچھتانہ) -

لالہ سیوک رام صاحب ناظم

دیوان روشن لال صاحب کے فرزندِ سوم، فیاضی و سخاوت مین قابلِ تعریف، بہ عہدِ نواب آصف الدولہ بہادر نظامت کے معزز عہدہ پر ممتاز - زمانۂ ملازمت مین جو کچھ پیدا کیا، اُس کا معقول حصہ غریبون اور شریفون کی امداد و پرورش مین صرف کر ڈالا، نیک نامی کے ساتھ زندگی بسر کی، ایک بازار و پختہ سرا بنوا کے اپنی وطن پرستی کا ثبوت دیا، زندگی بھر اپنے بھائیون کے فرمانبردار رہے - نہایت نیک اور سادی وضع کے بزرگ تھے - لاولد وفات پائی - (مہرران)

امیر خان صاحب کمیدان

پٹھان، بڑے شجاع و دلیر، بہ عہدِ نواب سعادت علی خان بہادر نامی کمیدان، دربار کی فوج مین تعینات تھے پہلے سپاہیون کے جمعدار ہوئے - بعد اُسکے رفتہ رفتہ ترقی کر کے کمیدانی کے اعلیٰ عہدہ پر سرفراز ہو کر بڑی عزت و ناموری حاصل کی تھی - انھون نے ایک عمدہ امام باڑہ بنوایا تھا - یہ عمارت جامع مسجد سے متصل واقع تھی - کمیدان صاحب کا مکان پختہ رائے صاحب کے مکان سے متصل پشت پر اُس جگہ تھا، جہان لالہ نواری لال صاحب ماتھر رہتے تھے اب سے تخمیناً انتیس چالیس برس قبل خاندان تباہ ہو کر نیست و نابود ہو گیا - (سرائوگی محلہ)

---

٥ ایک فوجی عہدہ کا نام ۱۲

لالہ لیکھراج صاحب

لالہ مُرار سنگھ صاحب کے فرزند دوم، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے برادر خورد، کپتان فتح علی خان صاحب کے دیوان تھے۔ لیکن "تاریخ پانڈے الودھا، صفحہ ۱۳۵، خانۂ کیفیت سے پتہ چلتا ہی کہ "یہ دیوانِ حبیب خاص بادشاہ اودھ کے تھے"۔ راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے مرنے کے بعد انھون نے ذاتی طور پر اپنا مکان مغلانی محلہ مین تعمیر کرایا تھا، جو اب تک "لیکھراج محل" کے نام سے مشہور رہے۔ اِن کی اولاد مین بابو رام، دیبی پرشاد عرف مینی پرشاد، منولال، جنھون نے اپنے باپ کا مکان آغا حسن خان صاحب رئیس دریاباد کے ہاتھ فروخت کر ڈالا اور اُن سے تعلقدار کمیار نے سنہ ۱۸۹۰ء مین خرید کر کے کھُدوا ڈالا جسکی اینٹیں اپنے تالاب وشیوالہ کی تیاری مین صرف کین۔ ۲۰ برس کا زمانہ ہوا کہ لیکھراج صاحب کا نام ونشان دریاباد سے مٹ گیا۔ اِن کے بیٹون کی اولاد لکھنؤ وغیرہ مین موجود ہے۔ (مغلان)

لالہ درباری لال صاحب

لالہ مُرار سنگھ کے فرزندِ سوم، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے منجھلے بھائی، سلطنت اودھ کے چکلہ دار تھے۔ غازی الدین حیدر بادشاہ[1] کے زمانے مین اِن کا بھی زمانہ خوب موافق تھا۔ اِن کے چھ بیٹے اور تین بیٹیان تھین، جن کی اولاد لکھنؤ مین اس وقت تک موجود۔ درباری لال صاحب کے چھوٹے بھائی بیربل صاحب کی اولاد جودھیا جی مین ہی۔ (محرران)۔

منشی دیپ چند صاحب میر منشی

ماتھر کایستھ، چھتری ورن، از نسل دُرگا داس (خاندان رائےصاحب) سردار سنگھ ابن مہا سنگھ صاحب رئیس اور چودھری وقانونگو کے فرزند اول، الطافِ شاہی سے سرفراز، نظامتِ دریاباد کے دفتر مین میر منشی کے عہدہ پر مامور تھے۔ تنخواہ کے علاوہ پانچ سو روپیہ سالانہ نانکار بھی مقرر تھی۔ غالبًا نصیر الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے زمانے مین بہ قیدِ حیات تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "اِن کے مکان کی حفاظت کے لئے ایک دستہ سپاہیون کا شاہی حکم سے دن رات ہمیشہ تعینات رہا کرتا تھا"۔ لاولد وفات پائی۔ (پھاٹک اندر)

منشی شنکر سہائے صاحب

لالہ درباری لال صاحب چکلہ دار کے فرزند پنجم، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے حقیقی بھتیجے، بادشاہِ اودھ کے دیوانِ حبیبِ خاص، منشی ہفت قلم، نصیر الدین حیدر بادشاہ کے وقت مین مراحمِ سُلطانی سے سرفراز تھے۔ اولاد مین لالہ کدار ناتھ[2] (محرران)

[1] غازی الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے مصاحب خاص، اور معتدین کارندے، خزانۂ شاہی کے داروغہ تھے ۱۲ ۱۲۲۹ھ تا ۱۲۴۳ھ

[2] خاندانی حالات کے لئے بابِ، فصل این راجہ بھوانی پرشاد صاحب کا ذکر ملاحظہ ہو ۱۲۔

لالہ گلال چند صاحب قانونگو

سردار سنگھ ابن مہا سنگھ صاحب چودھری ؤ قانونگو کے فرزند دوم، منشی دیپ چند صاحب میر منشی کے برادرِ خورد، بڑے اُولوالعزم اور امیر دل بزرگ تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ گلال چند صاحب نے اپنی بیٹی کی شادی میں دل کھول کر روپیہ خرچ کیا تھا۔ منشی بہاری لال صاحب، جو دفتر سلطانی میں کسی معزز عہدہ پر ممتاز تھے، کے ساتھ لڑکی کا بیاہ ہوا تھا۔ برات لکھنؤ سے آئی تھی۔ لالہ گنج بخش سنگھ صاحب تعلقدار رامنگر دھمیڑی، بھیا رام سنگھ صاحب رئیس سیف آباد و نائب ریاست ہڑاہا کے علاوہ ناظم کندن لال صاحب پاٹھک (سیسیڈی) راجہ بختاور سنگھ صاحب ناظم دریاباد وغیرہ معززین شاہی بھی برات میں شریک تھے۔ دیوان روشن لال صاحب کے بعد دریاباد میں یہ تیسری شادی ہوئی تھی جس کی غیر معمولی شان و شوکت آج تک نہ دیکھی نہ سُنی۔

ان کی لکھی ہوئی دو پوتھیاں منشی کرت، رامائن واسکند پران اور بیعنامہ نوشتۂ رعایت اللہ وغیرہ بنام مولوی مخدوم بخش صاحب سے پتا چلتا ہے کہ منشی گلال چند صاحب ۱۲۳۷ھ کے قبل قانونگوئی کے عہدہ پر مامور ہو چکے تھے اور انھوں نے ان پوتھیوں کو لکھنؤ میں لکھا تھا۔ ۱۲۴۶ھ میں نو مہینے بیکار رہنے کے بعد ۱۲۴۷ھ میں پھر دوبارہ انھیں چودھرائی کا لقب اور قانونگوئی کا عہدہ نصیر الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے دربار سے عطا ہوا تھا، جس کا شکریہ مذہبی اعتقاد سے کیا گیا تھا۔ اس سے ان کی دینی عقیدتمندی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

یہ قانونگو ہونے کے علاوہ ٹیما، کھان پور، ہیولی تین مواضعات کے زمیندار بھی تھے۔ ان کی اولاد میں شیو دیال کے بیٹے شمبھو دیال اور ان کے چھوٹے بھائیوں رام دیال وغیرہ کی نسل میں بانکے بہادر، چھیدی لال وغیرہ بہ قید حیات۔ یادگار میں پختہ دو منزلی حویلی اب تک موجود۔ (پھاٹک اندر، حال ٹھکانہ محلہ)

منشی سرجو پرشاد صاحب

ماتھر کائستھ، چھتری ورن، لالہ خوشحال رائے صاحب کے فرزندِ اکبر بخشی گری کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانے میں بخشی ہوئے۔ نظامت اور چکلہ کے متعلق دفتروں میں نہایت مستعدی و ہوشیاری سے اپنے فرائض تازیست انجام دیتے رہے۔ ملازمت کا زمانہ گونڈہ، بہرائچ، سلطان پور، خیرآباد، دریاباد میں گذرا۔

یہ بڑے نصیب ور، ذی حوصلہ، اور دریاباد کے سر برآوردہ معززین میں شمار تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی

---

۵ یہ نہایت ملنسار، زندہ دل، خوش وضع، خوش مزاج، مہمان نواز بزرگ ہیں۔ عرصہ تک ریاست رانی مئو میں نائب و مختار عام رہے۔ انھیں تعمیر کا بڑا شوق ہے۔ چنانچہ انھوں نے قدیم اور مخدوش بیرونی کمرے کو ایک خوبصورت بارہ دری کی شکل میں منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ شکستہ پھاٹک کو بھی از سر نو درست کرا دیا ہے جس سے بزرگوں کی یادگار ایک مدت کے لئے زندہ اور مستحکم ہو گئی۔ یہ ہوس ٹیکس کے ممبر بھی ہیں ۱۲۔

منشی نندکشور[1] صاحب بھی اچھے عہدہ پر تعینات تھے - انھون نے اپنے بزرگون کے بقائے نام ونشان کی غرض سے قدیم اور معمولی مکان کو از سر نو عمدہ اور پختہ تعمیر کرا کر اپنی سعادتمندانہ یادگار قایم کی، جو اس وقت تک استحکام کے ساتھ موجود۔ اولاد مین گوبند پرشاد[2] صاحب اولاد - خاندانی حالات باب ۲، فصل ۳، منشی نہال رائے صاحب کے بیان مین ملاحظہ ہون (دیکھنا)

شیخ مخدوم بخش صاحب چکلہ دار

منشی بنی بخش صاحب عاصی کے فرزند دوم، منشی خدا بخش صاحب شائق کے برادر کلان، چکلہ داری پر ممتاز۔ اپنے والد سے فارسی و عربی کی تعلیم پائی تھی، حیدر گڈھ کے چکلہ دار تھے - ان کی شادی شیخ عبد العلی صاحب بن حافظ محمد علی صاحب (از اولاد مخدوم شاہ عبد الحق صاحب قدس سرہ ئمس و عارف کامل قصبۂ رُدولی ضلع بارہ بنکی) کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی - روزہ و نماز کے پابند، خلیق، ملنسار، نیک طینت، آبائی وضع کے بزرگ تھے سنہ ۱۲ھ مین وفات پائی - اولاد مین مظہر حسین کی نسل اس وقت تک قائم، مکان محلہ جھیپی مین موجود۔

پنڈت نارائن دت مشر

ازخاندان پنڈت رام پرشاد مشر، شاکدیپی برہمن، مذہبی خدمت مین مشہور و معروف سنسکرت سے حسب ضرورت معمولی طور پر آشنا، مگر بھاشا مین صاحب استعداد مشہور ہین کہ دریاباد مین پہلے انھین کے رام لیلا کی شہرت تھی - دُور دُور سے لوگ دیکھنے کے لئے آتے تھے - دسہرہ کے دن میلے مین اس قدر کثرت ہوتی تھی کہ بدن سے بدن چھلتا تھا اور کوڑے پر کوڑے برستے تھے - اس مبارک رسم کے بانی مبانی اُس وقت نارائن دت ہی تھے، جن کی بے لوث عقیدتمندانہ کوششون سے قدیم آرین جاہ وجلال، آرین فتح وظفر کا تابناک اور مُقدّس نظارہ ہر سال ہندوؤن کی آنکھون کو روشن کرتا تھا - لیلا کے متعلق مصارف کا دار و مدار چندہ پر تھا، جب تک پنڈت جی زندہ رہے اپنے خاص اہتمام سے غیر معمولی دھوم دھام کے ساتھ دسہرہ کا مسرت انگیز جشن مناتے رہے - دھنش یگیہ کے بھی یہی مہتمم تھے -

مشر جی بھاشا کے شاعر بھی تھے - چند کبت ان کی تصنیف سے، جن مین مولوی امیر علی صاحب اور ہنومان گڈھی کے واقعہ کا ذکر ہے، سُننے مین آئے ہین، جو دلچسپی سے خالی نہین - ان کبتون سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مشر نارائن دت واجد علی شاہ

---

[1] بعہد نصیر الدین حیدر بادشاہ چکلہ و نظامت کے دفترون مین دیوانگری و پیشکاری اور تحصیلداری کے عہدون پر وقتاً فوقتاً مامور ہو کر گونڈہ بہرائچ، سلطان پور، خیرآباد، دریاباد مین تا زندگی تعینات رہے - نامی پہلوان بھی تھے - لاولد وفات پائی ۱۲

[2] ان کے دو بیٹے گوپال پرشاد، برج بھوکھن لال - یہ سلطان پور مین سر رشتہ دار تھے، عین جوانی مین لاولد فوت ہوئے - منشی گوپال پرشاد صاحب اس وقت تک بر قید حیات اور صاحب اولاد - عرصہ تک ریاست شاہ پور (گونڈہ) مین پرائیویٹ سکریٹری رہے - عمارت کے خاص طور پر شوقین ہین - آبائی مکان کی ضروری ترمیم و مرمت کے ساتھ ساتھ ایک نئی پختہ خوبصورت بارہ دری بھی تعمیر کرائی ہے جس سے قدیم مکان کی زینت دوبالا ہو گئی ہے - اس بارہ دری کی آراستگی کے لئے فرش اور شیشہ آلات وغیرہ ضروری سامان بھی خرید کیا گیا ہے ۱۲ -

کے زمانے مین بہ قیدِ حیات تھے۔

شاعری کے علاوہ مشر جیراج موسیقی کے نکات بھی خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ سُنا جاتا ہے کہ "ایک مرتبہ رائے ابھرام بلی صاحب کے یہاں ہولی کے موقع پر بھری محفل مین اجودھیا کا مشہور کتھک شیودین نامے مجرے کے لئے کھڑا ہوا اور اُس نے ہولی کا یہ پد (شعر) "اب نا ہین ڈگر نکرن کی رہی: پچھون اُو رند یار نگ سے بھری" گایا اور گانے کے ساتھ ہی بھاؤ بتانے کے لیئے آگے قدم بڑھایا۔ مشر جی بھی موجود تھے، فوراً بول اُٹھے "کتھک جی! یہ کیا؟ اس پد کو تو اُسی جگہ سمجھانا تھا"۔ چونکہ ان کا یہ اعتراض موقع و محل کے لحاظ سے بیجا نہ تھا، اس لیئے شیودین نے ندامت کے ساتھ اپنی غلطی تسلیم کی اور حاضرین دنگ ہو گئے"۔ اولادِ نرینہ کوئی نہ تھی۔ خاندانی حالات کے لئے باب ۲ فصل ۱، ذکر پنڈت رام پرشاد ملاحظہ ہو۔ (چھیپی ٹولہ)

شیخ محمد حسینؒ صاحب میجر

دریاباد کے قدیم باشندون مین سے مولوی فرید بخش صاحب تمندار کے بیٹے، بڑے بہادر اور جری، شاہی مین فوج کے میجر تھے۔ شروعِ انگریزی مین بہ قیدِ حیات، تخمیناً ۷۵ برس کا سن۔ اِن کے بیٹے مولوی جعفر حسینؒ صاحب کی اولاد مین شیخ مقبول حسین آبائی پختہ مکان پر قابض اور فیض آباد مین اہلمدی پر مامور۔ (قضیا نہ حال مخدوم زادگان)

لالہ لچھمن پرشاد صاحب

شری واستو یہ دوسرے کایستھ، از خاندانِ محرران دریابادی، لالہ ہزاری لال صاحب کے بیٹے، اصلی نام لچھمی نرائن عرف لچھمن پرشاد، بڑے امیر دل اور امیرانہ زندگی بسر کرنے مین مشہور۔ چکلہ دریاباد کے دیوان لالہ برج موہن لال صاحب لکھنوی کے پیشکار تھے۔ ذاتی آمدنی کثیر تھی جس سے اِن کے گھر پر امارت کی شان برستی تھی۔ مکان پختہ اور بہت بڑا وسیع دو منزل کا تھا جس کی مردانہ نشست والی بارہ دری نہایت نفیس بنی ہوئی تھی۔

منشی جی خوش وضع اور خوش پوشاک تھے۔ قیمتی چکن، انگرکھا، شملہ، بڑے پائینچے والا پاجامہ، عمدہ زری کا جوتا کچہری یا تقریب کے موقع پر اور مکان پر روزمرہ دھوتی انگرکھا، چوگوشیہ ٹوپی پہنتے تھے۔ آن بان والے بھی تھے۔ شاہی عہد کے بعد عمر بھر کسی دوسرے کی نوکری نہین کی۔ امارت کی بابت سُنا جاتا ہے کہ "ان کے پاس شال دوشالے، نقرئی ظروف وغیرہ قیمتی چیزون کے علاوہ ایک نیچہ ساٹھ روپئے قیمت کا تھا"۔ (محرران)

لچھمن پرشاد صاحب شروعِ انگریزی عملداری مین بہ قیدِ حیات تھے۔ اِن کے بیٹے منموہن لال آبائی نام و نشان مٹا کے سنہ ۱۸۵۸ء مین تارک الوطن ہو گئے۔ سنہ ۱۸۸۰ء کے قریب گجادھرپور (گونڈہ) خرید کیا اور وہین سکونت اختیار کی۔ سنہ ۱۸۹۶ء مین وفات پائی۔ لچھمن پرشاد صاحب کی یادگار مین مکان کے متعلق پختہ کنوان اور ایک باغ اب تک موجود ہے۔

۵ منشی منموہن لال صاحب کے چار بیٹے۔ بڑے منشی جوالا پرشاد صاحب فوت ہو گئے۔ اولاد مین گنپت لال کا بیٹا۔ بہ عمر ۱۷ سال موجود۔ تیسرے صاحبزادہ منشی چند کا پرشاد صاحب، آج کل کلکتہ مین ہیڈ اکاؤنٹنٹ، الکیو اسّی روپیہ ماہوار مشاہرہ، صاحب اولاد۔ چوتھے

مرزا آغا حسن خان صاحب چکلہ دار

بڑے خوش نصیب، شجاع، دربارِ شاہی مین باریاب، چکلہ داری کے عہدہ پر ممتاز، دُور دُور تک کے بڑے بڑے آدمی اِن کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔

لالہ دیبی دین صاحب بیان کرتے ہین۔ "مرزا سالار بخش مغل نوابی مین پلٹن کے جمعدار تھے۔ اِن کے لڑکے آغائی صاحب[سلہ]، مرزائی صاحب[سلہ]، آغا حسن خان، آغا حیدر خان۔ سالار بخش کی شادی مرزا امام بخش صاحب (رُدولی) کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی، جو اُس وقت چکلہ داری پر مامور تھے۔ آغائی صاحب وغیرہ چارون بھائیون کی تعلیم و تربیت کا بار مرزا امام بخش صاحب نے اپنے ذمہ لیا اور اُنھین کی کوشش سے آغائی صاحب سلطان پور کے ناظم آغا حسن خان صاحب دریاباد رُدولی کے چکلہ دار مقرر ہوئے، مرزائی صاحب اور آغا حیدر صاحب بھی لکھنؤ مین معزز عہدون پر مامور ہو گئے۔ آغائی صاحب نے دریاباد چھوڑ کر لکھنؤ مین سکونت اختیار کی، مگر آغا حسن خان صاحب عرصہ تک دریاباد مین رہے جنھین ہمنے خود چکلہ داری و بندوبست کے زمانے مین دیکھا ہے۔ لیکھراج والا محل آغا حسن خان صاحب نے انگریزی زمانے مین خرید کیا تھا، اُسی مین وہ رہتے تھے، لکھنؤ مین بھی اپنے بھائی کے پاس رہا کرتے تھے۔ مدّت کے بعد یہ مکان خود آغا صاحب کے خاندان والون نے رانی صاحبہ کمیار کے ہاتھ بیچڈالا تھا۔ ناظم صاحب کے امون کا مکان رُدولی مین ابتک موجود ہے۔ سُنا ہے کہ نواب علی نقی خان بہادر اِن کے رشتہ دار تھے۔ انھون نے بھی اپنے بھائیون کی

صاحبزادہ بابو دیا پرشاد صاحب، گجادھر پور سکونت، کاشتکاری ذریعۂ معاش، صاحبِ اولاد۔ دوسرے صاحبزادہ بابو بالا پرشاد صاحب تھے۔ ۱۸۹۱ء مین بہ اعانت جناب نواب اکرام اللہ خان صاحب (مخاطب بہ نواب یار جنگ بہادر مسکنہ کاکوری) ریاست رامپور مین ملازمت اختیار کی ۱۹۰۴ء مین والیٔ رامپور کی ملازمت ترک کر کے دسمبر ۱۹۰۵ء مین ریاست بلرام پور (گونڈہ) مین تحصیلدار مقرر ہوئے۔ ۹۔ اگست ۱۹۱۳ء کو انتقال ہو گیا ان کے بیٹے **کنور نشاتھ سہائے** صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل گونڈہ، بڑے خلیق، ملنسار، خاندان پرور۔ ۱۹۰۱ء مین رامپور اسٹیٹ ہائی اسکول مین انٹرنس، بعد اُسکے کرسچین کالج (لکھنؤ) مین ایف۔ اے، پھر الہ آباد یونیورسٹی اسکول آف لا مین قانون پاس کر کے ۲۳ مارچ ۱۹۰۹ء سے گونڈہ مین وکالت شروع کی جہان آج کل سر بر آوردہ وکیلون مین مشہور۔ گونڈہ مین ذاتی پختہ مکان بنوایا ہے۔ اِنھین اپنے قدیم وطن دریاباد سے محبت اور آبائی جائداد و مکان وغیرہ تلف اور برباد ہو جانے کا سخت قلق ہے۔ کنور صاحب کے ایک بیٹی اور ایک بیٹا بہ قید حیات بیٹی کی شادی گورکھپور کے مشہور وکیل منشی بھیرون پرشاد صاحب زمیندار مواضعات چوری وغیرہ کے پوتے بابو رادھا کانت در ما متعلم ایل ایل بی کلاس لکھنؤ یونیورسٹی کے ساتھ ہوئی ہے جو گورکھپور مین سکونت پذیر اور آبائی زمینداری پر تا حال قابض۔ لڑکا ابھی کم سن ہے اور گورنمنٹ ہائی اسکول گونڈہ مین زیر تعلیم۔ خاندانی حالات کے لئے شیو نرائن لال صاحب منصرم کا بیان ملاحظہ ہو جو آگے درج کیا گیا ہے۔

[سلہ] اصل نام آغا علی خان۔ اِن کا مکان لکھنؤ مین وکٹوریہ اسٹریٹ پر بزازہ سے متصل واقع ہے جو ایک نہایت عالی شان اور وسیع امیرانہ عمارت ہے ۱۲

[سلہ] اصل نام محمد مرزا خان ۱۲

طرح شاہانہ الطاف سے سرفراز ہوتے ہی مذہب شیعہ قبول کر لیا تھا اور سادات میں داخل ہو گئے تھے۔ مرزا سالار بخش کا قدیم مکان دریاباد میں اُس جگہ تھا جہاں آج کل مشتِظم سارنگی نواز کا مکان بنا ہے"۔ قصبہ کے دیگر لوگ بھی اس بیان کی تائید کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ سالار بخش کی قبر مخدوم زادوں کے قبرستان میں اب تک موجود ہے"۔

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ بالا مکان ۱۸۹۰ء میں ٹھکرائن رتراج کنور صاحبہ (تعلقدار کیبار پرگنہ دریاباد) نے خرید کیا تھا۔ اس لئے آغا صاحب کا سلسلہ دریاباد سے منقطع ہوئے آج تک صرف ۱۳۰ برس ہوئے۔

سنا جاتا ہے کہ مرزا بلاق بیگ صاحب کا علاقہ نشنداس پور جو گیارہ ہزار پچاسی روپیہ پر رائے صاحب کے یہاں رہن تھا، اُسے آغا صاحب نے بحیثیت چکلہ داری فکِ رہن کرا لیا تھا، جسے آخر میں مرزا اصغر بیگ صاحب نے روپیہ دیکر اپنی زمینداری میں شامل کر لیا تھا۔ آغا صاحب اور مرزا صاحب میں رشتہ داری کی وجہ سے بڑا میل ملاپ تھا۔ رائے صاحب اور آغا حسن صاحب سے اس علاقہ کی بابت ایک زبردست جنگ ہوئی تھی، جو "دلونہ کی لڑائی" کے نام سے آج تک مشہور ہے۔ اس لڑائی میں آغا حسن صاحب کے مددگار سورجپور والے تھے اور رائے صاحب کے حامی کیبار وغیرہ کے سردار۔

فیصلہ رائے گنیشی لال صاحب بہادر سے پایا جاتا ہے کہ "۱۸۶۲ء میں مرزا آغا حسن خان صاحب دریاباد کے پٹی دار تھے اور یہ مقدمہ گوبند پور رہونسے پور بمقابلہ دریاباد فریق سوئم تھے قبل مقدمہ ان کا علاقہ رائے صاحب کے یہاں مکفول تھا"۔ لیکن، تحقیقات کہتی ہے کہ مرزا صاحب ذاتی طور پر کچھ بھی ریاست نہیں رکھتے تھے، ان کے پاس مرزا بلاق بیگ صاحب والا تعلقہ تھا، جس کا ذکر اوپر ہو چکا، اور جسے مرزا آغا حسن خان صاحب نے بذاتِ خاص رائے صاحب کے یہاں رہن کیا تھا۔ (مغلان)

لالہ رام سہائے صاحب

شری واستو یہ دوسرے کائستھ، چھتری ورن، لالہ بستی لال صاحب کے بیٹے، زبردست ذی علم منصدی، الطافِ شاہی سے سرفراز، فیاضی میں خاص طور پر مشہور۔

لالہ صاحب کے خاندانی حالات انھیں کی لکھی ہوئی ایک مصدقہ تحریر (صورتِ حال) سے، جس پر قاضی فدا حسین صاحب کی مہر لگی ہوئی ہے، بجنسہ نقل کر کے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

"ضعیف العباد بندہ رام سہائے ولد بستی لال ابن اجودھیا پرشاد ابنا ہی تاراچند ساکن قصبہ دریاباد دعا ہے کہ مسمی کامراج مورث کلاں من سائل قانونگو پرگنہ خیرآباد سکنہ محلہ ماکھر پور ال ڈینگر بود چنانچہ کامراج موصوف بر فاقت بزرگان بابو چھتر پال سنگھ تعلقدار ہڑہا! متیاز داشت بریں معنی بابو مذکور بخاطرداری تمام از مورث کلام مسطور

ؐ نقل رو بکار محکمۂ بندوبست ملک اودھ داقع ۵ اجون ۱۸۶۲ء، نمبر مقدمہ ۱۵، نمبر موضع ۹۹، دعویٰ تنازعہ دریاباد بمقابلہ گوبند پور رہونسے پور پرگنہ، تحصیل و ضلع دریاباد، راجہ نرانذر بہادر سنگھ بنام رائے ابھرام بلی ۱۲۔

فرمودند کہ متعلقان خود را از خیرآباد آوردہ در علاقہ من مظہر سکونت نمائید چون بموجب فرمودۂ بابو صاحب ممدوح دہم تحت مقتضای آب و خور مورثم جمیع متعلقان از وطن مالوفہ خودش طلب داشتہ بدریاباد خاص بر آراضی بخشیدۂ بابو صاحب مذکور کہ ہنگام طلب داشتن متعلقان مورثم بجہت بود باش بخشیدہ بودند سکونت پذیر شدند و ہمین نمط از وقت بابو صاحب موصوف تا ذات مسمی کسل سنگہ مورثم ابنای کا مراج مورث کلام رابطہ بدستور قدیم برقرار ماندہ آخرش بعد چندی کسل سنگہ مذکور بعہدہ وکالت بابو اجیت سنگہ وارثان بابو جیتر پال سنگہ مذکور نوکری اختیار کردہ اجیت سنگہ ممدوح نیز تحفظ رفاقت سابقہ و بحسن سازی و کارپردازی حال راضی و شاکر گردیدہ بہ کسل سنگہ موثانم سکنہ وامر جہت تعمیر مکانات و احاطہ و ہم آراضی بنا بر باغات وغیرہ سواری عنایات قدیما واقع ہٹی دریاآباد عنایت فرمودند چنانچہ کسل سنگہ مذکور و تاراچند پسرش نیز بحسب ارشاد و باعث یافتن آراضی در ہٹی دریاباد خاص مکانات جہت سکونت خود با معہ احاطہ تیار نمودہ و باغات انبہ ہم نشانیدہ و مسمی موہن قوم پاسیان سکنہ حالت پور را بدلجوئی تمام آوردہ ملحق احاطہ عقب حویلی بآراضی یافتہ خودش مکانے برای بود باش پاسیان مذکور تعمیر کراندہ نامبردہ را آباد ساخت و مسمی اجودھیا پرشاد پسر تارا چند نبیرہ کسل سنگہ از ہمو رفاقت آراضی چند بیگہ در موضع غازی پور از بابو دلجیت سنگہ برای نشانیدن باغ انبہ یافتہ چنانچہ باغ بر آراضی مذکور بموضع مسطور تا این وقت قایم و بار آور است و تا یوم الہذا بر آراضی بخشیدۂ بابو صاحبان مسبوق المدح بلا شرکت و مواخذہ احدی وغیری معہ مکانات و باغات وغیرہ در سواد ہٹی قصبہ دریاباد و موضع غازی پور وغیرہ بمنزلت من سائل در اقتباض و تصرفات مالکانہ خود دارم عرصہ قریب بست و پنج سال نہ گذشتہ باشد کہ مسمی امرت لال قوم کایستھ مسکونہ موضع دولہدی پور بہ عجز و الحاج و اظہار این معنی کہ از بود و باش دیہات بہ تنگ آمدہ ام و باعث ہتک عزت و فرق در ننگ و ناموسم است از بستی لال والدم پسر اجودھیا پرشاد موصوف درخواست سکونت بہ قرب مکان نمود چنانچہ والدم مسمی بستی لال مسطور بر فروتنی و عجز شان مترحم مزاج متوجہ حال شدہ با احاطہ حویلی خود کہ ملحق مکان موہن پاسیان بود و مساۃ پھمنیا کنیزک از ان خود سکونت میداشت ہ اپنا مسمی ناتھو پسرش بہ حیات موجود کہ اورا پدر ساختہ و درخت جامن کہ در ان احاطہ بود و آن را ترا نشانیدہ بعاریتاً امرت لال مسطور از مکروہات حال خودش خانہ کذارست و خانہ سکونت او کہ از احداث کردہ مورثانم مرقومہ بالا است و بوجہے من الوجوہ حق ملکیت احدی بدان تعلق نیست و نمی رسد و بین ولا از آبادی ویران و افتادہ است پس ہر کہ را بر صحت این حال و صداقت این مقال اطلاع و آگاہی بودہ باشد گواہی خود برین قرطاس ثبت نماید و اگر خود قادر کتابت نباشد تا بدیگری نوشتن اجازت دہد کہ عند اللہ ماخوذ و عند الناس مشکور خواہد بود دوم محرم سنہ ۱۲۵۱ ہجری ۔"

لالہ رام سہائے صاحب نے فارسی میں قابلیت پیدا کر کے بہ عہد محمد علی شاہ (۱۲۵۳-۱۲۵۸ھ) دربار شاہی میں ملازمت حاصل کی اور شاہی متصدیوں میں نامزد ہو کر کار متعلقہ بہ ہوشیاری انجام دینے لگے۔ امجد علی شاہ کے زمانے میں بادشاہی حکم سے بہ عہدۂ خاص تحریری مدبر الدولہ راجہ جوالا پرشاد صاحب بہادر کی ہمراہی میں تعینات ہوئے۔ سنہ ۱۲۷ھ میں ان کے کار متعلقہ میں اضافہ ہو گیا۔ اب یہ راجہ[۱] جوالا پرشاد صاحب کے دفتر کے علاوہ بابو[۲] پور نچند صاحب

[۱] و [۲] شاہی دفتر کے معزز عہدیدار تھے ۱۲ -

کے ہمراہ کام کرتے ہوئے راجہ کندن لال صاحب کی پیشدستی مین بھی کار متعلقہ انجام دینے لگے۔ سنہ ۱۲۴۷ھ مین تصحیح تنخواہ کا کام سپرد ہونے کے ساتھ ساتھ دریاباد رُدولی وغیرہ کی فوج وتوپخانہ کے بخشی بھی ہوگئے جس کی تصدیق کے لئے چند شاہی پروانون کی نقلین حسب ذیل ہین۔

(۱) نقل نوشتہ بہ مہر راجہ مان سنگہ بہادر قائم جنگ مرقوم دویم شہر ربیع الاول ۱۲۶۶ ہجری بنام مصر ہرگوبند رام تحصیلدار دریاباد مصر صاحب مہربان مصر ہرگوبند رام سلمہ اللہ تعالی۔ ظاہراً در سال گذشتہ آبکاران دریاآباد بوقوع تکرار از آبکار دوکان معافی بودہ لالہ رام سہای متصدی ہمراہی مدبر الدولہ راجہ جوالا پرشاد بہادر حکمنامہ معلی بمعیت سزاول جاری شدہ بود آبکاران مزبور باز نامہ نوشتہ دادہ بودند الحال برخلاف آن مرتکب تکرار و فساد بودہ آبکار متعلقہ معافی لالہ مرقوم را ناحق تنگ و زیربار می نمایند چون لالہ مرقوم توسل از سرکار والا دارند لہذا نگارش میرود کہ بر آبکاران دریاآباد تاکید وچشم نمائی نمائند کہ نہار پیرامون فساد نگردند و ناحق باو فساد نسازند درین باب توقف ننمایند و زیادہ کہ درین خصوص نالش درینجا نرسد (۲) نقل پروانہ بمہر راجہ جی لال سنگہ بہادر مرقوم دوم صفر ۱۲۶۷ ہجری۔ تہور و جلالت دستگاہ دنیا سنگہ منصرم چکلہ دریاآباد محفوظ باشند ظاہراً روشن سنگہ کارندہ راجہ کوبخش سنگہ تعلقدار رامنگر در چک لالہ رام سہای متصدی ملازم سرکار والا ہمراہی مدبر الدولہ راجہ جوالا پرشاد بہادر کہ متعلق تحصیل حضور است دخل وتعرض بیجا می کند لہذا نگارش میرود کہ برخوردار نوشتہ ہذا تا مبردہ را مداخلت چک مسطور باز داشتہ دو نفر سپاہی جہت تحصیل از سرکار تعینات کردہ دہند تاکید بلیغ دانستہ۔

(۳) خط مہری راجہ بختاور سنگہ ناظم محالات دریاباد وغیرہ بنام راجہ ہردت سنگہ بہادر۔ برخوردار نورچشم سعادت و اقبال نشان راجہ ہردت سنگہ بہادر زاد عمرہ۔ بعد دعوات تزاید عمر و درجات مطالع باد ظاہراً بدریافت رسید کہ کاربردازان ہمراہی آن عزیز خلاف عملدر آمد از محصول دوکان آبکاری معافی منشی رام سہای ملازم سرکار معلی التعرض میسازند باوجود معائنہ نوشتہ مہری برخوردار بلند اقبال راجہ مانسنگہ بہادر قائم جنگ کہ سابق مشعر عدم تعرض آن بنام ہرگوبند رام مصر تحصیلدار دریاباد جاری شدہ بود ہیچک بیان نمی آرند لہذا قلمی میرود کہ کاربردازان مذکور را از تعرض و مزاحمت بیجا باز دارند بہرحال باموروات مرجوعہ منشی مسطور ممد و معاون باشند کہ بار دگر شکایت اندرین مقدمہ بسامع اینجانب نرسد تاکید مزید پندارند مرقومہ ۱۱۔ شوال ۱۲۶۷ ہجری (۴) نقل خط مہری محمد مرزائی برادر کلان آغا علی خان بہادر موسومہ سید حسن خان چکلہ دار دریاباد مورخہ پنجم رمضان ۱۲۷۰ھ۔ نورچشم راحت جان سید آغا حسن خان زاد اللہ عمرہ۔ بعد دعای درازی عمر و دولت واضح باد باظہار لالہ رام سہائے متصدی ملازم سرکار ہمراہی بابو پوریچند صاحب و پیشدست راجہ کندن لال صاحب بہادر معلوم شد کہ آن نورچشم زنانخانہ خوشحال آبکار ساکن پورہ لالہ معزی الیہ واقع پرگنہ دریاآباد را بہ طلب محصول دوکان آبکاری معافی شان مستفید نمودہ اند چون سابق اقرار نامجات و مچلکہ چوٹانی وغیرہ نزد لالہ معزی الیہ موجود بلکہ معائنہ نمودہ شد درین صورت نقول مذکورہ لف ہذا فرستادہ قلمی میرود کہ آن نورچشم درین خصوص گفتہ عرضگویان پذیر ایساختہ اطفال و زنان خوشحال مذکور را رہا سازند و بکار پردازان آبکاری ممانعت نمایند کہ آیندہ بہ کسے نوع حلد بدستور از دوکان مسطور معترض نشوند زیادہ دعا مرقوم پنجم رمضان ۱۲۷۰ ہجری۔ مہر محمد مرزائی۔ راقم آثم محمد حسین سلام بصد شوق و دعا میرساند درینمقدمہ ہر الجہ بذل و لطف خواہد شد ہر آئنہ باعث مسرت ما خواہد بود و بس (۵) حکمنامہ باسم رام سہای ولد گوبند پرشاد و مدالدی لال چون ایشان را برائے تصحیحہ تقسیم تنخواہ مردم سوار و پیادہ و عملہ توپخانہ تعیناتی ولگی علاقہ دریاآباد و رودلی وغیرہ ابتدائے ۱۲۵۹ فصلی

۵ شاہی دفتر کے معزز عہدیدار سکھے ۱۲ -

مقرر کردہ شد باید کہ بدیانت و امانت تمام بکار سرکار و انضباط سررشتہ پرداختہ کاغذات بحسب سررشتہ ارسال کردہ باشند ـ از دقایق خیر خواہی فرو نگذاشتہ باشند و اطلاع ہر امر کماحقہ بذریعہ عرائض نمودہ باشند و تعمیل حکم سرکار را باعث بہبودی خود دانند و ز نہایی تاکید دانستہ حسب المسطور لعمل آرند مرقوم بست و ہشتم ماہ جمادی الاول ۱۲۷۴ھ ہجری"

مذکورہ بالا تحریر سے منشی صاحب کی بیدار مغزی، نیک نیتی، دانشمندانہ کارگذاری، جفاکشی، قابلیت بخوبی ظاہر ہوتی ہے ـ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لالہ صاحب کی دربار شاہی میں بڑی قدر و منزلت تھی اور معززین شاہی بھی ان پر خاص مہربان تھے ـ یہ اپنی مطلب براری کے لئے کسی معزز عہدیدار سے التجا نہیں کرتے تھے، بلکہ خاص بادشاہ کے حضور میں عرضداشت لکھ کر پیش کر دیتے تھے ـ چونکہ نیک نیتی کے سبب ان کی درخواست صداقت سے مملو، اصلی واقعات پر مبنی ہوتی تھی، اس لئے فوراً بے تحقیقات ان کے مزاج کے مطابق حکم صادر ہوجاتا تھا ـ چند پروانے اور بھی ملاحظہ ہوں :ـ

(۱) لالہ خوش وقت رائے اخبار نویس ہمراہ عامل دریاباد وغیرہ ـ دریافت شد کہ بعض کسان برخوشحال آبکار ساکن پورۂ لالہ رام سہائے از راہ عملش بدعت میسازند لہذا نگارش میرود کہ الیشان خبر گیران باشند کہ کسے نوعی جبر بر رعایای پورۂ لالہ مذکور نکنند و ہنگام وقوع حسب ضابطہ جرش نویسند ـ فقط مرقوم بست و سوم جمادی الثانی ۱۲۷۴ھ ہجری بمعرفت لالہ شیو دین وکیل مہر سلطانی (۲) حکمنامہ باسم رام سنگہ حاضر ہمراہ سیتلا بخش ـ بملاحظہ عرضداشت رام سہائے متصدی مشعر نالش عبدالرحمن مستاجر آبکاری و ہیرا و چھوٹانی و بھوانیدین چودھری آبکاران باشندۂ علاقہ دریاآباد بوجہ باز نیامدن آنہا از ارتکاب بدعات با وصف تاکید تحصیلدار آنجا حسب صدور حکم قدر شیم نقلش مرحمت و اوراپومیہ ہشت آنہ مامور فرمودیم کہ بہ عبدالرحمن و ہیرا و چھوٹانی و بھوانیدین مدعا علیہم تاکید و سزا اول و تحصیلدار آنجا ابلاغ حکم معلی نماید کہ متعدیان را از بدعت باز داشتہ و رفع نالش سائل از روی واجبی نمودہ راضی نامہ اش مع محلکائی متعدیان ارسال دارد ساز دہم شہر جمادی الاول ۱۲۷۴ھ ہجری مطابق ۴ سنہ جلوس والا ـ مہر سلطانی

(۳) حکمنامہ مہری بر جبیں قدر مرزا محمد رمضان علی بہادر بنام بینی مادھو سنگہ تحصیلدار دریاآباد وغیرہ ـ بملاحظہ عرضی رام سہائے مشعر نالش مردم فوج بوجہ نمودن بدعت بیکار وغیرہ بر رعایا وسمی خوشحال آبکار پورۂ متعلقہ سائل واقع علاقہ دریاآباد و برداشتہ بردن یک چھپر نو تیار از دروازہ دادخواہ و استغاثہ بر مردم ہمراہی رام ردپ بوجہ خورانیدن سیر سائل بابت فصل ربیع اسپان و گاوان و از جہت مستعد بفرار بودن رعایای پورہ مذکور حکم محکم نافذ میگردد کہ متعدیان را از بدعت باز داشتہ امداد و اعانت در امور مرجوعہ واجبی اش نماید تاکید مزید شناشد مرقوم بست و چہارم شہر جمادی الثانی ۱۲۷۴ھ ہجری (۴) حکمنامہ راجہ بختاور سنگہ ـ چون نامبردگان باوصف تحریر محلکہ مرتکب امر خلاف حکم شد ند لہذا بہ سزاولی جرمانہ مناسب معہ محلکہ آئندہ گرفتہ ارسال دارد و بکارند کان ہردت سنگہ تاکید نمائیند کہ خلاف حملہ را آمد معترض نشدہ باشند ۲۸ ـ شوال ۱۲۶۰ھ ہجری"

تحقیقات سے پایا جاتا ہے کہ لالہ رام سہائے صاحب کو واجد علی شاہ کے عہد حکومت میں دربار شاہی سے ۳۷۵ بیگھہ آراضی (واقع موضع محمد پور باہون) اور ایک سو پچاس بیگھہ آراضی (واقع محمد پور قاضی پور) جملہ پانچ سو پچیس ۵۲۵ بیگھہ پختہ آراضی علاقہ دریاباد میں بطور معافی مرحمت ہوئی تھی ـ ذیل کے کاغذات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے

(۱) لالہ صاحب لالہ برجموہن لال پیشکار دریاباد۔ ظاہر اعرضداشت لالہ رام سہائے بدرخواست یافتن یک صد و پنجاہ بیگہ پختہ آراضی سیر لاخراجی واقع محمد پور و قاضی پور علاقہ دریاباد بنام راجہ بختاور سنگہ عامل آنجا مزین بدستخط شدہ است نگارش میرود کہ ایشان از عامل سعی کردہ تعمیل حکم مندرجہ دستخط کنانند تاکید مزید دانستہ حسب المسطور بعمل آئید مرقوم ۳۰ شہر شعبان المعظم سنہ ۱۲۶۹ ہجری۔ مہر کچہری دیوانی محروسہ خاقانی خلدہ ملکہٗ (۲) حکمنامہ بنام سید حسن علی خان بہادر عامل دریاباد رودولی۔ عرضداشت رام سہائے مشعر تحصیل خزانہ عامرہ کردین آراضی چک شامل واقع محمد پور باہون پرگنہ دریاباد واستدعائے عدم تعرض عامل از چک مزبور بعد دریافت از دفتر معلی بہ نظر انور گذشتہ بتاریخ پنجم ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۱ ہجری برائے دریافت از دفتر دیوانی وعدم تعرض مزین بدستخط کردیدہ واز دفتر معلی بودن آراضی چک متعلقہ محمد پور باہون شامل قبولیت رام سہائے و تحصیل خزانہ عامرہ من ابتدائے سنہ ۱۲۶۳ فصلی تحقیق رسید لہذا بنام ایشان نفاذ حکم میگردد کہ از آراضی چک مزبور کہ شامل قبولیت سائل و تحصیل خزانہ عامرہ است تعرض نسازند و ہر قدر آمدنی ازان تحصیل نمودہ باشند بہ سائل مسترد نمایند بر آراضی مزبور دخل سائل بخوبی کردانیدہ دہند درین باب تاکید مزید دانستہ حسب الحکم والاعمل آرند مرقوم بست و پنجم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۱ ہجری۔ مہر سلطانی (۳) نقل تجویز وڈگری بحق رام سہائے مدعاعلیہ۔ متدائرہ ۱۷، دسمبر سنہ ۱۸۶۹ء فیصلہ ۲۹ جنوری سنہ ۱۸۷۰ء اجلاس منشی محمد احسن صاحب تحصیلدار صدر منصرم رامنگر ضلع بارہ بنکی (۴) فرد مدخلہ رام سہائے بابت آراضی سیر محمد پور باہون، باجلاس سید علی محمد نقوی تحصیلدار پرگنہ دریاآباد، مرقومہ ۷۔ مئی سنہ ۱۸۶۹ء، بہ گواہان حاشیہ حسین علی چودھری قانونگو، ابھرام بلی چودھری قانونگو بشندیال چودھری قانونگو۔

یہ صاحب ایثار بھی تھے۔ بلا قید مذہب ہر کس و ناکس کی حاجت براری کے لئے ہمہ تن مصروف رہتے تھے اپنے ہم وطنون کا انھین بڑا خیال رہتا تھا۔ جو شخص ان کی خدمت مین حاضر ہوتا تھا، اُس کا محروم واپس آنا مشکل تھا، جب تک اُسے اپنی سعی و سفارش سے کامیاب نہ بنا دیتے تھے، تب تک اپنا خاص مہمان سمجھ کر اُس کی ہر قسم کی خاطر و مدارات کرنے مین ذرا بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ یہ وصف ان کا لاطمع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ان کی فیاضی کا چرچا دریاباد مین زبان زد خاص و عام ہے۔ یہ دریاباد کے مشہور فیاض شیخ کرم کریم صاحب عُرف چھیدا میان کے گہرے دوست تھے۔ تا زندگی تعلقات مین کسی قسم کی کشیدگی نہ آنے پائی۔ وضعداری اسی کا نام ہے جو آج کل عنقا کا حکم رکھتی ہے۔

تلسی کرت رامائن کا ایک قلمی نسخہ بخط فارسی باتصویر (یہ تصویرین اب سے ایک صدی قبل کی ہندوستانی مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہین) اور بہت سے کُنڈلی نما طول طویل علمی پیچے (جس مین سنسکرت اشلوک بخط نستعلیق بیضاوی دایرہ کے اندر دلکش بیل بوٹون اور نقش و نگار کے ساتھ سنہری اور رنگین روشنائی سے لکھے ہوئے ہین) جو منشی لگن بھاری لال صاحب کے پاس اب تک موجود ہین اُنکے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ منشی رام سہائے صاحب مذہبی کتابون کے شوقین، بھاشا زبان سے مانوس، اور علم و ہنر کے قدردان تھے۔

سُنا جاتا ہے کہ لالہ رام سہائے صاحب کے مکان پر حفاظت کی غرض سے آخر زمانہ شاہی تک ایک دستہ سپاہیون

کا ہمیشہ تعینات رہا" دستہ" اُس زمانے مین بارہ سپاہیون کی جماعت کو کہتے تھے۔ ان سپاہیون کا قیام لالہ رام سہائے صاحب کے سکنہ کے متعلق کسی مکان مین تھا۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لالہ صاحب موصوف الطاف شاہی سے سرفراز تھے۔

رام سہائے صاحب منتظم بھی تھے اور محب وطن بھی۔ انھون نے شاہی عطیہ و افتادہ آراضی پر (واقع محمد پور باہون) اسامی بسا کر گاؤن آباد کیا اور پرتی زمین کو قابل زراعت بنا دیا جو "چک رام سہائے" کے نام سے اتبک مشہور رہی۔ علاوہ اس کے ایک "پورہ" بھی اپنے نام سے آباد کیا جس سے دریاباد کی آبادی مین بہت کچھ اضافہ ہوگیا۔ یہ پورہ محلہ مہران سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا محلہ تھا۔ "چک رام سہائے"، "پورہ رام سہائے" دونون کا ذکر مندرجہ بالا شاہی تحریرون مین موجود ہے۔ اس پورہ مین لالہ صاحب کی طرف سے ایک شراب کی دوکان بھی تھی، جس کا محصول دربارِ شاہی سے معاف تھا، جو مذکرۂ بالا پروانون سے ثابت ہے۔

ملازمت کے سلسلے مین جب تک یہ لکھنؤ مین رہے عزیزون کی حاجت روائی اور قوم پروری مین حسب حیثیت مشغول رہے۔ بعد انقلاب سلطنت اپنے وطن آکر خانہ نشین ہوگئے اور پھر تاحیات کسی کی ملازمت نہین کی۔ ان کے دو پختہ مکان لکھنؤ مین تھے اور دو دریاباد مین۔ ایک موروثی، دوسرا ذاتی۔ غدر کے ایام مین دونون مکان باغیون نے کھود ڈالے تھے۔ موروثی مکان از سرِ نو خام دیوارون سے پھر تیار کرایا گیا، مگر دوسرا بدستور کھنڈر کی صورت مین پڑا رہ گیا، جو چند روز کے بعد زمین دوز ہوکر بے نام و نشان ہوگیا اور جس کی بنیادی اینٹین شیو آلہ مین صرف کی گئین، جسے لالہ مگن بہاری لال اور لالہ لال بہادر نے باہمی شرکت مین تعمیر کرایا تھا۔

انھون نے اپنی زندگی بڑے اطمینان کے ساتھ بسر کی۔ حوادثاتِ زمانہ نے اِن پر کبھی کسی قسم کا اثر نہین ڈالا، نہ کسی وقت عتاب شاہی نازل ہوا، نہ کسی بیرونی آفت کا انھین مقابلہ کرنا پڑا۔ محمد علی شاہ کے زمانہ سے واجد علی شاہ کے وقت تک مسلسل الطافِ شاہانہ مین ترقی ہوتی رہی، اراکین سلطنت اور معززین شاہی مہربان اور مخلص بہی خواہ رہے جو مذکورۂ بالا شاہی کاغذات سے ظاہر ہے۔

اِن کی طبیعت قانع ہونے کے ساتھ ساتھ سادگی پسند بھی تھی۔ اِسی وجہ سے شاہی ملازمت کے بعد بھی انھین کسی قسم کی تکلیف نہین ہوئی۔ چونکہ گھر مین یہ صرف میان بی بی دو ہی آدمی تھے اور اگرچہ انگریزی انتظام ہوجانے کے باعث حسب منشار قانون جدید ان کی ذاتی شراب کی دوکان شکست ہوجانے پر آمدنی مین کمی ہوگئی تھی، تاہم عطیہ شاہی اور آبائی سیر ان کی گذر اوقات کے لئے کافی تھی، اس لئے انھون نے ملازمت کو فضول سمجھ کر کبھی اُس کی خواہش نہین ظاہر کی۔ ان کے پاس جو جائداد اور زمینداری تھی وہ حسب ذیل ہے۔

"چک رام سہائے، واقع موضع محمد پور باہون، حصّہ موضع محمد پور قاضی پور (پرگنہ دریاباد) پورۂ رام سہائے سکنہ عقب حویلی، بہ سلسلۂ آبادی پورۂ رام سہائے، سیر عطیۂ ریاست ہڑاہا۔ باغات انبہ (دو باغین واقع دریاباد ایک باغ واقع غازی پور) ایک پھلواری"۔

خانہ نشینی کی حالت مین بھی یہ ہمت ہار کر بیکار نہین بیٹھے، باوجود پیرانہ سالی اِن کا دل و دماغ بدستور جوان رہا، جس کی وجہ سے یہ قومی و ملکی خدمات مین خاص طور پر حصّہ لیتے رہے۔ تعلیمی معاملات سے بھی اِنھین دلچسپی تھی۔ چنانچہ اِن کے نام کے پرائیویٹ خطوط اور سرکاری پروانے اِس بات کے کافی ثبوت ہین۔ ایک خط مین تحریر ہے :

"لالہ صاحب مشفق و مہربان لالہ رام سہائے صاحب نمبردار چک رام سہائے زاد لطفہ۔ پس از سلام و شوق ملاقات آنکہ چونکہ بغرض تکمیل دستور العمل بنارس نسبت تعین رسم ورواج قرار داد شادی اہل ہنود جو محض بے ترتیبی کے ساتھ باصراف زر کثیر بلا لحاظ حیثیت وغیرہ ہوتا ہے، ضرور ہے کہ اِس کے واسطے ایک جلسۂ کمیٹی منعقد ہو کر بعد از استصواب اصحاب نامی و موقر و معزز خاندان ایک بات مستحکم طے ہو کر مراتب عملدرآمد اُس کے صدا مین بھیجے جاوین کہ وہان سے بعد یکجائی جوابات ہر ایک تحصیل کارروائی آئندہ ظہور مین آویگی۔ نظر برآن اِس تحصیل مین واسطے کمیٹی امور مذکور الصدر کے ۲۲-جولائی ۱۸۷۰ء روز جمعہ قرار دیا گیا ہے۔ پس تکلیف خدمت ہون کہ آپ براہِ مہربانی بتاریخ مذکور قبل از دس بجے دن کو تشریف لاکر شریک جلسہ کمیٹی ہو جئے۔ زیادہ نیاز۔ ۱۱-جولائی ۱۸۷۰ء

مہی شنکر تحصیلدار ایٹہ"

ایک اہم معاملہ کی بابت ایٹہ سے دریاباد لالہ صاحب کی طلبی کا خط آنا کچھ کم وقعت انگیز نہین۔ کرنیل شمیر صاحب اپنے ایک مطبوعہ نوازشنامہ مین تحریر فرماتے ہین :-

"مشفق و مہربان لالہ رام سہائے کایتھ سلمہ اللہ۔ چونکہ منشی پیارے لال صاحب تخفیف فضول مصارف و انسداد قبوح شادی و بیاہ مین عرصہ سے کوشش کر رہے ہین اور اِس ضلع مین آئے ہین۔ لہٰذا بموجب منشاء جناب نواب لفٹنٹ گورنر و چیف کمشنر اودھ اِس ضلع مین ایک کمیٹی بتاریخ ۱۹-جون ۱۸۷۰ء یوم سہ شنبہ وقت ۷ بجے صبح بمقام صدر نواب گنج قرار پائی ہے۔ اُمید ہے کہ آپ ایک دن بیشتر مقام نواب گنج مین آکر شریک ہونگے۔ فقط، جون ۱۸۷۰ء۔ کرنیل شمیر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع نواب گنج بنکی"

خطوط مذکورۂ بالا اِس امر کو صاف طور پر ظاہر کرتے ہین کہ جس قبیح رسوم کی انسداد کے لئے آج کل دھوم دھامی جلسے منعقد کئے جاتے ہین اور جسے بیسوین صدی کے روشن خیال رفارمرون کی کوشش کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے اُس کی تحریک اب سے نصف صدی قبل بڑے زور و شور کے ساتھ تمام ہندوستان مین شروع ہو چکی تھی، حتیٰ کہ برٹش گورنمنٹ نے بھی از راہِ ہمدردی اِس معاملہ کے متعلق اپنی آمادگی کا کھُلے الفاظ مین اعلان کر دیا تھا۔ مگر افسوس! کہ نتیجہ کچھ نہ ہُوا

مصرعہ "وہی ذلت وہی خواری، جو آگے تھی سو اب بھی ہے"

ایک سمن بنام اشخاص جوری اجلاس جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر مجاریہ ۲۴-اگست ۱۸۶۹ء مین لکھا ہے :-

"رام سہائے ولد بستی رام قوم کایتھ ساکن دریاباد پیشہ زمینداری۔ جو کہ بتاریخ ۲-ستمبر ۱۸۶۹ء واسطے تجویز چند مقدمات کے مقرر ہوئی ہے اور تمھارا نام جوری کی فہرست مین داخل ہوا ہے۔ اِس واسطے تمکو حکم دیا جاتا ہے کہ بحضور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر عدالت بمقام صدر کچہری بارہ بنکی بتاریخ مذکورہ ٹھیک وقت گھنٹہ قبل دوپہر کے حاضر آؤ۔"

کمیٹی اسکول دریاباد منعقدہ ۳۰-اگست ۱۸۷۳ء کے ایک جلسہ کی کارروائی کی بابت ایک تحریر ہے :- منشی رام سہائے صاحب نمبردار، منشی عبد الجلیل خان صاحب ہیڈ ماسٹر و سکریٹری کمیٹی، مولوی عبد اللہ خان صاحب اسسٹنٹ سکریٹری

آج کی تاریخ جلسۂ کمیٹی منعقد ہوا۔ رائے مہراج بلی صاحب و منشی منیڈھی لال صاحب بر سبب اعتدالی مزاج کے تشریف نہ لا سکے۔ صرف منشی رام سہائے صاحب تشریف فرما ہوئے اور دویم کلاس کے طلبہ کا جغرافیہ اول مین امتحان لیا اور طلباء کی حاضر جوابی سے مسرور ہوئے۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منشی صاحب اسکول کے محض نمائشی ممبر نہ تھے، بلکہ تعلیمی کورس سے اتنے واقف تھے کہ ادنیٰ درجہ سے لیکر اعلیٰ درجہ کے طالب علمون کا امتحان لے سکتے تھے، مگر جغرافیہ سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ "دویم کلاس" اُس وقت مڈل کلاس (اعلیٰ درجہ) کا ایک جزو خاص تھا۔

اِن کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اِس لئے غالباً سنہ ۱۸۹۰ء کے بعد جبکہ رام سہائے و حصہ موضع محمدپور و قاضی پور انھون نے فروخت کر ڈالا تھا۔ آخری عمر مین بقائے نام کی غرض سے مگن بہاری لال اور گوکل پرشاد کو جو رشتہ کے ناتی ہوتے ہین، اپنا جانشین قرار دیکر اپنی بقیہ جایداد کا مالک بنا دیا تھا جس پر وہ اِس وقت تک بلا شرکت غیرے قابض و دخیل ہین۔ ۸۰ سال کی عمر مین وفات پائی۔ لانبا قد، موٹے تازے، بڑی بڑی سیاہ آنکھین، گول چہرہ چوڑا ماتھا، گورا رنگ، ہاتھ پانون دُرست۔

مرحوم نیک، فکر دنیا سے آزاد، صُلح پسند، غیر متعصب، آبائی وضع کے پابند تھے۔ دھوتی، انگرکھا بلا گوٹ، چوگوشیہ یا دو پلڑی ٹوپی، نری کا جوتا۔ تقریبون مین بجائے دھوتی کے بڑے پائینچے کا پائیجامہ پہنتے تھے۔ پوس ماگھ کے مہینے مین جب چلے کے جاڑے شروع ہوتے تھے، وہ دُلائی جس مین پاؤ بھر پختہ سے زیادہ رُوئی نہین پڑتی تھی، اوڑھتے تھے اور چھینٹ کی رُوئی دار مرزائی سفید انگرکھے کے اوپر صبح و شام استعمال کرتے تھے۔ یادگار مین ایک پختہ کنوان ہے۔ لالہ رام سہائے صاحب کے بیان مین جن کاغذات کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب منشی مگن بہاری لال صاحب کے پاس موجود۔ (محرران)

لالہ سرجو پرشاد صاحب قانونگو

از نسل دُرگا داس (خاندانِ رائے صاحب) لالہ ٹکیت رائے صاحب تعلقدار کی اولاد مین لالہ ایشُری پرشاد صاحب کے بیٹے، قانونگوئی کے عہدہ پر مامور، فسانۂ عجائب کے عاشق زار، مرزا سرور لکھنوی کے اعلیٰ قدردانون مین تھے۔ ولادت سنہ ۱۸۱۰ء، وفات سنہ ۱۸۹۵ء۔

نقل معروضۂ مشیر الدولہ بہادر مہاراجہ بالکرشن (وزیر مال سلطنتِ اودھ) مُہری قاضی فدا حسین صاحب سے ثابت ہوتا ہے کہ انھین سنہ ۱۲۶۹ ہجری مطابق سنہ ۱۸۵۳ء کے قبل قانونگوئی کا عہدہ حاصل ہو چکا تھا۔ نوابی زمانے تک بدستور اسی عہدہ پر تعینات رہے سنہ ۱۸۵۸ء کے بعد انقلابِ سلطنت کے باعث اپنے آبائی عہدہ سے علیحدہ ہو کر پھر تا زندگی کسی کی ملازمت پسند نہین کی۔

سبھا حال مین بھولا ناتھ ناتھ نے اس کنوین کی جوڑی اور بلند پختہ جگت بنوا کر شاندار تعمیر کرا دیا ہے جو بستی کے باہر پچھم طرف لکھنؤ والی سڑک سے متصل واقع ہے۔"

قانونگو صاحب کے بزرگوار شاہی زمانے مین عموماً اپنے ہم عصر وطنی رئیسون سے بلحاظ اعزاز کسی طرح کم نہ تھے، جو چودھرائی کے لقب سے ملقب اور قانونگوئی کے عہدہ پر مامور ہونے کے علاوہ دیگر الطافِ شاہانہ سے بھی سرفراز تھے۔ ڈیڑھ سو بیگھہ پختہ آراضی بطور معافی اور سو بیگھہ پختہ آراضی نانکار کے طریق پر دربارِ اودھ سے پائے ہوئے تھے جسکی تصدیق مین ذیل کے پروانے[51] ملاحظہ ہون:-

(۱) بندگان عالی متعالی نواب برہان الملک ابو المنصور خان صفدر جنگ حکمنامہ آراضی انعام - آراضی موازی یک صد و پنجاہ بیگہ بہ گز آلہی بموجب پروانہ باسم ہمت و دہونکل نبیرہ ہای ٹکیت رائے قانونگو پرگنہ دریاباد صوبہ اختر نگر اودھ از موضع کھیوراج پور وغیرہ عملہ پرگنہ مذکور مقرر شد در ینولا حکومت امانت پناہ محمد افضل امین فوجدار پرگنہ مذکور فیض اللہ جریب کشان تعین نمود کہ در موضع کھیوراج پور وغیرہ منفصلہ ذیل رقبہ آراضی مذکورہ پیمودہ چک بستہ بدہند - گواہ شد فتح علی چودھری و قانونگو - گواہ شد بختاور سنگھ چودھری و قانونگو - تحریر تاریخ ہفتم شہر رجب المرجب ۱۱۶۷ ہجری مقدسہ (۲) متصدیان حال و استقبال پرگنہ دریاآباد سرکار صوبہ اودھ اختر نگر - یک صد بیگہ زمین پختہ مزروع بموجب سند در وجہ انعام و نانکار ہمت و دہونکل نبیرہ ہای ٹکیت رای چودھری و قانونگو پرگنہ مسطور بموضع سرای خواجگی عملہ پرگنہ مرقوم حسب الضمن مقرر و معاف نمودہ شد باید کہ از آراضی بوجہی معترض و مزاحم نشدہ بہ تصرف موصی الیہ واگذارند کہ حاصلات آنرا صرف معاش خود نمودہ بدعای دولت اشتغال تحریر بست و پنجم جمادی الثانی سنہ ۶ جلوس والا مہر جعفر علی خان"

سرجو پرشاد صاحب فارسی مین ذی استعداد اور اردو کے اچھے ماہر تھے۔ فسانۂ عجائب کے علاوہ مرزا سرور کی دیگر تصانیف شگوفۂ محبت، شبستانِ سرور (ترجمہ الف لیلہ) گلزار سرور، سرور سلطانی، انشاء سرور کی بھی تعریف کیا کرتے تھے، جن کو راقم نے خود انھین دیکھنے کے لئے دی تھین۔ ان تصنیفون کے مقابل مین "سروش سخن"، "فسانۂ دلپذیر" وغیرہ کتابین، جو فسانۂ عجائب کے جواب مین لکھی گئی تھین، اِن کے نزدیک کوئی چیز نہ تھین۔ لالہ پرمیشر دیال صاحب بھی فسانۂ عجائب کے دلدادہ تھے۔ چونکہ اُس زمانے مین راقم الحروف کو بھی اس کے پڑھنے کا بیحد شوق تھا، اس لئے دونون حضرات بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ اپریل سنہ ۱۸۹۱ء لغایت مئی سنہ ۱۸۹۳ء دو برس بلاناغہ ہر روز فسانۂ عجائب کے پڑھنے کا وظیفہ برابر جاری رہا۔ قریب آٹھ بجے شام سے ۱۱ بجے شب تک، کبھی کبھی ۱۲ بجے کے بعد تک بھی یہ دل خوش کن مشغلہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ گرم رہتا تھا۔ فسانۂ عجائب سُنتے وقت اِن بزرگون پر ایک قسم کی غفلت طاری ہوجاتی تھی کہ اگر کوئی بات چیت کیجاتی تو اِن کو مطلق خبر نہ ہوتی۔ مگر، ہر رنگین فقرون اور جملون کو سُنتے ہی بیساختہ "واہ" کہکر جھومنے لگتے تھے۔ افسوس! کہ دو برس کے بعد راقم ریاست رانی مئو مین ملازم ہوگیا اور یہ علمی مجلس ہمیشہ کے لئے درہم برہم ہوگئی۔ منشی سرجو پرشاد صاحب کی صحت خراب ہوگئی اور کچھ دنون کے بعد وہ قضا کرگئے۔ اسی طرح لالہ پرمیشر دیال[52] صاحب بھی اِس جہان فانی سے کوچ کرگئے۔

---

[51] ان پروانون مین بعض الفاظ صاف پڑھے نہیں گئے، اور بعض کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے ۱۲

[52] اصلی وطن الہ آباد۔ اِن کے والد لالہ رام سہائے صاحب لالہ بشندیال صاحب رئیس (دریاباد) کے یہان ملازم تھے، اِس سلسلہ

یہ بڑے نیک، سیدھے سادے، شراب اور گوشت کے بیحد شوقین تھے۔ شاہی زمانے کے معلومات مین کافی مہارت رکھتے تھے۔ لکھنو کی زبان، وضع قطع، نفاست اور صناعی کے بہت مدّاح تھے۔ نوابی زمانہ کی حکومت اِن کے خیال مین ایک بہترین نعمت سے کم نہ تھی۔

اِن کی زمیندارانہ حیثیت بھی کسی قدر اچھی تھی، جو اِن کے حقیقی بھائیون کنھیّا لال و اجودھیا پرشاد اور کئی ایک تفریقداروں مین منقسم ہو کر معمولی طور پر باقی رہ گئی تھی، تاہم گوبند پور، رحمان پور حصص سرائے خواجگی ڈ ہونسے پور، باہمی تقسیم کے وقت اِن کے حصے مین آئے تھے۔ ایک سرکاری کاغذ سے معلوم ہوتا ہے کہ گوبند پور ۱۲۶۶ فصلی تک اِن کے قبضہ مین رہا، ۱۲۶۶ فصلی مین بوجہ عدم ادائے مالگذاری رائے پرتاب بلی صاحب کے نام نمبر ہوگیا تھا"۔ اِس سے اِنکی ناانتظامی ثابت ہوتی ہے۔ ۹۲ برس کی عمر مین وفات پائی۔ اولاد مین انوکھے لال صاحب اولاد بہ قید حیات، آبائی زمینداری پر قابض، مکان پختہ موجود۔ یادگار مین بیرونی دو پختہ کمرے۔

مرحوم قدیم وضع کے پابند۔ چوڑی گوٹ والا انگرکھا، نیچے شلوکہ، چوگوشیہ ٹوپی، کبھی کبھی دو پلڑی، سفید نین سکھ کی لمبی اک لنگی دھوتی، نری کا جوتا، اکثر بکسوے دار بوٹ، قومی محفلون مین بڑے پائینچے کا پاجامہ بجائے دھوتی کے پہنتے تھے۔ جاڑون مین چھینٹ کی روئی دار مرزائی انگرکھے کے اُوپر پہن لیتے تھے، اور صبح و شام زیادہ سردی کے وقت گرنٹ کی سبز گوٹ لگی ہوئی لکھنوی فرد کی رضائی مین بادبھر پختہ روئی ڈلوا کر اوڑھتے تھے۔ تقریب کے موقع پر بانات کا انگرکھا، جس مین اُتو کی ہوئی اُودی گرنٹ کی گوٹ لگی اور بنارسی بیل ٹکی، شالی چوگوشیہ ٹوپی، شالی رومال، پاجامہ بدستور سفید نین سکھ کا استعمال کرتے تھے۔ جوانی مین خوبصورت تھے، چہرہ ملیح تھا، رنگ کسی قدر سانولا، کشادہ پیشانی، خمیدہ ابرو، نوکدار زبردست عمدہ مونچھین، لانبا قد، دوہرہ بدن، دراز گردن، ہاتھ پانون مضبوط اور سڈول، بڑی بڑی آنکھین، گھونگھر والے بال، بابری حجامت، رُخ پر دہنے طرف مٹر کے برابر گول مسا، مرتے دم تک اعضائے جسم صحیح و سلامت۔ (بھاٹک اندر)

شیخ کرم کریم صاحب عرف چھیدا میان

شیخ، از نسلِ حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی مخدوم بخش صاحب رئیس کے فرزند چہارم، نامی گرامی

مین وہ معہ عیال و اطفال دریاباد مین آباد ہو گئے تھے۔ پرمشر دیال صاحب بڑے خلیق، ہردل عزیز، ملنسار بزرگ تھے۔ ان کے دوستون کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ مگر ڈاکٹر لال من، منشی گنگا پرشاد صاحب ہیڈ ماسٹر، ڈاکٹر یار محمد خان صاحب، مولوی مظفر کریم صاحب وکیل، لالہ شنکر لال صاحب کمال، منشی مینڈھی لال صاحب، لالہ الفت رائے صاحب، رائے مہادیو بلی صاحب، لالہ تاپرشاد صاحب جگدھر یا (عم راقم الحروف) سے خاص مراسم تھے۔ یہ چار بھائی تھے۔ بڑے بھائی شنکر لال صاحب، چھوٹے الیسری پرشاد و رگھوبر پرشاد صاحب۔ ۱۹۱۰ء مین انتقال ہوا۔ ساٹھ برس کی عمر پائی۔ الیسری پرشاد لاولد فوت ہوئے۔ شنکر لال صاحب کے پوتے چندر کا پرشاد بہ قید حیات۔ رگھوبر پرشاد صاحب عرصہ تک سیتاپور ہائی اسکول مین ماسٹر رہے ہے، آج کل خانہ نشین۔ ۲۰ بیس روپیہ ماہوار پنشن، اولاد مین سورج پرشاد ۱۲۔

فیاض ومخیر، بڑے اُولوالعزم اور ذی حوصلہ بزرگ تھے، جنھون نے محض اپنے اوصاف حمیدہ کے باعث وہ عزت ونامورسی حاصل کی کہ دریاباد کے علاوہ قرب وجوار مین بھی لوگ ان کے خاندان کو چھیدا میان کے نام سے یاد کرتے ہین۔

صوم وصلوۃ کے پابند، خدا ورسول کے سچے عقیدتمند تھے۔ خاندانِ بانسہ شریف سے مُریدی کا تعلق تھا ہمیشہ باوضو رہتے تھے، ہندو مسلمانون کے ساتھ یکسان برتاؤ تھا خوشامد سے سخت نفرت تھی مصیبت کے وقت بلاقید مذہب ہر شخص کی امداد کرنا اپنا خاص فرض سمجھتے تھے۔ غریب رشتہ دارون اور رعایا، کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ہمیشہ چار بجے صبح اُٹھکر بعد فراغت نماز تمام قصبہ مین گشت کرکے بستی کے حالات معلوم کرلیتے تھے، جس کو جس بات کی شکایت ہوتی تھی، اُسکی دفعیہ کے لئے فوراً آمادہ ہوجاتے تھے۔ قول وفعل کے سچے اور بات کے دھنی تھے جس سے جوکچھ کہتے اُسے ضرور پورا کرتے۔ فیاضی اور سخاوت سے فطری دلچسپی تھی، اور اس بارہ مین دُور دُور تک ان کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ بڑے سے بڑے ہم عصر رئیسون سے برابر کے دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ مثلاً راجہ چھیترپتی سنگھ صاحب ہڑاہا، راجہ مہپال سنگھ صاحب سورجپور، ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب تعلقدار رانی مئو، چودھری وزیر علی خان صاحب تعلقدار بدولی، ٹھاکر شیر بہادر سنگھ صاحب تعلقدار کیارا، چودھری مرتضیٰ حسین صاحب تعلقدار سیتھیہ، چودھری سرفراز احمد صاحب تعلقدار بھلول، بھیارام سنگھ صاحب تعلقدار سیف پور، شیخ محمد حسین صاحب وشیخ زین العابدین صاحب تعلقدار گدیہ اور چودھری صاحبان رُدولی وغیرہ جو ضرورت کے وقت ساتھ دینے کے لئے بدل وجان تیار رہتے تھے۔ وطنی بزرگون مین لالہ رام سہائے صاحب، لالہ بھوانی دین صاحب، پنڈت رامچرن، لالہ سیتل پرشاد صاحب جگدھریا (راقم الحروف کے جد امجد) سے خاص دوستی تھی۔

حُکّام رس بھی تھے۔ عُمّال شاہی مین خاص طور پر وقار حاصل تھا، عہد انگریزی مین بھی حکام بڑی قدرومنزلت کرتے تھے۔ چھیدا میان کی ذات سے تعلقدار صاحبان کے بڑے بڑے کام نکلتے رہے، جس کی تصدیق کاغذات ریاست رانی مئو ہڑاہا وسیف پور وغیرہ سے بخوبی ہوسکتی ہے۔

چھیدا میان جوانمرد اور سپاہی بھی تھے۔ عہد شاہی مین اکثر موقعے پیش آئے جس مین فتحمند رہے۔ ان کے ساتھ اچھے اچھے اور جان نثار سپاہی رہتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ''ایک دفعہ چھیدا میان لکھنؤ جا رہے تھے، راستہ مین مقام نواب گنج قیام کیا۔ سائیس گھاس لینے گیا۔ فوج کے ایک سپاہی نے زبردستی گھاس چھین لی۔ سائیس نے آکر اطلاع کی۔ ان کے ساتھیون مین بسم اللہ بیگ نامی ایک سپاہی تھے، اُنکو غصہ آگیا اور سائیس کے ہمراہ لشکر گئے اور اُس سپاہی کو مار کر گھاس واپس لے آئے، اس پر فوج مین برہمی پھیل گئی، اور لشکر والے ان کے قیام گاہ (سرا) کی طرف دوڑے۔ اس خبر کے سُنتے ہی انھون نے نہایت اطمینان کے ساتھ معہ اپنے ہمراہیون کے مقابلہ کے لئے آگے قدم بڑھایا۔ سرا کے پھاٹک سے متصل شہد کی مکھیون کا ایک بہت بڑا چھتا لگا ہوا تھا چھیدا میان موقع سے کمین گاہ مین بیٹھ گئے جب فوج قریب آگئی، تو، انھون نے چھتے پر بندوق فیر کردی۔ مکھیان فوج شاہی پر حملہ آور ہوگئین

سپاہی بدحواس ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے اور انتقام و بہادری کا جوش آن واحد مین ٹھنڈا ہو گیا۔ اِس واقعہ کے بعد چھیدامیان نے وہان سے لکھنؤ کی طرف کوچ کر دیا۔ اِس سے چھیدامیان کی زبردست مستقل مزاجی اور دانشمندی بھی ثابت ہوتی ہے۔

اِن کا دل بہت جری تھا، اسی طرح اِن کی ہمت اور جراءت بھی قابل تعریف تھی۔ اکثر خوفناک اور دشوار گذار مقامون پر گذر ہوا، لیکن کسی قسم کا صدمہ نہین پہونچا، صحیح و سلامت واپس آئے چنانچہ روائت بیان کی جاتی ہے کہ: "ایک مرتبہ یہ قصبہ جائس سے دریاباد واپس آ رہے تھے۔ راستہ مین ایک جگہ لوگون نے منع کیا" اس طرف نہ جایئے، ببیل کے درخت پر ایک خونخوار سانپ رہتا ہے، وہ راہ گیرون پر حملہ کرتا ہے اکثر جانین تلف ہو چکی ہین" چھیدامیان نے کہا کہ "ہم ضرور جائین گے اور اُس موذی کا مقابلہ کرین گے" ایک صاحب اور بھی ہمراہ تھے، یہ طے پایا کہ وہ صاحب آگے چلین اور چھیدامیان پیچھے رہین۔ دونون صاحبون نے اپنی اپنی بندوقین بھر لین۔ جب ببیل کے قریب پہونچے حسب معمول سانپ نہایت تیزی سے حملہ آور ہوا۔ وہ صاحب خوف کے مارے نہ معلوم کہان فرار ہو گئے۔ اب سانپ نے چھیدامیان کی طرف رُخ کیا۔ اِنھون نے فوراً ایک کپڑا اُسکے سامنے پھینک دیا۔ وہ اُدھر غصہ مین کپڑے سے لپٹ گیا، اِدھر اِن کی بندوق فیر ہو گئی، سانپ جہنم واصل ہو گیا، اور اس طرح مہلک کو بلائے بے درمان سے ہمیشہ کے لئے نجات مِل گئی۔ اس سے بھی اِن کی فطری دانائی کا اظہار ہوتا ہے۔ مصیبت کے وقت یا دہشتناک موقعے پر ہوش و حواس دُرست رکھتے ہوئے اُس کے دفع کرنے کی کوشش کرنا صرف عقلمندون کا کام ہے۔

شیخ کرم کریم صاحب اگرچہ صرف تین موضعون کے زمیندار تھے۔ مگر آن بان اور اُولو العزمی وبلند حوصلگی مین اِن کا درجہ قرب و جوار کے کسی رئیس و تعلقدار سے کم نہ تھا۔ چودھری وزیر علی صاحب وغیرہ ایسے رئیس و تعلقدار اکثر دریاباد آتے اور اِن کے مکان پر قیام فرماتے، اور اِن کی خاطر و مدارات اور اِن کی سیر چشمی سے خوش ہوکر غائبانہ اِن کے مداح رہتے تھے۔ اپنی زندگی مین اپنے مشہور بزرگ شاہ عبدالرسول صاحبؒ کے عُرس کی بنیاد ڈالی۔ ایک پختہ مسجد اور پختہ کنوان بنوا کر ایک عظیم الشان محفل میلاد منعقد کی۔ قصبہ کے تمام مسلمانون کو پُر تکلف اور با فراط کھانا تقسیم کیا۔ یہ زمانہ قحط و گرانی کا زمانہ تھا۔ اچھے اچھے رئیسون کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔ لیکن چھیدامیان نے اِس کا کچھ بھی خیال نہ فرمایا، اور بڑی خوشی و نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اِن نیک کامون کو انجام دیا۔ دریاباد مین آجتک نہ کہین غیر خاندان مین اِس غیر معمولی اہتمام سے کھانا تقسیم ہوا نہ کسی دوسری جگہ ایسی محفل دیکھنے یا سننے مین آئی۔ جب تک زندہ رہے، ہر سال بڑی دھوم دھام سے میلاد شریف کرتے رہے۔

شیخ صاحب جہان فیاض و جوانمرد سپاہی اور اُولو العزم و ذی حوصلہ تھے، وہان خوبصورتی مین بھی قابلِ تعریف تھے۔ دُور دُور تک اِنکی خوبصورتی کا خاص طور پر شہرہ تھا۔ اُس وقت اِس صفت مین بھی اِن کا کوئی ہمسر نہ تھا، آپ ہی اپنی نظیر تھے۔

اپنے بزرگ بھائی مولانا حکیم محمدؐ نور کریم صاحب کے دل سے فرمان بردار رہے، اُن کے سامنے بہت

ادب کے ساتھ بات چیت کرتے تھے۔ دیگر بھائیون اور اُن کی اولاد سے بھی ہمیشہ میل جول رکھا۔ اپنے بھائی حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کی وفات کے بعد اُن کے بڑے بیٹے حافظ مصطفےٰ کریم صاحب کا نام کاغذات سرکاری مین درج کرا کے حصہ زمینداری پر قبضہ دلا دیا تاکہ بعد کو کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو۔ اسی طرح اپنے منجھلے بھائی مفتی مظہر کریم صاحب کی جائداد سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جسکی بابت دست برداری ہو چکی تھی۔ اس سے اِن کی نیک دلی اور انصاف پسندی ظاہر ہوتی ہے۔

حافظ عبدالرشید صاحب کے پاس جو شاہی پروانے موجود ہین اُن کے دیکھنے سے نہ صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ چھید امیان کے بزرگوار الطاف شاہی سے سرفراز تھے، جسکی بنا پر انھین تین سو پچیس[۳۲۵] بیگھہ پختہ آراضی (واقع سورجپور) کی ملکیت حاصل تھی، بلکہ یہ بھی آشکارا ہو جاتا ہے کہ اِن کی شخصیت کیسی تھی! اور عمال شاہی اِن کے ساتھ کس تلطف آمیز برتاؤ سے پیش آتے تھے! چند پروانون کی نقلین حسب ذیل ہین۔

(۱) نقل پروانہ لچھمن پرشاد صاحب چکلہ دار دریاباد بنام شیخ کرم کریم۔ شیخ صاحب مشفق مہربان شیخ کرم کریم سلمہ اللہ تعالیٰ عرضی مرسلہ ایشان موصول مطالعہ دشارع مندرجہ گردید حسب الاستدعا آن مہربان نوشتہ درباب عدم تعرض از آراضی معافی آن صاحب بنام عزیز الحسین ضلعدار لف ہذا میرسد اینک چہ مجال است کہ متعرض شود ہرگز متعرض نخواہد شد خاطر جمع دارند چہ قلمی رود مرقوم بست ہفتم جمادی الاول ۱۲۶۲ ہجری (۲) نقل پروانہ بمہر و دستخطی کرد ہارا سنگھ صاحب چکلہ دار دریاباد رودولی وغیرہ بست و پنجم شہر محرم الحرام ۱۲۲۶ ہجری۔ برم مورت بھیا رام سنگھ تمندار بعافیت باشند ظاہر ادو صد بیگہ آراضی معافی باسم شیخ چھید امیان پیرزادہ دریاآباد واقع موضع ردولہدی پور پرگنہ سورجپور از قدیم مقرر لہذا نگارش میرود کہ درصورت صدق اظہار شیخ دیافتہ آمدنی محاصل گذشتہ و پیوستہ امسال در ۱۲۵۵ فصلی از معافی مسطورہ متعرض نشوند درین باب تاکید مزید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند (۳) نقل پروانہ بمہر دستخطی کمیدان صاحب مہراج لچھمن پرشاد صاحب منصرم و چکلہ دار دریاباد رودولی وغیرہ مرقوم بست و ہفتم جمادی الاول ۱۲۶۹ ہجری۔ میر صاحب مہربان عزیز الحسن ضلعدار ردولہدی پور سلمہ سابق ازین بہ ایشان سفارش رفتہ بود کہ ایشان از اراضی دوصد بیگہ معافی اسمی بزرگان شیخ کرم کریم مخدوم زادہ دریاآباد زنہار تعرض نرسانند ظاہر الکان بازدر فصل ربیع آراضی معافی مذکورہ قرق کردہ دروع کردن نمودند و انواع بدعت برا سامیان نمودہ تنگ میدارند ظہور ہمچو تعرض بجانش بالیقین رد نمودہ لہذا باز بتاکید مزید قلمی میرود کہ زنہار از اراضی معافی مذکورہ تعرض نرسانند و احدی تعدی برا سامیان گوارا نسازند درصورت ظہور تعمیل خلاف تحریر سزاول مامور خواہد شد ایشان را از اراضی مذکور کہ معافی است چہ سرو کار است نوع تعرض نرسانند و بنظر تحریر باقی باشند اندک نوشتہ بسیار دانستہ حسب المسطور بعمل آرند (۴) حکمنامہ مہری امین الدولہ عمدۃ الملک حسین خان بہادر ذوالفقار جنگ یلدرم خان والد سپہ سالار فدوی خاص عالی و قار امجد علی شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ بنام افسران فوج ظفر موج علاقہ دریاباد وغیرہ بابت معافی الدر کرم کریم عرف چھید امیان از علاقہ سورجپور ۲۸ شعبان ۱۲۶۱ ہجری"۔ یہ پروانے اصلی پروانون کی باضابطہ نقلین ہین، جو شاہی مین حاصل کی گئین تھین۔

معلوم ہوتا ہے کہ چھید امیان سخن دوست بھی تھے۔ چنانچہ جس وقت اِن کی مسجد تیار ہو گئی تو حضرت طالب مرحوم لکھنوی نے قطعہ تاریخ ارشاد فرمایا:۔ جناب شیخ شیخان کرمہ دل ٭ مطیع حکم رب العالمین است ٭ کریم اہل کرم آخر بنامش

دلش آئینہ بزم یقین است :: بنا فرمود مسجد بہر طاعت :: عبادت گاہ جملہ اہل دین است :: رقم تاریخ سالش کرد طالب :: بنائے کعبۂ ثانی ہمین است " (منقول از کتاب یادداشت حافظ عبدالرشید صاحب) -

٨ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ مطابق ۳ دسمبر ۱۸۷۹ء یوم چہارشنبہ کو انتقال فرمایا - جناب ضیا نے تاریخ وفات کہی :- کرم کریم شفیع ذوالدولہ دعا فی :: ارم مین جب وہ گئے چھوڑ کر کے دنیا، ہائے! :: ضیا نے رو کے کہا اس طرح سے سالِ وفات :: کرم کریم سے تھے تمہی زمانے مین کیا! ہائے!! (منقول از کتاب یادداشت حافظ عبدالرشید صاحب) -

مرحوم خوش نصیب، مردم شناس، زمانہ دیدہ، تجربہ کار، دوراندیش، آبائی وضع کے پابند تھے کسی قدر عیش پرستی کا بھی شوق تھا - مگر تازندگی خلافِ تہذیب کوئی امر ظہور مین نہین آیا - اولاد مین عبدالوحید اور ایک لڑکی -

لالہ شیونارائن صاحب منصرم

عرف سیتارام، شہری واستو یہ دوسرے کائستھ کچہری درن، لالہ رام نارائن کے بیٹے، بہت بڑے دیانت دار اور فقیر دوست مشہور تھے - نانک شاہی فقیرون کی خدمت کرتے اور اسی کو ذریعۂ نجات اور زندگی کا اعلیٰ مقصد تصور کرتے تھے - ولادت تخمیناً ۱۸۲۵ء، وفات ۱۹۰۰ء -

واجب العرض دریاباد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بزرگ بھی دیگر معززون کی طرح دریا خان صاحب کے ہمراہ محمود آباد سے آکر دریاباد مین آباد ہوئے تھے جن کی نسل والے عام طور پر شاہی محرر ہونے کی وجہ سے محرر کے لقب سے نامزد ہو گئے محررون کے نام سے محلہ اور پٹی اب تک موجود اور مشہور ہے " شجرہ محرران سلطانی قصبہ دریاباد" مطبوعہ (مرتبہ منشی رگھوبر لال صاحب ساکن حسن گنج لکھنؤ، ۱۵ جون ۱۹۲۰ء) سے ظاہر ہوتا ہے کہ محررون کے مورث اعلیٰ بھکھاری داس تھے جن کی تیرھوین پشت مین لالہ شیونارائن صاحب منصرم گذرے ہین چونکہ اکثر تاریخون سے ایک پشت ۲۰ برس کی ثابت ہوئی ہے اس لئے کہہ سکتے ہین کہ بھکھاری داس نے اب سے ۲۹۰ برس پہلے دریاباد مین سکونت اختیار کی ہوگی لیکن بعد روایت ان کے مسلمان ہونے کی بیان کی جاتی ہے (ملاحظہ ہو بیان چودھری عباس علی صاحب باب ۳، فصل ۱) اس سے پایا جاتا ہے کہ بھکھاری داس محررون کے مورث اعلیٰ نہ تھے، بلکہ محررون کے خاندانی بزرگون مین سے تھے - بیان کیا جاتا ہے کہ محرر لوگ چودھری صاحب کے یہاں ہمیشہ ملازمت کرتے رہے شاہی ملازم نہ تھے اور ان کے پاس پانچ چھ گاؤن اور دو ایک پٹیون کی زمینداری تھی مگر تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ محررون نے ذہنی قابلیت اور فطری دانائی سے بہت کچھ نام پیدا کیا تھا - مدافعت نامہ مرقومہ ۲ جمادی الثانی ۱۱۲۳ھ متعلقہ کچہری افضل علی صاحب ناظم پرگنہ دریاباد وغیرہ اور اقرار نامہ نوشتہ لالہ ہری لال مرقومہ ۲۲ صفر ۱۱۳۲ھ نقل عرضداشت راستے کرشن محرر درپیشداری بھوانی پور معروضہ ۲ ذیحجہ ۱۱۳۳ھ مین دیہات بھوانی پور سرلی

وغیرہ، دیہات تعلقہ بھوانی پور سرولی وغیرہ" عبارت تحریر ہے۔ "وغیرہ" اور "تعلقہ" کے چھٹے ہوئے الفاظ اس بات کو روشن کرتے ہیں کہ محرروں کے پاس بہت سے مواضعات تھے اور تعلقہ دارانہ حیثیت رکھتے تھے۔ ایک فیصلہ نامہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تعلقہ کے مواضعات بذریعہ فرمانِ شاہی ۱۲۱۶ فصلی تک یعنی اب سے ۱۴۴ برس قبل انھیں حاصل ہو چکے تھے۔ نقل عرضداشت نوشتہ مصری لال سے ظاہر ہوتا ہے کہ محرروں کے خاندان میں اجودھیا پرشاد کو تین سو روپیہ سالانہ بطور نانکار دربار شاہی سے ملتا رہا، جو از روئے راضی نامہ نوشتۂ ادری لال وغیرہ ۱۲۳۴ھ کے قبل مقرر ہو گیا تھا۔ ایک مہری شاہی پروانے میں "لالہ صاحب لالہ مصری لال جبھو جنج نومیں چکلہ سلطان پور"، رقم ہے اسی طرح ایک دوسرے کاغذ میں "گنگا بشن و ادری لال متصدی ناظم باقر علی دریاباد" تحریر ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ اس خاندان کے لوگ محض چودھری صاحب ہی کے محرر نہ تھے، بلکہ شاہی متصدیوں میں بھی شامل ہو گئے تھے۔ ایک اور کاغذ سے پتا چلتا ہے کہ ان لوگوں کو ۱۲۰۱ فصلی تک سند مہری حاصل ہو گئی تھی، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ چودھری صاحب کے یہاں ملازم تھے وہ شاہی محرر تھے، چودھری صاحب کے ذاتی نوکروں میں نہ تھے؛ وہ قانونگوئی کے دفتر میں کام کرتے تھے جو شاہی دفتر تھا۔ مندرجۂ بالا کاغذات، نیز دیگر تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب برہان الملک بہادر کے زمانے سے نواب سعادت علی خاں بہادر کے عہد حکومت تک سو برس محرروں کا زمانہ موافق رہا۔ اس قلیل مدت میں انھیں سب طرح کا عروج حاصل ہو گیا۔ ۱۲۳۱ھ سے زوال شروع ہوا۔ ادری لال وغیرہ کی نفاق پسندی و ناعاقبت اندیشی نے ایک آفت برپا کر دی۔ باہمی خانہ جنگیوں سے رنجش و تکرار کی نوبت آ گئی، دلوں میں رشک و حسد، بغض، غصہ، نخوت وغیرہ کی آگ بھڑکنے لگی، لوگ ایک دوسرے کو خوش و خرم دیکھ کر جلنے لگے، ذرا ذرا سی بات پر طول طویل درخواستیں گذرنے لگیں اور ساری انشا پردازی اسی میں خرچ ہونے لگی۔ مقدمہ بازی سے دلچسپی پیدا ہو گئی، حکام سے عداوت کی ٹھن گئی، ہر شخص اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے پر مستعد ہو گیا۔ نتیجہ اس طوفان بے تمیزی کا یہ ہوا کہ علاقہ تین تیرہ ہو گیا اور آخر زمانۂ امجد علی شاہ ۱۲۶۲ھ تک اگلی شان و شوکت سب خاک میں مل گئی۔ ان حالات کے لکھنے میں جن کاغذات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ منشی بالا پرشاد صاحب جو اسی خاندان سے ہیں، کے پاس موجود ہیں۔

لالہ شیو نارائن صاحب ضرورت کے موافق معمولی طور پر فارسی پڑھے تھے اور گونڈہ کی عدالت دیوانی میں منصرم تھے، کارِ متعلقہ کو نہایت نیک نیتی سے انجام دیتے ہوئے پدری فرض کی ادائیگی یعنی اولاد کی تعلیم سے بھی غافل نہ تھے۔ اپنے بیٹے سنت بخش کو بی۔ اے تک انگریزی پڑھوائی، پیرانہ سالی کے زمانے میں پنشن لیکر خانہ نشین ہو گئے تھے۔ نانک شاہ پر بڑا اعتقاد تھا۔ خانہ نشینی کے زمانے میں آبائی مکان کو از سر نو (بجگہ مقام ہنواکرسنگت کے نام سے موسوم کرنے کے ساتھ ہی گرنتھ صاحب "(نانک شاہ کی مشہور تصنیف جو وید وں سے ماخوذ ہے) کا استھاپنا کر کے ایک جھنڈا بھی نانک شاہ کے نام سے کھڑا کیا جب تک زندہ رہے، گرنتھ صاحب کی پوجا کرتے رہے۔ تخمینا

۵ محرروں کے بعض خاندانی اصحاب فیض آباد، لکھنؤ، گونڈہ، بارہ بنکی، سیتاپور وغیرہ میں عرصہ سے آباد ہیں ۱۲۔

۷۵ سال کی عمر مین انتقال ہوا۔ یادگار مین شکستہ پختہ و خام مکان موجود۔ اولاد مین سنت بخش بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل گونڈہ بقید حیات اور آبائی زمینداری وغیرہ پر قابض۔ (محرران)

مولوی عبدالکریم صاحب سب انسپکٹر

از اولاد حضرت مخدوم آبکش دریابادی، فخر وطن مولانا حکیم محمد نور کریم صاحب کے فرزند اکبر، سب انسپکٹری کے عہدہ پر مامور، فن پتنگ بازی کے بے مثل ماہر، بڑے خوشنویس۔ ولادت سنہ ۱۸۳۳ء وفات ۲۰۔ اپریل سنہ ۱۹۰۰ء مطابق ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۷ھ)۔

لکھنؤ مین معمولی طور پر تعلیم پائی تھی پچیس برس کے سن مین غدر کے بعد ہی تھانہ دار ہوئے اور ایک مدت تک الہ آباد کے ضلع مین تعینات رہ کر وہین سے پنشن لیکے خانہ نشین ہو گئے تھے۔

خوش نویسی مین لکھنؤ کے مشہور استاد فن حافظ سعدالدین صاحب اور مولوی الٰہی بخش صاحب کے شاگرد تھے جس طرح پتنگ اُڑانے اور لڑانے مین اعلیٰ مشاق تھے، اُسی طرح خوش نویسی کے فن مین بھی کامل تھے۔

مشہور ہے کہ یہ پتنگ کے اتنے بڑے شوقین تھے کہ جب تک زندہ رہے، بشرطِ موقع و محل پتنگ ضرور اُڑایا کیے۔

۷۰ سال کی عمر مین لاولد وفات پائی۔ اِن کے مرنے کے بعد اِن کی نیک بخت اور سعادتمند بی بی نے قابلِ تقلید نیک کام یہ کیا کہ خاندانی قبرستان کی پختہ دیوارین انھین کی کمائی کے روپیہ سے بنوا کر ایک عمدہ یادگار قایم کر دی، جو نہایت دور اندیشی اور دانشمندی پر مبنی ہے۔ محترم خاتون صاحبہ نے حج کا شرف بھی حاصل کیا تھا اور اپنے ہمراہ دو خدمت کرنے والیون کو بھی حج کرایا تھا۔ (مخدوم زادگان)

خادماؤن ۱۲

حافظ مصطفیٰ کریم صاحب کورٹ انسپکٹر

از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے بڑے بیٹے، کورٹ انسپکٹری کے عہدہ پر ممتاز، بہت ذہین، عربی و فارسی کے ماہر اور دونون زبانون کے بہترین خوشنویس ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن اور شطرنج کے فن مین بھی اوستاد۔ ولادت ۱۲ رجب سنہ ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۳۔ اکتوبر سنہ ۱۸۳۷ء یوم جمعہ، وفات ۲۔ ربیع الثانی سنہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۳۰ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء یوم دوشنبہ ۵ بجے صبح۔ یہ سب علوم و فنون لکھنؤ مین حاصل کیے تھے۔

عربی فرنگی محل مین پڑھی تھی، فارسی و خوشنویسی کی تعلیم دیگر مشہور اوستادون سے پائی تھی۔

حافظ جی صاحب خوشنویسی اور شطرنج کے علاوہ صغر سنی مین پتنگ بھی خوب بناتے تھے۔ رنگ برنگ کے خوبصورت پتنگ بنا کر اپنے چچازاد بھائی مولوی عبدالکریم صاحب کو دیا کرتے تھے۔

بیس برس کی عمر مین تحصیل علوم سے فارغ ہو کر پہلے بنارس مین تھانہ دار ہوئے۔ ایک مدت کے بعد الہ آباد تبدیل کیے گئے، پھر کورٹ انسپکٹری کے معزز عہدے سے سرفراز ہو کے جھانسی آئے اور وہین سے پنشن پا کر خانہ نشین

ہو گئے۔ ۵۰ ۶ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ اولاد میں مشرف کریم صاحب گرداور قانونگو پنشن یافتہ بقید حیات۔ ذاتی پختہ مکان موجود۔ (مخدوم زادگان)۔

حاجی عبداللطیف صاحب سب انسپکٹر

فخر وطن حکیم مولانا محمد نور کریم صاحب کے فرزند دوم، سب انسپکٹری پر مامور، پتنگ بازی کے فن میں اپنے وقت کے بے مثل اوستاد۔ ولادت ۱۲۵۹ھ مطابق ۱۸۳۹ء، وفات ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء۔

حسب ضرورت فارسی سے آشنا تھے۔ ۱۸ برس کی عمر میں زمانۂ غدر کے بعد محکمۂ پولیس کے محکمہ میں سب انسپکٹری کے عہدہ پر مامور ہو کر اضلاع بستی و اعظم گڈھ و بلند شہر، علی گڈھ، گونڈہ وغیرہ میں اپنے فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے ایک لخت ۵ ۴ سال گورنمنٹ کی ملازمت کرنے کے بعد دفعتہً ذرا سی بات پر خود علیحدہ ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "ایک دن یہ کسی ضرورت کی بنا پر تھانہ سے صدر مقام گونڈہ آئے اور کپتان صاحب کے بنگلے پر گئے۔ صاحب نے کسی کام کے لئے اِن سے کہا۔ چونکہ نماز کا وقت قریب تھا، اس لئے انھوں نے عذر کیا کہ "میں نماز پڑھ کے ابھی جاتا ہوں" صاحب بہادر اس پر ناراض ہو کر کہنے لگے کہ "ہر وقت نماز پڑھی جاتی ہے"؟ حاجی صاحب اپنے مذہب کے پکے پابند تھے، صاحب بہادر کا یہ کلمہ سنتے ہی اسی وقت استعفا داخل کر کے اپنے مکان چلے آئے اور پھر تا عمر کسی کے ملازم نہیں ہوئے۔ آبائی زمینداری پر بقیہ عمر بسر کی۔ اس سے اِن کی آن بان بھی ثابت ہوتی ہے۔

فن پتنگ بازی میں لکھنؤ کے مشہور پتنگ باز مولوی عمدو کے شاگرد رشید تھے، اور اس فن میں اس قدر مشق بہم پہونچائی تھی اور وہ کمال حاصل کیا تھا کہ پتنگ کاٹتے تھے۔ رائے شیوراج بلی صاحب اور اِن سے بھی خوب خوب لڑ ورے کے پیچ لڑتے تھے۔ لیکن، وہ جیتتے نہیں تھے، ہمیشہ ہار جاتے تھے۔ جب اُن کے دس پندرہ پیچ متواتر کٹتے تھے، تو، اِن کا ایک پتنگ کٹتا تھا۔

یہ خدا و رسول کے سچے عاشق اور باوضع مسلمان تھے۔ دنیاوی تکلفات سے بری، روزہ و نماز کو مقدم سمجھتے تھے۔ دینی فرائض کی ادائیگی میں حد سے زیادہ مستعد تھے۔ چنانچہ دو مرتبہ بیکاری کے زمانے میں حج کر کے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف اندوز ہوئے تھے۔ ساتھ ہی اس کے نہایت نیک طینت، صاف دل، صلح پسند، دنیاوی جھگڑوں سے علیحدہ، ہندو مسلمان سب کے دوست تھے۔ ہر شخص کی عزت کرتے۔ موقع و محل کے لحاظ سے اپنے سے چھوٹوں کی بات کو بھی مان لیتے تھے، ضد نہیں کرتے تھے۔ خانگی معاملات کے متعلق عدالت میں دعویٰ دائر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، جو کچھ خاندان والے باہمی طے کر دیتے تھے، چار و ناچار اُسی پر خاموش ہو جاتے تھے۔ اِن کی تندرستی بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ معدہ کے متعلق کبھی کسی قسم کی شکایت نہیں ہوئی۔ اِن کا سحری ناشتہ آج کل کے نوجوانوں کے دونوں وقت کی غذا کے برابر تھا۔ لیکن، نہایت افسوس ہے کہ پیری کے زمانے میں اپنے ایک ہونہار اور سعادت مند لڑکے (عبدالرقیب، جو تھوڑے ہی دنوں میں اچھے خاصے طبیب ہو جاتے) کے آغازِ شباب

مین انتقال کرجانے سے انھین صدمۂ عظیم برداشت کرنا پڑا، اور ۸۰ برس کے سن مین وفات پائی۔ اولاد مین میان عبدالکریم بہ قیدحیات، نہایت سعادت مند جھجوں نے حال مین ذاتی طور پر ایک عمدہ پختہ مکان بنوا کے اپنے بزرگون کا نام روشن کیا ہی جس سے عبدالکریم صاحب کی حب الوطنی ثابت ہوتی ہی۔ حاجی صاحب کی یادگار مین بیرونی عالی شان پختہ کمرہ جس مین آج کل حکیم مولوی محمد عبدالحسیب مطب کرتے ہین۔ (مخدوم زادگان)

شیخ وارث علی صاحب

عیوض علی صاحب کے بیٹے، ریاست ٹہرو مین فوجدار (تھانہ دار) تھے۔ اچھی قدر و منزلت تھی۔ علاوہ معقول تنخواہ کے کثیر آراضی بھی معولی لگان پر بیاستہ ہوئے تھے۔ تخمیناً ۷۵ سال کی عمر نصیب ہوئی، ۱۹۱۶ع مین فوت ہوئے۔ اولاد مین عبدالمجید بہ قیدحیات اور آراضی مذکور پر بدستور قابض، اور بہی بافراغت اطمینان کے ساتھ ذریعۂ معاش۔ (چودھریان)۔

مولوی عالم علی صاحب صدر قانونگو

نیشاپوری سید، حکیم مولوی باقر علی صاحب کے فرزند اول (چھوٹے صاحبزادہ مولوی ثابت علی صاحب تھے) صدر قانونگوئی کے عہدہ پر ممتاز اور نیک نیتی و ایمانداری مین خاص طور پر مشہور و معروف۔ ولادت ۱۸۴۱ع، وفات ۲۳ مئی ۱۹۱۶ع مطابق ۲۰ رجب ۱۳۳۴ھ۔

ان کے والد مولوی باقر علی صاحب اچھے طبیب تھے اور دادا سید حسین علیؓ ولد میر کفایت اللہ صاحب بن مولوی غلام یاسین صاحب شاہی مین تحصیلدار تھے۔ باقر علی صاحب نے لکھنؤ مین عربی و فارسی کی تعلیم پائی تھی اور وہین علم طب بھی حاصل کیا تھا۔ ایک مدت تک لکھنؤ مین طبابت کرتے رہے۔ پیری مین اپنے وطن دریاباد آ کر راجہ صاحب کے یہان ملازمت کرلی تھی۔ بڑے نیک، روزہ و نماز کے پابند ابسے نصف صدی قبل بہ قیدحیات تھے۔ حکیم باقر علیؒ صاحب کے پردادا مولوی غلام یٰسین صاحب نے معہ عیال و اطفال دیوان روشن لال صاحب کی قدردانی سے اپنا وطن لکھنؤ ترک کرکے دریاباد مین سکونت اختیار کی۔ دیوان جی صاحب نے اُنھین اپنے مکتب خانہ کا معلم مقرر کیا اور اُن کے رہنے کے لئے دو منزلہ پختہ مکان بنوادیا۔ غلام یٰسین صاحب کی اولاد مین کفایت اللہ صاحب کے بیٹے حسین علی صاحب دریاباد ہی مین پیدا ہوئے تھے۔

عالم علی صاحب نے پہلے (۴ جنوری ۱۸۶۶ع مین) محکمۂ بندوبست مین نوکری کی اور مختلف عہدون کا کام انجام دیتے ہوئے ۱۲ سال کے بعد ۹ جنوری ۱۸۷۹ع کو کلکٹری کے صیغہ مین اہلمد مقرر ہوئے، بعد اُس کے صدر قانون گوئی کا عہدہ ملا اور پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ ہوگئی۔ ۲۲ سال ملازمت کے بعد یکم اپریل ۱۹۰۱ع سے پنشن ملنے لگی۔ ۳۵ سال گورنمنٹ کی ملازمت کی۔ پنشن پاتے ہی راجہ صاحب محمود آباد نے ان کی دیانتداری کا شہرہ سُنکر اپنے یہان بُلالیا

اور بڑی عزت کے ساتھ پیش آکر چالیس روپیہ کے ماہوار مشاہرہ پر ریاست کا محاسب مقرر کر دیا۔ یکم اگست ۱۹۰۱ء لغایت آخر اکتوبر ۱۹۰۶ء وہاں ملازم رہے جب بینائی میں فتور آگیا، تو اپنی جگہ اپنے بیٹے ناصر علی کو مقرر کرا دیا اور خود خانہ نشین ہوگئے تا زندگی ریاست سے بھی دو سو روپیہ سالانہ پنشن پاتے رہے۔ تخمیناً ۷۵ سال کی عمر میں منگل کے دن علی الصباح بعارضہ بخار و خرابی جگر وفات پائی۔ یادگار میں ایک پختہ مکان۔ (محرران)۔

مرحوم نہایت تجربہ کار، زمانہ شناس، نیک اور خلیق بزرگ تھے علمی استعداد نہ تھی، صرف ضرورت کے موافق فارسی پڑھے تھے طبیعت میں قناعت زیادہ تھی۔ راست گوئی خاص شیوہ اور فضول باتوں سے سخت احتراز تھا۔ ہندو مسلمان سب سے یکساں ملتے تھے تکلف سے بری، سادی وضع کے پابند تھے۔ زمانہ ملازمت میں اپنے قابل تعریف طرز عمل سے حکام کو ہمیشہ خوش رکھا جو ذیل کے شاندار سارٹیفکٹوں؎ سے بخوبی واضح ہے۔

(۱) منشی عالم علی صاحب صدر قانونگو کی بابت میں عہدۂ تحصیلداری کے لیے بہت بڑی سفارش کرتا ہوں۔ ان کا چال چلن نہایت عمدہ ہے۔ یہ بہت بڑے قابل اور جفاکش افسر ہیں اور مالی کام میں کافی استعداد رکھتے ہیں مجھ سے کرنل بچر اور مسٹر میکانگ لی صاحبان نے جبکہ وہ سیتاپور میں کمشنر تھے، بہت بڑی تعریف کی ہے۔ یہ دریاباد کے ایک بڑے شریف اور سادات خاندان میں سے ہیں۔ ان کے والد لکھنؤ میں ایک حکیم تھے اور دادا خاص تحصیلدار بادشاہ اودھ کے تھے، اور لکھنؤ میں ان کا مولوی خطاب تھا۔ دستخط اسٹمر ڈپٹی کمشنر کھیری۔ ۲۶ دسمبر ۱۸۹۸ء (۲) منشی عالم علی صاحب ایک لائق شخص ہیں۔ میں نے ان کے واسطے تحصیلداری کے لیے سفارش کی ہے۔ دستخط مرے ڈپٹی کمشنر کھیری (۳) عالم علی صدر قانون گو ہمارے ساتھ دو ہفتہ ضلع میں دورہ پر رہے ہیں۔ مجھے یہ معلوم ہونے سے بہت خوشی ہوئی کہ یہ صرف سرکاری ہی کام میں توجہ نہیں کرتے، بلکہ ان کو ضلع کے زراعتی حالات سے بھی واقفیت کامل ہے اور اس بارہ میں مجھے آج تک ان کا کوئی ہم مقابل نظر نہیں آیا، اس لئے میں اپنے معمول کے خلاف یہ تحریر لکھنے پر مجبور ہوا۔ دستخط ہیو، ڈپٹی ڈائرکٹر محکمہ زراعت ممالک مغربی و شمالی و اودھ۔ ۲۹ فروری ۱۹۰۰ء (۴) منشی عالم علی صاحب صدر قانونگوئی میں کافی لیاقت رکھتے ہیں۔ ضلع کے متعلق انکو ہر طرح کی واقفیت حاصل ہے۔ اس وقت تک اپنی ملازمت کے فرائض عمدہ طور سے انجام دئے اور اپنے کو نہایت قابل اعتبار ثابت کیا۔ دستخط جی ڈل (سول سروس) ڈپٹی کمشنر کھیری مئی ۱۹۰۱ء۔

منشی بانکے بہادر صاحب رجسٹرار قانونگو

بانکے بہادر کائستھ، از نسل درگا داس (رجوع سلسلہ خاندان رائے صاحب) منشی رام دیال صاحب کے بیٹے، منشی گلاب چند صاحب رئیس و چودھری قانونگو کے حقیقی بھتیجے، یہ عہدۂ رجسٹرار قانونگوئی ماہوار ساٹھ روپیوں کی خدمت میں قابل تعریف۔ ولادت غالباً ۱۸۴۳ء وفات ۱۹۱۲ء۔ ۲۰ برس کی عمر میں گورنمنٹ کی ملازمت کی۔ عرصہ تک رجسٹرار قانونگو رہے۔ پیری کے زمانے میں پنشن پاکر خانہ نشین ہوگئے۔ ملازمت کا زمانہ نہایت نیکنامی سے گذرا۔ عقیدے

؎ اصل سارٹیفکٹ انگریزی میں سید ناصر علی صاحب کے پاس موجود ہے۔

کے سنچے، اور مضبوط، پوجا پاٹ کے پابند تھے۔ اجودھیا کے مشہور مہاتما بابا رگھناتھ داس سے منتر (بیعت) حاصل کیا تھا۔ سادھوؤن کی خدمت سے فطری دلچسپی تھی، تمام عمر یہی مشغلہ موجب تفریح رہا۔ مخیّر بھی تھے، اکثر بیکسون اور محتاجون کی مدد کیا کرتے تھے۔ مزاج مین اولوالعزمی بھی تھی، اپنے چھوٹے لڑکے بابو گرپرشاد کے مونڈن کی تقریب مین بڑے اہتمام کے ساتھ اعلیٰ پیمانہ پر ایسی ضیافت کی کہ بہت دنون تک دریاباد مین شہرت رہی۔

منشی صاحب کے دو بیٹے تھے، دونون عین جوانی مین داغ مفارقت دیگئے۔ غالباً ۷۰ سال کی عمر مین بیکنٹھ باش ہوا۔ نیک دل، صاحب اخلاق، جوانی مین خوبصورت، آبائی وضع، یادگار مین ایک پوتا، بابو[۵۱] بہاری نام، آبائی زمینداری پر قابض۔ (بہاتک اندر)۔

لالہ بھیرون پرشاد صاحب جگدھریا

چھتری ورن اشری واستو یہ دوسرے کایستھ، آل بگیہ دھاری معروف بہ "جگدھریا"۔ لالہ سیتل پرشاد صاحب کے فرزند اکبر (چھوٹے بھائی منولال[۵۲] ماتا پرشاد[۵۳] تھے) راقم الحروف کے والد ماجد، اعلیٰ اسیاق دان، فارسی مین ذی استعداد ولادت غالباً ۱۸۴۲ء، وفات آغاز ۱۸۸۵ء۔

دریاباد کے مشہور و معروف معلم مولوی سالار بخش صاحب سے فارسی کی تعلیم پائی، اردو سے بھی آشنا تھے، خط بہت پختہ اور صاف تھا۔ پہلے چودھری عباس علی صاحب (رئیس دریاباد) کے یہان قانونگوئی کے دفتر مین بصیغۂ محرری ملازم ہوئے۔ چودھری غلام عباس صاحب کے زمانے تک بڑی قدر و منزلت کے ساتھ اپنے کار متعلقہ پر مامور رہے۔ اُنکی وفات کے بعد منشی بانکے بہادر صاحب رجسٹرار قانونگو کی ملازمت اختیار کر لی، اور پھر زندگی بھر دوسری جگہ نوکری کرنے کا ارادہ نہین کیا۔ سنہی گھاٹ مین رہتے تھے، قانونگوئی کا دفتر سپرد تھا، بانکے بہادر صاحب کے ذاتی نوکر تھے، سات روپیہ ماہوار تنخواہ تھی۔

مذہب کے پابند، روزمرہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ نہایت نیک سیدھے سادے، خلیق، ہر دل عزیز اور ملنسار تھے۔ ہندو مسلمان سب سے میل تھا۔ لوگون سے اچھی طرح ملتے اور ملائمت سے بات چیت کرتے تھے۔ دنیا کے تین پانچ سے بالکل بےخبر تھے، اپنی راہ آتے، اپنی راہ جاتے، طبیعت مین صبر و استقلال تھا، دکھ سکھ ہر حال مین خوش رہتے تھے۔ قرض سے

---

[۵۱] منشی مہابیر پرشاد صاحب کے بیٹے، انگریزی مین انٹرنس پاس، اردو شاعری مین مذہبی رنگ سے دلچسپی، فرقۂ کرشن مہاراج کے معتقد، نیک چلن، نوجوان، خوبصورت، ذہین، صاحب اولاد، وضع قدیم، بعدیہٗ ۱۲۔

[۵۲] پولیس مین ہیڈ محرر تھے۔ اپنی زندگی مین گیا کی جاترا کی، بھاگوت سنی۔ دونون مرتبہ دھوم دھامی جلسہ کیا۔ برہمن بھوجن کے علاوہ عام برادری کی بھی ضیافت کی۔ دیگر لوگون کو بھی بافراط کھانا تقسیم کیا۔ قدیم شکستہ مکان کی مرمت کرائی۔ ۴۳ سال کی عمر مین ۱۹۱۲ء مین لاولد فوت ہوئے ۱۲۔

[۵۳] ۱۸۷۰ء کی مصیبت خیز قحط سالی مین نہ معلوم کہان چلے گئے، آج تک پتہ نہین ۱۲۔

سخت نفرت تھی۔ نفاست پسند، امیر مزاج، اور راستگو تھے۔ دل فیاض تھا، اکثر بوبے، لنگڑے، اندھے محتاجون کو خفیہ طور پر کچھ دے دیا کرتے تھے۔ شعر و سخن سے دلچسپی تھی، سیکڑون اشعار دیوان حافظ اور شاہنامہ کے یاد تھے حافظہ بہت معقول تھا، کریما، مامقیمان، خالق باری، شروع سے آخر تک حفظ تھی۔ کتابون کے بڑے شوقین تھے بہت سی کتابین نقل کین اور خرید کر ڈالین۔ حاضر جواب اور آن بان والے بھی تھے۔ خوراک ڈیڑھ یا دو چھٹنہ سے زیادہ نہ تھی۔ دنیاوی تکلفات اور بیجا شوقون سے قطعی احتراز تھا۔

دو فارسی تحریرون سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد سیتل پرشاد صاحب بہ عہد محمد علی بادشاہ لکھنؤ شاہی وکیل تھے، جبکہ نواب گنج بارہ بنکی مین تعیناتی تھی، ۱۲۵۵ھ کے قبل یہ عہدہ مل چکا تھا۔ نو برس کے بعد ۱۴ ذی الحجہ ۱۲۶۳ھ کو ریاست پالی مین ضلعدار ہو گئے تھے۔ شیخ کرم کریم صاحب عرف چھیدا میان، چودھری عباس علی صاحب، لالہ رام سہائے صاحب، پنڈت رام چرن، سے خاص طور پر دوستانہ مراسم تھے۔ بڑے خلیق، نیک، اور وضعدار۔ تخمیناً ۵۰ سال کی عمر مین اب سے نصف صدی قبل بر قید حیات۔

تحقیقات سے پتا چلتا ہی کہ ان کے بزرگ مضافات کانپور سے دریاباد آکر آباد ہوئے تھے جن کی نسل والون نے ایک عظیم الشان یگیہ کرکے "یگیہ دھاری" کا لقب حاصل کیا تھا جسکی وجہ سے اُن کے اعزاز و مرتبہ کی شعاعین زیادہ تیز ہو گئی تھین، اور دور دور تک تحسین و آفرین کی روشنی پھیلی ہوئی تھی، ہر جگہ اُن کی دولت و امارت کا آواز کا شہرت گونج رہا تھا۔ عرصہ تک یہ خاندان ناموری کے ساتھ قائم رہا۔ مغل بادشاہون کے وقت مین خاندان کے بعض افراد اچھی اچھی جگہون پر مامور رہے۔

چنانچہ شجرۂ خاندان یگیہ دھاری (مرتبہ بابو اودھ بہادر صاحب وکیل بارہ بنکی) سے پایا جاتا ہی کہ آننت رام صاحب یگیہ دھاری کو شہنشاہ اکبر کے دربار سے الہ آباد کی نظامت عطا ہونے کے ساتھ ساتھ "رائے" کا خطاب بھی مرحمت ہوا تھا۔ غالباً مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوتے ہی جگہ جگہ خاندان کے اقبال کا سورج بھی ڈوبنے لگا۔ شان و شوکت کی کشتی گرداب فنا مین پھنس کر چکر کھانے لگی۔ ایک طرف رقیبون کے ظلم و ستم کی طوفان خیز موجون کا زور و شور، دوسری طرف باہمی عداوت اور خانہ جنگیون کی جہالت آمیز ہوا اون کے غضبناک جھونکے، اسپر مستنزاد بیجا عیش پرستی کی موسلادھار بارش۔ نتیجہ یہ کہ بہت جلد یعنی نوابی دور شروع ہونے تک دھن دولت، اور ریاست وغیرہ پر پانی پھر گیا۔ اگلا عز و وقار، اگلی آبرو، اگلی عظمت برائے نام باقی رہ گئی۔ معاملہ سب بارہ باٹ ہو گیا۔ عزیز و اقارب، دوست و احباب نو دو گیارہ ہو گئے۔ اس طلاطم انگیز آسمانی قہر سے خاندان مین ایک تہلکہ پڑ گیا۔ اکثر بزرگون نے دریاباد چھوڑ کر دوسرے مقامات پر سکونت اختیار کر لی۔ جن کے دل مین حب الوطنی کا کچھ زیادہ جوش تھا وہ یہین رہ گئے، دکھ سکھ سہا کیے، قدم باہر نہین نکالا، ابھی اس بلائے بے درمان سے نجات نہین ملی تھی، اطمینان سے بیٹھنے نہین پائے تھے کہ پھر تازہ مصیبت نازل ہو گئی۔ مخالفین کے دل مین دیرینہ بغض و حسد کا شعلہ بھڑک اٹھا، فوراً جگہ جگہ ریون کی ضیافت کرکے آفت ڈھا دی۔ اُدھر انھین مے دو آتشہ پلا کر بے ہوشی کی حالت مین تلوار کے گھاٹ اتارا، اِدھر مکان مین آگ لگوا دی گئی۔ پرانے کاغذات، شاہی فرامین، کپڑا لتا وغیرہ جو کچھ تھا، جل کر خاک ہو گیا، اور دعوت مین عداوت، خود کردہ را علاج نیست، ناعاقبت اندیشی کا انجام برا، شراب خانہ خراب کی مثل صادق آگئی۔ لیکن، شکر کا مقام

ہے کہ جگدھریون کا خاندان نیست و نابود نہیں ہوا، ابتک نسل قایم ہے۔ کنور بھنا تھ سہائے صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل گونڈہ (از خاندان مہران دریابادی) اپنے پرائیویٹ خط[1] مین تحریر فرماتے ہین: -مین نے جب اپنی لڑکی کی شادی کی تھی، تو اُس سلسلہ مین نسبت نامہ بھی منگوایا تھا، اُس سے معلوم ہوا تھا کہ منشی ہزاری لال (کنور صاحب کے جد امجد) کی شادی بخانہ منشی رام سہائے (راقم الحروف کے جد امجد) بہ لقب "جگدھریا" زمیندار قصبہ دریاباد ہوئی تھی اور لالہ منّو لال صاحب (مولف کے حقیقی چچا) اُس خاندان کے دریاباد مین ہین۔ مین نے اُنکو خط لکھا تھا۔ لیکن، جواب نہ آیا"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جگدھریون کی قدیم رئیسانہ حیثیت کا دھندلا سا نشان اب سے سو برس قبل یعنی غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے زمانے تک دریاباد مین قایم رہا۔ اِسی خط سے جگدھریون اور مہرون کی باہمی قرابت داری بھی ثابت ہوتی ہے۔ شجرۂ خاندان ٹکیتیہ دھاری مرتبہ بابو قسمت رائے صاحب، شجرۂ خاندانی مرتبہ بابو اودھ بہادر صاحب ٹکیتیہ دھاری، شجرۂ خاندانِ رُدولی کے دیکھنے، نیز تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈھائی تین سو برس سے جگدھریا خاندان کی چار شاخین قایم ہو گئی ہین: -(۱) صاحبان دریاباد خاص، از نسلِ رائے جگت مَن داس۔ اولاد مین مولف تاریخ ہذا بہ قید حیات، لاولد۔ یادگار مین پختہ مکان و چاہ پختہ۔ اس خاندان کے اکثر لوگ ابراہیم آباد (ضلع بارہ بنکی) بھوری گنج (ضلع گونڈہ) مین ابتک موجود ہین (۲) صاحبانِ رُدولی، از نسل رائے سردمن داس۔ چوتھی پُشت مین بھان سنگھ نے رُدولی سکونت اختیار کی۔ اولاد مین پرتاب بلی وغیرہ، نسلی سلسلہ قایم (۳) صاحبان، ٹڑہا، ضلع اُناؤ، از نسل رُدرمن داس۔ اولاد مین بابو قسمت[2] رائے صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی، وکیل رائے بریلی، وارد حال شہر مذکور، شیو رام ٹیچر کایستھ پاٹ شالہ الہ آباد، بابو لچھمی نراین صاحب بی۔ اے، ایل ایل۔ بی وکیل اُناؤ، بجنا ورسنگھ ہیڈ کلرک دفتر انجینیری

---

[1] یہ خط منشی لگن بہاری لال صاحب کے نام ہے اور اُنھین کے پاس موجود ہے۔ [2] رائے بریلی کے وکلاء مین نہایت معزز و نامور، ملک و قوم کے سچے خادم، کانگریس و سوشل ریفارم اور تعلیم کے حامی، ضلع مین پولیٹکل بیداری، اور رائے بریلی مین ہندو ہائی اسکول، اور فخر قوم منشی کالی پرشاد صاحب "کُل بھاسکر" کی سالگرہ کے بانی، ناگری پرچارنی سبھا رائے بریلی، شاخ بنارس، کے پریسیڈنٹ، قابل اسپیکر و لیکچرار، انگریزی زبان کے نہ صرف ماہر، بلکہ لایق ادیب اور اخبار "لیڈر" الہ آباد کے کارسپانڈنٹ، کایستھ پاٹ شالہ الہ آباد کے لائف ٹرسٹی، اپنے قابل قدر کارنامون کی بدولت ممالک متحدہ و اودھ مین آفتاب کی طرح روشن، بظاہر مغربی وضع، بباطن مذہبی مسائل کے نکتون سے بخوبی آگاہ، اپنے دھرم کرم کے پکے پابند اور کٹر ہندو۔ انڈیا وار بک لاہور ۱۹۱۵ء، صفحہ ۷۰۹ مین لکھا ہے: - بابو قسمت رائے جگدھاری بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل ہائی کورٹ جنوری ۱۹۰۸ء مین الہ آباد مین تھے۔ یہ ایک شریف اور معزز کایستھ خاندان کے ہین، جس کا تعلق دریاباد (ضلع بارہ بنکی) کے کایستھون سے ہے۔ اِن کے بزرگ پہلے پہل ٹڑہا (ضلع اُناؤ) گئے، بعد کو فتح پور (شہر)۔ اِن کے آبا و اجداد شاہی اور انگریزی مین اعلیٰ عہدون پر ممتاز رہے۔ مغلون کے زمانے مین ان کے ایک بزرگ کلکٹر (چکلہ دار) ٹڑہا ضلع اُناؤ کے تھے (جہان اُن کا شکستہ محل، اور اُنکی یادگار مین تلوار ٹولا ابتک موجود۔ چونکہ وہ تلوار چلانے مین خاص شہرت رکھتے تھے، اس لئے اُن کے مقام سکونت کا نام تلوار ٹولا مشہور ہو گیا۔ مولف) ان کے دادا منشی لچھمن پرشاد، جنھون نے انگریزی تعلیم بھی حاصل کی تھی، بہ عہد سلطنت انگلیشیہ ایک ممتاز عہدہ پر مامور ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر مین مسٹر ٹیوکر کے ساتھ قتل کئے گئے۔ (بڑے بہادر اور علم دوست، فارسی و سنسکرت

بریلی، دیبی چرن نائب محافظ دفتر کلکٹری کانپور، رام نرائن رجسٹرار قانونگو تحصیل مہرونی ضلع جھانسی وغیرہ، بہت سے اصحاب الہ آباد، کانپور، لکھنؤ، بارہ بنکی مین آباد ہو گئے ہین۔ (۴) صاحبان فتح پور، از نسل لالہ رام داس۔ منشی سورج بلی صاحب منیجر ریاست ہڑاہا کی اولاد مین بابو اودھ بہادر صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل بارہ بنکی، وارد حال نواب گنج بارہ بنکی، بہت سے لوگ الہ آباد وغیرہ مین آباد ہین۔

لالہ سرجو پرشاد صاحب مرحوم ایک مرتبہ بر سبیل تذکرہ ارشاد فرماتے تھے کہ "لالہ بھیرون پرشاد صاحب بڑے معتمد اور لایق منشی تھے۔ ملازمت کے سلسلے مین ہمیشہ اپنے فرض منصبی کو ایمانداری و نیک نیتی اور صفائی و خوبصورتی کے ساتھ انجام دیتے رہے، کبھی کسی قسم کی شکایت سننے مین نہین آئی۔ چودھری عباس علی صاحب اُن کے بڑے قدردان تھے۔ چودھری صاحب کے یہان اگرچہ بھیرون پرشاد صاحب محرری کا کام کرتے تھے، مگر، دراصل اُنھین ایک مشیر یا مصاحب خاص کی عزت حاصل تھی۔ چودھری صاحب ہر اہم معاملہ کی نسبت اُن سے نج مین رائے لے لیتے تھے۔ چونکہ چودھری صاحب پر اُن کا خاندانی اعزاز، اُن کے بزرگون کا تابناک زمانہ اچھی طرح روشن تھا، اس لیے جملہ ملازمین سے اُن کی قدر و منزلت زیادہ تھی۔ منشی بانکے بہادر صاحب کی ملازمت مین اکثر حکام نے اُن کے کام سے خوش ہوکر خواہش ظاہر کی کہ، اگر آپ کا ارادہ ہو تو ہم صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر سے سفارش کرکے کوئی عمدہ سرکاری جگہ دلوادین، لیکن، بھیرون پرشاد صاحب نے منشی بانکے بہادر صاحب کی ملازمت چھوڑ کر گورنمنٹ کی نوکری نہین کی" اس سے اِن کی قناعت پسندی، ذہانت و عقلمندی اور دماغی قابلیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

لالہ گلاال جی صاحب (بڑے لایق و ہوشیار، رائے نارائن بلی صاحب تعلقدار دریاباد کے وقت مین وہ اصلباقی نویس تھے) بیان فرماتے تھے، کہ "منشی بھیرون پرشاد صاحب جگدھر یا کو علم سیاق اور حساب کتاب مین بہت بڑا ملکہ حاصل تھا۔ حساب لکھنے اور میزان دینے مین کبھی غلطی نہین کرتے تھے۔ اُن کے میزان دینے کا طریقہ یہ تھا کہ ہندسون کی آواز مُنھ سے نہین نکلتی تھی اور بجائے روپیہ۔ آنہ۔ پائی یا بیگھہ۔ بسوہ۔ بسوانسی یا من، سیر، چھٹانک وغیرہ کے متعلق ہر رقم یا

کے عالم اور ہر دو زبان کے قابل شاعر۔ مولف) بابو صاحب بھی ملک کے بہی خواہون مین سے ایک شخص ہین، جو سنہ ۱۹۱ع سے رائے بریلی پر اپنی جان قربان کر رہے ہین۔ یہ ایک نہایت ہوشیار رفارمر اور بہت بڑے قابل و مستعد آدمی ہین۔ تعلیم و کانگریس سے خاص دلچسپی ہے۔ تین سال تک میونسپل بورڈ مین بڑی خوبصورتی کے ساتھ کام انجام دیا۔ اور اس وقت کواپریٹو بنک کے ڈائیرکٹر اور ضلع کی کانگریس کمیٹی کے سکریٹری ہین۔ ہندو یونیورسٹی کا چندہ وصول کرنے کے لئے سکریٹری اور اُس کے متعلق احکامات جاری کرنے کے بانی یہی تھے (رائے بریلی کے ضلع سے ڈیڑھ سال مین سوا لاکھ روپیہ وصول کیا۔ مولف) ہندو اسکول کے بانیون مین سے یہ ایک شخص ہین، اور کائستھ پاٹھ شالہ۔ الہ آباد کے، جس مین انھون نے تعلیم پائی ہے، خاص کارکن۔ انھون نے زمانۂ جنگ مین برٹش گورنمنٹ کی بہت بڑی وفادارانہ خدمت کی، جس کا شکریہ ممالک متحدہ کے لفٹننٹ گورنر نے ادا کیا۔ اپنی پُرجوش اور موثر تقریرون سے رنگروٹ بھرتی کرنے اور چندہ کی فراہمی مین بہت بڑی مدد دی اور ضلع کی جنگی لیگ مین ممبر ہو کر کافی امداد کی، پھر ضلع کی جنگی کمیشن مین نہایت ہمت سے کام کیا، بابو صاحب نے اس جنگی تاریخ کی تکمیل مین اعانت فرمانے کا فخر بھی حاصل کیا ہے" بابو صاحب بڑے نیک، صاحب اخلاق، بامروت، خوش مزاج، خوش چلن، خوش پوشاک، امیر دل نفاست پسند، صاحب اولاد اور ایمانداری سے زندگی بسر کرنے مین مشغول۔

ہر جزو کی میزان علیحدہ علیحدہ صفحہ وار دینے کے وہ ایک دم سے جزو کل کی میزان ایک ہی وقت مین ختم کر دیتے تھے اور طرہ یہ کہ غیر مشکوک اور صحیح۔ بات کی بات مین بڑی سی بڑی رقمون کی کئی کئی صفحون والی میزان دینا، جو غلطی سے بالکل پاک و صاف ہو، اُن کا خاص حصّہ تھا۔ تیزی کے ساتھ ہی قلم اور ہاتھ پر قابو رکھتے ہوئے شکستہ خط مین صحیح و صاف اور خوبصورت حروف لکھنا، کام کے وقت دوسرے کی باتون پر متوجہ نہ ہونا، نگاہ اور خیال کو قابو مین رکھنا وغیرہ، اُن کے ذاتی جوہر تھے۔ اُن کے لکھے ہوئے کاغذات دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ فارسی و انگریزی اور ہندی، ہر قسم کے سیاق سے واقف تھے۔ پٹواریون کے کاغذات جانچ کرنے مین کافی مہارت تھی۔ جس کاغذ کی جانچ وہ دس منٹ مین کر سکتے تھے، دوسرا اُسے دو گھنٹے مین بھی اچھی طرح نہین جانچ سکتا۔ اُن کے جانچے اور دیکھے ہوئے کاغذون مین غلطیان نکالنا غیر ممکن تھا۔ جتنا کام وہ اکیلے دن بھر مین ختم کر ڈالتے تھے، چار متصدی بھی اُتنا کام نہین کر سکتے عقلمند بھی ایسے تھے کہ ذرا سے اشارے مین تہ کی بات سمجھ جاتے تھے۔ امانت کے کام سے بھی کچھ کچھ واقفیت تھی نقشون کا عکس خوب اُتارتے تھے۔ انھین اوصاف کے باعث تحصیل مین اُن کا شہرہ تھا۔ اکثر قدردان مسلم ونیسون نے نوکری کے لئے اُن کے پاس پیغام بھیجے، دو ستانہ خطوط لکھے، مگر بھیرون پرشاد صاحب نے کبھی منظور نہین کیا، کیونکہ اُن کے خیال مین چودھری عباس علی صاحب یا منشی بانکے بہادر صاحب کی ملازمت بلاوجہ ترک کرکے دوسری جگہ جانا خلاف وضع تھا۔ سیاق کے متعلق منشی بھیرون پرشاد صاحب کے شاگردون مین پنڈت گیا پرشاد غازی پوری (پرگنہ دریاباد) ایک لایق اور مشہور متصدی اب تک زندہ۔

افسوس ہے کہ والد صاحب نے کام کے آگے اپنی زندگی کی کچھ پروا نہ کی، ضرورت سے زیادہ محنت و مشقت کرنے کے باعث آرام مین خلل آگیا، صحت جلد خراب ہو گئی۔ پہلے زکام ہوا، بعد اُس کے اندرونی حرارت رہنے لگی، دوستون نے علاج کی صلاح دی، مگر کچھ خیال نہین کیا۔ آخر مین جب چلنے پھرنے سے مجبور ہو گئے تو سنہی گھاٹ سے فنس پر مکان آئے اور ساتوین دن بعارضہ تپ دق ۹ بجے شب انتقال فرمایا۔ ۴۲ سال کی عمر نصیب ہوئی متوسط قد، لاغر اندام، کشادہ پیشانی، گندم رنگ، مگر کسی قدر سانولا پن، خمیدہ ابرو، نوکدار خوبصورت مونچھین، بابری حجامت، خمدار زلفین، بڑی آنکھین، تیز رفتار۔ وضع آبائی اور سادی۔ اولاد مین چار بیٹے جس مین صرف بدنصیب و بدنام کنندۂ خاندان برج[۵] بھوکھن لال محبؔ مولف تاریخ ہذا بہ قید حیات۔ (دیکھیا نہ)

[۵] برج بھوکھن لال نام محبؔ تخلص، اُردو نظم و نثر سے دلچسپی، جناب نظر لکھنوی کی شاگردی کا فخر حاصل۔ ولادت ماگھ بدی سمت ۱۹۳۲ بکرمی، روز پنجشنبہ، بارہ بجے شب، مطابق ۱۸ نومبر ۱۸۷۵ء۔ ۱۹۰۱ء مین دریاباد سے اُردو مڈل کلاس پاس کیا۔ پہلے مدرسہ کی نوکری کی۔ بعد اُس کے ریاست راتی منو کی ملازمت ہاتھ آئی۔ پھر لکھنؤ مین ملازم ہوا اور ۱۹۰۲ء سے کنارہ کش ہو کر اپنے قدیم مہربان جناب ٹھاکر رام پال سنگھ صاحب رئیس سکرورہ کے یہان آزادانہ رہنا اختیار کیا جہان آج کل نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی بسر ہو رہی ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء سے شاعری کا شوق ہوا۔ تیرہ برس کے بعد نثر مضامین لکھنے پر بھی طبیعت مائل ہو گئی اور اس وقت تک دونون شغلے جاری۔ شاعری کے متعلق مختصر سا دیوان مرتب، رنگ زمانہ نامی کتاب چھپ کر زیر اشاعت۔ نثر مین تاریخ دریاباد پریس مین دینے کے لئے تیار۔ ۱۲

حافظ محمد جہانگیر صاحب

عُرف حافظ جہانگیر، سنی المذہب، شیخ انصاری، شیخ علی بخش صاحب کے بیٹے، نامی گرامی حافظ قرآن، مشہور قاری، شرعیٔ مسائل سے اچھی طرح واقف۔ ولادت ۱۸۴۵ء، وفات ۱۹۳۰ء۔

حافظ جی صاحب کے والد موضع سنڈوا (ضلع بارہ بنکی) سے بسلسلۂ قرابت داری دریاباد مین سکونت پذیر ہو گئے تھے اور حافظ جی صاحب یہین پیدا ہوئے تھے۔ اِنھون نے پہلے دریاباد مین مولوی عبد اللہ صاحب سے مذہبی تعلیم کی تکمیل کی۔ اُس کے بعد کانپور مین چھبیس برس کی عمر تک عربی و فارسی کی تحصیل مین مشغول رہنے کے بعد ریاست مہونہ (ضلع سلطان پور) مین ملازمت اختیار کی اور راجہ فرزند علی خان صاحب کو تعلیم دینے لگے۔ چودہ برس تک وہان ملازم رہے بعد ازان سید محمد محسن صاحب وکیل ہائی کورٹ (الہ آباد) کے ملازم ہوئے اور اُن کے مکان (واقع کاکوری) پر اُن کی لڑکیون کو تعلیم دیتے رہے۔ تین برس ملازمت کر کے اپنے وطن دریاباد چلے آئے اور یہان مرزا اصغر بیگ صاحب کے لڑکون کو چار برس کے قریب تعلیم دیکر ملازمت سے کنارہ کش ہو گئے، پھر تا حیات کسی کی نوکری نہین کی۔

یہ اچھے اچھے فقیرون اور عالمون کی صحبت سے فیضیاب ہو کر نہایت قابل ہو گئے تھے۔ قرآن بہت بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ مذہبی خادم بھی تھے دریاباد کے بہت سے مسلمان اِن کی بدولت حافظ قرآن ہو گئے اِن کا ذہن تیز، حافظہ بہت معقول تھا، دماغ بھی اچھا پایا تھا۔ اکثر موقع و محل پر مذہبی بحث و مباحثہ مین بھی حصّہ لیتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ "حافظ جی صاحب شباب کے زمانے مین خوبصورت بھی تھے۔ چہرہ نہایت ملیح تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ یہ دریاباد سے بردوان تشریف لیگئے (غالباً یہ سفر کانپور کی واپسی پر کچھ دن کے بعد ہوا تھا) وہان چند روز قیام کرنے کے بعد ایک جگہ میلاد شریف پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اِن کی خوش الحانی اور خوبصورتی پر وہان کے صدر اعلیٰ (جج) کی حسین بیٹی، جو اُس محفلِ مقدس مین شریک تھی، اِن پر فریفتہ ہو گئی اور اِن کے ساتھ اُس کا عقد ہو گیا۔ عالی شان مکان رہنے کو ملا۔ صبح و شام ہوا خوری کے لئے فٹن کی سواری عنایت ہوئی۔ سال ڈیڑھ سال عیش و آرام سے امیرانہ شان و شوکت کے ساتھ بسر ہوئے۔ اسی سلسلے مین اِنھون نے ڈھاکہ، بمبئی، گجرات وغیرہ کی سیر بھی کر لی۔ چونکہ قبل اِس نکاح کے پہلی بی بی مکان پر موجود تھی اور یہ بردوان آکر اپنے گھر سے بالکل غافل ہو گئے تھے۔ اِس لئے اِن کے حقیقی بھائی، جنھون نے تا زندگی شادی نہین کی، حافظ جی کی تلاش مین بردوان پہونچکر اُن سے ملے۔ چند روز کے بعد حافظ جی نے ایک ہزار روپیہ اپنے بھائی کو دیکر یہ معذرت کی کہ "آپ چلئے اور دریاباد مین باغ و کوٹھی کی تیاری کے لئے انتظام شروع کر دیجیے کیونکہ یہ نئی منکوحہ عورت صدر اعلیٰ کی بیٹی، عالی شان کوٹھیون کی رہنے والی ہمارے کچے مکان مین کیسے رہ سکتی ہے؟ مین عنقریب اِس عورت کو رخصت کرا کر دریاباد حاضر ہونگا۔" جس وقت اِنھون نے اپنی بی بی سے کہا کہ "اب ہم اپنے وطن دریاباد جائین گے، کیا تم ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہو سکتی ہو؟" تو اُس نے صاف انکار کر دیا۔ بی بی کی یہ عدول حکمی خلافِ شرع ہونے کی بنا پر حافظ جی نے فوراً اُسے طلاق دیدیا اور دوامی عیش و عشرت پر لات مار کر دریاباد کا راستہ لیا۔ مکان

پر بھبھ بچکر حافظ جی سخت بیمار ہو گئے منھ سے خون گرنے لگا۔ لوگون کو گمان ہوا کہ پردوان والی عورت کی طرف سے جادو چلایا گیا ہی۔ لیکن، دعاؤ تعویذ اور حکیمون کے علاج سے جلد افاقہ ہوگیا۔" اس دلچسپ واقعہ سے مترشح ہوتا ہو کہ حافظ محمدؐ جہانگیر صاحب بڑے آن بان والے اور شرع کے پابند لاطمع بزرگون مین سے تھے۔ انھین بات کے آگے دولت وغیرہ کی مطلق پرواہ نہ تھی۔

حافظ جی صاحب روزہ و نماز کے بڑے پابند تھے، مرتے دم تک نماز قضا نہین ہونے پائی۔ لوگون کا بیان ہے کہ "بیماری کی حالت مین حافظ جی صاحب نماز کا وقت دریافت کرتے اور برابر نماز پڑھتے رہے، دن مین آٹھ یا نو بجے انتقال ہوا تھا"۔ تخمیناً ۷۵ برس کی عمر پائی۔ آخری سن مین کچھ نسیان غالب اور سماعت و بینائی مین فرق آگیا تھا۔ (مرزا جی محلم مرحوم خلیق، ملنسار، نیک دل، غیر متعصب، بہت بڑے باوضع بزرگ تھے جس سے جو برتاؤ تھا تاحیات قایم رہا چوگوشیہ ٹوپی، تنزیب کا پردہ دار انگرکھا، نین سکھ کا بڑے پائینچے والا پائیجامہ، سرخ نری کا دِلّی دال جوتا ہمیشہ پہنا کئے ہیں وضع مین کبھی فرق نہین آیا، پوس ماگھ کے جاڑون مین صرف صبح و شام چھینٹ کا رُوئی دار نیم آستین والا شلوکہ اور ہلکی سی دُولائی بھی استعمال کرتے تھے۔ اولاد مین حافظ محمدؐ سعید بہ قید حیات صاحبِ اولاد۔

مولوی شیخ عبدالوحید صاحب

شیخ کرم کریم عرف چھیدا میان کے اکلوتے بیٹے، اولوالعزمی اور انسانی ہمدردی مین قابلِ ذکر۔ ولادت غالباً ۱۸۷۵ء وفات ۱۹ستمبر ۱۹۱۹ء روز چہارشنبہ۔ اوائل عمر مین اجودھیا کورٹ آف وارڈس مین ملازم ہوئے۔ بعد اُس کے خانہ نشین ہوکر آبائی زمینداری پر قناعت اختیار کی۔ روزہ و نماز کے علاوہ وردو وظائف کے بھی پابند تھے۔ دل مین سخاوت و ہمدردی اور جرأت بہت تھی۔ دریاباد اور قرب و جوار کے بہت سے لوگون کے کام آئے۔ عزیزون کی مصیبت مین خاص طور سے شرکت فرماتے رہے۔ حتی الامکان سائل اِن کے پاس سے محروم نہین جاتا تھا۔ مقامی حکام سے اچھے تعلقات تھے محفل میلاد و مجلس وغیرہ بڑے حوصلہ سے کرتے تھے۔ کئی مرتبہ تقریبات مین قصبہ کے کل مسلمانون کو کھانا تقسیم کیا جسکی مثال قصبہ مین اس وقت تک نظر نہ آئی۔ غصّہ جلد آجاتا تھا، مگر، فوراً ہی زائل بھی ہوجاتا تھا طبیعت مین کدورت نہین رہتی تھی۔ گھوڑے کے شوقین تھے۔ ایک گھوڑا دروازے پر بندھا رہتا تھا۔ سوار بھی خوب ہوتے تھے، اور اسکے عیب و ہنر سے بھی واقفیت تھی۔ مزاج مین صفائی زیادہ تھی، مکان ہر وقت صاف ستھرا رہتا تھا حقّے سے خاص رغبت تھی۔ لکھنؤ کا خوشبودار خمیرہ تنباکو پیتے تھے۔ چار پانچ حقّے روزمرّہ استعمال کئے جاتے تھے۔ اِن کا یہ شوق بہت باقاعدہ اور اُمرائے لکھنؤ کی طرح پرتکلف تھا۔ وضع آبائی اور سادی تھی۔ طرزِ معاشرت ہمیشہ یکسان رہی، کبھی فرق نہین آنے پایا۔ بارہ بنکی کے محتاج خانہ کی تیاری مین چندہ سے شرکت کی، جو اُس کے سنگی کتبہ سے ظاہر ہے۔ آخر عمر تک دریاباد ہوس ٹیکس کے ممبر رہے کار منصبی کے انجام دینے مین نیک نیتی اور انصاف کو مدنظر رکھا۔

شیخ صاحب ہردل عزیز، نیک، بامروت، صاحبِ اخلاق اور صلح پسند بھی تھے۔ چنانچہ دریاباد مین جس وقت

(بزمانہ محرم) مہابیرجی کے جھنڈے کی بابت مسلمان و ہنود باہم رنجش و تکرار پر آمادہ ہوئے (مسلمانون کا قول تھا کہ جھنڈا اُکھاڑ ڈالا جائے تعزیئے اُس کے تلے سے ہو کر نہ نکالے جائینگے۔ ہندو کہتے تھے کہ تعزیئے نکلین یا نہ نکلین، جھنڈا اُکھڑ نہین سکتا) تو انھون نے بے لوث کوششون سے دم بھر مین فریقین کو رضامند کردیا اور ہمیشہ کے لئے یہ بات طے پاگئی کہ قصبہ کے کل تعزیئے "بتنے تلے" (نام محلہ دریاباد) جمع ہوکر ٹکیٹ نگر والی سڑک سے کربلا مین داخل ہوجایا کرین اور جھنڈے سے کچھ واسطہ نہ رکھا جائے۔ اس فیصلہ سے نہ صرف قدیم ہندو مُسلم اتحاد کی شکستہ چول از سرِ نو مضبوط اور درُست ہوگئی، بلکہ ہزارون آدمیون کی جان بچنے کے علاوہ جیل کی مصیبت اور عدالت کی زیر باری سے بھی نجات مل گئی۔ شیخ صاحب کا یہ کارنامہ ایک ایسی اعلیٰ یادگار ہے، جو عقلمند جماعت مین ہمیشہ وقعت کی نظرون سے دیکھی جائیگی۔ اس سے شیخ صاحب کی دانشمندی، سچی وطنی بہی خواہی اور اخلاقی وسعت بھی صاف طور پر نمایان ہوتی ہے۔

شروع شروع مین جبکہ چیچک کے ٹیکہ کا آغاز ہوا، لوگ اسے پیغامِ اجل سمجھ کر خوف کھانے لگے۔ میان عبدالوحید صاحب نے دریاباد مین سب سے پہلے اپنے لڑکون کے ٹیکہ لگوا کر کام جاری کرادیا۔

ریاست ہڑاہا کے بہت معتمد تھے۔ ہر اہم معاملہ کی نسبت مالکِ ریاست ان سے مشورہ کرتے اور امداد چاہتے تھے۔ اپنی آبائی مسجد اور درگاہ وغیرہ کی ہمیشہ خدمت کرتے رہے۔

لیکن، نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیخ صاحب اپنے والد کی طرح منتظم و دوراندیش اور انجام بین نہ تھے، چنانچہ میان کے بعد جس قدر زمینداری ان کے حصہ مین آئی تھی وہ سب زیرِ بارِ رہن ہوگئی۔ ۴۷ سال کی عمر مین وفات پائی اولاد مین عبدالرشید، محمد عبدالحسیب، محمد مقیم، محمد مبین۔ (مخدوم زادگان)۔

شیخ شرف الدین صاحب

عرف گھورئی میان، اخلاقی دلیری و فطری جوانمردی مین قابلِ تعریف، اپنی بساط کے موافق فیاضی مین بھی لائق ذکر، شاہ ابو المظفر صاحب کی نسل مین شیخ لطف علی صاحب کے فرزند اکبر (چھوٹے بیٹے مولوی علیم الدین صاحب تھے) حضرت مخدوم آبکش دریابادی کی اولاد مین تھے۔ ولادت ۱۸۴۲ء، وفات ۱۹۱۶ء۔

شیخ صاحب بڑے زمانہ شناس اور بڑی سمجھ بوجھ کے تجربہ کار بزرگ تھے۔ ہر کام کے آغاز مین انجام سوچ لیتے تھے، موقع و محل دیکھ کر حکمتِ عملی کے ساتھ اپنا مطلب نکال لینے مین کبھی غلطی نہین کرتے تھے۔ عام طور پر نیک چلن، ملنسار، بامروت اور منکسر المزاج تھے۔ دل مین کسی قسم کا تعصب نہین رکھتے تھے۔ ان سے ہر مذہب و ملت کے آدمیون سے یکسان میل ملاپ تھا۔ غریبون کی حسب حیثیت امداد دینا، ستم رسیدون کی مصیبت مین بے دھڑک بلا واسطہ شریک ہوجانا ان کا خاص فرض تھا۔

گھورئی میان جاہل محض تھے، الف بے سے بھی آشنا نہ تھے۔ لیکن، علمی قدردان تھے، پُرانے کاغذات، پُرانی تحریرین، کتابین بڑی حفاظت سے رکھتے اور اُنھین جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ راستہ، گلی مین پڑے ہوئے لکھے

کاغذ دیکھ کر فوراً اُٹھا کے آنکھوں سے لگاتے اور چومتے، پھر گھر لاکر بحفاظت رکھ دیتے تھے۔ اِن کے یہان چند فرامین شاہی جو دیکھنے مین آئے ہین اُن کی نسبت سُنا جاتا ہے کہ "یہ گھوری میان کی بدولت محفوظ رہے۔ اِن فرمانون کے علاوہ اُن کے پاس بہت سے پُرانے کاغذات بھی تھے جنھین اُن کے مرنے کے بعد بے سمجھے بوجھے ردّی سمجھ کر ضایع کر دیا گیا، صرف اِس قدر فرامین جو نکلے مین علیحدہ رکھنے کے باعث بچ گئے"۔ اِن فرامین کی تعداد گیارہ ہے، جو شہنشاہِ اکبر، شہنشاہِ جہانگیر، شاہجہان بادشاہ، شہنشاہ عالمگیر کے زمانے مین اِن کے بزرگون کو دربارِ دہلی سے مرحمت ہوئے تھے۔ اِس سے گھوری میان کی دانشمندانہ دوراندیشی بھی ثابت ہوتی ہے۔

ایک مُہری پروانہ سے ثابت ہوتا ہے کہ راجہ گردت سنگھ صاحب تعلقدار سورجپور گھوری میان کے دادا مولوی احمد بخش صاحب کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور اُن کی گذراوقات کے لئے راجہ صاحب نے ساٹھ بیگھہ خام آراضی[1] معافی کے طور پر عنایت فرمائی تھی۔ پروانہ مذکور حسب ذیل ہے۔

مُہر راجہ گوردت سنگھ تعلقدار سورجپور ربہریلا۔ "مقصدیان حال و استقبال موضع دولہدی پور پرگنہ سورجپور بہریلا معلوم نمائند چون موازی آراضی شصت بیگہ زمین خام بنا بر نیاز حضرت پیر دستگیر قدس اللہ سرہٗ بدریافت حال بے معاشی مولوی احمد بخش بلا شرکت غیرے بنام موصی اللہ معاف نمودہ شد لہذا نکارش پیر ود کردیدہ دو انستہ آراضی مذکورہ متصرف و متعلق موصی الیہ واگذارند و کاہی از آراضی مذکورہ بعلت خرچ بہنیٹ وغیرہ تکلیفات مزاحم و معترض نشوند درین باب تاکید مزید دانستہ حسب المسطور تعمیل آرند۔ فقط مرقوم اساڑہ بدی دوم ۱۲۱۳ فصلی"۔ دستخط ہندی راجہ گوردت سنگھ صاحب۔ یہ پروانہ میان عبدالرشید صاحب کے پاس محفوظ۔

اس پروانہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اب سے ایک صدی قبل ہندو مسلمانون کے باہمی تعلقات نہایت اچھے تھے، اور ہندو رئیس اسلامی بزرگون کو اُن کے اوصافِ حمیدہ کے باعث عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن افسوس! آج کل یہ باتین خواب و خیال ہین جسے طرفین کی بدنصیبی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہین۔

یہ حضرت امام حسینؑ کے دلی معتقد تھے۔ جب تک زندہ رہے، ہر سال بڑی دھوم دھام سے تعزیہ داری کرتے رہے۔ اِن کی یادگار مین ایک پختہ مسجد و چاہ پختہ موجود ہے جو حاجی مولوی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر مرحوم کے مکان سے متصل اُتر طرف واقع ہے۔ مسجد سے خاص مسلمان، کنوئین سے عام لوگ فائدہ اُٹھاتے ہین۔ یہ کنوان مسجد کے پختہ حلقہ سے باہر ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کارروائی محض اِسلئے کی گئی ہے کہ ہندو بھی کنوئین کا پانی استعمال کرنے مین کسی قسم کا پس و پیش نہ کرین۔ تخمیناً ۰ سال کی عمر مین لاولد وفات پائی۔ آبائی پختہ مکان و جائیداد پر اِن کے حقیقی بھائی مولوی علیم الدین صاحب کی اولاد مین حفیظ الدین[2] اسٹیشن ماسٹر، حکیم الدین سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس قابض و دخیل اور بزرگون کے نام و نشان استحکام کے ساتھ قائم رکھنے مین منہمک (مخدوم زادگان)

---

[1] یہ آراضی حال مین راجہ صاحب سورجپور کے ہاتھ پانچ ہزار روپیہ کو فروخت کر ڈالی گئی ۱۲

[2] افسوس ہے کہ آپ نے باوجود کئی مرتبہ عرض کرنے کے گھوری میان کے حالاتِ زندگانی کچھ بھی عنایت نہ فرمائے ۱۲

مرحوم آبائی وضع کے پابند تھے۔ گرمیون مین ہمیشہ نین سکھ کا انگرکھا، بڑے پائینچے والا پائیجامہ، تنزیب کی دو پلڑی ٹوپی، نری کا جوتا پہنتے، کاندھے پر سفید رُومال ڈالے رہتے، بانس کا مضبوط اور بھاری سونٹا باندھتے تھے۔ جاڑون مین انگرکھے کے اوپر رُوئی دار مرزائی بھی استعمال کرتے تھے۔ لاغر اندام، دراز قد، مخروطی شکل، گندم رنگ، چھوٹی سی داڑھی، خفیف کرتی ہوئی مونچھین، سر پہ ننھے ننھے بال، ہاتھ پانون مضبوط۔

حاجی مولوی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر

دریاباد کے مشہور خاندان مخدوم زادگان کے نہایت مشہور و نامور رکن، مولانا مفتی مظہر کریم صاحب کے فرزند دوم (بڑے بھائی مولوی عبدالرحیم صاحب تھے) اول درجہ کے ڈپٹی کلکٹر، بڑے مخیر، عربی و فارسی اور انگریزی کے ماہر، اُردو کے انشا پرداز اور ایک رسالہ کے مولف، حامیٔ تعلیم، قوم اور مذہب کے دلی ہی خواہ، حضرت مخدوم آبکش دریابادی کی اولاد مین سے تھے۔ ولادت مئی ۱۸۴۶ء مطابق جمادی الثانی ۱۲۶۲ھ، وفات نومبر ۱۹۱۲ء مطابق ۱۴۔ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ۔

ابتدائی تعلیم و تربیت لکھنؤ مین پائی، علوم عربی و فارسی کی بھی وہین تکمیل کی منجملہ اور مشہور استادون کے فرنگی محل کے شہرۂ آفاق عالم شمس العلما مولانا محمد نعیم قدس سرہٗ سے بھی فیض تلمذ حاصل کیا۔ مطالعہ کا بیحد شوق تھا ذاتی محنت و کاوش سے انگریزی مین بھی کافی استعداد پیدا کرلی۔ ۱۸۷۰ء مین امتحانِ وکالت بھی پاس کیا، مگر جھوٹ بولنے سے طبعی نفرت تھی، اس لئے وکالت کبھی نہین کی۔

ابتداً اسکول مین عربی و فارسی پڑھانے کی ملازمت کی۔ اسی سلسلہ مین بعض انگریز حکام کو بھی عربی و فارسی کی تعلیم دی، جس کی وجہ سے ایک افسر نے خوش ہوکر انھین سررشتہ دار عدالت کردیا۔ فرائض منصبی انتہائی دیانت، محنت و سرگرمی سے انجام دینے کے باعث چند روز مین تحصیلدار اور پھر اس کے بعد ہی ڈپٹی کلکٹری کے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہوگئے۔ یہ عہدہ اُس زمانے مین ہندوستانیون کے لئے معراج کمال سمجھا جاتا تھا اور دریاباد کا تو کوئی شخص اُس وقت تک اس منصب پر نہین پہونچا تھا۔ سرکاری خدمات کا زمانہ بلگرام، سندیلہ، ہردوئی، بارہ بنکی، للتپور، کھیری، گونڈہ، بستی، گورکھپور، فیض آباد، اور سیتاپور مین گذرا۔ غالباً ۱۹۰۵ء مین پانچ سو کے مشاہرہ ڈپٹی کلکٹری سے سیتاپور مین پنشن لی۔ زمانۂ ملازمت مین دیانت، محنت، خوش اخلاقی، شیرین زبانی انصاف پسندی و حُسنِ سلوک کے باعث حکام و رعایا سب مین ہر دلعزیز رہے۔ ڈپٹی کمشنر و کمشنر صاحبان ہمیشہ خاص عنایت کرتے رہے۔ قحط کے کامون مین خصوصاً بڑی سخت محنت اُٹھائی۔ دونون مرتبہ لفٹنٹ گورنر صاحب کے ہان سے خوشنودی کے پروانے عطا ہوئے۔ پنشن کے بعد ہی سیتاپور مین درجۂ اول کے آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوگئے اور کئی برس تک یہ کام عام آنریری مجسٹریٹون کے برخلاف پوری توجہ و دلسوزی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ اسی درمیان مین ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر سیتاپور میونسپلٹی کے سکریٹری بھی مقرر ہوگئے تھے۔ ۱۹۱۱ء مین چودھری شفیق الزمان صاحب تعلقدار گڑھی بھلول (بارہ بنکی) نے جو عزیز

بھی ہوتے تھے، بڑے اصرار کے ساتھ اپنے علاقہ کے انتظام کے لئے بلایا۔ مگر یہاں کے واجد علی شاہی معاملات میں ڈپٹی صاحب سے نباہ نہ ہو سکا، وسط سنہ ۱۹۱۲ء میں علیحدگی اختیار کرلی اور مع اہل وعیال حج بیت اللہ کے عازم ہو گئے۔ حج سے فراغت حاصل کرتے ہی ۱۲۔ نومبر مطابق ۱۱۔ ذی الحجہ کو ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور ۲۴۔ نومبر مطابق ۱۴۔ ذی الحجہ کو عین صبح صادق کے وقت داعی اجل کو لبیک کہا۔ تیمارداروں کا بیان ہے کہ حالتِ علالت میں اوقات نماز کی بابت برابر دریافت فرماتے رہے اور عین انتقال کے وقت بھی نماز کی نیت باندھ چکے تھے۔ مکہ معظمہ کے مشہور گورستان "جنت المعلیٰ" میں مدفون ہوئے۔ ایسی موت ہر مسلمان کے لئے قابلِ رشک ہے۔

مرحوم ایک خیر مجسم بزرگ تھے۔ آمدنی کا بہت بڑا حصہ مصارف خیر کے لئے وقف رہتا تھا، بہ کثرت اعزہ و اہل وطن کی امداد خفیہ و علانیہ ہر طریقہ سے کرتے تھے۔ خاندان کے کئی لڑکوں کو تعلیم دلائی۔ کئی بیوہ عورتوں کی مستقل کفالت کرتے رہے۔ موسم سرما میں مرزائیاں بنوا کر وطن کے ناداروں کو تقسیم کرتے۔ چھٹیوں میں جب کبھی وطن آتے تو قصبہ بھر کے بچوں کے لئے عید ہو جاتی، سب خوش خوش اکر جمع ہوتے اور سب کو بڑی سیر چشمی کے ساتھ شیرینی تقسیم کرتے تھے۔

ڈپٹی صاحب بہت بڑے نیک، اپنے عقائد میں بہت پختہ، روزہ و نماز اور درود و وظائف وغیرہ کے بڑے پابند تھے۔ قرآن کی تلاوت بڑی خوش الحانی سے کرتے تھے۔ تعصب نام کو بھی نہ تھا۔ ہر شخص کے ساتھ، خواہ کسی مذہب و ملت کا ہو خلوص سے ملتے تھے۔ مسلمان فقراء و علماء کے زبردست معتقد ہونے کے ساتھ ہی بعض ہندو سناسیوں اور پنڈتوں سے بھی خاص تعلق قلبی رکھتے تھے۔ مثلاً سندیلہ کے بختاور شاہ یا پنڈت گوری شنکر۔

انھیں عرسوں کی شرکت سے بھی دلچسپی تھی۔ بانسہ شریف کا عرس تو گویا خاص اپنے ہی گھر کا عرس تھا، کیونکہ وہاں کے سجادہ نشین حضرت شاہ غلام جیلانی قدس سرہ ان کے حقیقی بھانجے تھے۔ اسکے علاوہ خیرآباد و کاکوری کے عرسوں میں بھی سالہاسال شرکت فرماتے رہے۔ دریاباد میں جب حضرت مخدوم آبکش کا عرس حاجی محمد یوسف صاحب کے زیر اہتمام ذرا دھوم دھام سے ہونا شروع ہوا تو ڈپٹی صاحب بھی بڑی خندہ پیشانی سے شریک ہوئے تھے۔ شمس العلماء مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی کے وصال کے بعد ان کا عرس خود اپنے صرف سے کرنا شروع کیا اور اپنی زندگی بھر کبھی اس معمول میں فرق نہیں آنے دیا۔

سید اکبر حسین صاحب جج متخلص اکبر مرحوم سے دوستانہ تعلقات قائم تھے، طرفین میں قلبی محبت تھی۔ وہ ڈپٹی صاحب کو "فیاض دوست" کے لقب سے یاد فرماتے اور ہمیشہ حاضر و غائب مداح رہتے تھے۔ مولانا کی نگاہ میں ڈپٹی صاحب محض ایک معزز عہدہ دار ہی نہ تھے، بلکہ قوم کے رہنما اور سچے عابد و زاہد بھی تھے۔

ان کی طبیعت نہایت صلح کل و مرنجاں مرنج اور با مروت واقع ہوئی تھی۔ کسی کی دلشکنی گوارا نہ ہوتی تھی۔ ساتھ ہی انکسار بھی بیحد تھا۔ ادنی سے ادنی شخص سے بھی بالکل برابر ہی کے ساتھ ملتے تھے۔ ڈپٹی کلکٹری کے زمانہ میں راستہ گلی میں اگر کوئی چپراسی مل جاتا تو اس بے تکلفی سے کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگتے کہ گویا وہ خاص دوست ہے۔

سیتاپور کا "مدرسہ اسلامیہ" و "انجمن اسلامیہ" نے انھیں کے دم سے زندگی پائی۔ لکھنؤ کی مشہور انجمن "ایک آنہ فنڈ"

اور "اصلاح المسلمین" کو نہ صرف خود مدد دی، بلکہ بعض امرا سے بھی معقول امداد دلائی، جس کا شکریہ اِن انجمنوں کی گذشتہ رودادون مین موجود ہے۔ بڑے صاحبزادہ (مولوی عبد المجید صاحب حال ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ) کی شادی کے موقع پر "علی گڈھ کالج" و "ندوۃ العلماء" لکھنؤ کی امداد کی۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کا ابتدائی غلغلہ جب سر آغا خانصاحب کے زیر سرکردگی بلند ہوا تو، ایک ماہ کی پنشن اُس کے چندہ مین دیدی۔ راجہ صاحب محمود آباد (راجہ سر محمد علی محمد خان بالقابہ) ہمیشہ ڈپٹی صاحب کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے رہے۔ جب سامنا ہوتا تو "قبلۂ کعبہ" کہ کر گفتگو فرماتے اور جب کسی معاملہ مین علماء اہلِ سُنّت سے مدد لینے کی خواہش ہوتی تو آپ ہی کو واسطہ بناتے تھے۔

اخبار بینی و مضمون نگاری کا بھی انھین شوق تھا۔ متعدد اخبارات منگاتے اور پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے "اودھ اخبار" مین مضامین بکثرت لکھے، کبھی کبھی "ریاض الاخبار" وغیرہ مین بھی لکھا کرتے تھے۔ ایک رسالہ "تالیف فادی" کے نام سے صرف و نحو پہ شایع کیا۔ ایک شہادت نامہ بھی زیر تالیف تھا، مگر، افسوس! تکمیل کی نوبت نہین آئی۔

اپنی زندگی ہین دریاباد مین انھون نے ایک عظیم الشان پختہ مکان بھی تعمیر کرایا تھا۔ انتقال کے بعد اِن کے لڑکون نے اِن کی یادگار مین اسی مکان مین ایک کُتب خانہ **عبد القادر لائبریری** (کتب خانہ عبد القادر) کے نام سے قائم کیا تھا۔ لیکن، نہایت افسوس ہے کہ اہلِ وطن کی بے توجہی سے یہ مفید اور قابلِ قدر یادگار عرصہ تک قائم نہ رہ سکی

انتقال پر اودھ اخبار (لکھنؤ) مشرق (گورکھپور) ایڈوکیٹ (لکھنؤ) و انڈین ڈیلی ٹیلیگراف (لکھنؤ) مین ماتمی مضامین شایع ہوئے اور اُردو کے مایۂ ناز شاعر لسان العصر حضرتِ اکبر مرحوم الہ آبادی نے قطعہ تاریخ ارشاد فرمایا، جو اپنی صداقتِ بیان و لطافتِ مادۂ تاریخ کے لحاظ سے بے مثل ہے۔ ملاحظہ ہو:-

پیشوائے قوم، والا مرتبت ∴ شیخ عبد القادرِ عالی صفات!
آخرت ہی پر نظر رکھتے تھے وُہ ∴ سمجھے تھے دنیائے دون کو بے ثبات
جاہ منصب مین وہ گو ممتاز تھے ∴ کرتے تھے یارِ خدا دن ہو کہ رات
اُن کے "ذکر و شغل" کا تھا یہ اثر ∴ "شغل" ہی مین نکلی تاریخِ وفات
۱۳۴۳ھ

سید اولاد علی صاحب کمیشن ایجنٹ

سنی المذہب، از نسل میران غوث امیر عنایت علی صاحب کے بیٹے، کلکتہ مین مشہور و معروف کمیشن ایجنٹ تھے۔

ولادت تخمیناً ۱۸۵۰ء، وفات ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۲۱ء۔

کلکتہ کے معزز لکھ پتیون مین اِن کا شمار تھا۔ چین، جاپان، تبت، ختن، یارقند، یورپ، امریکہ وغیرہ ممالک غیر مین اِن کے ذریعہ سے مال (جواہرات خصوصاً، دیگر قیمتی اشیاء عموماً) کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ کمیشن ایجنسی کے سلسلے مین جو خطوط روانہ ہوتے تھے، اُن مین پیشر لفافون پر بخط اُردو و انگریزی یہ الفاظ چھپے ہوئے ہوتے تھے "اولاد علی کمیشن ایجنٹ کلکتہ سُندریہ پٹی نمبر ۳"

میر صاحب جوانی کے زمانہ مین ایک مدنی بزرگ کے ہمراہ لکھنؤ (کسی ضرورت سے جانا ہوا تھا) سے کلکتہ چلے گئے۔ وہان پہلے کسی تاجر کی ملازمت کی بعد اُس کے جب خرید و فروخت مین ہوشیار اور تجربہ کار ہوگئے تو کمیشن پر کام کرنے لگے۔ ایک مدت کے بعد معمولی حیثیت سے ترقی کر کے لاکھون کی دولت پیدا کر لی اور کلکتہ کے معززین مین بہت کچھ افتخار بھی حاصل کر لیا۔

یہ مخیر بھی تھے۔ ہر سال دو سو روپیہ مسلمان غریبون اور محتاجون کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ اکثر حج کے زمانے مین بعض غریب مسلمانون کو جہاز کا کرایہ بھی دے دیا کرتے تھے یا خود ٹکٹ خرید کر کے اُن کے حوالہ کر دیتے تھے۔ اپنے بھائیون کے مصارف کا کُل بار اپنے ذمہ لئے ہوئے تھے۔

اِن کی چار شادیان ہوئی تھین۔ اول دو شادیان دریاباد مین، جن مین سے پہلی بی بی کے تین بیٹے کچھ دن زندہ رہکر فوت ہو گئے؛ دوسری شادی مولانا حکیم محمد علی اطہر صاحب کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی جو کلکتہ جا کر ایک مہینے کے بعد بعارضۂ ہیضہ فوت ہو گئی۔ اس کے بعد دو شادیان کلکتہ مین ہوئین۔ ایک شادی ملنگ خان کابلی جو گھوڑے اور اونٹون کے مشہور تاجر تھے، کی بیٹی کے ساتھ ہوئی، دوسرا نکاح واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے بہت بڑے نامی گرامی عزیز دار کی بیٹی کے ساتھ مٹیا برج مین ہوا تھا۔ اِن کلکتہ والی بیبیون سے جو اولاد ہوئی وہ تا حال موجود۔

اولاد علی صاحب نے کلکتہ مین بہت اطمینان اور نیک نامی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اِن کی حیثیت ایک اچھے خاصے رئیس یا چھوٹے تعلقدار سے کم نہ تھی۔ کمیشن اور کوٹھیون کے کرایہ کی آمدنی تخمیناً چھ سات سو روپیہ ماہوار اور سات آٹھ ہزار سالانہ تھی۔ اِن کے رہنے کا مکان ایک بہت بڑی عالیشان امیرانہ کوٹھی تھی۔ علاوہ اس کے چند کوٹھیان اور بھی تھین، جو کرایہ پر اُٹھی تھین۔ لیکن، افسوس ہے کہ انھون نے اپنے وطن دریاباد مین کوئی یادگار نہین قایم کی، نہ اپنا آبائی مکان دُرست کرایا، نہ یہان کے باشندون کو کچھ فیض پہونچایا، اگرچہ یہ وقتاً فوقتاً تا زندگی کلکتہ سے دریاباد آتے رہے، تارک الوطن نہین ہوئے تھے۔ تخمیناً ۷۱ برس کی عمر مین ڈیڑھ لاکھ روپیہ نقد، چار کوٹھیان قیمتی ڈھائی لاکھ چھوڑ کر قضا کی۔

مرحوم نیک، خلیق، روزہ و نماز کے پابند تھے چھ سات زبانین جانتے تھے۔ علمی قابلیت نہ تھی، صرف معمولی طور پر کچھ اردو سے واقف تھے۔ اولاد مین محمد شفیع و محمد رفیع، کاروبار بدستور قایم، تین کوٹھیان موجود، سُندری بٹی نمبر ۲ والی کوٹھی سڑک مین آ کر کھُد گئی، جس کا معاوضہ ۸۰ ہزار کے قریب مِلا تھا۔ (قضیانہ حال مخدوم زادگان)

شیو چرن مہراج

معروف بہ جمعدار، کانیکبج برہمن، آپ منیج گوتر، دریابادی اگن ہوتری، تلسی کرت رامائن پڑھنے مین مشہور و معروف۔ اِس بارہ مین دُور دُور تک اِن کا کوئی ہمسر نہ تھا، یہ آپ ہی اپنی نظیر تھے۔ جس وقت رامائن پڑھنے لگتے تھے تو سامعین

۵ فرزند علی و حشمت علی، عرصہ ہوا کہ فرزند علی صاحب فوت ہوگئے۔ اب اُن کے لڑکے اور حشمت علی صاحب میر صاحب کے آبائی مکان مین رہتے ہین، جن کی گذر اوقات کے لئے میر صاحب مرحوم کے بیٹے معقول تنخواہ عنایت فرماتے ہین ۱۲۔

پر ایک سرور انگیز کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ رامائن سے انھین قدرتی طور پر خاص دلچسپی تھی۔ اِن کے پڑھنے کا خاص کمال یہ تھا کہ منھ سے الفاظ صاف نکلتے تھے، دُھن دلچسپ اور آواز خوش آئند ہوتی، چوپائی، دوہے، چھند وغیرہ بہ لحاظ وزن مختلف طریقون سے موزونیت کے ساتھ پڑھے جاتے تھے۔ یہی وجوہات ہین کہ اِن کا رامائن پڑھنا عام پسند تھا، پڑھے بے پڑھے سبھی اِن کے مدّاح تھے۔ دسہرہ کے ایام مین رام لیلا کے موقع پر رامائن کا پڑھنا خاص اِن کا فرض تھا، جہان عام طور پر شایقین رامائن سُننے کی غرض سے جمع ہو جاتے تھے۔ یہ نہایت نیک، خوش مزاج، خوش اعتقاد اور بڑے وضعدار تھے۔ رائے صاحب کے یہان ملازمت کر کے پھر تا عمر دوسری جگہ نہین گئے۔ رانی مئو کے مشہور تعلقدار ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب مرحوم نے کئی مرتبہ راقم کی معرفت اِس امر کی کوشش کی کہ شیو چرن مہراج ریاست رانی مئو کی ملازمت اختیار کر لین۔ لیکن جب اِن سے کہا گیا تو، انھون نے صاف کہدیا کہ ”بھائی! ہم دوسرے دربار مین نوکری نہ کرین گے اور یون ٹھاکر صاحب کے تابعدار ہین“۔ ٹھاکر صاحب ممدوح جمعدار صاحب کے بڑے قدردان تھے، وہ اکثر برسبیل تذکرہ فرمایا کرتے تھے کہ ”رائے صاحب کے یہان شیو چرن مہراج رامائن بڑی خوش الحانی سے پڑھتے ہین لیکن افسوس ہے کہ وہ ہمارے یہان نوکری کرنا منظور نہین کرتے“۔ سمبت ۱۹۷۷ بکرمی مطابق سنہ ۱۹۲۰ء مین اگن ہوتری جی کا بیکنٹھ باش ہوا، ۶۵ سال کی عمر پائی، اولاد کوئی نہین۔ (ٹھکانی تولہ)

حافظ مجتبیٰ کریم صاحب چیف ریڈر

سنی المذہب، شیخ، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے فرزند دوم، از نسل حضرت مخدوم آہکش دریابادی، سشن جج کے سررشتہ دار، بے مثل حافظ قرآن۔ ولادت تخمیناً سنہ ۱۸۶۰ء، وفات سنہ ۱۹۲۰ء۔

عربی و فارسی مین معمولی استعداد تھی، پہلے بنارس مین جنگی کے محکمہ مین ملازم ہوئے، بعد ازان صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ہردوئی کے سررشتہ دار، پھر سشن ججی مین اسی عہدہ پر مامور ہو کر کچھ دن کے بعد پنشن حاصل کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ ۶۰ برس کی عمر پائی۔ اولاد مین تین لڑکے جنھون نے عرصہ بیس سال سے گدڑی بھلولی (بارہ بنکی) مین سکونت اختیار کی ہے اور جو مسٹر محمد نسیم (لکھنؤ کے بہت بڑے نامی گرامی وکیل) کے حقیقی بھانجے ہین۔ بڑے بیٹے ارتضیٰ کریم انٹرنس پاس، اسلامیہ اسکول لکھنؤ مین چالیس روپیہ ماہوار پر ملازم، منجھلے بیٹے اجتبیٰ کریم ایف۔ اے تک تعلیم یافتہ، چھوٹے مصطفیٰ کریم بی۔ اے حیدر آباد مین سررشتۂ تعلیم کے محکمہ مین ملازم۔

لالہ چھدامی لال صاحب

جین، سراوگی، فرقہ دگامبری، از خاندان ریوتی رام، لالہ کنھئی لال صاحب کے بیٹے، اُولو العزم، اور مذہبی خدمت مین قابل ذکر۔ مشہور ہے کہ ”انھون نے بڑی دھوم دھام سے ”رتھ جاترا“ کا جشن منایا تھا۔ دریاباد مین یہ مبارک رسم پہلی مرتبہ ادا کی گئی تھی“۔ شاہی کا حال نہین معلوم۔ انگریزی عملداری مین آجتک اس قسم کا کوئی جلسہ دیکھنے

یا سننے میں نہیں آیا۔ اسلئے چھدامی لال کی یہ جدت لائق تعریف ہے۔ شری ٹھاکرجی کا مقدس رتھ متبولی جو ہٹہ سے چھیدمیان کے مکان کے سامنے ٹکیت نگر والی سڑک پر ہوتا ہوا ٹیڑھی بازار ہو کر براہ راست میدان رام لیلا تک گشت کرایا گیا اور وہین شب بھر قیام رہا۔ مہمانون کے قیام کے لیے معقول انتظام کیا گیا تھا۔ اس موقع پر خاص قصبہ کے ہندوؤن کے علاوہ زمینداران قیام پور دتار اپور وغیرہ بھی موجود تھے۔ رائیصاحب نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ کانپور، لکھنؤ، بہرائچ، نواب گنج بارہ بنکی، الہ آباد دہلی، فیض آباد وغیرہ دور دور تک کے سراؤک شریک ہوئے تھے۔ کئی ہزار روپیہ صرف ہوا۔ یہ مسرت خیز جلسہ سمبت ۱۹۶۶ بکرمی مین منعقد ہوا تھا۔ چھدامی ساہ بزازی کے علاوہ لین دین بھی کرتے تھے۔ تخمیناً ۴۵ برس کی عمر مین رتھ جاترا کے بعد وفات پائی۔ اولاد مین منوہر لال، مکان پختہ موجود۔ خاندانی حالات کے لئے باب ۵ فصل ۱، ذکر سیتارام ساہ ملاحظہ ہو۔ (سراوگی محلہ)۔

حاجی حافظ مرتضیٰ کریم صاحب

شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی مخدوم بخش صاحب رئیس کے فرزند سوم، بہت بڑے عالی ہمت اور عالی حوصلہ، مذہبی فرایض کی ادائیگی مین قابل تعریف، اچھے خوشنویس۔ لکھنؤ مین سلطنت اودھ کے اسسٹنٹ رزیڈنٹ کو عربی و فارسی کی تعلیم دیتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ حج کرنے کی نیت سے بمبئی پہونچے تو وہان خدمت گار نے روپیہ کے لالچ مین انھین زہر دیدیا، اور جو کچھ ان کے پاس تھا لیکر فرار ہو گیا۔ لیکن خدا کے فضل سے حافظ جی کی جان بچ گئی۔ چند روز تک سخت مصیبتون کا سامنا رہا۔ بڑی مشکل سے لڑکے پڑھانے کی نوکری ہاتھ آئی۔ دو تین برس بمبئی مین معلمی کے ذریعہ سے بسر کی۔ بعد اس کے حج بیت اللہ کا شرف حاصل کر کے بخیریت مکان واپس آئے۔ اس سفر مین قلت خرچ (صرف کرایہ جہاز اور کھانے پینے کا معمولی انتظام کیا تھا) کی وجہ سے بڑی بڑی دقتین پیش آئین، اور زبردست تکلیفون کا مقابلہ ہوا۔ مگر حاجی صاحب نے سب کچھ خوشی سے برداشت کیا اور اپنے ارادے مین ثابت قدم رہے۔

اس سے حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کی گہری عقیدتمندی اور لایق تعریف مستقل مزاجی کا پتہ چلتا ہے۔ تکلیفین جھیل کر مذہبی فرائض مین مشغول ہونا، لکھنؤ یا دریاباد سے کعبہ شریف تک پیدل سفر کرنا، کوئی آسان بات نہین۔ حاجی صاحب کی خوشنویسی کے نمونے ان کے خاندانی کتب خانے مین ابتک موجود ہین۔ تخمیناً ۴۰ سال کی عمر مین وفات پائی۔ غالباً امجد علی شاہ (۱۲۶۳ھ) کے زمانے مین بقید حیات تھے۔ اولاد مین مصطفیٰ کریم، مجتبیٰ کریم، مظفر کریم، محمد کریم۔ (مخدوم زادگان)

بابو راج بہادر صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر

بی اے، ایل ٹی۔ دریاباد محلہ بھرولی مین بابو سنت بخش صاحب وکیل کے یہان پیدا ہوئے۔ بابو صاحب کے دادا لالہ رام نرائن صاحب نے بیٹے کی طرح پالا، والد لالہ شیو نارائن لال صاحب نے ابتدائی تعلیم دلوائی اور

ﷺ آپ کے حالات بر وقت موصول ہونے کی وجہ سے مجبوراً بے ترتیب درج کر دئے گئے ناظرین معاف فرمائین ۱۲۔

اپنا حقیقی بھائی سمجھا جب ذرا ہوش سنبھالا تو ذاتی طور پر محنت و مشقت کرکے پہلے بی اے کی ڈگری، پھر ایل۔ ٹی کی سند حاصل کی تھوڑے دنوں کے بعد محکمۂ سر رشتۂ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر ہو گئے، اور اسی سلسلہ میں ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان بھی پاس کرلیا۔ لیکن چونکہ دولت جمع کرنے کی فکر میں انھیں اپنی جسمانی صحت کا مطلق خیال نہ تھا، اس لئے خرابی معدہ و ضعفِ دماغ کی شکایت پیدا ہو جانے سے وکالت کے قابل نہ رہے، کار متعلقہ میں بھی خلل آگیا۔ نتیجہ یہ کہ سب ڈپٹی انسپکٹر کر دیئے گئے۔ چند سال فیض آباد میں تعینات رہے، ۷۔ اپریل سنہ ۱۹۲۶ء کو دفعتہً انتقال ہوگیا۔ اولاد نرینہ کوئی نہیں۔ بیس پچیس ہزار روپیہ جو بینک میں جمع تھا، داماد کے قبضہ میں آیا۔ مرحوم بڑے خلیق، نیک، جفاکش، ذہین، اور قابل بزرگ تھے۔ (محمد ان)۔

چوتھا باب

سپاہان و پہلوانان و ماہرین فن کا بیان

پہلی فصل سپاہیوں اور پہلوانوں کے بیان میں

شیخ لطف اللہ صاحب رسالدار

سنی المذہب، شیخ صدیقی، بے مثل پہلوان ہونے کے علاوہ زبردست اور نامی سپاہی بھی تھے عمال شاہی کو غنیم کے مقابلہ میں بہت مدد دیتے تھے۔ جو گڑھی کسی طرح فتح نہ ہوتی تھی، شیخ صاحب دم بھر میں اُسے فتح کر لیتے تھے۔ چونکہ بجائے تلوار کے ان کو کٹار کا زیادہ شوق تھا اور جنگ میں فتح کا سہرا انھیں کے سر بندھتا تھا، اس بنا پر ان کا نام "کٹار شاہی" مشہور ہو گیا تھا۔ ان کے بارہ میں ایک محقق رقم طراز ہے:۔

"شیخ لطف اللہ کہ رسالدار و سپاہی بے نظیر رستم وقت خود بود حال جوانمردیش از مرقدش ظاہر کہ نشانِ شمشیر در مرقدِ او از ریختہ منطبع است۔" از رسالہ حدیقۃ الارض قلمی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب شاہی فوج کے رسالدار تھے اور اپنی غیر معمولی شجاعت و فطری جوانمردی کے باعث اپنے وقت کے رستم مشہور تھے۔

شیخ صاحب کی نسبت چند روایتیں بہت مشہور ہیں (۱) ایک مرتبہ ایک توپ کی گاڑی درگاہ شاہی کے مکان کے قریب کسی وجہ سے رُک گئی، بیلوں نے ہر چند زور کیا، لیکن گاڑی نے ذرا بھی جنبش نہ کی۔ شیخ صاحب کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو انھوں نے آکر ایک ایسا ریلا دیا کہ گاڑی سیدھے راستہ پر آکر با آسانی چل نکلی (۲) ایک وقت یہ چہل شاہ کے مزار کے قریب کھڑے ہوئے تھے، اتنے میں بادشاہی مست ہاتھی بازار میں آنکلا "ہٹو بچو" کا شور ہوا، لوگ گھبرا کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ جس وقت ہاتھی ان کے سامنے آیا تو انھوں نے اپنی جگہ سے اُچک کر ایک ایسا گھونسا رسید کیا کہ

وہ چیخ مار کر بھاگ کھڑا ہوا (۳) کسی بڑے شہر کا ایک پہلوان ان کی شہرت سن کر کشتی لڑنے کے لئے دریاباد آیا اور پتہ لگا کر ان کے پاس پہونچا - یہ اُس وقت ایک املی کے درخت کی بڑی زبردست ٹہنی جھکائے ہوئے اپنی بکریوں کو پتیاں کھلا رہے تھے - پہلوان نے ان سے دریافت کیا کہ تمھیں لطف اللہ ہو؟ ہم تم سے کشتی لڑیں گے! انھوں نے جواب دیا کہ "ہمارا نام لطف اللہ نہیں ہے، تم اس ٹہنی کو سنبھالے رہو، ہم انھیں بلائے لاتے ہیں"۔ اُس نے ان کے کہنے پر عمل کیا جوں ہی یہ علحدہ ہوئے، درخت کی ڈالی زن سے اپنی اصلی بلندی پر پہونچ گئی اور پہلوان صاحب جھولے کی طرح جھولنے لگے انھوں نے کہا، واہ جی! اسی برتے پر لطف اللہ سے کشتی لڑنے آئے تھے (۴) جب ان کی پہلوانی اور بہادری کی شہرت بادشاہ لکھنؤ کے کان تک پہونچی تو یہ طلب ہو کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے - بادشاہ سلامت ان کا نام سنتے ہی خوش ہو گئے، جاگیر و خلعت کے لئے حکم ہوا - انھوں نے دست بستہ عرض کیا کہ "جان پناہ کے اقبال سے غلام کو کسی چیز کی ہوس نہیں ہے، صرف ایک تمنا ہے، وہ یہ کہ ڈنکے کی مشہور جوڑی جو سلطانی جلوس کے متعلق ہے، مرحمت ہو، تو عین بندہ نوازی ہے"۔ بادشاہ یہ سن کر ہنس پڑے اور فوراً جوڑی معہ سامان ان کے حوالہ کی گئی - یہ ہنسی خوشی لکھنؤ سے روانہ ہوئے - آگے آگے اونٹ پر ڈنکا "دُھم دُھم، دُھم دُھم" کی آواز دیتا ہوا اور پیچھے پیچھے گھوڑے پر شیخ صاحب، اسی شان سے دریاباد تک آئے"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ لطف اللہ صاحب بڑے قناعت پسند اور شان امارت کے شیدائی تھے - ان کا زمانہ حیات اب سے سوا سو برس قبل ثابت ہوا ہے، اس سے شیخ صاحب دیوان روشن لال صاحب کے ہمعصر معلوم ہوتے ہیں -

ان کا پختہ مکان محلہ "شیخن احاطہ" میں، جو انھیں کے خاندان والوں کی کثرت سے مشہور ہو گیا تھا، واقع تھا یہ مکان ایک دو منزلی عمدہ عمارت تھی، دکھن طرف شاہی سڑک سے متصل پھاٹک تھا، اسی پھاٹک پر شاہی ڈنکہ کی جوڑی روزمرہ دونوں وقت صبح و شام بجا کرتی تھی، جسے ان کے مرنے کے بعد خاندان والوں نے رائے صاحب کے یہاں فروخت کر ڈالی، جو اب تک وہاں موجود ہے -

تحقیق سے دریافت ہوا ہے کہ شیخ صاحب کے بزرگ قدیم زمانے میں مولی آباد سے آ کر دریاباد میں آباد ہوئے تھے، جن کی اولاد یہاں عرصہ تک مولی آبادی شیوخ کے نام سے مشہور رہی - کسی وقت ان شیخوں کا زمانہ بڑے عروج پر تھا - انھوں نے اپنے زور بازو سے خصوصیت کے ساتھ دریاباد میں ترقی حاصل کی تھی - یہ لوگ اعلیٰ شجاع، بہادر، نصیب ور نیک چلن تھے - دربار شاہی میں رسوخ تھا، بہت سے مواضعات معافیوں اور جاگیروں کے ذریعہ سے ان کے قبضہ میں تھے، معافیوں اور جاگیروں کی بابت جو فرامین دربار دہلی سے وقتاً فوقتاً عطا ہوئے تھے وہ خاندان والوں کی غفلت سے کیڑوں کی خوراک ہو گئے - اسی طرح لطف اللہ صاحب والا فرمان[5] بھی جو دربار لکھنؤ سے مرحمت ہوا تھا، غارت ہو کر تلف ہو گیا -

۵ یہ فرمان تاریخ دریاباد لکھنے کے قبل ۱۹۱۳ء میں نواب علی صاحب (شیخ لطف اللہ صاحب مرحوم کے خاندان میں سے تھے) کے پاس موجود تھا لیکن، افسوس ہے کہ ضرورت کے وقت وہ انتقال کر چکے تھے ۱۲ -

یہ چند دیہات کے زمیندار بھی تھے، اُن میں سے ایک موضع چودھری پور بھی تھا، جس کا اب کہین پتہ نہین ہے، صرف آراضی باقی ہی، جو رائے صاحب کے قبضہ مین ہے۔ حدیقۃ الارض سے پتہ چلتا ہی کہ رسالدار صاحب کی اولاد مین مخدوم بخش صاحب کے زمانے تک یہ موضع آباد رہا اور وہ اس پر قابض رہے۔ حدیقۃ الارض مین لکھا ہی: "چودھری پور معافی مخدوم بخش از اولاد شیخ لطف اللہ"۔ اس سے بھی شیخ صاحب کی زمینداری اور معافیون کا ثبوت ملتا ہی۔
رسالدار صاحب کا مزار پختہ ان کے قبرستان مین موجود ہے، جس کے بائین پہلو مین پورب طرف کٹار کی شکل بنی ہوئی معلوم ہوتی ہی، ساتھ ہی اس کے ایک تلوار کا نشان بھی پایا جاتا ہی۔ بہ غور دیکھنے سے ثابت ہوتا ہی کہ تلوار بھی بنائی گئی تھی، مگر لڑکون کی شرارت سے اُس کا وجود باقی نہ رہا، صرف نشان رہ گیا ہی۔ اس قبر کے قریب ہی اُس املی کا درخت ہی جس کے تلے یہ بکریان چرانے تھے اور غیر شہر کا پہلوان ان کی قوت آزمائی کے لئے آیا تھا۔ یہ قبرستان پرتاب گنج سے متصل اُتر جانب واقع ہی۔ نسل مین منشی کریم بخش امین بہ قید حیات صاحبِ اولاد۔

شیودین، بھاگیرتھ

کانکبج برہمن، اُپ منج گوتر، جاناپوری پاٹھک، بجے سنگھ عرف بجئی کے بیٹے، جس طرح پہلوان اُسی طرح دلیر اور سپاہی، کشتی کے فن مین اوستاد، پہلوانی مین کامل، جوانمردی اور پھرتی مین برق۔ بڑے بڑے پہلوان ان کے داؤ پیچ سے گھبراتے تھے، اچھے اچھے سپاہی بانکے ترچھے نام سُن کر خوف کھاتے تھے۔ لڑائی کے وقت ان کی تلوارین ہوا سے باتین کرتی تھین۔ اِدھر میان سے نکل کر بجلی کی طرح چمکین، اُدھر بیسیون سر غائب۔ مشہور ہی کہ قاضیون کے خاندان مین کسی قتل عمد کی بنا پر شیودین اور بھاگیرتھ کا لکھنؤ چالان کیا گیا اور وہان یہ دونون بھائی شاہی جیل مین بڑی حفاظت کے ساتھ قید کئے گئے۔ گڑیون کے دن انھون نے کشتی لڑنے کے لئے جیل کے داروغہ سے اجازت مانگی، اُس نے پہلے تو انکار کیا، لیکن جب انھین اپنے ارادے پر کمربستہ دیکھا تو ناچار اجازت دینے کے ساتھ ہی چند سپاہی حفاظت کی غرض سے ان کے ہمراہ کر دئے۔ یہ کسی مشہور اکھاڑے مین پہونچے، اور وہان بیڑیان پہنے ہوئے نامی نامی پہلوانون سے کشتی لڑنے لگے، تھوڑی دیر مین جتنے پہلوان تھے، سب کو ان دونون بھائیون نے جیت کر دیا۔ اس کی خبر بادشاہ کے دربار تک پہونچی، دونون بھائی طلب کئے گئے، اور اُس وقت کے بڑے بڑے مشہور پہلوانون سے ان کی کشتیان ہوئین، دونون بھائی جیت گئے۔ بادشاہ نے خوش ہو کر بلا تحقیقاتِ مقدمہ رہائی کا حکم دیا۔ جس وقت بیڑیان کھولنے کا ارشاد ہوا، تو ان دونون بھائیون نے ایک ایک جھٹکا دیا، بیڑیان خود بخود ٹوٹ گئین۔ بادشاہ

ے نبی بخش کا بیان ہی کہ "مین بھی شیخ لطف اللہ کے خاندان سے ہون، میرے پاس شاہی فرمان تھے، خاندان والون کی باہمی عداوت سے مین گھبرا کر آوارہ وطن ہو گیا، کاغذات وغیرہ جو کچھ میرے پاس تھے، سب دریاباد ہی مین رہ گئے"۔ نبی بخش لکھنؤ سے فیض آباد تک نبائی کے پیشہ مین خاص طور پر مشہور، عرصہ سے تارک الوطن ہو کر نواب گنج مین آباد، بارہ بنکی کے اسٹیشن پر دوکان قایم، دریاباد مین قدیم مکان زمانہ حال کے مطابق کالے خان نیچہ ساز کے مکان سے متصل، پرتاب گنج کے گوشۂ شمال و مغرب واقع تھا۱۲۔

اس حیرت انگیز اور خداداد قوت، و جوانمردی کو دیکھ کر نہایت متاثر ہوئے اور اس طرح ان دونوں بھائیوں کو دربارِ شاہی سے کچھ آراضی معہ نقد بصلۂ انعام مرحمت ہوئی۔ زمانۂ حیات سوا سو برس قبل۔ (ٹھکانہ)

بینی مادھو، مادھو رام

عرف بینی اور مادھو، کانکبج برہمن، اُپ منج گوتر، اجاناپوری پاٹھک، بیتیبر پاٹھک قانونگو کے بیٹے، پہلوانی اور سپہ گری دونوں میں مشہور اور دونوں فنون میں طاق۔ تلوار کے دھنی ہونے کے علاوہ قول و فعل کے بھی دھنی، جو کچھ زبان سے کہتے تھے وہی کرتے تھے۔ یہ اُن بہادروں میں نہیں تھے کہ بھاگتے کا پیچھا کریں یا کمزوروں کی باتوں پر غضبناک ہو کر تلوار اٹھائیں۔ ان کی تلواریں میان سے اُس وقت نکلتی تھیں جب دشمن خود ان پر حملہ کرتا تھا، اور ان کے برابر یا ان سے زیادہ طاقتور ہوتا تھا۔ یہ لوگ شاہی ملازم تھے۔ زمانۂ حیات اب سے ایک صدی قبل۔ (پٹھکانی ٹولہ)

شیودین سنگھ

دریابادی اگن ہوتری، قنوجیا برہمن، اُپ منج گوتر، زبردست پہلوان اور مشہور سپاہی، شاہی گولہ انداز دریاباد کے توپخانے میں تعینات تھے۔ بڑے نیک طینت اور خوش نصیب تھے، جب تک زندہ رہے آرام سے زندگی بسر کرتے رہے اب سے ایک صدی قبل موجود تھے۔ (ٹھکانہ)۔

لالتا پرشاد، دیبی سہائے، بھوانی دت

پہلوان اور بہادر سپاہی تھے۔ لالتا پرشاد اپادھیا، مہاراجہ رتن سنگھ بہادر کے یہاں اور دیبی سہائے و بھوانی دت، اگن ہوتری، مہاراجہ میوہ رام بہادر کی سرکار میں بڑی بڑی تنخواہ ہوں پر نوکر تھے۔ یہ لوگ بانک پٹے کے فن سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔

پنڈت درگا پرشاد جی

عرف درگا پنڈت، پہلوانی میں اچھی خاصی شہرت تھی ضرورت کے مواقق سنسکرت حاصل کر کے ورزش پر مائل ہو گئے تھے، جس سے فطری لگاؤ تھا۔ اب سے تخمیناً ۷۵ برس قبل زندہ تھے۔

چودھری لطف علی صاحب

سنی المذہب، شیخ، از خاندان چودھریان دریاباد، چودھری امام علی صاحب کے بیٹے، نامی گرامی پہلوان

۱؎ محمد علی شاہ کی سرکار میں میر منشی تھے، فخر الدولہ منشی الممالک ہوشیار جنگ خطاب تھا ۱۲ ۲؎ مخاطب بہ نواب افتخار الدولہ افضل الملک صلابت جنگ۔ بہ عہد نصیر الدین حیدر بادشاہ سلطنت اودھ کے وزیر مال اور عزت و توقیر میں وزیر اعظم کے ہم رتبہ ۱۲۔

خاندانی رئیس، تعلقہ حمید نگر مین دو آنہ کے حصہ دار۔

چودھری صاحب ایسے پہلوان تھے کہ اکثر غیر جگہون سے مشہور پہلوان زور آزمائی کے لئے آئے، مگر کوئی جیت کر نہین گیا۔ مشہور ہے کہ "ایک مرتبہ کسی بڑے شہر سے ایک بہت بڑا زبردست پہلوان، جو اِن سے قوت مین دو چند سہ چند تھا، اِن کا نام سُن کر کشتی لڑنے کے لیے اِن کے پاس آیا۔ یہ اکھاڑے مین علیحدہ بیٹھے ہوئے اپنے شاگردون کو باہم لڑوا رہے تھے، اُس نے اِن سے کشتی لڑنے کو کہا۔ انھون نے جواب دیا کہ "مین لڑنے کو تیار ہون، لیکن میرے ہاتھ کا داہنا انگوٹھا زخمی ہے، اسے بچائے رہنا۔" اُس نے وعدہ کیا اور کشتی شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اُسے معلوم ہوا کہ مین اِن سے نہ جیتونگا، تو اُس نے اِن کے زخمی انگوٹھے کو زور سے دبا دیا، لیکن انھون نے ایسا پیچ مارا کہ وہ دھم سے اکھاڑے سے تھوڑی دور الگ جا گرا۔ چودھری صاحب نے فوراً اُسے چت کر دیا۔ گرنے کے ساتھ ہی اُس کے بدن مین ایسی چوٹ آگئی کہ اُس کا ایک عضو کچھ دن کے لیے بیکار ہوگیا اور اس طرح اِن کی پہلوانی اور بھی دُور دُور تک مشہور ہوگئی۔"

لطف علی صاحب پہلوان ہونے کے علاوہ مشہور مرغ باز بھی تھے۔ اِن کے مرغ دُور دُور تک مشہور تھے، جو لکھنؤ مین نواب نظر حسین خان صاحب کے یہان آغا میر کی ڈیوڑھی پر لڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے، وہان ایک ایک ہزار اور پانچ پانچ سو روپیہ تک کی بازی لگتی تھی۔ مہاراجہ صاحب بنارس کے یہان بھی اِن کے مرغ لڑنے کے لیے جاتے تھے۔ مگر ایک مرغ بھی کہین سے ہار کر نہین آتا تھا۔ ایک نہایت ہوشیار مرغ باز ہمیشہ اِن کے پاس نوکر رہتا تھا، لیکن یہ خود بھی دیکھ بھال کرتے رہتے تھے، محض اُسی کے بھروسے پر نہین رہتے تھے۔ چودھری عباد علی صاحب اِن کے چھوٹے بھائی بھی مرغ بازی کے فن مین کامل تھے۔ بعضون کا بیان ہے کہ اُنھین کے مرغ چودھری لطف علی صاحب کے نام سے مشہور ہوگئے تھے۔

یہ بانک، پٹے، بانے سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ جب تک زندہ رہے، اسی شغل مین مصروف رہے۔ تخمیناً چھیالیس سینتالیس برس کا زمانہ ہوا کہ اِن کا انتقال ہوگیا۔ اولاد مین صرف ایک لڑکی موجود اور چودھری ریاست علی صاحب کو منسوب۔ شاگردون مین جھگڑو بھٹیارہ، پنڈت شیورام، سُکھ نندن عرف دربلی، البشندت مشیر چھتی سراوک، چودھری مُدّہ ٹُھو، گھسیٹے سائین بہت مشہور تھے۔

مرحوم آبائی وضع کے پابند، غیر متعصب، نیک چلن، خوش مزاج، صاحب خلق، مروت دار، رحیم اور ملنسار بزرگ تھے۔ (از چودھریان)

اکبر خان، مرتضیٰ خان، شمس الدین خان

بہادر اور نامی سپاہیون مین تھے۔ اِن کے حالات آئندہ فصل کے اول طبقہ مین تفصیل کے ساتھ درج کئے گئے ہین۔ (خانزادہ)۔

پنڈت بدری پرشاد

کانکبج برہمن، اُپ منج گوتر، گو بنا تھی مشر، بڑے معزز وعالی نسب، مادھورام مشر کے اکلوتے بیٹے، حال کے پہلوانون مین اچھے پہلوان تھے۔ ان کے بزرگ اسنی کے رہنے والے تھے، رشتہ داری کی وجہ سے دریاباد کو اصلی وطن تسلیم کرلیا تھا اور انکی نسل یہان قایم ہوگئی تھی۔ (ٹھکانہ)۔

کرنیل گریگ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کے زمانے مین بارہ بنکی کے دنگلون کے موقعے پر انھون نے اکثر نامی پہلوانون کو پچھاڑ کر انعام حاصل کیا تھا، جس سے دُور دُور تک پہلوانی مین ان کی شہرت ہوگئی تھی۔ یہ سنسکرت سے بالکل واقف تھے، صرف بھاشا اور اردو پڑھے تھے، مگر پنڈت کے لقب سے مشہور تھے اور سررشتہ تعلیم کے محکمے مین ملازم تھے۔ یہ عمر ۳۰ سال ۱۸۹۶ء مین دفعتہً چھت سے گر پڑنے کے باعث سر پھٹ گیا اور پھر کسی طرح جانبر نہ ہوسکے۔ نہایت افسوس ہی کہ جس روز پنڈت جی اپنا بیاہ کرکے دُلھن کو گھر لائے، اُسی شب کو قریب صبح یہ جگرخراش اور حیرت انگیز واقعہ پیش آیا، جسے سُن کر ہر شخص کو رنج ہوا۔ تھوڑے ہی دن کے بعد ان کی عورت بھی مرگئی اور اس طرح سارا مکان ویران ہوکر غارت ہوگیا۔ اب خاندان مین کوئی نہین، صرف مکان کی بیرونی تختہ دیوارین شکستہ حالت مین موجود۔

دوسری فصل ماہرین فن کے بیان مین

طبقہ اوّل

گیادت دیچھت کوتوال

فن شطرنج کے اوستاد۔ ان کے حالات باب سوم، فصل دوم مین تفصیل کے ساتھ درج کیے گئے ہین۔ یہان صرف نام لکھدیا گیا۔

پنڈت اجودھیا پرشاد

سریوریہ برہمن، شاندلیہ گوتر، بہت بڑے معزز، افضل نسب، شیو پرشاد عرف شیونی کے بیٹے، مشہور شطرنج باز۔ گیادت دیچھت اور مادھورام مشر کے ساتھ بلاناغہ ہر روز دوپہر سے شام تک شطرنج کھیل کر دل بہلایا کرتے تھے۔ نہ انھین کسی چیز کی فکر تھی نہ کسی بات کا غم۔ یہ معمولی طور پر ضرورت کے موافق کرم کانڈ سے واقف تھے۔

تحقیقات اور چند شاہی کاغذات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہی کہ پنڈت جی کے والد[۱۲] شیو پرشاد عرف شیونی مہربان کے بیٹے "چودھری ڈیہہ" (ضلع گورکھپور) کے رہنے والے اور بڑی چودھرائی اول کے "اُنولیا تواری" کہلاتے تھے۔ بھوانی پرشاد عرف بھوانی کے چیلے اور متبنّی اولاد ہونے کی وجہ سے اُن کے مرنے کے بعد اُن کی جملہ جائیداد (باغ، مکان و اراضی

وغیرہ) کے مالک ہو کر دریاباد مین آباد ہو گئے تھے، جن کے بھائیون رگھناتھ اور دیودت کی اولاد مین لال پور اور جھونا (ضلع گونڈہ) مین ابتک موجود ہین۔ بھوانی پرشاد عرف بھوانی کے باپ کلن اور دادا جھڑاون دریاباد کے قدیم باشندون مین سے تھے۔ ان کی اُپر دہتی دریاباد کے علاوہ قرب وجوار کے دیہات مین بھی قائم تھی۔ پنڈت اجودھیا پرشاد دریاباد ہی مین پیدا ہوئے تھے۔

پنڈت جی کے ہاتھ کی "ٹیک بھیرون" نامی ایک پوتھی خوشخط اور صاف حرفون مین لکھی ہوئی چھپی محلہ مین شنکرون کے یہان دیکھنے مین آئی ہے، جس کے آخر مین "کاتک بدی دوادش، دن بدھ، سمبت ۱۸۲۳ بکرمی" تحریر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خوشنویس بھی تھے اور ۱۷۶۶ء کے قبل پیدا ہو کر اچھی طرح لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے تھے۔

روبکارِ محکمہ مرافعہ اولی (اہتمام محمد حیات مرقوم بست ونہم محرم الحرام ۱۲۶۶ ہجری) سے ثابت ہوتا ہے کہ پنڈت جی بہت نیک، ایماندار، اور انصاف پسند بزرگ تھے اور اب سے ۷۵ برس قبل یعنی ۱۸۴۸ء مین زندہ موجود تھے۔ اولاد مین سرجو پرشاد اور شری کرشن۔ سرجو پرشاد کے لڑکے ہنومان پرشاد لاولد فوت ہوئے، شری کرشن کے بیٹے پنڈت رام ادھین صاحب اولاد بھگوان دین، ٹھاکر پرشاد، موہن لال موجود اور آبائی جائداد پر قابض۔ مذکورہ بالا شاہی کاغذات پنڈت رام ادھین کے یہان موجود ہین۔ (دیچھتا نہ)۔

جھنکو لال، اشرف علی، طرار خان، شیخ بدّھو

جھنکو لال صاحب مشہور ظریف اور بزلہ سنج، اشرف علی صاحب قصہ گوئی مین کامل، طرار خان وشیخ بدّھو لیزم مگدر، بانک، پٹے، بانے مین لائق ذکر، دیوان روشن لال صاحب کے یہان بڑی بڑی تنخواہون پر ملازم تھے۔

شاکر خان و خنجر خان

بلند اور نہایت نفیس تعزیون کے بنانے مین مشہور تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "ان کے تعزیے اتنے بلند ہوتے تھے کہ جس طرف نکلتے تھے، درختون کی ڈالیان کاٹ ڈالی جاتی تھین۔ یہ تعزیہ دار تھے، تعزیہ فروش نہین تھے، اس لئے ان کی عقیدتمندانہ صناعی فنِ مصوّری کا قابلِ قدر نمونہ ہوتی تھی۔ یہ لوگ امیر خان صاحب دریابادی کے خاندان مین سے تھے۔ زمانۂ حیات اب سے سو برس قبل۔

گُرپرشاد، رادھے لال دیچھت

کانیکبج برہمن، اُپ منیو گوتر، از نسل شانتِ دیچھت دریابادی، سنسکرت زبان کے اچھے خوشنویس تھے زمانۂ حیات اب سے ایک صدی قبل۔ (دیچھتانہ)۔

منشی شنکر سہائے صاحب

منشی ہفت قلم، فنِ خوشنویسی کے بہت بڑے ماہر۔ لکھنؤ مین اس فن کی تعلیم پائی تھی۔ ہر صنفِ خوشخطی پر قادر تھے مگر خطِ گلزار و خطِ نستعلیق مین خاص طور پر شہرت حاصل تھی۔ اِن کے حالات باب سوم، فصل دوم مین درج ہو چکے ہین

فتح خان، دِلاور خان

مشہور چابک سوار، اپنے فن مین اوستاد، نصیر الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے مشہور وزیر نواب روشن الدولہ بہادر کی سرکار مین بڑی قدر و منزلت کے ساتھ ملازم تھے۔ (محلہ سواران حال جھبئی ٹولہ)۔

عاشق علی، محبوب علی، لالہ سُندر لال صاحب

عاشق علی و محبوب علی صاحب خطِ نسخ و طغرا خوب لکھتے تھے، لکھنؤ کے کسی اوستادِ فن کے شاگرد تھے۔ سُندر لال صاحب فارسی دان خوشنویس، خطِ گلزار و نستعلیق لکھنے مین کامِل۔ لکھنؤ مین اس فن کی تعلیم پائی تھی۔ نواب امین الدولہ بہادر کے یہان ملازم تھے، غدر کے زمانے مین لکھنؤ مین فوت ہوئے۔ نواب صاحب امجد علی شاہ بادشاہ اودھ (۱۸۴۲–۴۷ء) کے وزیر تھے۔

لالہ دُرگا پرشاد صاحب

کائستھ، اعلیٰ مُصوّر، اکثر مذہبی تصویرین بناتے مین خاص طور پہ قابلِ تعریف و مشہور۔ تمام عمر لکھنؤ مین رہے اور وہین وفات پائی۔ مہاراجہ بالکرشن اِن کے بڑے قدردان تھے۔ زمانۂ حیات اب سے ۷۵ برس قبل۔

پنڈت بھیرون دَت

سر وریہ برہمن، مشیر، از نسل پنڈت جیونارائن، پنڈت گوری شنکر کے نامی بیٹے، فن موسیقی کے خاص طور پر ماہر تھے۔ ہندو موسیقی کے متعلق مردنگ، ڈھول وغیرہ اعلیٰ سازون مین پنڈت جی کی ڈھول مشہور تھی۔ جب یہ لکھنؤ جاتے تھے تو، اچھے اچھے طبلہ نواز ڈھول سُننے کے لئے اِن کے پاس آتے تھے۔ جس طرح لکھنؤ مین "سوُر" نامے چکارا بجانے مین فرد تھا، اُسی طرح پنڈت جی دریاباد مین ڈھول بجانے مین یکتا تھے۔ سوُر مین یہ خاص وصف تھا کہ چکارے سے طرح طرح کے سازون کی دلکش آوازین سُنا کر لوگون کو تڑپا دیتا تھا۔ پنڈت جی اپنے کمال سے ڈھول بجا کر ہر قسم کے سازون کی سُریلی صدائین پیدا کر کے سامعین کو وجد کے عالم مین پہونچا دیتے تھے۔ غالباً پنڈت جی بنارس بھی گئے تھے اور اُن کے اس خاص فن کا وہان بھی شہرہ ہوا تھا چنانچہ راقم الحروف جب سنہ ۱۹۱۶ء مین جناب ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب تعلقدار رانی مئو کے ہمراہ "مہامہوپادھیائے" پنڈت شیو کمار شاستری کی خدمت مین

حاضر ہوا تو، دورانِ گفتگو مین اُنھون نے ٹھاکر صاحب سے دریافت کیا کہ "یہ کون ہین؟" ٹھاکر صاحب نے فرمایا، کہ "یہ دریاباد کے رہنے والے ہین، اور ہمارے خاص معتبر و معزز کارندے ہین، برج بھوکھن لال نام ہے" دریاباد کا نام سُنتے ہی پنڈت جی حیرت سے فرمانے لگے کہ "وہی دریاباد جہان پنڈت رامچرن اور پنڈت بھیرون دت رہتے تھے" ٹھاکر صاحب نے عرض کیا کہ "مہراج! آپ اُن کو کیا جانین؟" پنڈت جی نے مُسکرا کر فرمایا کہ "وہ وہان کو کون نہین جانتا پنڈت رامچرن سنسکرت کے مشہور پنڈت تھے، پنڈت بھیرون دت ڈھول خوب بجاتے تھے"۔ اِتنا سُن کر ٹھاکر صاحب خاموش ہو گئے۔ اِس بیان سے دونون باکمالون کے کمال کی پوری تائید ہوتی ہے، جو ہمارے لئے باعثِ فخر ہے۔

سُنا جاتا ہی کہ کپتان سیتلا بخش سنگھ صاحب (سنہ ۱۲۶۹ھ مین موجود، دریاباد مین تعینات تھے) پنڈت جی کے بڑے قدردان تھے۔ ایک دن ایک بُلبُل درخت پر بیٹھی ہوئی چہک رہی تھی کپتان صاحب پنڈت جی سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگے کہ یہ بُلبُل کیا کہتی ہی؟ پنڈت جی نے فوراً ڈھول منگوا کر تال کے ذریعہ اُس کے بول سُنا دیئے کہ وہ نہایت خوش ہو گئے۔

کپتان سیتلا بخش سنگھ صاحب کے تین برکھ پھل (واقعات زندگی کا زائچہ جو ہر سال تیار کیا جاتا ہے) سمبت ۱۹۱۱–۱۹۱۳ معہ ایک خط کے جو بزبان دیوناگری تحریر ہی، دیکھنے مین آئے ہین، جس سے معلوم ہوتا ہی کہ کپتان صاحب اور پنڈت بھیرون دت کے والد پنڈت گوری شنکر سے گہرے مراسم تھے اور وہ ایسے نجوم دان تھے کہ کپتان صاحب اپنے برکھ پھل انھین سے بنواتے تھے۔ نقل خط حسب ذیل ہی:—

"سوستی شری مہاراج دھیراج پالک سیتلا بخش کو گوری شنکر پنڈت کا آشیرباد پہونچے بہت نیکی طرح سے، مہابیر رکھشا کرین، باقی ہم آپ کے بھروسے ہین، سو آپ جانتے رہین شبھ تِتھم"۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہی کہ گوری شنکر مہراج بھی قدیم پنڈتون کی طرح بھاشا زبان سے مانوس نہین تھے اور جو کچھ وہ لکھتے پڑھتے تھے وہ مجبوراً، شوقیہ نہین۔

پنڈت جی سنسکرت مین صاحب استعداد نہ تھے۔ صرف ضرورت کے موافق جوتش اور کرم کانڈ یعنی نجوم و فقہ سے معمولی طور پر واقف تھے۔

پنڈت جی اپنے خاص فن مین کسی کے شاگرد نہ تھے، بلکہ اپنی فطری ذہانت اور قدرتی دلچسپی کی وجہ سے اعلیٰ مشق بہم پہونچا کر خود اوستاد ہو گئے تھے۔ اِن کے شاگردون مین شیو نراین مشر اور کشن پرشاد صاحب نامور مشہور۔ اول الذکر بہرام گھاٹ مین، ثانی الذکر حیدرآباد مین بقید حیات۔ اولاد مین گنج بہاری اور بانکے لال صاحب اولاد۔ مذکورہ بالا خط اور برکھ پھل پنڈت مہادیو پرشاد (پنڈت بھیرون دت کے پوتے) کے پاس موجود (دیکھیا شد)۔

شیو دیال مہراج

سرورِیہ برہمن، لکھنؤ را کے شوکل، گرگ گوتر، عالی خاندان، بہت بڑے معزز، پنڈت شیو دت وید کے

بیٹے)، تپنگ بازی میں مشہور اور دستکاری میں لایق تعریف، خود اپنے ہاتھ سے بھاری بھاری خوبصورت تکلّین بناکر اُڑایا کرتے تھے۔ شروع انگریزی عملداری تک بہ قیدِ حیات تھے۔ افسوس ہی کہ یہ جاہل محض تھے، ہندی بھی نہیں پڑھے تھے۔

چودھری لطف علی صاحب

بانک، پٹے، بانے اور مُرغ بازی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ اِن کا ذکر باب چہارم کی پہلی فصل میں درج ہوچکا ہے۔

چودھری منصور علی صاحب

شیخ، ازخاندانِ چودھریان دریاباد، چودھری حسین علی صاحب رئیس و قانونگو کے فرزند دوم (بڑے بیٹے چودھری عباس علی صاحب تھے) بٹیر بازی میں فرد تھے۔ لکھنؤ میں ابوتراب خان صاحب کی ڈیوڑھی پر اِن کے بٹیر لڑنے کے لیے بھیجے جاتے تھے، جن کی بازیاں تین تین چار چار سو روپیہ کی لگائی جاتی تھیں اور یہ کبھی ہارتے نہیں تھے۔ زمانہ حیات اب سے نصف صدی قبل۔ (چودھریان)۔

چودھری معشوق علی صاحب

چودھری منصور علی صاحب کے بیٹے، کبوتر بازی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ اِن کے کبوتر چار پہر کامل (بارہ گھنٹے) گرمیوں میں اُڑ سکتے تھے اور نہایت بلند پرواز درسدھے ہوتے تھے، دوسری جگہ بھول کر بھی نہیں جاتے تھے، نہ اڑنے میں بحری وغیرہ کا خوف کھاتے تھے۔ یہ کبوتر بہت خوبصورت اور قیمتی ہوتے تھے۔ چودھری امام علی صاحب بھی کبوتر کے بڑے شوقین تھے۔ لیکن، افسوس سے کہنا پڑتا ہی کہ چودھریوں کے خاندان کو تباہ کرنے میں اس قسم کے شوقوں نے بھی (نفاق اور مقدمہ بازی کے علاوہ) زبردست حصہ لیا تھا۔ کیونکہ یہ شوق حد سے بڑھ گئے تھے اور زمینداری کے کام کاج میں غفلت اختیار کرلی گئی تھی۔ اولاد میں عاشق علی، ساجد علی، مشتاق علی موجود۔ (چودھریان)۔

رادھے کرشن مشر

کانکبج برہمن، عالی نسب بہت بڑے معزز شانڈلیہ گوتر، گونیاتھی دھودِہا مشیر، ازخاندان جدّامشر سیتارام مشر کے بیٹے، زبردست دستکار، بے مثل عقیل، سُناری، لوہاری، نجاری، معماری کے فنون میں اعلیٰ دستگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اچھے خاصے مصور بھی تھے۔ رائے صاحب کے یہاں رائے بہادر بلی صاحب کے کمرے میں جو چھت گیری لگی ہوئی ہی، اُس میں اِن کی بنائی ہوئی چوبیسوں اوتاروں کی تصاویر معہ نفیس بیل بوٹوں کے اب تک موجود ہیں، جن کی صناعی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہی۔ نجاری کے متعلق ایک نہایت سُبک اور خوبصورت پالکی، جسکی محرابیں منقش تھیں، عرصہ تک موجود رہی، دس گیارہ برس ہوئے کہ اُس کے تختے دوسرے کام میں استعمال کرلیے گئے اور اسطرح

یہ نفیس قابل دید یادگار ہمیشہ کے لئے مِٹا دی گئی۔ علاوہ اِن سب فنونِ متذکرہ بالا کے مشرجی رنگسازی کے کام مین بھی اوستاد تھے۔ شراب کے سادے ولایتی گلاسون پر طرح طرح کے ایسے موزون اور دلکش نقش ونگار بنا دیتے تھے، جو ہو بہو اصلی معلوم ہوتے تھے۔ سب سے بڑی خوبی اِن مین یہ تھی کہ جو چیز اِن کو دکھا دیجاتی تھی یہ بجنبسہ اُس کی نقل کر دیتے تھے۔ جب تک زندہ رہے رئیصاحب کی قدردانی اور آبائی معافی کی بدولت چین کرتے رہے، پچاس برس کے سِن مین اب سے نصف صدی قبل بہ مقام اجودھیا جی بیکنٹھ باش ہوئے۔ اولاد مین پنڈت ٹھاکر پرشاد خاندانی حالات کے لئے باب ۲ فصل امین پنڈت بھاگوت پرشاد کا بیان ملاحظہ ہو۔ (دیکھیتانہ)

شیخ جھاؤ

شیخ یار محمد کے بیٹے، بانکے پٹے مین شہرت رکھتے تھے، چودھری محلّہ سکونت تھی، اب سے نصف صدی قبل زندہ۔ اولاد مین عابد علی موجود۔

اکبر خان و مُرتضیٰ خان

سُنی المذہب، خانزادے، غلیل اندازی کے علاوہ فنِ پتنگ بازی و دستکاری مین بھی مشہور و معروف خود اپنے ہاتھ کا بنایا ہوا پتنگ اُڑاتے تھے بازاری پتنگ انھین پسند نہ تھے۔ اِن کے پتنگ دو ہاتھ کے لمبے چوڑے ہوتے تھے، جو رنگ برنگ ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورتی اور نفاست مین بھی خاص شہرت رکھتے تھے۔ یہ لوگ ڈھیل کے پیچ پسند کرتے تھے اور اُس وقت لکھنؤ مین اسی کا رواج تھا۔ اکبر خان و مُرتضیٰ خان بہادری و سپہ گری مین بھی مشہور تھے۔ ۸۰ یا ۹۰ سال کی عمر مین اب سے تیس چالیس برس بیشتر زندہ تھے۔ (خانزادہ)۔

شمس الدّین خان

سُنّی، خانزادہ، غُلیل اندازی کے فن مین اپنے وقت کے اوستاد۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر مین فوت ہوگئے۔ یہ بہادر اور نامی سپاہی بھی تھے، جو اکبر خان و مُرتضیٰ خان کے خاص عزیز اور انھین کے خاندانی رکن تھے۔ اِن کے بزرگ شریف النسل ہونے کے علاوہ بہت بڑے شجاع اور بے مثل غلہ باز بھی تھے۔ بعض کے نزدیک یہ لوگ دریاباد کے قدیم باشندون مین سے تھے بعض کہتے ہین کہ انھین چودھری فتح علی صاحب نے آبادکیا تھا۔ (خانزادہ)۔

شیودین

دیش، آلھا گانے مین لاجواب، آلکھنڈ کے عاشق اور بہت بڑے شوقین، مرتے دم تک آلھا گانے سے باز نہ رہے سُنا جاتا ہے کہ جوانی مین جس وقت کڑک کر آلھا گانے مین مشغول ہو جاتے تھے تو سامعینون پر ایک دلیرانہ جوش کا عالم طاری

ہو جاتا تھا۔ آلھا گاتے وقت یہ خود بھی بیخود ہو جاتے تھے لیکن ڈھول کی آواز اور زبان کی روانی مین کوئی فرق نہ آنے پاتا تھا۔ آلھا گانے کے ساتھ ساتھ ڈھول بھی خوب بجاتے تھے اور ہمیشہ اپنے ہی ڈھول پر گاتے تھے سلکرشنا گنج اور ٹھٹھور کے میلے مین اچھے اچھے گانے والے اِن سے ہار گئے۔ اِنھین کُل آلکھنڈ ازبر تھا۔ جوانی مین بڑے خوبصورت اور رعب دار تھے۔ لانبا قد، بڑی بڑی سیاہ آنکھین، موٹے تازے، چوڑے چکلے، ہاتھ پاؤن سُڈول، گندم رنگ۔ گاڑھے کی دوہری مرزائی، بھیر دوھا جوتا، دُو لنگی مارکین کی لمبی دھوتی، تنزیب کی دوبلڑی ٹوپی، گلے مین سیاہ اُدراج کا بڑے دانون والا مالا ہمیشہ پہنا کیے۔ تخمیناً ۹۰ سال کی عمر پائی، سنہ ۱۹۰۵ء مین فوت ہوئے۔

پنڈت بشن دت

کانکبج برہمن، از خاندان جدّاً امشر، مشہور دستکار رادھے کرشن کے بیٹے، چوسر کھیلنے مین فرد تھے۔ پنڈت شنکر دیال کے حقیقی بھائی شیو دیال ادستھی، رامچرن و ہیگا چودھری، لالہ رامچرن لال بھی اس فن مین ہوشیار تھے۔ اِن مین بشندت، شیودیال رامچرن لال اس کھیل کے بہت بڑے شوقین تھے اور ایسے شوقین کہ اکثر کھیلتے وقت کھانا پینا بھول جاتے تھے اور تمام دن اسی شغل مین مصروف رہنے کے باوجود گھبراتے نہین تھے۔ شیو دیال اور رامچرن لال بشندت ہی کے مکان پر چوسر کھیلنے آتے تھے اور سہ پہر سے شام تک برابر نشست رہتی تھی تا زندگی اس دستور العمل مین کبھی فرق نہین آیا۔ یہ لوگ بڑے خوش نصیب تھے۔ اِن کا زمانہ گرانی کا زمانہ نہ تھا۔ اُس وقت آج کل کی طرح روپیہ کا چار سیر آٹا اور نو دس چھٹانک کا گھی نہ تھا بلکہ ستائیس اٹھائیس سیر گیہون اور دو ڈھائی سیر پختہ گھی بکتا تھا، اسی طرح دیگر چیزین بھی ارزان تھین، بدین وجہ ہر طرح کا اطمینان حاصل تھا، کم آمدنی مین بھی اچھی طرح بسر ہو جاتی تھی۔ ایسی حالت مین اس قسم کے تفریحی مشغلہ سے دلچسپی ہونا ایک قدرتی بات تھی۔

یہ گنجفہ اور شطرنج کے بھی ماہر اور عاشق تھے۔ جس روز شیو دیال نہین آتے تھے تو لالہ رامچرن لال صاحب کے ساتھ گنجفہ یا شطرنج کھیلتے تھے۔ علاوہ اس کے خوبصورت پہلوان بھی تھے۔ اگرچہ قد آور نہ تھے مگر ہاتھ پاؤن کے زبردست اور موٹے تازے تھے۔ جوانی مین کُشتی خوب لڑاتے تھے، داؤ پیچ سے اچھی طرح واقف تھے اور اس فن مین چودھری لطف علی صاحب کے شاگرد تھے۔ سُنا جاتا ہے کہ "ایک مرتبہ انھون نے ایک مُغلیہ کو جو اِن سے دو چند سہ چند زور آور تھا، کسی اکھاڑے مین پچھاڑ دیا تھا" لیکن یہ قوت کثرتِ عیاشی کے باعث جوانی کے بعد ہی رخصت ہو گئی تھی اور بدن کسی قدر ڈھیلا ہو گیا تھا، تاہم ورزش کا مشغلہ بدستور جاری رہنے سے (کوٹھری بند کر کے روز آنہ سو پچاس ڈنڑ اور بیس پچیس ہاتھ مگدر ہلا کر سیر ڈیڑھ سیر دودھ استعمال کرتے تھے) اِن کی صحت ہمیشہ اچھی رہی، کبھی کوئی زبردست بیماری کی شکایت نہین ہوئی معمولی بیماریون

---

(۲) یہ دونون بھائی گنجفہ چوسر کے بھی بڑے شوقین تھے۔ نہایت نیک، پُرانی وضع کے پابند کٹر ہندو تھے۔ دولنگی دھوتی، بند دار مرزائی یا انگرکھا، گوٹے دار پگڑی، بھیر دوھا جوتا پہنتے تھے۔ روزمرہ پوجا پاٹ کر کے سفید چندن کا ٹیکا ماتھے پر لگاتے تھے۔ ۸۰ یا ۹۰ برس کے سن مین اب سے ۳۰ برس قبل زندہ تھے۔ اولاد مین سورجبلی موجود، آبائی مکان اور دوکان پر قابض، عرصہ سے رُدولی مین آباد اور حلوائی پیشہ ذریعہ معاش ۱۲۔

سکے لیئے یکسی حکیم یا ڈاکٹر کے محتاج نہ تھے۔ دو چار مشہور کتابین دیکھکر ویدک (طب) سے کچھ کچھ واقف ہوگئے تھے، جس سے اپنا ذاتی علاج بھی کر لیتے تھے اور اکثر دوسرون کو بھی فایدہ پہونچاتے تھے۔

مشر جی پنڈت کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے، مگر، دراصل پنڈت نہ تھے، صرف ناگری مین ٹارمل پاس تھے پہلے سررشتۂ تعلیم کے محکمہ مین ملازم ہوئے اور ۲۶ برس تک محمد پور کھالا (بارہ بنکی) کے مدرسہ مین بہ عہدۂ افسر مدرسی مامور رہ کر پچاس برس کے سن مین خود استعفا دیکر اپنے وطن دریاباد چلے آئے اور تھوڑے ہی دنون کے بعد راے صاحب کے یہان ضلعدار ہوگئے اور عمر بھر اسی عہدہ پر بحال رہے۔ ۸۔ فروری ۱۹۰۸ء کو بمقام اجودھیا بیکنٹھ باش ہوا، ۸۲ سال کی عمر نصیب ہوئی۔ اولاد کوئی نہین۔ یادگار مین مکان کا بیرونی دومنزلہ کمرہ موجود۔ سُنا جاتا ہے کہ ان کی بہیلو انی کی ڈھول محمد پور فتح پور کے اکھاڑے مین گڑیون کے دن ابتک بڑی عزت کے ساتھ بجتی ہے۔ (دیکھتا نہ)۔

مولوی عبدالکریم صاحب

شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، فخرِ وطن حکیم مولانا محمد نور کریم صاحب کے بڑے بیٹے، فن پتنگ بازی اور خوشنویسی مین بہت مشہور و معروف۔ ان کے حالات باب ۳، فصل ۲ مین بیان ہو چکے ہین، یہان صرف نام لکھدینا ضروری و مناسب معلوم ہوا۔

حافظ مصطفی کریم صاحب

شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے بڑے بیٹے، خوشنویسی مین فرد، شطرنج کے فن مین کامل، پتنگ نباسنے مین قابلِ تعریف۔ حالات باب ۳، فصل ۲ مین ملاحظہ ہون۔

حاجی عبداللطیف صاحب

از خاندانِ حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی حکیم نور کریم صاحب کے فرزند دوم، پتنگ بازی کے فن مین بہت بڑے قابل۔ مشرح حالات باب سوم کی دوسری فصل مین درج ہو چکے ہین۔ یہان صرف نام لکھدینا ضروری خیال کیا گیا۔

مُنّو پانڈے

قنوجیا برہمن، پانڈے، کبوتر بازی مین مشہور۔ ان کے یہان بہت اعلیٰ اعلیٰ کبوتر پلے ہوئے تھے۔ یہ خوبصورت اور بیش قیمت کبوتر دلکش قلابازیون کے ساتھ ساتھ بلند پرواز ہوتے، پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے تک نگاہ سے غائب رہتے اور پھر آواز کے ساتھ ہی آسمان سے نیچے اُترکر چھتری پر بیٹھ جاتے تھے۔ پرواز کے وقت بحری سے مقابلہ ہو جانے پر اپنی ہوشیاری و دمبازی سے صحیح و سلامت واپس آجاتے تھے۔ منّو پانڈے لاولد تھے، اب سے بارہ برس قبل تخمیناً ۵۰ سال

کی عمر مین فوت ہوئے۔ مکان پختہ موجود۔ (ٹھکانہ)۔

لالہ رامچرن لال صاحب

لالہ بیجو لال صاحب کے بیٹے، اعلیٰ مصوّر، اچھے خوشنویس، کارِ امانت مین فرد، چوسر اور شطرنج و گنجفہ کھیلنے مین مشّاق۔ ولادت ۱۸۴۶ء، وفات ۱۸۹۶ء۔

یہ علمی قابلیت نہین رکھتے تھے، مگر حسب ضرورت فارسی زبان سے آشنا تھے۔ انھون نے اپنی بڑی بہن کے یہان لکھنؤ مین تعلیم پائی اور محکمۂ بندوبست مین ملازمت کرکے منصرمی کا عہدہ حاصل کیا۔ بعد اُس کے اپنے وطن دریاباد آکر رائیصاحب بہادر کے یہان یہ عہدۂ ضلعداری نوکری اختیار کی اور پھر تمام عمر رائیصاحب کی قدردانی سے کسی دوسری جگہ جانے کا قصد نہین کیا۔

ان کے ہاتھ کی بنی ہوئی تصویرین اور وصلیان راقم نے خود دیکھی ہین جو بزمانہ ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب مرحوم (تعلقدار رانی مئو) کے یہان دَوران مقدمہ مین کاغذات کی جانچ کے وقت برآمد ہوئی تھین، جن کے زیرین حصہ مین "رامچرن لال دریابادی" لکھا ہوا تھا۔ ساتھ ہی اس کے ایک نقشہ بھی جو رانی مئو و ملکھرہ کی تنازعہ آراضی کی بابت فریقین کی باہمی رضامندی سے تیار کرایا گیا تھا، دیکھنے مین آیا جس مین تحریر تھا "رامچرن لال امین ملازم رائیصاحب بہادر"۔ معلوم ہوتا ہے کہ لالہ رامچرن لال صاحب کسی وقت تنازعہ آراضی کی پیمایش کے لئے بلائے گئے ہونگے، کئی روز وہان قیام رہا ہوگا، اسی سلسلہ مین انھین اپنی فطری دانائی و دلچسپ صناعیون کے اظہار کا موقع ہاتھ آیا ہوگا، جو وصلیون اور تصاویر کی شکل مین پیش کی گئی ہونگی۔ تصاویر رنگین، نہایت خوبصورت اور وصلیان خط گلزار و نستعلیق دونون خطون مین تحریر تھین، جو باعتبارِ فن نہایت اعلیٰ نمونہ تھین۔

قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ فنونِ مذکورۂ بالا انھون نے لکھنؤ مین مشہور اوستادون سے حاصل کئے ہونگے۔ گانجہ کے زیادہ شوقین ہونے کے باعث یہ تمام زندگی دم کے عارضہ مین مبتلا ہوکر پریشان رہے۔ پنڈت بشندت ان کے گہرے دوست تھے، جن کے ساتھ روزمرّہ چوسر و شطرنج اور گنجفہ کھیلا کرتے تھے۔ صبح کے وقت دس گیارہ بجے تک یا دیر تک اِن کی نشست چھدامی سراوگی کی دوکان پر اور کبھی کبھی ہینگا چودھری کے مکان پر رہتی تھی، جہان اکثر گانجہ کی دم بازی کا دھوان دھار مشغلہ رہتا تھا۔

امین صاحب نیک، ملنسار، دُھبلے پتلے، لمبے قد، سانولے رنگ کے سیدھے سادے بزرگ تھے، پُرانی وضع تھی، پچاس سال کی عمر مین وفات پائی۔ اولاد مین چندر بلی صاحب اولاد بہ قید حیات، دفتر نہر گنگ کانپور مین ملازم۔ آبائی مکان ویران و ناقابل ذکر۔ (دیچھتانی ٹولہ)۔

لالہ رجن لال صاحب

سکسینہ کائستھ، بچھری ورن، پتنگ بازی مین مشہور ہونے کے علاوہ پتنگ بنانے اور جلد سازی مین بھی

شہرت رکھتے تھے۔ علم سے بے بہرہ تھے، اس لئے آخری دونوں فن ذریعۂ معاش تھے۔

ان کے بزرگ منشی پران سکھ صاحب لکھنؤ کے رہنے والے دریاباد کی نظامت میں بخشی گری کے عہدہ پر مامور تھے۔ فارسی میں اچھی قابلیت رکھتے تھے، سنسکرت داں بھی تھے۔ اپنے دین دھرم کے پکے پابند تھے، اپنے گرو پنڈت دیبی دت کو بہت مانتے تھے اور دل سے اُن کے بہی خواہ تھے چنانچہ انھیں کی کوشش سے دربارِ شاہی سے پچاس روپیہ سالانہ بطور نانکار پنڈت جی کو تاحیات برابر ملا کیا۔ بخشی جی صاحب ملازمت کے سلسلے میں (بہ عہد محمد علی شاہ) دریاباد آکر آباد ہوگئے تھے اور اسے اپنا اصلی وطن قرار دیا تھا۔ یہ اسی مکان میں رہتے تھے جو محلہ قضیانہ میں مسجد کے متصل سیتارام ساہ کے دیوہرہ کے متعلق کھدنے سے بچ گیا تھا اور جو آخر میں انھیں کے نام سے مشہور ہوگیا تھا۔ بخشی جی کے بعد ان کی نسل میں لالہ بچولال صاحب سکنڈ ماسٹر ہائی اسکول بارہ بنکی نے دریاباد چھوڑ کر کسی دوسری جگہ سکونت اختیار کی اور مکان فروخت کر ڈالا، جو کھد کر بہت جلد بے نام و نشان ہوگیا۔ غالباً اب سے ۲۰ برس قبل لالہ بچولال و لالہ رجن لال صاحب معہ عیال و اطفال تارک الوطن ہوگئے تھے۔ (افسانۂ حال مخدوم زادگان)۔

مولوی ناظم علی صاحب

مشہور شطرنج باز۔ ان کے حالات باب دوم، فصل سوم میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں پر صرف نام لکھنا ضروری و مناسب معلوم ہوا۔

مولوی ثابت علی صاحب

تیشاپوری سید حکیم باقر علی صاحب کے فرزند دوم (بڑے بیٹے مولوی عالم علی صاحب تھے) پیمائش کے کام میں نہایت ہوشیار، مشہور جلد ساز، ولادت سنہ ۱۸۵۱ء، وفات جنوری سنہ ۱۹۳۱ء۔

پہلے اضلاع گونڈہ و بہرائچ میں امین مقرر ہو کر مدت تک کار متعلقہ ایمانداری کے ساتھ انجام دیتے ہوئے سرکاری اسناد حاصل کئے۔ بعد اس کے ملازمت سے گھبرا کر استعفا دیدیا اور اپنے وطن آکر کار امانت و کتب فروشی کو عموماً اور جلد سازی کو خصوصاً ذریعۂ معاش ٹھہرایا۔ تا زندگی کسی کی نوکری نہیں کی ہمیشہ آزاد رہے۔

مولوی صاحب نیک، ملنسار، خلیق، زندہ دل، خوش تقریر، ظریف الطبع، وضعدار، مذہب کے پابند تھے۔ خوش تقریری و ظرافت کی یہ حالت تھی کہ اکثر اپنی باتوں سے سنجیدہ کو خوش اور روتے کو ہنسا دیتے تھے جس ریاست میں جاتے بات چیت سے ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو مطیع کر لیتے تھے۔ مزاج میں صفائی بہت تھی۔ شعر و سخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، سیکڑوں اشعار حفظ تھے، جو دوران گفتگو میں زبان سے برجستہ نکل جایا کرتے تھے ناسخ، آتش، صبا، وزیر، ذوق، غالب، امیر، داغ، میر حسن، نسیم، دبیر، انیس، کے علاوہ امانت، جرات، بیان، جان صاحب، سودا، انشا کے اشعار بہت یاد تھے۔ اپنے وطنی بزرگوں کے حالات سے بھی اچھی طرح واقفیت حاصل تھی۔

طبیعت امیرانہ تھی، عمدہ عطر، تیل، خوشبودار تنبا کو، سے خوردنی کے بڑے شوقین تھے۔ عطر، تیل اصغر علی محمد علی (لکھنؤ) کے کارخانہ کا اور تنبا کو دلدار حسین احمد حسین لکھنوی کی دوکان کا پسند تھا۔

اِن کی افطاری (بیسنی روٹی اور کُٹیٹی مزید اچٹنی) مشہور تھی، جو رمضان شریف کے ایام میں حسبِ معمول مُقرّرہ دنوں کی پابندی کے ساتھ شام کے وقت مسجدوں میں روزہ داروں کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی، جسے لوگ نہایت شوق سے قبول کرتے تھے۔

ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب مرحوم (تعلقدار رانی مئو) مولوی صاحب کے بہت بڑے قدردان تھے، ریاست کیسا لا ور دھنانوان میں بھی اِن کی دھوم تھی۔ ان ریاستوں میں دفتر کے رجسٹروں، نیز پوتھیوں، کتابوں کے متعلق جلد سازی کا کام انھیں کے سپرد تھا۔ ۶۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اولادیں واجد علی بقیدِ حیات، جلدسازی میں ہوشیار۔ (محرران)

مچھلی خان

پٹھان، چوری کے فن میں بے مثل اوستاد اور اعلیٰ مشاق، ساتھ ہی اِس کے بہت بڑے شجاع اور جوان مرد سپاہی، بانک، پٹے، بانے وغیرہ کے فنون سے بھی اچھی طرح واقف، لیکن طرزِ عمل قابلِ تعریف۔ چوری کا فن شوقیہ سیکھا تھا، عملی طور پر سخت احتراز رہا۔ نہ کبھی چوری کی نہ چوروں کا ساتھ دیا، اور نہ کسی کو اِس خاص فن سے آگاہ کیا۔ قرب وجوار کے چور اور بدمعاش اِن کے نام سے خوف کھاتے تھے۔ جب تک زندہ رہے، دریاباد میں چوری نہیں ہونے پائی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ:۔ "ایک دن خانصاحب کے سامنے برسبیلِ تذکرہ چکلہ دار صاحب کے منھ سے نکل گیا کہ "بادشاہی محلات میں ایسا زبردست بندوبست رہتا ہے کہ وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا، آدمی کی کیا تاب و طاقت ہے کہ چوری کر سکے"۔ اِن الفاظ نے خان صاحب کو اپنا کمال دکھانے پر آمادہ کر دیا۔ دو چار روز کے بعد لکھنؤ پہونچے اور کسی ترکیب سے شاہی محل کے اندر داخل ہو کر چھت میں تین دن تک بے دانہ و آب چھپکلی کی طرح چپکے رہے۔ جب چوری کا موقع ملا تو چند قیمتی اور نایاب چیزیں لیکر لکھنؤ ہی میں کہیں روپوش ہو گئے۔ اس حیرت انگیز واقعہ کی بنا پر شاہی حکم صادر ہوا کہ جو شخص چور کا پتہ لگائے گا اُسے بیشمار انعام دیا جائے گا۔ یہ خبر سُنتے ہی خان صاحب نے فوراً بے دھڑک حاضرِ دربار ہو کر دست بستہ چوری کا اقرار کر کے کُل چیزیں پیش کر دیں اور ساتھ ہی اِس کے چکلہ دار صاحب کے الفاظ بھی دُہرا دیئے۔ یہ بھی عرض کیا کہ غلام نہ چور ہے نہ چور کا ساتھی، جو جُرم خطا ہوئی وہ محض فن دکھلانے کی غرض سے۔ جوہر شناس اور قدردان بادشاہ نے خان صاحب کی نیک نیتی اور راستگوئی پر خوش ہو کے انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔

مچھلی خان کے نام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خان صاحب مچھلی کے بیحد شوقین رہے ہونگے جسکی وجہ سے دوستوں نے مذاق میں مچھلی خان کہنا شروع کیا ہو گا، رفتہ رفتہ اصلی نام کے بجائے یہی نام مشہور ہو گیا ہو گا، جو اِس وقت تک لوگوں کی زبان پر جاری۔ اولادیں پتا موجود۔ اِن کے حالات بذریعہ وصول ہوتے ہی بہ ترتیب درج ہو گئے۔ (چھیپی ٹولہ)

طبقہ دوم

رمضانی حجام، جرّاح و مصوّر **فقیر بخش** دستکاری و جرّاح **بھوسو** جراحی کے علاوہ بانک، پٹے، بانے میں ہوشیار **ابراہیم** جرّاح **خدا بخش** دستکار۔ اِن سب کا مفصل ذکر باب ۵ فصل ۴ مین درج کیا گیا ہے۔

خدا بخش۔ ورزش کے فن سے خوب ماہر۔ مشہور ہی کہ یہ شخص ایک رومال کے ذریعہ سے بڑے بڑے سپاہیون کو بھگا دیتا تھا۔ رُومال مین ایک معمولی کوئی وزنی گول چیز باندھ کر رگون کی شناخت پر (اِس فن مین خاص ملکہ تھا کہ فلان فلان رگ پر خفیف سے خفیف صدمہ پہونچنے سے بھی سخت تکلیف ہوتی ہے) بیتر سے کے ہاتھ سے اِسطرح مارتا تھا کہ لوگ بے قرار ہو جاتے تھے اور پھر اُنھین مقابلہ کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ زمانۂ حیات اب سے نصف صدی قبل (چھیپی ٹولہ)

مولا بخش۔ بانک، پٹے، بانے مین اپنے وقت کا اوستاد۔ ۴۵ برس کا زمانہ ہوا کہ تخمیناً ۷۰ برس کی عمر مین فوت ہوا۔ اولاد مین جنگو خان، علی بخش، رمضان خان۔ ناظم علی ہر ایک اِس فن مین ہوشیار۔ علی بخش، شاگرد ظہور خان لکھنوی اب تک زندہ۔ (مخدوم زادگان)۔

جنگو خان، عرف مجّل، مولا بخش کا بڑا بیٹا، بانک، پٹے، بانے وغیرہ کے فن مین شیخ چاند لکھنوی کا شاگرد رشید، نواب محسن الدولہ بہادر (لکھنؤ) کے یہان ملازم سنہ ۱۹۱۱ء مین فوت ہوا۔ (مخدوم زادگان)۔

محمد ضامن۔ قدِ آدم کَل بنانے اور اُڑانے مین مشہور۔ قریباً اَسّی پچاسی سال کے سن مین سنہ ۱۹ء مین فوت ہوا۔

رامجیاون۔ پاسی، فنِ شناوری مین کامل۔ تالابون مین پلتھی مار کر گڑ گڑی یا فرشی پیتے ہوئے تیرتا تھا۔ پُرانی وضع کا بڑا پابند تھا حتی المقدور چوڑی گوٹ والا انگرکھا، لمبی دُو لنگی دھوتی، چوگوشیہ ٹوپی کے سوا دوسرے قسم کا کپڑا بہت کم پہنتا تھا۔ لانبا قد، فربہ جسم، لمبی مُڑی ہوئی گھنی نوکدار مونچھین، گھونگھر والے بال، سانولا رنگ، خوبصورت پُر رعب چہرہ۔ رامجیاون اب سے پندرہ برس قبل زندہ، تخمیناً ۶۵ سال کی عمر (ٹھکانہ)۔

کریم۔ موچی، اکبر خان و مرتضیٰ خان کا ہم عصر اور اُنھین کے برابر تپنگ بازی مین مشہور۔ یہ بھی انواع و اقسام کے رنگین اور خوبصورت تپنگ خود تیار کر کے اُڑاتا تھا۔ اب سے تیس چالیس سال قبل زندہ۔ (کفش دوزان حال ٹیڑھی باژار)

پتّو۔ مسلمان بھاٹ، اپنے وقت کا مشہور تپنگ باز۔ اسے تپنگ بازی کے فن مین وہ کمال حاصل تھا کہ اِس کے حریف کبھی اِس سے بازی نہ لیجا سکے۔ غالبًا اب سے پندرہ بیس برس قبل زندہ تھا۔ (ٹھکانہ)۔

طبقہ سوم خاص موسیقی والون کے بیان مین

جمّن خان - نامی ستار باز، دیوان روشن لال صاحب کے یہان ملازم تھے، پہلے کچھ دنون مہاراجہ جھاؤ لال صاحب (وزیر جنگ، افواج شاہی کے جنرل، بعہدِ نواب آصف الدولہ بہادر) کے یہان نوکر رہے (جھیپی ٹولہ)۔

محمد بخش ؎ سنی المذہب، نامی گرامی قوّال، شیخ اشرف علی کے بیٹے، مولوی امیر علی صاحب رح کے خاص مریدون مین سے تھے۔ جوانی کے زمانے مین منشی رام دیال صاحب چکلہ دار کی ملازمت حاصل کر کے نمایان شہرت پیدا کی تھی۔ منشی صاحب کے نزدیک محمد بخش محض قوال ہی نہ تھے، بلکہ ایک صوفی بزرگ بھی تھے، اس لئے وہ اِن کی غیر معمولی عزت کرتے تھے۔ محمد بخش عمدہ گانے کے علاوہ شرع کے اس درجہ پابند تھے کہ نماز پنجگانہ کے سوا تہجد بھی کبھی قضا نہین ہوئی۔ باوجود صفاتِ مذکورہ بالا بہادر بھی تھے۔ چنانچہ تہجد کی نماز پڑھ کر وہ اپنے اسلحے صاف کرتے تھے، اور سلام مین پیشقدمی اُن کا فرض تھا۔ اُس زمانے مین ایک بانکے "میر صاحب" کے نام سے شاہی لشکر مین مشہور تھے، جو محمد بخش سے برسرِ مقابلہ ہوئے، لیکن، تھوڑے ہی دیر مین بھاگ کھڑے ہوئے۔ منشی رام دیال صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی پر اُنھون نے میر صاحب کو لشکر سے نکلوا دیا اور محمد بخش کا سپہ گری کے فن مین بھی شہرہ ہو گیا۔ منشی صاحب کی وفات کے بعد محمد بخش نے پھر نہ کسی کو گانا سُنایا نہ کسی کی ملازمت کی۔ مگر، چونکہ بزرگانِ دین سے خاص عقیدت تھی اس بنا، پر اعراس مین شریک ہونا اِن کا فرض تھا۔ بعدِ نماز تہجد صاحب مزار کی خدمت مین فجر کی نماز تک دف کے اوپر گایا کرتے تھے، دھول سے قطعی نفرت تھی۔ تا حیات اسی اصول کے پابند رہے۔ اِن کے اول بزرگ منصور علی قوال خاص حضرتِ مخدوم آبکش دریابادی، شاہ صاحب ممدوح کے ہمراہ دریاباد آکر آباد ہوئے تھے، اُن کے بیٹے **ہاشم علی** بھی آنحضرت کے خاص قوال تھے۔ میر قسم کے بیٹے **میر صوفی** نامی قوال، فارسی مین ذی استعداد، اکثر بڑے بڑے شہرون عظیم آباد، پھلواری شریف، بنارس، گیا، بریلی، بہار، پانی پت، اجمیر شریف، دہلی، پیران کلیر شریف کے مجلس صوفیائے کرام مین نامی نامی قوالون کے سامنے داد پائی تھی۔ میر صوفی کی نسل مین **میر عالم** بھی مشہور قوال تھے۔ **محی الدین** قوال بھی تھے اور صوفی بھی، ذی علم بھی تھے۔ دُور دُور تک اُن کے شاگرد تھے۔ اب سے ۸۰ برس قبل فوت ہوئے۔ اُن کا مزار چودھری کی بیٹی مین ہے، جہان ہر سال عُرس ہوتا ہے۔

میر غوث علی، غیر معمولی قوال، فارسی کے اچھے ماہر تھے۔ محمد بخش تخمیناً ۷۹ سال کی عمر مین اب سے تیس پینتیس برس قبل فوت ہوئے تھے۔ آج کل اِن کے بیٹے غفور بخش، شکور بخش، رسول بخش موجود اور آبائی فن سے واقف (محمد زان)

بینی پرشاد عرف بینی، کتھک، موسیقی کے اوستاد، خوش گلو مغنی ہونے کے علاوہ فنِ رقص مین بھی کامل، واجد علی شاہ کے زمانے مین برجیس قدر بہادر کی مان بیگم صاحبہ کے خاص مُجرئی، شاہی کلاونتون مین شامل بیان کیا جاتا ہے کہ بیگم صاحبہ بینی کے گانے، ناچنے سے بہت خوش تھین۔ معقول تنخواہ کے ساتھ ساتھ روزمرّہ انعام و اکرام سے بھی سرفراز فرماتی تھی۔ دریاباد ضلع شکست ہو جانے کے بعد یہ جلکھوی (پرگنہ رُدولی) مین آباد ہو گئے۔

؎ چونکہ فارسی موسیقی مین قوالی ایک راگ کا نام ہے اور مولف غیاث نے قوال کے معنی مغنی یا کلاونت تحریر کئے ہین اس لئے محمد بخش کا نام مغنیون کے زمرہ مین درج ہونا غیر مناسب نہین ۱۲۔

تھے[1] اِن کے بیٹے رام لوٹن مہاراجہ سرپرتاب نرائن سنگھ بہادر اودھ نریس کے مندر (واقع اجودھیا) مین اِس وقت تک ملازم۔ (مغلن ٹولہ)۔

سرجُو دین عرف سرجُو، کتھک، بینی پرشاد کتھک کے خاص عزیز، اعلیٰ طبلہ نواز، نغمہ سرائی کے اصول سے بھی واقف۔ یہ بھی بینی کے ہمراہ بیگم صاحبہ کے یہان ملازم تھے۔ بارہ بنکی ضلع قائم ہوتے ہی اُنھون نے بھی اپنا آبائی وطن دریاباد چھوڑ کر پورہ کتھک (علاقہ رُودولی) مین سکونت اختیار کر لی تھی۔ (مغلن ٹولہ)۔

سالِک رام عُرف سالک، سرجو کتھک کے حقیقی بھائی، اچھے گانے والون مین تھے۔ ریاست شاہ پور (گونڈہ) مین نوکر تھے۔ ٹھاکر سرتیج بخش سنگھ صاحب اور اُن کے بیٹے ٹھاکر ناگیسر بخش سنگھ صاحب کی قدردانی سے بافراغت زندگی بسر کر کے ۱۹۱۹ء مین وہین فوت ہوئے۔ (مغلان)۔

ہنومان پرشاد عُرف ہنومان، کتھک، فن موسیقی مین لکھنؤ تک مشہور۔ مشیر الدولہ مؤید الملک مہاراج دھراج جسارت جنگ مہاراجہ بالکرشن بہادر (دیوانِ سلطنت اودھ) کی سرکار مین بھاری تنخواہ پر نوکر تھے۔ مہاراج کو صبح و شام مذہبی پد سُنایا کرتے تھے۔ تنخواہ کے علاوہ، دسہرہ، ہولی، یا دیگر تقریبون کے موقع پر اِنھین انعام و اکرام بھی بہت ملتا تھا۔ لیکن جنم اشٹمی کے جشن مین چھ دن تک گانے کے عیوض پانچ سو روپیہ نقد اور ایک بیش قیمت دُوشالہ مع پانچون کپڑون کے ہر سال مرحمت ہوتا تھا۔ سُنا گیا ہے کہ یہ پہلے مہاراجہ میوہ رام بہادر (نواب افتخار الدولہ افضل الملک صلابت جنگ وزیرِ مال سلطنت اودھ) کے یہان نوکر تھے، وہ اِن کی بہت بڑی قدر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ حسبِ معمول صبح کے وقت بھیرون راگ گا رہے تھے کہ مہاراجہ بہادر نے "بہاگ" کی فرمایش کر دی جو رات کو ۱۲ بجے کے وقت گایا جاتا ہے۔ چونکہ ممدوح کا یہ ارشاد اصول موسیقی کے خلاف تھا، اِس لئے ہنومان نے عذر کیا، جب ممدوح اپنی فرمایش پر بضد ہوئے تو ناچار اِنھون نے اُس وقت اُن کی خاطر سے تعمیل حکم کر دی لیکن، دوسرے دِن دربار نہین گئے اور طلبی ہونے پر چوبدار سے صاف صاف کہدیا کہ اب ہم مہاراجہ صاحب کی ملازمت نہ کرینگے، کیونکہ وہ فن کی توہین اور بیقدری کرتے ہین (مغلان)

گنگا دین عُرف گنگا **منوہر لال** عُرف منوہر گانے ناچنے مین **ہیرا لال** عُرف ہیرا کتھک سارنگی نواز۔ **نواب علی** و **تاج محمد** طبلہ نواز دُور دُور تک خاص شہرت رکھتے تھے۔ یہ لوگ اب سے سوا سو برس قبل یعنی نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین موجود تھے۔

شریدھر مشہور بین نواز تھے **مُرلی** مردنگ خوب بجاتے تھے۔ اب سے سو برس قبل موجود۔ **دیبی**۔ زرگر بانسری بجانے مین قابل تعریف تھے۔ زمانہ حیات اب سے ۷۵ برس قبل۔

شرعی۔ موسیقی دانی کے ساتھ ساتھ سارنگی بجانے مین اوستاد حسین بخش لکھنوی کے شاگرد، شروع انگریزی عملداری مین فوت ہوئے۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر پائی۔ سُنا جاتا ہے کہ شرعی کو آخر عمر مین کچھ جنون ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے

---

[1] رانی مئو کے مشہور کتھک بجرنگ بیان کرتے ہین کہ ہمنے یہ حالات سرجو کے بھائی سالک کی زبانی سُنے ہین جبکہ ہم شاہ پور مین ملازم تھے ۱۲۔

انھون نے بہت سے کنوئین پاٹ کر بے نام و نشان کر دیئے تھے ۔ (ٹیڑھی بازار) ۔

مخدوم بخش ۔ اعلیٰ موسیقی دان اور سارنگی نواز، لکھنؤ کے مشہور استاد حسین بخش کے شاگرد رشید ۔ رانی مئو کے مشہور استادِ فن بجرنگ کتھک بیان کرتے ہین کہ "مخدوم بخش کو موسیقی اور قانون سارنگی دونون کے معلومات مین کافی دخل تھا" مخدوم بخش جوہر شناس اور ہُنر کے قدر دان بھی تھے ۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب دیبی دین نجار نے ایک سارنگی چھ مہینے مین تیار کر کے دوستانہ طور پر ان کو دی تو انھون نے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ مبلغ تین سو روپیہ انعام کے طریق پر اُس کے حوالہ کئے" مخدوم بخش اب سے ۳۰ برس قبل تخمیناً ۷۰ یا ۷۵ برس کی عمر مین فوت ہوئے ۔ (ٹیڑھی بازار) ۔

حسینی ۔ باری ۔ گانے مین مشہور و معروف ۔ اس نے فطری قابلیت کے زور سے موسیقی مین وہ کمال پیدا کیا تھا کہ لکھنؤ کے مشہور اور نامی گرامی استاد (ملقب بہ جگت استاد) بندادین کتھک کو یہ اپنی خوش الحانی اور گلے بازی سے مست کر دیتا تھا ۔ مشہور ہے کہ "جب حسینی لکھنؤ جاتا تھا تو بندادین کی خدمت مین ضرور حاضر ہوتا تھا اور اُنھین بغیر اس کا گانا سُنے چین نہ آتا تھا" حسینی کسی کا شاگرد نہ تھا، اس لئے اس کا یہ فن باقاعدہ نہین کہا جا سکتا ۔ لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر یہ کچھ دن کسی کامل فن کی خدمت مین حاضر ہو کر مشق بہم پہونچاتا تو یقیناً موسیقی دانون مین اس کا شمار ہو جاتا ۔ حسینی رائے صاحب کے یہان شیوراج بلی صاحب کے زمانے مین خدمت گار دن مین ملازم تھا اور وہ اس پر خاص مہربان تھے تخمیناً ۵۰ برس کی عمر مین اب سے ۲۵ برس قبل فوت ہوا ۔ (ٹھیکانہ) ۔

گوپالی ۔ کورمی، چکارا بجانے مین لائق تعریف ۔ تخمیناً ۵۰ برس کے سن مین اب سے چھ سات برس قبل فوت ہوا ۔ یہ بڑا نیک اور خوش مزاج تھا ۔ (دیچھتانہ، کورمن ٹولہ) ۔

رام کلی و خورشید جان ۔ فن موسیقی کی اعلیٰ ماہرہ، اب سے سوا سو برس قبل یعنی نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین ان کے گانے ناچنے کی دھوم تھی ۔

مہتاب جان، علم موسیقی کی اوستاد ۔ گانا، ناچنا، بھاؤ بتانا تینون فنون سے اچھی طرح آگاہ تھی، ساتھ ہی اس کے حسین و تمیز دار بھی تھی ۔ کٹرہ درباری لال مین رہتی تھی ۔ اچھے اچھے شریف زادے اور شوقین اس کے کمرے پر گانا سننے کی غرض سے جاتے تھے ۔ اب سے سو برس قبل زندہ ۔

سرستی، رام جنی طوائف، نہایت حسین اور بے مثل گانے والی تھی ۔ نواب مرشد آباد کے یہان ملازم تھی اور وہین فوت ہوئی ۔ اب سے تخمیناً ڈیڑھ سو برس قبل زندہ تھی ۔

ہیرا جان، رقص کے فن مین قابل ہونے کے علاوہ خوبصورتی اور پہلوانی مین بھی خصوصیت کے ساتھ شہرت رکھتی تھی ۔ داؤ پیچ سے خوب واقف تھی، بلا ناغہ روزمرہ ورزش کر کے مگدر ہلاتی تھی ۔ تمام عمر لکھنؤ مین رہی اور وہین جان سپرد کی ۔ زمانہ حیات اب سے تخمیناً سوا سو برس قبل ۔

نجا، اصل نام نجیبن جان، خاندانی طوائف، شرعی کی بیٹی اور فن موسیقی مین اُنھین کی شاگرد، پٹہ گانے مین فرد تھی، گلا بہت اچھا تھا ۔ (ٹیڑھی بازار) ۔

وزیر جان، نجّا طوائف کی بیٹی، لکھنؤ کے نامی استاد چھوٹے مُنّے کی شاگرد، موسیقی کی مشہور ماہرہ چوک (لکھنؤ) مین اکبری دروازہ کے متصل رہتی تھی - اِس کا گانا عام پسند نہ تھا، لکھنؤ مین خاص خاص لوگ اِس کے قدردان تھے - ریاست رانی مئو مین ہر تقریب کے موقع پر حَبّدن جان (لکھنؤ کی نامی گرامی طوائف، جن کا گانا، ناچنا، بھاؤ بتانا - ہر ایک فن بے مثل تھا) کے مقابل مین وزیر جان بھی اپنا کمال دکھاتی تھی - یہ گانے کے علاوہ ہارمونیم بھی خوب بجاتی تھی - آغازِ شباب مین خوبصورت بھی تھی، لیکن، وسطِ جوانی مین فالج کے گرنے سے مُنھ کسی قدر ٹیڑھا ہو گیا تھا، جو بادی النظر مین بُرا نہین معلوم ہوتا تھا - وزیر جان خوش مزاج، اپنے وطن دریاباد کی بہی خواہ، وطن والون کی فرمانبردار اور حاضر و غائب اُن کی مدّاح، خوش تقریر اور خلیق و حاضر جواب تھی - اسکی طبیعت شریفانہ اور قناعت پسند واقع ہوئی تھی - دیگر طوائفون کی طرح نوچ کھسوٹ، چھچھورا پن، مکر و دغا، بے مروتی وغیرہ بُری عادتون سے اِس کو قطعی احتراز تھا، یہ ناخواندہ محض تھی - لیکن، اُردو خوب بولتی تھی، زبان فصیح اور شُستہ، شین قاف درُست - ۱۹۱۱ء مین فوت ہوئی اِس کے حقیقی بھائی حشمت علی، آغا علی، خورشید علی اب تک موجود اور ہر ایک اپنے فن مین مشہور - (ٹیڑھی بازار)-

جادی جان - اپنے وقت کی مشہور گانے والی اور حسین خاندانی طوائف، مخدوم بخش دریابادی کی شاگرد بعض کہتے ہین کہ اسے شرعی نے موسیقی کی تعلیم دی تھی - ۵۰ برس کی ہو کر ۱۹۱۲ء مین فوت ہوئی - اولاد مین امیرن عرف اچھن بائی اور منیر الزمان موجود، لکھنؤ مین سکونت، آبائی مکان شکستہ اور ویران - (متصل گوپال مندر)-

ملکہ جان - امیر جانؔ عرف امیرن طوائف کی نوچی - ٹھمری، دادرا، ادّھا وغیرہ خوب گاتی اور خوب بجاتی تھی حسین بھی تھی، گلا بھی خوب پایا تھا - تخمیناً پچاس برس کے سن مین اب سے چالیس برس قبل فوت ہو چکی تھی - (محلہ کفش دوزان)-

وزیرن - اصل نام وزیر جان، خاندانی طوائف، اپنے وقت کی نامی ماہرہ فن - اِس کی آواز نہایت پاٹ دار اور درد آمیز تھی - سُنا جاتا ہے کہ یہ حضرت امام حسینؑ کی بڑی معتقد تھی - ہر سال محرم مین تعزیہ داری کے ساتھ ساتھ اس کے یہان مجلس بھی بڑی دھوم دھام سے ہوتی تھی - اِس کا مکان رئیصاحب کے فیلخانہ کی پشت پر، جہان آجکل دھوبیون کے مکان ہین، واقع تھا، اور یہ غدر کے قبل زندہ تھی -

گوہر جان - عزیمن جان کی لڑکی، خاندانی طوائف، موسیقی کی اچھی ماہرہ، مخدوم بخش سارنگی نواز (دریابادی) کی شاگرد - گانا بہت دلچسپ اور درد آمیز تھا، خوبصورت بھی تھی - تخمیناً ۳۰ برس قبل فوت ہوئی، ساٹھ برس کا سن تھا - اولاد مین اچھن جان، جو ابھی حال ہی مین قضا کر گئی - پختہ مکان ٹون پولیس کی چوکی سے متصل پورب طرف موجود

نوٹ - رانی مئو کے بجرنگ کتھک ایسے ماہرین فن نجّا، جادی، ملکہ، گوہر کے گانے کی تعریف کرتے ہین - اس سے اِن طوائفون کے کمال کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے -

---

سہ ۵ امیرن کی یادگار مین ایک پختہ مسجد ٹیڑھی بازار مین اب تک موجود ہے جس مین نماز پڑھی جاتی ہے - یہ مسجد حافظ عبد الرحیم کے مکان سے متصل پورب طرف لبِ سڑک پختہ جنوب رویہ واقع ہے ۱۲-

پانچوان باب

مہاجنون، کارخانہ دارون، دوکانداروں، عام پیشہ ورون کا بیان

پہلی فصل مہاجنون کے بیان مین

چھٹنکی ساہ

اصلی نام رامجی مل عرف چھٹنکی ساہ، دسوال جین، ازفرقہ اشیتامبری، زبردست مہاجن، مشہور جوہری۔ اِن کے باپ دھرتامل جوہری تھے، جواہرات کی دوکان تھی۔ رام جی مل نے بذات خاص ترقی کی، مہاجن ہوکر ساہ کہلانے لگے۔ روایت ہے کہ "ساہ جی پوجا پاٹ کرکے ایک چھٹانک سونا روزمرّہ دان کیا کرتے تھے، اِس وجہ سے اِن کا نام چھٹنکی ساہ مشہور ہوگیا" واضح ہو کہ چھٹانک کو چھٹنکی بھی کہتے ہین۔ چھٹنکی ساہ کا ہفت منزلہ مکان اب تک "چھٹنکی محل" کے نام سے مشہور ہے جسے چھٹنکی ساہ کا ست کھنڈا کہتے تھے۔ اِس محل کی تعمیر مین منقش اور بیل بوٹون سے آراستہ لکڑی صرف ہوئی تھی اور بعض بعض چھتین ڈاٹ کی تھین۔ اِس سے ساہ جی کی الوالعزمی اور امارت ثابت ہوتی ہے۔

چھٹنکی محل کی بابت جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے اور جس کا ذکر باب اول مین ہوچکا ہے، اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ رام جی مل دریاباد کے نہایت قدیم باشندون مین سے تھے اور اِن کے بزرگوار غالباً اب سے ہزار بارہ سو برس پیشتر یہان آباد ہوئے ہونگے۔

راجہ ٹکیت رائے کے جانشین راجہ بھوانی دین صاحب کا ایک مہری خط منشی گن بہاری لال صاحب کے یہان دیکھنے مین آیا ہے، اُس مین جو کچھ لکھا ہے اُس کا ضروری خلاصہ حسب ذیل ہے:-

عزت آثار بینی دسوال محفوظ باشند حویلی پختہ معروف بہ چھٹنکی محل واقع قصبہ دریاآباد نزد اینجانب ہین است ظاہر ایشان مسموعہ من کرد ایشان بدون فکر ہین حویلی مذکور خشت وچوب لکن فروختہ زرش بہ تصرف خود آوردند لہذا اقلمی میگردد کہ بدون فکر ہین حویلی مذکورہ در فروخت عملاً آن مناسب نیست درینولا ضرورت چہل ہزار خشت پختہ وپنجاہ عدد کڑی چوب سانکھو بہ لالہ رام سہای صاحب درکار است می باید کہ خشت و چوب ہا مذکورین از حویلی رہن مذکورہ خواہ از دیگر مکانات متعلقہ خود ضرور انصرام کردہ باید داد پختہ خشت وچوب ہا بہ لالہ معزی الیہ خواہند داد و درحساب اینجانب مجرا خواہد شد شوال ۱۲۵۶ھ ہجری"

سطور بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ "رام جی مل کے خاندان مین بینی دسوال ۱۲۵۶ء مین موجود تھے۔ اُس وقت کاروبار بگڑ چکا تھا، اگلی حیثیت رخصت ہوچکی تھی۔ رام جی مل نے چھٹنکی محل کے علاوہ دیگر پختہ مکانات بھی بنوائے تھے۔ بزمانہ بینی دسوال یعنی اب سے ۸۰ برس قبل محل اور دیگر عمارتون کا کھُدنا شروع ہوگیا تھا اور انکی اینٹین اور کڑیان فروخت

ہونے لگین تھین۔ واجد علی شاہی مین اس خاندان کے لوگ سرکاری عملہ کی بدعت سے تنگ آکر بنارس اور دہلی مین آباد ہو گئے تھے۔ (جوہری محلہ حال چھیپی ٹولہ)۔

فخر وطن سنگئی ساہ

سراؤگی، جین، اپنے وقت کے بہت بڑے نامی گرامی دولت مند مہاجن، مذہب کے پابند، فخر وطن، زبردست اُولوالعزم، جوان ہمت، ذی حوصلہ، فیاض اور مخیر بزرگ تھے، جن کا نام اور جن کی دولت مندی کا افسانہ پانچ چھ سو برس گذر جانے کے بعد اس وقت بھی صوبہ اودھ اور ملک کے بڑے بڑے شہرون مین خاص طور پر مشہور و معروف ہے۔ سنہ ۱۸۶۲ء کے ایک سرکاری مثل مین حسب ذیل بیانات تحریر ہین :۔

(۱) بیان امرت پنڈت، نراین ناتھ، گنگا شوکل، ماتادین برہمن۔ سنگئی کے باپ گوبند پرشاد نے اپنے نام سے گوبند پور آباد کیا۔ سنگئی کے نام سے محلّہ مشہور رہی۔ تین سو برس ہوئے کہ ہم کو سنگئی نے آباد کیا تھا۔ مکانات پختہ موجود ہین (۲) بیان بسنت واجودھیا۔ سنگئی ساہ نے گوبند پور آباد کیا۔ ہمارے بزرگ اُن کے سبب سے گوبند پور مین آباد ہوئے۔ آبادی گوبند پور دریاباد شامل ہے۔" از نقل روبکار محکمہ بندوبست ملک اودھ باجلاس رائے گنیشی لال صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر واقع ۱۵ جنوری سنہ ۱۸۶۲ء دعوی تنازعہ دریاباد مبتابلہ گوبند پور دھوسے پور، پرگنہ و تحصیل و ضلع دریاباد، راجہ نراندر بہادر سنگھ بنام رائے ابھرام بلی تعلقدار، نمبر مقدمہ ۱۵۔

اِن بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ سنگئی کے باپ کا نام گوبند پرشاد تھا جنھون نے گوبند پور کی بنیاد ڈالی، جو دریاباد ہی مین شامل تھا اور جس مین پختہ مکانات تھے۔ سنگئی ساہ نے اپنے نام سے محلّہ آباد کیا تھا اور وہ اب سے ۳۶۰ سال پہلے موجود تھے۔ واجب العرض سرائے سنگئی سے بھی یہی زمانہ پایا جاتا ہے۔ لیکن، ساہ جی کی مکان کی ساخت و طرز تعمیر پر غائر نظر ڈالنے اور شکستہ دیوارون کے متعلق جابجا استرکاری اور نقش و نگار، بیل بوٹون کے دھندلے نشانات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنگئی ساہ اب سے پانچ چھ سو برس قبل موجود رہے ہونگے۔ بعض قابل اور جہان دیدہ بزرگون کی زبانی جو کچھ سُننے مین آیا ہے اُس سے بھی سنگئی ساہ کا زمانۂ حیات اب سے پانچ چھ سو برس پہلے ثابت ہوتا ہے۔

معتبر ذرایع سے دریافت ہوا ہے کہ سنگئی ساہ کا اصلی نام گوبند پرشاد تھا۔ "ساہ" مہاجنی کا لقب اور "سنگئی" قومی خطاب ہے۔ جب وہ دولت والے ہوئے تو، خوب دل کھول کر دان پُن کیا۔ بیشمار غریبون، بیکسون اور لاوارثون کی مدد کی، تیرتھ جاترا کے وقت اپنے ہم قوم بھائیون کو، جو ہزارون کی تعداد مین تھے، اپنے ہمراہ لیا اور اُن کے جملہ مصارف خود شوق سے برداشت کئے۔ سفر مین اُن کے آرام و آسایش کے لئے ہر طرح کا کافی انتظام کیا۔ چونکہ ساہ جی کا یہ طرز عمل عین جین دھرم کے مطابق تھا، جس سے وہ دھرم کے ساتھی سمجھے گئے، اسی لئے اُن کو گوبند پرشاد "دھرم سنگتی" (شریک مذاہب) یا "دھرم سنگی" کہنے لگے مدت دراز کے بعد اصل نام اور اصلی خطاب کے بجائے صرف "سنگئی" مشہور ہو گیا۔ ہندی مین ساتھی، سنگتی، سنگی مشہور الفاظ ہین۔ پھر پور دوبارہ جنگی مین بھی اس لقب سے جتنی لوگ مشہور ہو چکے ہین، وہ بھی "ساہ" کہلاتے تھے۔ قدیم زمانے مین صرف اُس سربرآوردہ مہاجن کو "ساہ" کہتے تھے، جو زیادہ دولت مند، قول و فعل کا پابند، نیک نیت اور ایماندار ہوتا تھا

بارہ بنکی کے سنگئی ساہ کا نام بالکل مٹ گیا، اور لہرپور والے سنگئی ساہ اب تک وہان مشہور ہین۔ لیکن، وہ بزرگوار دریا بادی سنگئی ساہ کے بعد ہوئے ہین، اِن سے پہلے نہ تھے اور نہ اِن کے برابر دولت مند اور مشہور۔ اِس سے بھی ساہ جی کا زمانۂ حیات اب سے پانچ چھ سو برس بیشتر پایا جاتا ہی، ساتھ ہی اِس کے اِن کی مذہبی عقیدتمندی، غربانوازی اور قومی خدمت یا قومی خیرخواہی، عالی ہمتی بھی اچھی طرح واضح ہوتی ہی۔ سنگئی ساہ نے اپنے بھائی بندون کو ہمراہ لیکر مقدس فرض کی ادائیگی کے لئے دور دراز کا سفر (جینیون کے متبرک مقامات مبیئی اور بنگال مین پہاڑون پر واقع ہین) ایسے وقت مین اختیار کیا تھا، جبکہ نہ ریل تھی نہ موٹر کار تھا نہ کنکر کی پختہ ہموار سڑکین تھین، بلکہ راستے نہایت دشوارگذار اور پرُخطر تھے۔ سواریون مین ہاتھی، گھوڑے، رتھ، بہل سے کام لیا جاتا تھا۔ اِس لئے ساہ جی کا یہ سفر کوئی معمولی سفر نہین کہا جا سکتا، جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے، جس مین زبردست اہتمام کیا گیا ہوگا، اور بیشمار دولت صرف ہوئی ہوگی۔

ساہ جی نے اپنے زمانۂ عروج مین ایک نہایت عظیم الشان اور وسیع سات منزلا امیرانہ مکان بنوایا جسکی صنّاعی قابلِ دید تھی، جس مین پائین باغ اور مندر بھی تھا۔ مکان سے متصل اُدھر طرف بہت بڑے گنج اور بازار کی بنیا دڈالی۔ محلّہ اور گوبند پور بسانے کے ساتھ ہی ایک دوسرا موضع بھی آباد کیا جو عرصہ سے "سرائے سنگئی"[۵] کے نام سے مشہور رہی۔ پورب طرف گوبندپور مین پھلواری تیار کرائی، چارمنزل والا باولی دارکنوان اور دھرم شالہ تعمیر کرایا۔ اِس طرح دریاباد کی آبادی مین زبردست ترقی ہونے کے علاوہ رونق مین بھی بہت کچھ اضافہ ہوا۔ اِس سے سنگئی ساہ کی وطن پرستی، شانِ امارت، مذہبی خدمت، رفاہِ عام کے متعلق دلچسپی اچھی طرح پائی جاتی ہے۔

مہاجن اور بےمثل دولتمند ہونے کے ساتھ ساتھ سنگئی ساہ کے پاس اچھی خاصی زمینداری بھی تھی۔ مکھرگوا پور، ہونسے پور، لال پور، بلہری، اگوجرپور، گوبندپور، سرائے سنگئی، سات مواضعات اِن کے قبضہ مین تھے۔

اِن کے بارہ مین بہت سے حیرت انگیز افسانے اور بہت سی مختلف روائتین مشہور اور آج تک زبان زدِ ہر خاص وعام ہین۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے ذیل مین چند نتیجہ خیز اور منتخب روائتین درج کی جاتی ہین، جو یقیناً دلچسپی کا باعث ہونگی۔

---

۵ "سرائے سنگئی" کے نام سے ظاہر ہوتا ہی کہ سنگئی ساہ نے رفاہِ عام کی غرض سے ایک سرا تعمیر کرا کے اُس کی رونق اور حفاظت کے لئے اُس جگہ موضع آباد کیا ہوگا، جسے لوگ سرائے سنگئی کہنے لگے۔ لیکن قیاس سے معلوم ہوتا ہی کہ "سرا" نہین، بلکہ دھرم شالہ تعمیر ہوا ہوگا جسے صوبۂ اودھ مین فارسیت کا زور ہونے پر "سرائے سنگئی" کے نام سے شہرت ہو گئی ہوگی۔ کیونکہ سرا کا لفظ فارسی ہے اور فارسی اُس وقت اہلِ ہنود مین رائج نہ تھی "آبِ حیات صفحہ ۱۶ مین شمس العلما مولانا محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے تحریر فرمایا ہی کہ:۔ "آخر سنہ ۱۵۰۰ء مین بزمانہ سکندر لودی کائستھ فارسی پڑھ کر دربارِ شاہی مین داخل ہوئے"۔ اِس سے ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ علاوہ اِس کے برہمنون، ویشیون، جینیون مین یہ عام دستور ہی کہ مسافرون کے قیام کے لئے جو مکان بنایا جاتا ہی وہ "دھرم شالہ" ہی کے نام سے موسوم ہوتا ہی اور اُس مین صرف ہندو ٹھہرتے ہین۔ ہندوؤن کے بعض فرقے عموماً جینی بزرگ خصوصاً اب بھی جبکہ ہندو مسلم طرزِ معاشرت مین بہت کچھ یگانگت پائی جاتی ہے، مسافرخانہ اور سرا کے نام سے اُسی طرح غیر مانوس نظر آتے ہین، جس طرح اہلِ اسلام "دھرم شالہ" سے۔ پس بوجوہ بالا یہ کہنا بالکل خلافِ واقعہ ہی کہ اُس زمانے مین (جو قومی عداوت اور قومی تعصب کا دور دورہ اور پراکرت وہندی زبان کا زمانہ تھا) سنگئی ساہ نے سرا کا لفظ پسند کیا ہوگا ۱۲

(۱) سنگئی ساہ پہلے بہت غریب تھے، محنت و مزدوری کرکے دن بسر کرتے تھے۔ ایک دن کسی مقام پر گھاس چھیل رہے تھے کہ اتفاقاً ایک سادھو کا گزر ہوا، اُسے اُنکی بیکسی پر رحم آیا اور اپنی جھولی سے پارس پتھر کا ٹکڑا نکال کر اُن کے حوالہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھا دیا کہ اِس پتھر مین لوہا چھو جانے سے سونا ہوجاتا ہے۔ امتحان کے طور پر اُن کا کھُرپا (گھاس چھیلنے کا آلہ) لیکر اُسے اِس ترکیب سے سونا بناکر دکھا دیا۔ چلتے وقت سادھو نے کہا کہ جب تک مین واپس نہ آؤن، تم جتنا چاہو، سونا تیار کرلو۔ چند ہی روز مین اتنی دولت جمع ہوجائیگی کہ پُشتہا پشت ختم نہ ہوگی۔ لیکن میری واپسی پر یہ امانت مجھے دیدینا۔ ساہ جی نے وعدہ کیا اور اپنے گھر آکر لوہے کو سونا بنانا شروع کیا۔ کچھ دنون کے بعد اُن کی دولت مندی کا شہرہ ملک کے ہر گوشہ تک پھیل گیا۔ جب وہ سادھو واپس آیا اور اپنی امانت طلب کی تو سنگئی ساہ نے گم ہوجانے کا عذر پیش کردیا۔ سادھو نے کہا کہ، بچہ! ایکدن ایمان چھوڑتے اور کیون جھوٹ بولتے ہو؟ اِس سے بہتر یہ ہی کہ مین ٹھہر جاؤن، تم اپنی مرضی اور خواہش کے موافق اور سونا بنالو اور میری امانت مجھے واپس دیدو۔ مگر، ساہ جی نے سادھو کی باتون پر کچھ خیال نہ کیا۔ ناچار سادھو بددعا دیکر نہ معلوم کہان چلا گیا (۲) سنگئی ساہ کو گھاس چھیلتے وقت ایک پتھر کا ٹکڑا ملا جس سے انھون نے کھرپا تیز کرنا چاہا۔ پتھر کے رگڑتے ہی وہ سونے کا ہوگیا۔ اِس آزمایش کے بعد ہی لوہے کو سونا بناکر وہ دولت مند ہوگئے (۳) کسی سادھو نے سنگئی ساہ کو رسائن وِدّیا یعنی علم کیمیا سے آگاہ کردیا تھا جس سے لوہے اور تانبے کو چاندی سونا بنا سکتے ہین۔ اِس طرح وہ صاحب دولت ہوگئے تھے (۴) سنگئی ساہ اتنے بڑے دولت مند تھے کہ ایک مرتبہ کشمیر کا ایک سوداگر ۶۰ اونٹ زعفران بیچنے کی غرض سے تمام ملک کی خاک چھانتا ہوا اُن کا نام سُنکر دریاباد آیا اور اُن کے پاس پہونچکر بیان کیا کہ مین یہ ساٹھ اونٹ زعفران ساٹھ اونٹ روپیہ کے عوض یکمشت فروخت کرنا چاہتا ہون، بایں شرط ملک مین کوئی خریدار اِس وقت تک مجھے نظر نہ آیا۔ لیکن، آپ کی نسبت یہ سُنکر کہ "دریاباد کے سنگئی ساہ اتنے بڑے روپیہ والے ہین کہ آج ملک بھر مین اُن کا کوئی ثانی نہین" حاضر ہوا ہون۔ یہ سُنتے ہی سنگئی ساہ نے مزدورون کو (اُس وقت ایک بہت بڑے پیمانے پر تعمیر کا کام جاری تھا) حکم دیا کہ "اِس زعفران کو گارے مین ڈالدو، اور اپنے ایک ملازم سے کہا کہ خزانہ کی کوٹھریان کھول کر انھین دکھادو، یہ حسب دلخواہ روپیہ اونٹون پر لادلین"۔ جس وقت سوداگر نے خزانہ کی کوٹھریون مین چاندی، سونے، روپئے، اشرفیون کے ڈھیر دیکھے تو، اُس کے ہوش وحواس باختہ ہوگئے۔ بعض لوگ بیان کرتے ہین کہ زعفران کے عوض ۶۰ اونٹ روپیہ دیدیا گیا۔ بعض کہتے ہین کہ سوداگر کو اپنی دولت مندی کا امتحان مدنظر تھا۔ اِس لئے زعفران کی قیمت نہین لی گئی، اونٹ خالی واپس گئے (۵) کشمیر کا ایک سوداگر بڑا مالدار تھا جس کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ اُس نے عہد کیا کہ مین اپنے سے برابر والے کے یہان لڑکی یا لڑکے کی شادی کرونگا۔ اِس غرض سے ۶۰ اونٹ زعفران امتحان کے طور پر روانہ کی گئی کہ اگر کوئی خریدار ٹھہر گیا تو، وہی اُس کا مدمقابل ہی۔ زعفران کا بیچنے والا سنگئی ساہ کا نام سُن کر دریاباد آیا اور زعفران بیچنے کی خواہش ظاہر کی۔ ساہ جی نے زعفران لیکر گارے مین ڈلوادی اور فروشندہ سے کہا کہ جس قدر روپیہ چاہو خزانہ سے لےلو۔ اُس نے ساہ جی کا بیشمار خزانہ دیکھکر اپنے مالک کو اطلاع کی۔ کشمیری سوداگر اِس واقعہ سے آگاہ ہوکر شادی کا خواہان ہوا۔ ساہ جی کے صرف لڑکی تھی، جسے اُنھون نے سوداگر کے بیٹے کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے بیاہ دیا (۶) سنگئی کے اولاد نرینہ کوئی نہ تھی، فقط ایک لڑکی تھی جسکی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ سیکڑون بورے شکر کنوؤن مین ڈلوادی گئی، قریب ایک مہینے کے برات کا قیام رہا۔ ایک روز براتی لوگ کھانا کھارہے تھے، اتفاقاً ایک گائے براتیون مین گھُس آئی۔ کسی نے طنز سے کہا کہ "سنگئی ساہ اتنے بڑے مہاجن اور گھر مین ایک مضبوط رسّی بھی نہین جس سے گائے باندھ دیجاتی"۔ سنگئی ساہ نے یہ سن کر اِس کان سے۔

اُس کان اُڑا دیا۔ جب برات والے اپنے قیام گاہ پر واپس گئے تو، ساہ جی نے سُناروں کو بلوا کر بہت جلد، جس قدر جانور ساتھ تھے سب کے لئے سونے کی موٹی موٹی زنجیرین حسب حیثیت اور ضرورت کے موافق تیار کرائین۔ کئی روز کے بعد ایک دن کھانا کھانے کے وقت دانستہ کئی گائین چھوڑ دی گئین اور وہ جیونار مین گھُسنے لگین۔ ساہ جی نے مصنوعی غصّہ سے کہا "کیا ان گائیون کے بندھن نہین ہین؟ جو آج پھر اُسی روز کی طرح جیونار مین گڑبڑ ہو گئی"! اِتنا سُنتے ہی فوراً آدمی سونے کی زنجیرین لیکر حاضر ہوئے اور گائیون کو باندھ کر باہر لیگئے۔ حاضرین اِس واقعہ سے دنگ ہو گئے اور براتیون مین جو لوگ سونے کی زنجیرین گلے مین پہنے تھے وہ نہایت نادم اور پشیمان ہو گئے۔ جب برات رخصت ہوئی تو، جہیز مین علاوہ دیگر قیمتی سامان کے جس قدر جانور (گائین بیل، گھوڑے، ہاتھی، اونٹ بھینسین وغیرہ) دئے گئے تھے، سب کے سب مُطلّا زیور اور زرین سامان سے آراستہ تھے، جن کے باندھنے کے لئے بجائے رسّیون اور آہنی زنجیرون کے طلائی زنجیرین اور چوبی میخون کے عوض سونے کی میخین بھی دی گئی تھین (۷) سنگئی ساہ کو "وَرْبْ دِرِشْٹ" یعنی دفینہ کی شناخت کا علم تھا، جس کے ذریعہ سے وہ بڑے بھاری دولت مند ہو گئے تھے، حتیٰ کہ بادشاہ نے اُنھین بلوا کر دولت مندی کا سبب دریافت کیا۔ ساہ جی نے عرض کیا کہ پرمیشر نے مجھے خزانہ پہچاننے کی آنکھ دی ہے اور اِس کے ثبوت مین دو ایک جگہ زمین کھُدوا کر خزانہ دکھلا دیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر ساہ جی کو پانچ گانون اور بیش بہا خلعت مرحمت فرما کر سرفراز فرمایا۔ لیکن، ساہ جی بیشمار دولت کے مالک تھے گانون لیکر کیا کرتے؟ بہ منت و سماجت گانوُن کا فرمان واپس کر کے صرف خلعت لیکر ہنسی خوشی دریاباد واپس آئے (۸) سنگئی کے پاس پارس پتھر تھا، جس سے اُن کے یہان دولت کی کوئی انتہا نہ تھی، مکان مین بڑے بڑے کئی ایک تہ خانے تھے، جن کی کوٹھریون مین چاندی سونا بھرا پڑا تھا۔ کوٹھریون مین بڑے بڑے وزنی آہنی قفل لگے ہوئے تھے، جو کسی کی ہلائے ہل نہین سکتے تھے۔ لیکن، فقیر کی بد دعا سے اُن کے مرتے ہی نہ وہ دولت رہ گئی نہ وہ حیثیت۔ نہ معلوم پارس پتھر کون اُڑا لے گیا؟ اور خزانہ کہان غائب ہو گیا؟ (۹) جب سنگئی ساہ کی دولت مندی دُور دُور تک مشہور ہوئی تو، بدمعاشون نے زر کی طمع مین اُنھین قتل کر ڈالا اور سب دھن دولت لوٹ لی۔ جب وہ مارے گئے ہین، زیادہ عمر کے نہ تھے۔ اگر ساہ جی کم سنی مین مار نہ ڈالے جاتے تو ایسے ایسے کام کرتے کہ دنیا مین نام ہو جاتا۔ بعضون کا بیان ہی کہ اُن کے خاندان والون مین سے کسی نے مار ڈالا تھا۔ بعض کہتے ہین کہ اپنی موت سے مرے تھے۔ لیکن کم عمری کا سب کو اقرار ہے۔

روایات مذکورۂ بالا سے ترشح ہوتا ہے کہ ابتدا مین سنگئی ساہ افلاس کے باعث سخت پریشان تھے۔ تکلیف اور مصیبت سے بسر ہوتی تھی۔ مگر، جلد اقبال یاور ہو گیا، رتی چمک گئی، چھپّر پھاڑ کے دولت برسنے لگی، گھر مین چاندی سونے کے ڈھیر لگ گئے، جس سے آن واحد مین اِتنے بڑے تونگر اور امیر ہو گئے کہ گائین، بھینس وغیرہ کی زنجیرون مین بندھنے لگین اور دولت مندی کا دُور دُور تک شہرہ ہو گیا۔ اولاد نرینہ سے محروم تھے، صرف ایک لڑکی تھی، جس کی شادی اِس شان اور اِس جدت خیز اُولوالعزمی کے ساتھ کی کہ آج تک اِس قسم کی کوئی دوسری شادی دیکھنے یا سُننے مین نہین آئی جہیز مین زرین سامان سے سجے ہوئے جانورون کا معہ طلائی میخون اور مُطلّا زنجیرون کے دیا جانا کچھ کم وقعت انگیز نہین۔ غالباً اودھ مین شانِ امارت کا یہ پہلا نمونہ ہے، جو اپنی خصوصیت کے لحاظ سے بہت کچھ لایق تحسین و آفرین ہی۔

ساہ جی بڑے نوک پلک اور آن بان والے تھے۔ طنز آمیز باتین بہت ناپسند تھین۔ مگر، مزاج مین تحمل بھی تھا اخلاق اور تہذیب کی پابندی بھی مدنظر تھی۔ اِس لئے بجائے جھنجھلانے اور جاؤ بیجا کہنے کے اِس خوبصورتی سے جواب

دیدیتے تھے کہ مخالف شرم سے پانی پانی ہوجاتا تھا۔ ساہ جی کا انتقال کم سنی مین ہوا تھا۔

ساہ جی کی دولت مندی و امارت کے متعلق چار روائتین اور چارون باہم مختلف بیان کی جاتی ہین۔ پہلی کا مفہوم ہے کہ سادھو کے پارس پتھر سے دولت والے ہوئے۔ دوسری کا اشارہ ہے کہ پارس پتھر خود بخود ہاتھ آگیا تھا کسی نے دیا نہین تیسری کا ایما ہے کہ علم کیمیا نے صاحب دولت بنادیا چوتھی (نمبر ۷) ظاہر کرتی ہے کہ دفینہ کی شناخت کا علم تونگری کا موجب ہے۔ اگر دولت کا باعث زیادہ شہرت کی بناء پر سادھو والا پتھر تسلیم کرلیا جائے تو اخلاقی حیثیت سے سنگئی ساہ کے دامن پر بدنما دھبا نظر آتا ہے۔ اپنا مطلب حاصل کرکے سادھو کو پارس پتھر واپس نہ دینا ایک ذلیل اور شرمناک حرکت سے کم نہین لیکن "ساہ کا لقب اور واقعات سے سنگئی ساہ کا طرز عمل نہایت عمدہ پایا جاتا ہے، ساتھ ہی اس کے نمبر ۲، نمبر ۳، نمبر ۷ والی روایات بھی صاف بے عیب ثابت کرتی ہین، اور عقل سلیم کے نزدیک بھی سنگئی ساہ دھرماتما بزرگ معلوم ہوتے ہین۔

پارس پتھر کی نسبت اکثر فاضلون کا خیال ہے کہ یہ ایک محض شاعرون اور قصہ نویسون کی گڑھت ہے۔ جس طرح چشمۂ حیوان، سد سکندر، ہما، عنقا وغیرہ موہوم اور بے بنیاد چیزون کو شہرت دیدی گئی ہے، اُسی طرح پارس کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی بھی اصلیت کچھ نہین محض فرضی اور خیالی چیز ہے۔ اگر پارس کا وجود ہوتا تو مستند کتابون، تاریخون اور شاہی خزانون سے پتا چلتا، شاہان عالم ملک و دولت کی ہوس مین بجائے جنگ و جدل کے پارس پتھر تلاش کرتے، زمانۂ حال کے دانایان فرنگ و امریکہ، جن کی جدت انگیز طبیعتین ہر وقت نئی چیزون کی تحقیقات کے لئے بیقرار رہتی ہین اور جنھون نے زمین و آسمان کے قلابے ایک کرڈالے، زمین کے اندر سے محلات، عظیم الشان مکانون کے کھنڈر، بازار، باغات، شہر انواع و اقسام کی عجیب و غریب چیزین، پہاڑون کے غارون سے قدیم زمانے کی ہتھیار لوتھیان، کتابین اور مختلف مقامات سے سیکڑون کارآمد سکتے، کتبے وغیرہ برآمد کرکے دنیا کے سامنے پیش کردئے، کشتی بناکر سمندر کی تہ کی چیزون کے فوٹو لینے اور ہوائی جہاز کے ذریعہ افریقہ کے نامعلوم اور دشوار گذار جنگلون کی تحقیقات کرنے پر اپنے کو وقف کردیا، پر لگاکر چڑیون کی طرح اُڑنا، ایئر شپ پر بیٹھ کے فضائے آسمانی کی سیر کرنا ایک معمولی کھیل سمجھا، بے تار کا ٹیلیفون ایجاد کرکے چھ ہزار میل کی دوری سے بات چیت ہوجانے پر مریخ کے باشندون سے گفت و شنید کے لئے کوشش شروع کردی، اس نادر و بے مثل چیز سے ناواقف نہ ہوتے، وہ ضرور کوشش کرکے حاصل کرتے، اور اس طرح مغربی ممالک مین نہ صرف جابجا ہر مقام پر سونے کے سر بفلک محلات اور قلعون کا جنگل تیار ہوجاتا، بلکہ تمام سلطنتین لنکا کے مانند سونے کی ہوجاتین جس سے وہان کے باشندون کو اپنی دلفریب مصنوعات کے ذریعہ سے مشرق کی دولت کھینچنے کی ضرورت نہ رہتی۔ ان حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنگئی ساہ علم کیمیا وغیرہ کی بدولت مالدار ہوئے ہونگے، جس کا راز پوشیدہ رہنے کی وجہ سے لوگون نے اپنے قیاس کی بناء پر پارس پتھر گڑھ لیا ہوگا جسکی نسبت یہ عام طور پر مشہور ہے کہ لوہے کو سونا بنادیتا ہے۔

زعفران والی روائتون سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے زمانے مین جو اونٹ روزآنہ صبح سے شام تک ضرورت کے وقت

---

۵ اس علم سے متعلق حکیم سید محمد قاسم صاحب طبیب سیئات سرکار نظام کے کتب خانہ (حیدرآباد دکن) مین کتاب موجود ہے ۱۲ اور رسالہ زمانہ اپریل ۱۹۱۲ء۔

۔ ہاکوس چل سکتا تھا، اُسے ساٹھکا کہتے تھے۔ اکثر رئیسون اور تاجرون مین اس قسم کے اونٹون کی بہت بڑی قدر تھی،
جن پر کم خرچ بالانشین کی مثل بہت صادق آتی ہی۔ غالبًا زعفران والا سوداگر شہرون، قصبون اور ریاستون مین مال
بیچتا ہوا ساٹھکا اونٹ پر دریاباد آیا ہوگا جس کے ہمراہ مال کی حفاظت کے لئے دو ایک اونٹ اور بھی نوکرون چاکرون
کے رہے ہونگے۔ سنگئی ساہ نے تھوڑی بہت زعفران حسب خواہش خرید کر کے گارے مین ڈالدینے کا حکم دیدیا ہوگا
کچھ دن تک لوگون مین یہ چرچے رہے ہونگے کہ سنگئی ساہ نے ایک سوداگر سے جو ساٹھکا اونٹ پر آیا تھا، زعفران مول لیکر
گارے مین ڈلوادی، پھر ساٹھکا اونٹ بھر زعفران کہنے لگے ہونگے۔ مدت دراز کے بعد ساٹھکا اونٹ بھول گیا۔ اور ساٹھ اونٹ
زعفران مشہور ہو گئی۔ سنگئی ساہ کی یہ جدّت طرازی بھی قابل داد ہے کہ شہرت کے شوق مین زعفرانی گارے سے محل بنواکر
ایسی مہکتی ہوئی یادگار قایم کردی کہ کئی صدیان گذرجانے پر بھی جابجا بدستور خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔
آج کل کے اکثر نوجوان جانورون کا طلائی زنجیرون کے ذریعہ سے سنہری میخون مین بندھنا، تعمیر کے لئے خوشبودار
زعفرانی گارا استعمال ہونا، سُن کر بیساختہ ہنسی اُڑائین گے اور وہ اِسے غیر مفید سمجھ کے فضول خرچی اور حماقت تصور
فرمائین گے۔ لیکن، اُس وقت ناچار اُن کو مجبوراً ماننا پڑیگا کہ سنگئی ساہ کی یہ کاروائیان دولت و امارت کا کرشمہ تھین نہ کہ
فضول خرچی و حماقت کا نتیجہ، جبکہ تحقیقات سے معلوم ہوجائے گا کہ نیویارک (امریکہ) کے کروڑپتی بندرون کے لئے سنہرے
پلنگ اور مخملی گدّے بنواتے، کتّون کی شادیان کرتے، اور اُن کے رہنے کے لئے ایسے کمرے تعمیر کراتے ہین، جو کسی ملک کے وزیر
اعظم کو بھی نہین میسّر ہوسکتے۔
سنگئی ساہ کی فطری فیاضی، اُولوالعزمی، اور دانشمندانہ سودمند سرگرمی اس امر کا صاف یقین دلاتی ہی اور لوگون
کا یہ بیان بالکل سچ معلوم ہوتا ہی کہ "اگر ساہ جی مارنہ ڈالے جاتے، کچھ دن اور زندہ رہتے تو دنیا مین اُن کا نام ہوجاتا" یعنی یہ
ایسے ایسے نیک اور مفید کام کرتے (جس سے اِنھین قدرتی دلچسپی تھی) کہ دریاباد کے علاوہ دُور دُور تک کے لوگ اِن کی فیاضی
کے مشکور ہوتے۔ اِن کی پیدائیش اُس پُرآشوب زمانے مین ہوئی تھی، جبکہ ہندوستان کا ہر متنفّس بدنظمی کے باعث باہمی خانہ
جنگیون، اندرونی و بیرونی حملون، کشت وخون، لوٹ مار، فتنہ و فساد، ظلم وستم وغیرہ کی مصیبت خیز بلاؤن اور تباہ کن فتون
مین گرفتار ہوکر باختہ حواس تھا۔ اس لحاظ سے اِن کے کارنمایان، اِن کی شاندار کامیابی خصوصیت کے ساتھ نہ صرف
قابل ذکر بلکہ تاریخ اودھ کے صفحون مین زرین حرفون سے لکھنے کے لائق ہے۔
تحقیقات سے پتا چلتا ہی کہ سیتاپور، ہردوئی، کھیری، رائے بریلی، پرتاب گڈھ، لکھنؤ، فیض آباد، گونڈہ، بہرائچ
جونپور، بنارس، الہ آباد، کانپور، بستی، گورکھپور، وغیرہ کے دیہات مین لوگ سنگئی ساہ کی دولت مندی کا ذکر کرتے ہین، اور
شولاپور و مقصود آباد کے سیٹھ اِن کے مداح ہین، جے پور، جودھپور، کلکتہ، بمبئی وغیرہ کے جین مندرون مین اِن کا اکثر
نام لیا جاتا ہے۔ اس سے سنگئی ساہ کی غیر معمولی شہرت اور ناموری کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔
ساہ جی کا زمانہ عروج فقط ایک ہوا کا جھونکا تھا کہ اِدھر آیا، اُدھر زن سے نکل گیا۔ اسی طرح زندگانی بھی حباب
کی صورت ناپائیدار تھی کہ بہت جلد آنًا فانًا فنا ہوکر خواب و خیال ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ "سنگئی ساہ کے مرتے ہی سب کارخانہ

درہم وبرہم ہوگیا تھا نہ مال وخزانہ رہگیا تھا نہ اگلی حیثیت۔" لیکن، یہ بیان قابل اعتبار نہین۔ سرائے سنگئی کی واجب العرض مین لکھا ہے کہ ۱۱۱۱ھ مین للّو ساہ (وارث سنگئی ساہ) نے "سرائے سنگئی" کو شیخ محمد رفیع صاحب (از اولاد حضرت مخدوم آبکش دریابادی) کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔" اس سے پایا جاتا ہے کہ سنگئی ساہ کے بعد عرصہ تک کچھ نہ کچھ کاروبار قایم رہا، پھر حسب دستور زمانہ زوال شروع ہوا، اور اب سے دوسو برس قبل اگلی حیثیت اور زمینداری وغیرہ سب رخصت ہوگئی۔ عرصہ سے گوبند پور ویران گنج و بازار و محلہ وغیرہ بے نام ونشان، ۱۹۰۱ء سے خاندان والے بہرایچ و بہرام گھاٹ مین آباد۔ یادگار مین مکان کا شکستہ حصہ کھنڈر کی صورت، جواب بھی شاندار عمارت سے کم نہین، ویران پھلواری، باولی والے کنوئین کا کچھ حصہ، سرائے سنگئی ساہ جی کی قبر (پختہ) انھین کی پھلواری مین ابتک موجود۔

خدا کی شان دیکھئے! جن تہ خانون مین بیشمار خزانہ رہتا تھا، اب وہان چمگادڑون کا ڈیرا ہے، زمین پر پانون رکھتے ہوئے سانپ، بچھو کا خوف معلوم ہوتا ہے، اور جو محل روائیت کے بموجب زعفرانی گارے سے تیار ہوا تھا، اُس کے کھنڈرون مین لوگ پاخانہ پھرتے ہین۔ یہ عبرتناک سین انقلاب زمانہ کا ایک نتیجہ خیز منظر پیش کرتا ہے، جس سے بالغ نظر حضرات بہت کچھ سبق حاصل کرسکتے ہین۔ (سنگئی ٹولہ)۔

للّو سیٹھ، لچھی سیٹھ

ان بزرگون کے حالات کی نسبت بہت کچھ کوشش کے بعد صرف یہی معلوم ہوا کہ للّو اور لچھی کسی وقت مین مشہور سیٹھ تھے، فیاضی مین انکی شہرت تھی۔ اِن کے نام سے دھرم شالے بہت دن تک قایم رہے۔ زمانہ حیات تخمیناً چار پانچ سو برس قبل۔

بیچن ساہ

اصلی نام بیچن لال، عرف بیچن ساہ، جین، سراوک، فرقہ دگامبری، اپنے وقت کے نامی مہاجن ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ فیاض اور دھرماتما۔ اِن کے باپ دادے سخاوت وفیاضی مین بہت مشہور تھے۔ لیکن، اِن کی ہمت عالی نے وہ کرشمے دکھائے کہ لوگ اُنھین بالکل بھول گئے۔ چنانچہ جو دھرم شالہ چھیپی ٹولہ مین ساہ جی کے دادا نے بنوایا تھا اور جس مین خیرات خانہ قایم ہوکر روزآنہ غریب مسافرون کو خوراک تقسیم ہوتی تھی، اُسے اِن کے نام سے شہرت ہوگئی۔ جب تک زندہ رہے، دھرم شالے کی شان روزافزون ترقی کے ساتھ قایم رہی۔ اِن کے بعد اِن کی نسل والون نے اپنے بزرگون کا نام بھی مٹا دیا اور خود بھی مِٹ گئے، نہ مہاجنی رہی نہ دولت۔ برائے نام شکستہ مکان موجود اور خاندان والے معمولی حیثیت سے باقی۔ بیچن ساہ کا زمانہ حیات اب سے تین چار سو برس قبل ثابت ہوا ہے۔ (گھڑیالی ٹولہ)۔

سدھن لال و بدھی لال

عرف سدھان، بدھان۔ حلوائی، مہاجنی مین مشہور و معروف، [illegible] خانہ دار [illegible] دولت مند، نہایت

نیک چلن اور ایماندار تھے ۔ سُنا جاتا ہے کہ پانڈون کی طرح اِن کے یہان بھی شکر سازی کا کارخانہ اٹھارہ تھرون پر قایم تھا ۔ یعنی بحساب اوسط پچاس ہزار روپیہ کی شکر ہر سال اِن کے کارخانے سے فروخت ہوتی تھی ، جو زمانہ حال کے مطابق ، جبکہ ہر چیز کی قیمت مین بے انتہا اضافہ ہوگیا ہی ، ڈھائی تین لاکھ کی مالیت ہوئی ۔

یہ لوگ محض حلوائی یا مہاجن ہی نہ تھے ، بلکہ اچھے خاصے نوک پلک والے سپاہی بھی تھے ۔ چنانچہ جب زمیندار اِن پر کسی قسم کا بیجا دباؤ ڈالتا تھا تو یہ بگڑ جاتے تھے اور پھر چکلہ دار کو بھی کچھ نہ سمجھتے تھے ۔ ناچار وہ بیچارہ انھین کی مرضی کے موافق فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا ۔

روایت ہی کہ "ایک مرتبہ زمیندار صاحب نے اپنے حقوق کے بارہ مین انھین بہت دق کیا ۔ اِن کا قول تھا کہ "ہم بادشاہ کی رعیّت ہین ، کسی زمیندار کے باشندے نہین ہین ، اس لئے کسی قسم کا حق و حقوق بلا وجہ نہ دین گے " لیکن ، زمیندار صاحب اس بات کی سماعت نہ کرکے زبردستی اِن کو اپنا رعایا بنانے پر تُلے ہوئے تھے ۔ ناچار یہ چکلہ دار صاحب کے پاس نالش کے لئے گئے ، وہان زمیندار صاحب کے مقابلے مین اِن کی سماعت نہ ہوئی ۔ اِن کو تاؤ آگیا ، فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ ہر چند چکلہ دار صاحب "ہان ہان ، سنو تو ، کہان جاتے ہو" ؟ کہتے ہی رہے ۔ مگر انھون نے ایک بھی نہ سُنی اور اپنے گھر آتے ہی تلوار ، ڈھال باندھ اور جلتی ہوئی مشعلین ہاتھ مین لیکر دونون بھائی باآواز بلند "اندھیر ہے اندھیر" کہتے ہوئے لکھنؤ کی طرف چل نکلے ۔ جب قلعہ کے قریب پہونچے ، تو اس عجیب وغریب مگر حیرت خیز شور و غل سے قلعہ والے بھی چونک پڑے اور چکلہ دار صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی ۔ وہ فوراً بے تحاشا اُٹھ دوڑے اور اِن کے پاس آکر حیرت سے پوچھنے لگے کہ ، یہ کیا ؟ دن مین مشعلین کیون روشن کین ؟ اس سج دھج سے کہان جاتے ہو ؟ انھون نے جل کر بے دھڑک جواب دیا کہ " اندھیر ہے ، اس وجہ سے مشعلین روشن کی گئی ہین " چکلہ دار صاحب بولے ! دن مین اندھیر کیسا ؟ انھون نے کہا کہ جب دن دہاڑے بادشاہی رعایا لُٹ رہی ہی اور آپ دیکھتے ہین مگر کچھ خیال نہین کرتے ، تو کیا یہ اندھیر نہین ہی ؟ ہم لکھنؤ جاتے ہین ، وہان اس اندھیر کی فریاد کرین گے ! یا تو چکلہ دار صاحب چکلہ داری کے نشہ مین اندھے ہو رہے تھے ، نیک و بد کچھ سجھائی نہین دیتا تھا یا اِن دندان شکن اور ہیبتناک الفاظ کو سُن کر انھین زمین و آسمان نظر آنے لگا ۔ چار و ناچار چکلہ دار صاحب نے اِن دونون بھائیون کو رضامند کیا اور زمیندار صاحب کو بُلا کر حکم دیا کہ آئندہ سے اگر کسی قسم کا جبر و تشدّد اِن لوگون پر کیا گیا تو ، سخت باز پُرس کیجائیگی ، کیونکہ یہ بادشاہی رعایا ہین ، آپ کی رعیّت نہین ہین " اس لطیف واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ سدھان بُدھان اگرچہ حلوائی تھے ، مگر بڑی سمجھ بوجھ کے آدمی تھے اور باوجود سپاہی ہونے کے شریفون سے لڑنا پسند نہین کرتے تھے ، حکمتِ عملی سے کام نکالنے مین ہوشیار تھے ، ساتھ ہی اس کے بڑے بیباک اور حاضر جواب بھی تھے

سدھان بُدھان کا زمانہ حیات اب سے دو ڈھائی سو برس قبل دریافت ہوا ہے ۔ اِن کا مکان کوئی معمولی نہ تھا جسکی زمین پر آج کل راجن بھوجی ، تلک رام کلوار کا کمرہ ، گنو حلوائی ، شنکو بھوجی ، لکھو دھر حلوائی کی دو دکانین اور دیگر مکانات موجود ہین ۔ اِن کے تین بیٹے تھے جن کی یادگار مین ، حلوائی کا تالاب ، بڑا تالاب ، پختہ شیوالہ ابتک موجود اور مشہور ہے ۔ یہ شیوالہ شکستہ حالت مین حلوائی کے تالاب پر پچھم طرف واقع ہے ۔ (ٹیڑھی بازار) ۔

لالہ سیتا رام ساہ

عُرف سیتا ساہ، جین، فرقہ دِگامبری، نامی مہاجن، کوٹھی وال مشہور رہتے۔ شجرۂ خاندانی سیتا ساہ (مرتبۂ لالہ بھیرون پرشاد صاحب مرحوم، خزانچی، ملازم رائیصاحب) کے دیکھنے اور تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ سیتا ساہ کے باپ مِٹھّو لال تھے اور دادا ریوتی رام، جو غالبًا اب سے دو سو برس پیشتر دریاباد مین آباد ہوئے تھے۔ لیکن، یہ نہین ظاہر ہوتا کہ لالہ ریوتی رام کہان سے آئے تھے اور کس طرح۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ساہ جی نے ایک مرتبہ قاضیون کی مختصر آراضی پر اپنا قبضہ کرکے دیوہرہ تعمیر کرایا۔ قاضی صاحب نے ذریعۂ عرضداشت بادشاہ کے حضور مین نالش کی۔ چونکہ سیتا رام ساہ ایک بڑے متمول مہاجن تھے، اس لئے عمّال سُلطانی انکا دم بھرنے لگے اور قاضی صاحب کامیاب نہ ہُوئے۔ کچھ دنون کے بعد قاضی صاحب کی طرف سے ایک طولانی محضرنامہ لکھا گیا۔ قبل اس کے ہندو بھی ایک بیجا وہم مین مبتلا ہوکر بلاوجہ ساہ جی سے ناراض ہوچکے تھے، اس وجہ سے وہ بھی مسلمانون کے شریک ہُوئے اور معزز ہنود و مسلمان کے دستخط سے یہ محضر دربار شاہی مین پیش کیا گیا۔ سیتا رام نے اس مرتبہ بھی کوشش کی۔ لیکن، مقبول الدولہ بہادر ناظم اور سیف الدولہ معتمد خاص سلطانی نے اچھی طرح تحقیقات کرکے زمین قاضی صاحب کو دلادی اور مندر کے عیوض مسجد تعمیر کرانے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ مندر کھود کر مسجد کی تعمیر شروع ہوئی، جس کا سنگ بنیاد قاضی نور الحق صاحب نے سنہ ۱۲۱۱ھ مین رکھا۔ یہ مسجد ویران اور شکستہ حالت مین قاضیون کے مکان سے متصل پورب طرف ابتک موجود ہے۔ دیوہرہ ذوالامکان جو کھدنے سے بچ گیا تھا بخشی پران سُکھ کے قبضہ مین آیا، جو غالبًا سنہ ۱۹۰۱ع کے قبل کھد کر بے نام و نشان ہوگیا۔

اس شرمناک واقعہ سے ساہ جی کا طرز عمل قابل نفرین معلوم ہوتا ہے، جو ان کی بداخلاقی کا کافی ثبوت ہے۔ بعض لوگون کا بیان ہے کہ سیتا رام ساہ بہاری لال صاحب (لکھنوی) کے عزیز دار تھے اور اس قدر متمول تھے کہ سنگئی ساہ کے بعد ان کا نام لیا جاتا تھا۔

مذکورۂ بالا محضرنامہ قاضی حاجی حسن صاحب کے پاس اور شجرہ خاندانی سیتا ساہ سُکھ چند کے یہان موجود جو ساہ جی کے خاندان سے ہین۔ (سرادکی محلہ)۔

شیو رام و کاشی رام پانڈے

کانکبج برہمن، بھردواج گوتر، لکھنؤ کے بھٹاچاریہ پانڈے بڑے عالی نسب، بہت بڑے معزز، مہاجنی مین مشہور و معروف ہونے کے علاوہ اُلوالعزم اور امیر کبیر بھی تھے۔

ﻫ قدیم زمانے مین مشہور تھا کہ سراوک لوگ مندر مین مورت استھاپنا کے وقت برہمن کے بیٹے کو [illegible] پڑھاتے ہین۔ اسی جہالت آمیز خیال نے دریاباد کے ہندوؤن کو بھی سیتا رام ساہ سے بدظن کردیا تھا، حالانکہ جینی بزرگ سانپ بیسے موذی جاندار کو بھی نہین مارتے ۱۲۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اِن کے مورث اعلیٰ موضع امرا (پرگنہ بدوسرائے) سے تین سو برس کا زمانہ ہوا دریاباد مین بسلسلۂ رشتہ داری آباد ہو گئے تھے، جو صاحبِ دولت اور اچھی حیثیت رکھتے تھے۔

یہ غیر معمولی مہاجن تھے، لاکھون کا کاروبار تھا۔ بڑے بڑے تعلقدارون اور رئیسون کو ذریعۂ دستاویز قرض دیتے تھے علاوہ مہاجن ہونے کے کارخانہ دار بھی تھے۔ شکر کا کارخانہ دُور دُور تک مشہور تھا سُنا جاتا ہی کہ اِن کے کارخانہ کی بُنیاد اٹھارہ بھٹرون پر قایم تھی۔ "بھٹر" اُس زمانے مین ڈھائی تین ہزار روپیہ کے سرمایہ کو کہتے تھے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ پانڈے جی کا کارخانہ بحساب اوسط پچاس ہزار روپیہ کی شکر ہر سال تیار کرتا تھا، جو آج کل گرانی کے زمانے مین ڈھائی تین لاکھ کے سرمایہ سے کم نہ ہوا۔

پانڈے جی نے اپنی قوتِ بازو سے دولت کثیر پیدا کی تھی۔ دریاباد کے اطراف مین اِن کے برابر کوئی مُتمول نہ تھا حتیٰ کہ "لکھپتی" مشہور تھے۔ ایک دستاویز[لہ] مین لکھا ہے کہ:۔

"آنکہ مبلغ دو صد و پنجاہ و سہ روپیہ سکہ چلن کہ نصف آن یک صد و بست و شش روپیہ ہشت آنہ میشود از پیش پانڈے شیو رام و کاشی ناتھ مہاجن ساکن دریاآباد بہ رضامندی لالہ مسری لال قرض گرفتہ بابت قسط چہارانی تعلقہ لال پور وغیرہ داخل سرکار نمودہ شد اقرار آنکہ مبلغ مرقوم معہ سود بحساب سوائیزدہ در روپیہ ماہانہ بمعیاد پانزدہ روز بلا عذر ادا کردہ خواہد شد ہیچ عذر و حیلہ بمیان نخواہد آمد بنا بران این چند کلمہ بطریق تمسک نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال سند باشد فقط (مہر مہی لال[سه]) تحریر فی التاریخ چہاردہم شہر رجب المرجب مطابق اگہن بدی یکم روز جمعہ سنہ ۱۲۵۱ھ مطابق سنہ ۱۲۴۳ فصلی"

مذکورۂ بالا تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ شیو رام و کاشی ناتھ سنہ ۱۲۵۱ھ مین موجود تھے (دستاویز نوشتہ دُرگا داہنا کلوار مرقومہ سمبت ۱۸۹۰ بکرمی سے بھی اِس کی تصدیق ہوتی ہی جو پانڈے جی کے نام ہے اور ادری لال کلوار کے یہان موجود) اور لین دین کا کام دور اندیشی کے ساتھ کرتے تھے۔ لیکن، عام مہاجنون کے برخلاف سُود زیادہ کھاتے تھے، اُس وقت سود کی شرح بہت معمولی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ اب سے ۸۸ برس قبل لوگ ایماندار و دیانت دار ہوتے تھے۔ قانونی بکھیڑ بندیون اور تباہ کن و مصیبت خیز شرائط سے کوئی واقف نہ تھا۔ ضرورت پر مہاجن کے اطمینان کے لئے صرف معمولی چند سطرین کافی سمجھی جاتی تھین۔ گواہون کے دستخط کی بھی چندان ضرورت نہ تھی، کاتب کے دستخط یا مُہر سے کام چل جاتا تھا۔ ولدیت، قومیت، پیشہ، سکونت وغیرہ لکھنا بھی خاص ضروری نہ تھا۔ لیکن، اِس ترقی یافتہ دَور مین جسے آج کل علم و تہذیب کی معراج خیال کیا جاتا ہے، اِس قسم کی تحریر بالکل بیکار رہی۔ ہم دیکھتے ہین کہ معمولی سے معمولی دستاویزین دنیا بھر کی شرطون، ضروری و غیر ضروری قانونی ضابطون سے مکمل ہونے کے ساتھ ہی محکمہ رجسٹری کی مُہر سے مُزیّن ہونے پر بھی بغیر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے کوئی مفید نتیجہ نہین پیدا کرتین جو نہایت ذلیل اور شرمناک بات ہے۔ اِن مُصدقہ دستاویزون مین بہت سی دستاویزین عدالت سے بھی خارج ہو جاتی ہین۔ اِس لئے اگر ہم لوگ قدیم زمانے کی روش اختیار کرکے اپنے بزرگون کی مبارک تقلید پر آمادہ ہو جائین اور ایمانداری سے کام لین تو طرفین کو بیجا خوشامد بیجا

[لہ] منشی لگن بہاری لال صاحب کے یہان موجود ۱۲ [سه] دیوان روشن لال صاحب کے بیٹے کا نام ۱۲

مصارف، زیر باری اور نا قابلِ برداشت مصیبتون کا سامنا نہ کرنا پڑے، اور کروڑون روپئیہ ہر سال مقدمہ بازی اور محکمہ رجسٹری مین صرف ہوتا ہے، بس انداز ہوکر مفید اور نتیجہ خیز کامون مین لگایا جائے، جس سے نہ صرف افلاس دور ہو، بلکہ ملکی ترقی کے لئے نیک فال ثابت ہو۔

شیورام و کاشی رام مہاجن اور کارخانہ دار ہونے کے علاوہ اچھے زمیندار بھی تھے، لال پور و بھلونا وغیرہ کئی ایک مواضعات انکے قبضہ مین تھے جنھین انھون نے رہن و بیع کے ذریعہ سے حاصل کیا تھا۔

ان کے بعد ان کی نسل مین **رگھناتھ پرشاد** عرف رگھناتھ اور **کنج بہاری** عرف کنجا پانڈے ان کی جایداد کے مالک ہوئے۔ رگھناتھ پانڈے بڑے مخیّر اور ذی حوصلہ بزرگ تھے، جن کی نسبت عجیب و غریب روایات سننے مین آتی ہین چند ان مین سے حسب ذیل ہین:۔

(۱) ہر سال ان کے یہان ہولی کی تقریب مین حسبِ حیثیت شکر برہمنون کو خصوصًا، ہندو غریبون کو عمومًا تقسیم کی جاتی تھی (۲) پتر پکش یعنی کناگت کے دنون مین شرادھ کے موقع پر پوریان ہندو مسلمانون کو بلا قید مذہب خاص اہتمام سے گھر گھر تقسیم کی جاتی تھین۔ یہ پوریان ڈیڑھ ڈیڑھ ہاتھ قطر کی نہایت صاف و شفاف اور نفیس و باریک خوبصورت ہوتی تھین (۳) ان کے یہان پانون کا بہت بڑا خرچ تھا۔ ان کی نشستگاہ مین علیحدہ ایک جگہ چوکی یا تخت پر ایک برتن مین بہت سی پانون کی ڈھولیان مع ضروری مصالہ وغیرہ کے ہر وقت رکھی رہتی تھین۔ دوست و احباب جو اُن سے ملنے آتے تھے، پان بنا بنا کر جب تک بیٹھے رہتے، کھایا کرتے تھے اور چلتے وقت حسب خواہش گلوریان بنا کر اپنے ہمراہ لیجاتے تھے۔ اجنبی لوگون یا غیر مذہب والون کو خدمت گار خود تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پان دیا کرتا تھا۔ پان نفیس ہوتے تھے اور مصالہ مین کتھا، ڈلی، چونے کے علاوہ چھوٹی الائچی، جاوتری، لونگ، خوشبودار تنبا کو، کھوپرا وغیرہ ضروری اجزا بھی شامل ہوتے تھے (۴) رگھناتھ پانڈے کا یہ عام دستور تھا کہ اپنے یہان ہر وقت موسم کے لحاظ سے انواع و اقسام کے قیمتی لڈو بنوا کر رکھے رہتے تھے۔ جب کوئی اُن سے ملنے یا کسی ضرورت سے اُن کے مکان پر جاتا تھا اور اس کے ہمراہ کوئی لڑکا یا لڑکی ہوتی تھی تو، چلتے وقت اُسے دو چار لڈو ضرور دیتے تھے۔ اس طرح بہت سے لڈو روزمرّہ بلاناغہ بچون کے خوش ہونے کی غرض سے ان کے دروازے پر بلا خیال قوم و مذہب تقسیم ہوا کرتے تھے (۵) پانڈے جی سائل کا سوال اپنی مقدور کے موافق کبھی رد نہین کرتے تھے۔ اجنبی یا غیر اجنبی سب کے ساتھ مہربانی کا یکسان برتاؤ تھا۔

لالہ دبی دین صاحب فرماتے ہین کہ ان پانڈون کا ایسا زمانہ تھا کہ رگھناتھ پانڈے کے بیٹے اپنے گھوڑے کو روزانہ صبح و شام دونون وقت "جلیبیان" کھلایا کرتے تھے۔ مولوی حکیم محمد عبد الحسیب صاحب ارشاد فرماتے ہین کہ ہمنے بھی اپنے والد کی زبانی یہ لطیف واقعہ سُنا ہے۔ اس سے پانڈون کی غیر معمولی امارت ظاہر ہوتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ اپنے بزرگون کی طرح دانشمند اور زمانہ شناس نہ تھے۔ ان کے وقت مین لین دین کا حساب کتاب بہت بے قاعدہ ہوگیا تھا، ہزارون روپیون کا جمع و خرچ محض زبانی یادداشت کی بنا پر ہونے لگا تھا۔

بقایا روپیہ کے وصول کرنے مین سختی کے ساتھ تقاضا نہین کیا جاتا تھا۔ جہان باقی داران کے سامنے آکر خوشامد کرنے لگتا تھا، یہ چُپ ہو جاتے تھے، پھر اُس سے کچھ نہین کہتے تھے۔ جب دوست و احباب اس پر اعتراض کرتے کہ تمھارے اس برتاؤ سے ہزارون روپیون پر پانی پھرا جاتا ہی اور جتنی باقی ہی، سب ڈوبی جاتی ہی، تو پانڈے جی جواب دیتے کہ "بھائی ہم کیا کرین! ہم سے تو یہ نہین ہوسکتا کہ بڑے بڑے آدمی ہمارے سامنے آکر گھٹنون ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے رہنے کے ساتھ ساتھ منت و خوشامد کرین اور ہم بے مُروّتی سے تقاضا کرنے پر آمادہ ہون"۔ یہ تو رگھُناتھ پانڈے کا حال تھا۔ اور کُنجی پانڈے اِن کے بھائی بڑے بداخلاق اور مغرور تھے، اُنھین آدمیون سے ملاقات کرنا دُوبھر تھا۔ لوگ گھنٹون دروازے پر انتظار مین کھڑے رہتے تھے، مگر، پانڈے مہراج گھر سے باہر نہین نکلتے تھے، حاجت مندون کی کون سُنتا؟ اس غفلت اور ناعاقبت اندیشی سے نوکرون چاکرون کی بن آئی "مالِ مفت ودلِ بے رحم" پر عمل کر کے خوب گلچھرّے اڑانے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز مین کارخانہ چوپٹ ہوگیا، مہاجنی خاک مین مِل گئی، گھر کی ساری دولت غایب ہوگئی، زمینداری برائے نام رہ گئی۔ بے شمار روپیہ جن لوگون کے ذمہ واجب الادا تھا، باضابطہ تحریر نہ ہونے سے تلف ہوگیا اور قدیم بھاری بھاری دستاویزین خارج المیعاد ہوکر ناجائز ہوگئین، پانڈے جی دانے دانے کو محتاج ہوگئے

ایک معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ غدر کے زمانہ مین حفاظت کی غرض سے کُنجی پانڈے کا روپیہ ایک بہت بڑے آدمی کے یہان رکھا گیا تھا جو، بعد غدر مانگنے پر صاف ہضم کر لیا گیا، ذرا ڈکار بھی نہ لی گئی۔

رانی مئو اور سکرورھا کے اطراف مین اکثر بزرگون کی زبانی سُنا گیا ہی کہ "کُنجی پانڈے کا بیشمار روپیہ رئیسون کے یہان ڈوب گیا، جس نے قرض لیا، ادا نہین کیا"۔ بعض لوگون نے چشم دید واقعہ کی بنا پر یہ بھی بیان کیا کہ "کُنجی پانڈے کا ایک زمانہ وہ تھا کہ لوگون سے ملاقات نہین کرتے تھے، ایک زمانہ ایسا آیا کہ رانی مئو اور سکرورھا کی طرف ننگے پانؤن مارے مارے پھرتے تھے، کوئی بات بھی نہین کرتا تھا، حالانکہ اس قرب وجوار کے بڑے بڑے آدمی اُن کے پُرانے قرضدار تھے"۔

اِن حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ رگھُناتھ پانڈے ضرورت سے زیادہ سیدھے سادے اور مروت دار تھے، اسِ لیئے زمانہ شناسی کا فرض نہ ادا کرنے کے باعث تباہ وبرباد ہوئے۔ تلسی داس جی نے سچ کہا ہے "بہت سیدھائی اُت برٹ دو کھو"۔ یعنی زیادہ سیدھا پن بہت بڑا عیب ہے۔

مہابیر دیکھیت کے یہان گوپال سیوک دیکھیت کی ایک ہندی چٹھی دیکھنے مین آئی ہی۔ اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رگھُناتھ پانڈے وغیرہ سمبت ۱۹۲۰ بکرمی مطابق ۱۸۶۳ء مین بہ قیدِ حیات تھے۔

آج کل پانڈون کے خاندان مین مہابیر[۵] پانڈے وغیرہ رائے صاحب کے یہان ملازم اور صرف موضع بھلونا کا دس آنہ آٹھ پائی حصہ اِن کی ملکیت مین موجود۔ قدیم مکان کے متعلق کچھ حصہ شکستہ حالت مین باقی، جس سے اگلی شانِ عمارت کا بخوبی پتا چلتا ہے۔ (ٹھکانی ٹولہ)۔

۵ یہ رائے صاحب کے یہان ضلعدار ہین۔ انھون نے قدیم مکان کی زمین پر اُتر طرف بذاتِ خاص از سرِ نو پختہ مکان بنواکر اپنے بزرگون کا نام قایم کیا ہی۔ ۱۲

لالہ درباری لال ساہ

جین، فرقہ دگامبری، از خاندانِ سیتا رام ساہ، لالہ دیبی داس کے بیٹے، مشہور مہاجن، نہایت نیک۔ انھون نے کبھی کسی قرضدار پر نہ غصّہ کیا نہ نالش کی، جو کچھ مل جاتا تھا چُپکے سے لے لیتے تھے، کسی کو مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔ درباری لال کے لڑکے نیم چرن بھی اپنے باپ کے طرز پر قدم بہ قدم چلنے مین شہرت رکھتے تھے۔ یہ طاقتور خوبصورت، اچھے ہاتھ پاؤن والے بزرگ تھے۔ تخمیناً ۹۰ سال کی عمر پائی، سنہ ۱۹۱۰ء مین قضا کی۔ اِن کے بیٹے لالہ جگمندھر داس بھی اپنے بزرگون کے نقشِ قدم پر چلنے کو اپنا فخر سمجھے۔ تخمیناً ۵۴ برس کی عمر مین آخر سنہ ۱۹۱۶ء کے قریب وفات پائی۔ اولاد مین سیام لال، کنتو مل، کیشو رام، مکان پختہ موجود۔ (سراد کی محلہ)۔

لالہ ٹیکا رام کُندن لال

جین، دگامبری فرقہ، مہاجنی مین قابلِ ذکر۔ دریاباد مین آڑھت کی دوکان تھی اور لکھنؤ مین ہنڈوی کے کاروبار کی کوٹھی دوکان ٹیکا رام کُندن لال کے نام سے اور کوٹھی تلسی رام گوبند پرشاد کے نام سے مشہور تھی۔ لاکھون کا کاروبار تھا۔ غدر کے بعد کاروبار معرضِ زوال مین آگیا اور اب سے نصف صدی قبل اِن لوگون نے دریاباد چھوڑ کر لکھنؤ سکونت اختیار کی۔ ٹیکا رام کے بیٹے اب تک وہان بہ قیدِ حیات اور چوک مین اُن کی دوکان گوٹے کی موجود۔ (چھیپی ٹولہ)

لالہ منگل سین

ویش، شیو گوپال زرگر کے بیٹے، کوٹھی وال مشہور تھے۔ اِن کے بزرگ غالباً لکھنؤ سے آئے تھے۔ یہ تین بھائی تھے بھوانی دین، گھورو، ان سے بڑے تھے۔ منگل سین کے نام سے دریاباد مین ایک کوٹھی قایم تھی، جس مین دہلی، کلکتہ، بمبئی وغیرہ سے ہنڈیون کی خرید و فروخت ہوتی تھی، ساتھ ہی اس کے جواہرات کا بھی بیوپار ہوتا تھا، کپڑے کی تجارت بھی ہوتی تھی، انگریزون سے لین دین بھی تھا، جس کی نسبت بابو برج لال صاحب کا بیان ہے کہ بہت سی دستاویزات انگریزون کی لکھی ہوئی خود ہمنے دیکھی ہین۔ غالباً سنہ ۱۸۷۰ء کے قبل کاروبار منگل سین کی بیجا عیش پرستی کے باعث ایک افسانہ کی صورت اختیار کر چکا تھا، صرف برائے نام کچھ مہاجنی اور کپڑے کی دوکان باقی رہ گئی تھی۔ ۵۰ سال کی عمر مین سنہ ۱۹۰۰ء مین وفات پائی۔ یادگار مین پختہ دو منزلہ مکان سرِ بازار موجود، جو قدیم مکان کے گرجانے پر تیار ہوا تھا۔

منگل سین کے بیٹے اجودھیا پرشاد بڑے عقلمند، ہوشیار، محنتی، آن بان والے، عاقبت اندیش، ذی علم، بات کے دھنی، صاف گو، روشن خیال، ساتھ ہی اس کے شوقین مزاج، امیر دل، خوش اخلاق، خوش پوشاک و عیش پرست بھی تھے۔ بگڑی ہوئی حالت کو خوب سنبھالا، کاروبار کے ترقی دینے مین حتی المقدور بہت کوشش کی۔ لڑکے کو بی، اے تک تعلیم دلوائی۔ سنہ ۱۹۱۲ء مین فوت ہوئے، ۶۶ سال کی عمر پائی۔ اولاد مین برج لال۔ یادگار مین دو منزلہ پختہ مکان

واقع چھیپی ٹولہ۔

مکندی ساہ

جین، فرقہ دگامبری، از خاندان سیتارام ساہ، پارس داس عرف پارس کے بیٹے، مشہور مہاجن، ڈھائی تین لاکھ (روپے، اشرفیان، زیورات) کی دولت کے مالک۔ اصل نام مکندی لال، عرف مکندی ساہ۔ انھون نے اپنی زندگی ایسے ناگفتہ بہ طریقہ سے بسر کی کہ معمولی سے معمولی حیثیت والا آدمی بھی اِن سے لاکھ درجہ اچھا تھا۔ افسوس ہی کہ باوجود لاولد ہونے کے ساہ جی نے اپنی زندگی مین حسب حیثیت کوئی نیک کام نہین کیا۔ تخمیناً ۷۰ سال کی عمر مین آخر سنہ ۱۹۰۲ء کے قریب فوت ہوئے۔ ساری دولت عزیزون کے قبضہ مین آکر بہت جلد برباد ہوگئی۔ یادگار مین ایک معمولی باغ اور چاہ پختہ معہ پوشالہ حلوائی کے تالاب پر موجود۔ یہ کنوان اور پوشالہ عرصہ سے جابجا شق ہوجانے کے باعث بیکار۔ کنوان بالکل خشک، نام کو بھی پانی نہین۔ لیکن ساہ جی کے باپ کے نام سے جو چاہ پختہ معہ پوشالہ انھین کے نصب کردہ باغ مین سرہی کے جھیل سے متصل، لب سڑک پختہ پورہ سکری کے قریب واقع ہے اُس سے لوگ فایدہ اُٹھاتے ہین (سرادکی ٹولہ)

ہرپرشاد بہاری لال

اگروال سراوک، جین، کوٹھی وال مشہور۔ ہرپرشاد کے بزرگ ضلع پانی پت کے "برولی" نامے مقام سے دو سو برس کا زمانہ ہوا بوجہ قحط سالی پریشان ہوکر بہ سلسلہ قرابت دریاباد آکے آباد ہوئے تھے۔ غدر کے بعد انگریزی عملداری کے شروع مین ہرپرشاد نے بہاری لال کی شرکت مین کوٹھی قایم کی تھی، جو "ہرپرشاد، بہاری لال" کے نام سے مشہور تھی، جس مین ہنڈیون کی خرید و فروخت ہوتی تھی، دور دور اس کوٹھی کی شہرت ہوگئی تھی۔ سنہ ۱۸۹۶ء تک کارخانہ ترقی کے ساتھ قایم رہا۔ مگر منی آرڈر فارم کی ایجاد اور بنک کا دفتر قایم ہوتے ہی زوال مین آگیا۔ اب سے تخمیناً ۴۲ برس قبل ہرپرشاد نے وفات پائی اولاد مین بجے دیال، منوہرداس بہ قید حیات، مکان پختہ دومنزلہ موجود۔ (سراوکی محلہ)

لالہ کُندن لال

عرف کندن، جین، فرقہ دگامبری، لالہ ہیرالال کے بیٹے، لالہ سیتارام ساہ کے خاندان سے تھے۔ اپنے ہم عصر مہاجنون مین اِن کی خاص شہرت تھی۔ اِن کا کاروبار بالکل کھرا، ذرا بھی کھوٹا نہ تھا۔ یہ نہایت ایماندار ذی فہم، دوراندیش اور زمانہ شناس تھے۔ صرف سونا چاندی رہن رکھ کر قرض دیتے اور اپنے اصول کے سختی کے ساتھ پابند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بہ نسبت دیگر مہاجنون کے انھین کاروبار مین کبھی نقصان نہین برداشت کرنا پڑا۔ انھون نے عمر بھر نہ کسی پر نالش کی نہ اہل معاملہ سے رنجش کی نوبت آئی۔ اِن کے مزاج مین لالچ کو مُطلق دخل نہ تھا۔ انھون نے قرضخواہون کی زیر باری کے خیال سے سود کی شرح مین بہت کچھ تخفیف کردی تھی۔ اِس سے قبل دریاباد مین شرحِ سود سونا چاندی

رہن رکھنے پر ڈیڑھ روپیہ اور دو روپیہ فیصدی ماہوار تھی۔ مگر کندن نے چھ آنہ، دس آنہ اور بعض موقع پر آٹھ آنہ سیکڑہ ماہوار سے زیادہ لینا پسند نہیں کیا جو اِن کی نیک نیتی اور انسانی خیر خواہی کی ایک بہترین یادگار ہے۔ کندن لال اپنے اوصاف حمیدہ کے باعث بہ قول شخصے آدمی نہیں سونا تھے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں انتقال ہوا۔ ۷۰ برس کی عمر پائی۔ اولاد میں شمبھو، گلاب چند، کیسر چند بہ قید حیات، مکان پختہ موجود۔ (مراد کی ٹولہ)۔

دوسری فصل کارخانہ داروں کے بیان میں

سدھان بدھان

شکر سازی کے متعلق مشہور و معروف کارخانہ دار۔ اِن کا ذکر باب ہٰذا کی پہلی فصل میں تفصیل کے ساتھ درج ہو چکا ہے۔

سعادت علی، جیا لال

سعادت علی، عطر فروش، جیا لال گندھی۔ دونوں عطر اور تیل کے کارخانہ دار اور دوکاندار تھے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے میں اِن کی دھوم تھی۔

امامی، جانو، اللہ رکھو

اپنے وقت کے نامی کارخانہ دار، مشہور تمباکو فروش۔ یہ لوگ کسی دوسری جگہ کا بنا ہوا تمباکو نہیں بیچتے تھے، بلکہ خود اپنے کارخانوں میں خوشبودار اور ہر قسم کا عمدہ خمیرہ تمباکو تیار کرا کر دوکان پر فروخت کرتے تھے۔ امامی، جانو نواب سے ایک صدی قبل موجود تھے، اللہ رکھو نصف صدی پیشتر زندہ تھا۔ (ٹیڑھی بازار)

سلار بخش

شیخ، عطر اور تیل کے کارخانہ دار، مشہور اور ایماندار عطر فروش، مگر ہر فن مولا، تعزیہ دار بھی تھے۔ اِن کی موم زری بہت مشہور تھی، جو ڈھائی ہاتھ بلند خالص موم کی ہوتی تھی۔

اپنے باپ کے مرنے کے بعد انھوں نے کارخانہ کو خوب ترقی دی، جس میں ہر قسم کا عطر اور تیل تیار ہوتا تھا لیکن کثرتِ عیاشی کے باعث کارخانہ بہت جلد تباہ ہو گیا۔ چونکہ انھیں عطر اور تیل کشید کرنے میں کامل مہارت تھی اور عطر وغیرہ کے متعلق اُن کے اجزا، اُن کے ساخت کی ترکیب سے بھی اچھی طرح واقفیت تھی، اس لئے یہ خود عطر اور تیل تیار کر کے ایک مختصر سی دوکان کے ذریعہ زندگی کے دن بسر کرنے لگے، ساتھ ہی اس کے نیچہ سازی، آرائش، پتنگ، تعزیہ وغیرہ فنون بھی حاصل کئے جس سے آمدنی میں ایک معقول اضافہ ہو گیا۔ سلار بخش تا زندگی عطر فروشی اور دستکاری کی بدولت معمولی طور پر خوش حال رہے۔ بیعنامہ نوشتہ یار علی کفش دوز بنام مولوی نور کریم صاحب ۱۰۔ ربیع الثانی سنہ ۱۲۰۰ھ سے ثابت

ہوتا ہے کہ یہ ۱۸۵۷ء میں موجود تھے - سلار بخش کے لڑکے اُمید علی عُرف امیدن ۱۹۱۱ء میں فوت ہو گئے - (ٹیڑھی بازار)

بھگّن

اعلیٰ کارخانہ دار، نیک نیت تنباکو فروش - عرصہ تک مدیا باد اور قرب و جوار میں بھگّن کے خوشبودار تنباکو کی دھوان دھار تعریفیں ہوتی رہیں - لیکن، غدر کے پندرہ بیس برس بعد وہ قدر دان اور شوقین نہ رہے جس سے کارخانے میں بجائے خوشبودار خمیرہ تنباکو کے کڑوا دُور سایا میٹھا تیار ہونے لگا اور خوشبودار تنباکو کا نام ہی نام باقی رہ گیا - ریاست کمیار درانی منوہ اکبر پور کے رئیس اور کھلکسر تال گانوں، حیدر گڑھ، شمیر گنج، زید پور کے دوکاندار بھگّن ہی کی دوکان سے ہر قسم کا تنباکو منگوایا کرتے تھے بھگّن نے تخمیناً ۹۰ برس کی عمر میں وفات پائی - اولاد میں چھُنّن[۵] وغیرہ - (جھیپی ٹولہ ٹیڑھی بازار)

شیو رام کاشی رام

شکر کے مشہور کارخانہ دار - ان کا بیان باب ہذا کی پہلی فصل میں مفصل طور پر درج کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو -

انگنو

کبڑیا، شکر سازی کے متعلق دو کارخانوں کا مالک - ایک کارخانہ کٹرہ روشن لال میں تھا، دوسرا پرتاب گنج میں - بیان کیا جاتا ہے کہ "اس کی ماں مفلسی کی حالت میں اسے لکھنؤ لے گئی، وہاں اس نے ہوش سنبھالا اور قسمت کی یاوری سے سلطانی باورچیخانہ میں ترکاری کا ٹھیکہ دار ہو گیا اور اس طرح دولت کثیر پیدا کر کے غدر کے بعد مدیا باد آ کر اس نے شکر سازی کے کارخانے کھول دئے جو اپنے وقت کے نامی کارخانے تھے - یہ ٹبرا اینک، محنتی، مذہب کا عاشق اور ذی حوصلہ تھا - چنانچہ "اللہ کی دیگ" اس کے نام سے اب تک مشہور ہے، جس میں ہزاروں روپیہ صرف ہوا تھا کبڑیوں میں آج تک اس ہمت کا دُور دُور تک کوئی نہیں ہوا" اس کے تین مکان تھے - ایک لالہ مہیش پرشاد صاحب مکرے کے مکان سے متصل مغلی ٹولہ میں، دوسرا کٹرہ میں، تیسرا پرتاب گنج میں - یہ اب سے ۳۰ برس قبل لاولد فوت ہوا اور ساتھ ہی اس کے کارخانے بھی فنا ہو گئے -

براتی و دیبی

اپنے وقت کے اچھے کارخانہ دار - بیان کیا جاتا ہے کہ "شکر سازی کا کارخانہ دیبی و براتی کی شرکت میں ۴۰ برس تک برابر جاری رہا، مگر کسی کو کانوں کان مطلق خبر نہ ہوئی، سب یہی سمجھتے رہے کہ کارخانہ دیبی کا ہے - جب براتی مرے

---

[۵] چھُنّن نے پرانے مکان کو نئے سر سے پختہ بنوایا - حاجی وارث علی شاہ صاحب کی تشریف آوری کی تقریب میں دھوم دھام کی دعوت کی - ہر سال گیارھویں شریف کی غیر معمولی مجلس منعقد کر کے خاص طور پر نام پیدا کیا - اس وقت تک زندہ ۱۲ -

تو لوگون کو معلوم ہوا کہ یہ کارخانہ باہمی دونون کی شرکت مین تھا! واہ ری نیک نیتی اور واہ رے اتحاد باہمی! آج کل ترقی کے لئے اِسی نیک نیتی اور اتحاد کی ضرورت ہی۔ محفلون مین صرف دھوان دھار لیکچر دینے اور رزولیوشن پاس کر دینے سے کچھ نہین ہوسکتا۔ ملکی یا قومی مفاد کے لئے براتی و دیبی کے طرزِ عمل کی تقلید کرنا چاہئیے جنھون نے معمولی حیثیت سے باہمی اتفاق کی بدولت کارخانہ دار مشہور ہوکر دُور دُور تک سیکڑون آدمیون کو فائدہ پہونچایا اور خود دولت مند ہو گئے۔

براتی کے مرنے پر دیبی بوجہ پیرانہ سالی و تنہائی مجبور ہوگئے، اِس لئے کارخانہ کو زوال ہونے لگا حتیٰ کہ دیبی کے مرنے کے ساتھ ہی اُسے بھی موت آگئی۔ دیبی و براتی حلوائی پیشہ بھی تھے مگر مٹھائی کی دوکانین معمولی تھین۔

براتی، زرگر، دیش، سیتل پرشاد عرف سیتل کے بیٹے، اصل نام براتی لال تھا۔ سُنا جاتا ہی کہ اِن کے بزرگ دریاباد کا بنیادی پتھر رکھنے کے وقت یہان آکر آباد ہوئے تھے۔ انھون نے اپنی زندگی مین شیو آلہ، ایک مختصر سا دھرم شالہ، چاہ پختہ معہ پوشالہ اور ایک آمون کا باغ تیار کرا کے شیو آلہ کا استھاپنا کیا، جسکے جشن مین کئی ہزار روپیہ صرف ہوا۔ شیو آلے کے دروازے پر سمبت ۱۹۴۵ بکرمی کندہ ہے۔ یہ کل پختہ املاک معہ باغ آبادی کے باہر دکھن طرف تھوڑے فاصلہ پر اسٹیشن والی پختہ سڑک سے متصل واقع ہے۔ براتی لال ۹۰ برس کے ہو کر ۱۹۱۰ء مین لاولد فوت ہوئے۔ (چھیپی ٹولہ)

دیبی، اصلی نام دیبی پرشاد، بلدی تمبولی کے لڑکے تھے۔ اِن کے بزرگ اُس وقت دریاباد مین آباد ہوئے تھے جبکہ اس قصبہ کی داغ بیل پڑ رہی تھی۔ دیبی کی یادگار مین آبادی کے اُتر جانب ٹکیت نگر والی پختہ سڑک کے قریب ایک پختہ دھرم شالہ اور ایک چاہ پختہ معہ پوشالہ، ایک آمون کا باغ آج تک موجود ہے۔ دیبی نے ۷۰ برس کی عمر پائی، ۱۹۱۲ء مین قضا کی۔ اولاد مین سنت پرشاد، عرف سنتو زندہ۔ (سراوگی محلہ)۔

تیسری فصل دوکانداروں کے بیان مین

لالہ بنّے مل

مشہور جوہری، جین، وسوال، از فرقہ شیتامبری۔ اِن کا مکان پانچ منزل کا تھا، اِن کی یادگار مین "بنّے تلے" محلہ اب تک موجود ہے۔ افسوس ہے کہ اس سے زیادہ بنّے مل کے حالات نہ معلوم ہوئے۔ (جوہری محلہ متصل چھیپی ٹولہ)۔

لالہ بھگوانداس جوہری

جین، سراوک، فرقہ دِگامبری، از خاندانِ سیتا رام ساہ، دیبی داس کے بیٹے، پارس داس کے حقیقی بھائی، کُندی ساہ کے چچا، جواہرات کے روزگار مین اچھی شہرت حاصل کی تھی۔ اِن کی دوکان جوہری بازار مین تھی، آصف الدولہ کے زمانے مین بقیدِ حیات۔ (سراوگی ٹولہ)۔

درگاپرشاد، راحت علی، رمضان خان

درگاپرشاد، نامی گرامی بادہ فروش، آٹھ دوکانوں کے مالک۔ چار دوکانیں دریاباد میں تھیں، تین لکھنؤ میں اور ایک فیض آباد میں۔ راحت علی و رمضان خان، بہت بڑے عطار تھے۔

اچھارام، ہنست لال و بھاگو لال، ہیرا

اچھارام مربہ فروش، گرد و نواح میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ ہنست لال و بھاگو لال اور ہیرا پنساریوں میں نامی تھے۔ زمانۂ حیات اب سے تخمیناً ڈیڑھ سو برس قبل۔

سوبھاداس، سمپت رام، روشن علی

سوبھاداس و سمپت رام بزازوں میں فرد تھے۔ روشن علی کی دوکان کی روشنائی و قلم دور دور تک مشہور، اور اب سے سوا سو برس قبل موجود۔

راحت علی، درگادین، ہیرالال و سادھو رام
ماتاپرشاد، لچھمی نراین، بہاری لال

راحت علی پشمینہ فروش، درگادین یعنی پارچہ فروش، ہیرالال و سادھو رام گوٹا فروش، ماتاپرشاد لچھمی نرائن نقرئی ظروف وزیورات کے دوکاندار، ہر ایک اپنے اپنے زمانے میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ بہاری لال چکن فروش، ان کی دوکان پر لکھنؤ کی چکن، ڈھاکے کی ململ، ٹانڈہ کی جامدانی وغیرہ خاص خاص مشہور اور قیمتی کپڑے فروخت ہوتے تھے۔ بعہد نواب آصف الدولہ بہادر موجود۔

بالمکند، متھراداس، فرزند علی

کلاہ فروش، بالمکند و متھراداس رستوگی، دسوالن ٹولہ میں رہتے تھے۔ یہ سب کے سب بڑے ایماندار اور نیک چلن دوکاندار تھے، ہر مثل کی ٹوپیاں اور ہر قسم کے سلے دوکان پر موجود رہتے تھے۔ واجد علی شاہی میں عملۂ فوج کی بدعت سے تنگ آکر لکھنؤ بھاگ گئے تھے۔

سوہن لال، خورشید علی، موہن داس

سوہن لال بنارسی، نامی دوکاندار، ان کی دوکان پر ہر قسم کا خوشبودار کھانے کا تنباکو فروخت ہوتا تھا، یہ بنارس

کے رہنے والے تھے۔ خورشید علی، اعلیٰ تنباکو فروش، اِن کی دوکان پرگوز گھپور، لکھنؤ، بسوان کا بنا ہوا خمیرہ تنباکو بکتا تھا۔ موہن داس بنارسی، اِن کی دوکان پر بنارس کے ساختہ کپڑے فروخت ہوتے تھے۔ یہ دوکاندار نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین خاص شہرت رکھتے تھے۔

لالہ مُنّولال جوہری

وسوال، جین، شیتامبری فرقہ سے تھے۔ بیعنامہ حویلی مہدی رنگریز سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چودھری حسین علی صاحب کے ہم عصر تھے اور نواب سعادت علی خان بہادر سے لیکر غازی الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے زمانے تک بہ قید حیات رہے جوہری بازار عرف چوک مین دوکان تھی۔ (جوہری محلہ حال چھیپی ٹولہ)۔

سالِک ورام کِشُن

پیشہ حلوائی، اِن کی دوکانین کوڑہ روشن لال مین تھین، جن مین ہر وقت نفیس مٹھائی تیار رہتی تھی، مگر پیڑے خصوصًا مشہور تھے۔ متھرا تک اِن کی دوکانون کے پیڑے بطور تحفہ بھیجے گئے۔ سو برس کا زمانہ ہوا کہ دونون موجود تھے۔

لالہ چوکھے رام

عرف چوکھنی، دنیائے کائیتھ، پنساریون مین مشہور، اپنے پیشہ مین ایمانداری کی وجہ سے قابلِ ذکر، نہایت نیک چلن اور سیدھے سادے دوکاندار تھے۔ اولاد مین درگا پرشاد۔ (ٹیڑھی بازار متصل مکان رائے صاحب)

لالہ فقیر چند

عرف فقیرے ساہ، جین، از فرقہ دگامبری، لالہ درباری لال کے بیٹے، مشہور بزاز و مہاجن۔ قول و فعل کے سچے، ایماندار، نہایت نیک بزرگ تھے۔ بزازی مین ترقی کر کے مہاجنون مین نام پیدا کر لیا تھا۔ فقیر چند ریاست سورجپور کے خزانچی بھی تھے سمبت ۱۹۳۹ بکرمی مین انتقال ہوا، ۶۲ سال کی عمر پائی۔ اولاد مین رگھبر دیال عرف رگھبر ساہ اور سکری پرشاد عرف سکری ساہ یادگار، مین ایک باغ ہے جو منوہر لال سار لڑک کے قبضہ مین ہے۔ رگھبر ساہ ۱۵ جون ۱۹۰۸ء کو ۸۵ سال کی عمر مین لاولد فوت ہو گئے سکری پرشاد بہ قید حیات صاحب اولاد، قدیم مکان و جائیداد کے مالک ہوس ٹیکس کے ممبر۔

کودی لال

عرف کودی، کلوار، مشہور مئے فروش، از خاندانِ نول رام و ہنس رام انبانِ کلاس۔ محمد روشن کی ایک دستاویز سے پتا چلتا ہے کہ نول رام و ہنس رام ۱۱۹۶ھ مین موجود تھے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کا زمانہ اب سے ڈیڑھ سو برس

قبل ثابت ہوتا ہی لیکن ہُ اس کے بزرگون کا نام کیا تھا اور وہ کس وقت دریاباد مین آباد ہوئے تھے ؟ اس کا حال باوجود کوشش کچھ نہ معلوم ہوا۔

کودی لال شراب فروشی کے علاوہ مہاجنی بھی کرتے اور انگریزی عملداری مین ضلع دریاباد بھر کے آن بان والے ٹھیکہ دار بھی تھے۔ ٹھیکہ داری کی حالت مین جب گدی داروں کے یہان سالانہ حساب فہمی کی غرض سے جاتے تھے تو، وہ لوگ خوشامدانہ طور پر ان کی خدمت کرتے تھے جسے یہ نامناسب سمجھ کر اُن کا احسانمند نہ بننے کے خیال سے بہ قید زمانۂ قیام پانچ روپیہ یومیہ چھوٹ حساب مین مجرا دیتے تھے۔ بستی والون کا بڑا ادب کرتے تھے۔ زندگی بھر دریاباد مین کبھی گھوڑے سے پیوائے نہین ہوئے، ضرورت کے وقت بستی کے اندر پیدل چل کر باہر گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ گھوڑے کی سواری کا انھین خاص شوق تھا۔ ایک کلان راس سفید رنگ کا گھوڑا ان کے یہان پلا ہوا تھا۔ گھوڑے کے سوا دوسری سواری پسند نہ تھی معزز لوگون مین ان کا شمار تھا۔

یہ فیاض بھی تھے۔ ایک زمین دوز پختہ کنوئین کی مٹی نکلوا کے ادسر نو پختہ بلند جگت بنوا کر پوشالہ جاری کر دیا تھا، جو اب تک موجود اور انھین کے نام سے مشہور ہی۔ یہ کنوان پورہ حسن علی سے ملا ہوا اسٹیشن والی سڑک سے متصل واقع ہے علاوہ اس کے شیخ سلاّح کے مزار کی پختہ چہار دیواری بھی پہلے پہل انھین کے صرف سے تعمیر ہوئی تھی، جو عرصہ ہوا کہ منہدم ہو گئی جس سے ان کی بے تعصبی اور مُسلم فقرا کے متعلق ان کی عقیدتمندی بھی ظاہر ہوتی ہی۔ زمانۂ حیات اب سے نصف صدی قبل اولاد مین اودی لال وغیرہ موجود، آبائی دو منزلہ پختہ مکان پر قابض۔ (مغلان)۔

کشن پرشاد

عرف کشُن، سراؤگی، جین دھرم کے پابند، از فرقہ دگامبری، حلوائی پیشہ شہرت کا باعث، نہایت ایماندار دوکاندار۔ اِن کی دوکان کے پیڑے دُور دُور تک مشہور تھے، امرتی بھی مشہور تھی، نقرئی ورق دار برفیان بھی عمدہ اور نفیس ہوتی تھین۔ سالک و رام کشن کے بعد پیڑون کے بنانے مین انھون نے بھی خاص نام پیدا کیا تھا۔ اِن کے پیڑون مین یہ خاص صفت ہوتی تھی کہ وہ دو چار مہینے تک رکھے رہنے کے بعد بھی بدستور ملایم اور ذایقہ دار بنے رہتے تھے۔ ان کی دوکان کے پیڑے بڑے بڑے شہرون مین فرمائشی طور پر بھیجے جاتے تھے۔ کلکتہ بھی دو ایک مرتبہ تحفہ کے طریق پر سراؤگون نے اپنی برادری مین روانہ کئے تھے جن کا شکریہ نہایت تعریف کے ساتھ ادا کیا گیا تھا۔ کشن پرشاد اب سے نصف صدی قبل زندہ تھے۔ (سراوگی محلہ)۔

آمیر خان صاحب

آٹھ دوکانون کے مالک، ساتھ ہی اس کے بے مثل سُوانگئے اور اعلیٰ قمار باز، دُور دُور تک انھین شوقون کے باعث مشہور و معروف۔ ٹھیکہ اور تجارت وغیرہ مین جو کچھ پیدا کیا وہ سب جوئے اور عیاشی اور سُوانگ کی نذر

کرکے اپنی بے انتہا ناعاقبت اندیشی اور فطری جہالت کی سچی تصویر پبلک کے سامنے پیش کر دی۔

امیر خان صاحب کے بزرگوار جو یوسف زئی پٹھان کہلاتے تھے، افغانستان سے ہندوستان آئے۔ انھین بزرگون کی اولاد سے چند لوگ شکوہ آباد اور دریاباد مین آباد ہو گئے۔ مگر دریاباد مین اُن کے خاندانی بزرگ قتل و خونریزی کی وجہ سے بے نام و نشان ہو گئے۔ دوسری مرتبہ قدیم بزرگون کی نسل سے چند اصحاب بہ عہد شاہ عالم بادشاہ رسالہ کے افسر مقرر ہو کر بکسر کی لڑائی مین شریک ہوئے، جس مین سلطانِ دہلی کو شکست ہوئی۔ یہ رسالہ بادشاہ کے ہمراہ الہ آباد آیا اور وہان صلحنامہ تحریر ہونے کے بعد اِن کے بزرگ شجاع الدولہ بہادر کے رسالے مین ملازم ہو کر دریاباد مین تعینات ہوئے اور اِس طرح معہ عیال و اطفال اُنھون نے یہان سکونت اختیار کی، جن کے خاندان مین اتنی ترقی ہوئی کہ پٹھانون کے نام سے محلہ آباد ہو گیا، جو واجب العرض دریاباد کے مطابق ۱۸۵۸ء تک قائم رہا، بعد اُس کے ویران ہو کر کُرہ روشن لال مین شامل ہو گیا۔

خانصاحب نواب سعادت علی خان بہادر کے آخری زمانے مین پیدا ہوئے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے عہد حکومت مین غفور پلٹن کے جمعدار ہوئے۔ چند روز کے بعد بہرائچ مین سید سالار مسعود غازی کی درگاہ کے متعلق مُلّاؤن مین باہمی جھگڑا ہو جانے کے باعث درگاہ کی نگرانی ان کے سپرد ہوئی۔ سات برس تک وہان تعینات رہ کر بہرائچ کی شاہی فوج مین مقرر کیے گئے اور واجد علی شاہ کے زمانے تک وہین رہے۔ نوابی ختم ہونے پر اپنے وطن دریاباد آئے۔ یہان عزّت محمد خان صاحب کوتوال کی سفارش سے سب انسپکٹری پر مامور ہو گئے۔ لیکن کوتوال صاحب کی سخت کلامی نے اِنھین جلد ترک ملازمت پر مجبور کر دیا۔ نوکری سے استعفا دیکر کپڑے کی تجارت شروع کی اور دریاباد مین ایک دوکان کھول دی ساتھ ہی اِس کے ایک چٹھی کے ذریعہ سے، جو ۱۸۵۷ء کے غدر مین ایک انگریز کی جان بچانے کے عوض انھین کسی افسر نے عطا فرمائی تھی، ضلع دریاباد کے متعلق سرکاری ضروریات بہم کرنے کے لئے اسٹیشنری، فرنیچر نیز تعمیرات کا ٹھیکہ بھی گورنمنٹ سے حاصل کیا۔ جس وقت شمیر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ہوئے تو، اُنھون نے شمیر گنج کے تعمیر کا کام بھی (تھانہ، تحصیل وغیرہ کی عمارت) انھین کے سپرد کر دیا۔ اسی سلسلہ مین اِن کی یہان سات دوکانین کپڑا، غلہ، جوتا، کرانہ، اشیائے وغیرہ کے متعلق قائم ہو گئین۔ اس تجارت اور ٹھیکہ کی بدولت امیر خان صاحب بہت جلد مالدار ہو گئے۔ لیکن بعض معتبر لوگون کی زبانی یہ بھی سُننے مین آیا ہے کہ "راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے بیٹون اور پوتون کے وقت مین خفیہ طور پر اِن کے یہان صدہا اشرفیان معمولی رقم کے عوض رہن ہو کر پھر واپس نہین کی گئین اور بہت سے بیش قیمت مُطلّا اور مُرصّع زیورات کوڑیون کے مول فروخت کیے گئے، اور اِس طرح ایک کثیر دولت بے محنت و مشقت اِن کے ہاتھ آ گئی تھی۔ قیمتی زیورون کا اِس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خان صاحب کے زمانۂ افلاس مین ایک انگوٹھی زید پور کے تعلقدار نے چھ ہزار تین سو روپیہ کو خریدی تھی۔"

۱۸۸۳ء تک خان صاحب کا کاروبار بدستور ترقی کے ساتھ جاری رہا۔ بعد اُس کے اِن کے بڑے بھائی منور خان صاحب کے مرتے ہی کُل دوکانین شکست ہو گئین اور یہ آزاد ہو کر عیش پرستی پر مائل ہو گئے۔ ناچ رنگ

کی صحبت چمک اُٹھی، ساتھ ہی اس کے قمار بازی اور شواتگھ کھیلنے کا بھی شوق پیدا ہو گیا، اور بعد ازاں روپیہ اڑنے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۸۱ء سے ۱۸۹۱ء تک یعنی دس برس میں ساری حیثیت خاک میں مل گئی - اب رہی برائے نام میندائی (سرائے خواجگی میں چک سعدی خان) وہ بھی رہن و بیع کے ذریعہ سے غیروں کے قبضہ میں آ گئی - آخر میں دس بارہ برس سخت مصیبتیں جھیلنے کے بعد ۲۲ - اکتوبر ۱۹۰۳ء کو ساڑھے تین ہزار روپیہ اصل معہ سود قرض چھوڑ کر امیر خان صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے - اولاد میں کالے خان کے بیٹے یعقوب خان بہ قید حیات، قدیم دو منزلہ پختہ مکان پر قابض، محکمہ جنگلات میں ملازم - انھوں نے اپنے دادا کے وقت کا کل قرضہ معہ سود ادا کر کے اپنی سعادتمندی کا کافی ثبوت دیا ہے - (پٹھانی ٹولہ حال کٹرہ روشن لال) -

جُوگل

اگروال ویش، ان کی دوکان کی رابڑی بہت مشہور تھی - لکھنؤ، سندیلہ، ہردوئی وغیرہ تک تحفہ کے طور پر بھیجی جاتی تھی جُوگل اب سے ۴۰ برس قبل زندہ تھے - (ٹیڑھی بازار)

بھولا پرشاد

عرف بھولا، دنیائے کائستھ، درگا پرشاد کے لڑکے، چوکھے رام عرف چوکھنی کے پوتے، نامی عطار تھے - علاوہ دوائیوں کے کرانہ کے متعلق چیزیں بھی دوکان پر فروخت ہوتی تھیں، عطر اور تیل بھی بکتا تھا، اور ہر ایک چیز صاف اور عمدہ - یہ بھی اپنے دادا کی طرح بڑے ایماندار اور نیک تھے - ہر چیز واجبی قیمت پر بیچتے، غریب امیر سب کو راضی رکھتے تھے - پڑھے بھی تھے، نسخے بہت جلد اور باسلیقہ باندھتے تھے - رائے صاحب اور ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب تعلقدار کے یہاں انھیں کی دوکان سے دوائیں منگائی جاتی تھیں ۱۹۱۲ء میں بعارضہ طاعون فوت ہوئے - اولاد میں مینا ئی لال موجود، مگر اگلی حیثیت خواب وخیال، دو منزلی پختہ دوکان قایم، آبائی مکان شکستہ اور ویران، چندروز کا مہمان -

چوتھی فصل عام پیشہ وروں کے بیان میں

محمد علی، آتشباز عیدو و درگاہی رنگساز مبارک و سعداللہ صیقل گر مہابلی و درگا خرادی - عنایت اللہ و فیاض احمد مرصع ساز برکت علی و کرامت رسول آئینہ ساز خیرات علی و کریم احمد ملمع ساز رحمت و شرافت خیمہ دوز قربان علی و امجد علی جلد ساز کریم بخش و حسین علی رنگریز الفت تاشا نواز منور خان و فرحت علی بہروپیے افضل و محمد نقال، ہر ایک اپنے اپنے فن میں اوستاد افضل و محمد لکھنؤ کا مشہور و معروف بھانڈ کربلا کی صحبت (سنگت) میں رہ کر مشہور ہو گئے تھے -

نرائن کمہار آنجہانی، صراحیاں جھجھر بنانے میں ہوشیار تھا - عزت و قدرت کسگر، لکھنؤ کی وضع

کے رنگین و نقشدار حقّے اور چلمین خوب بناتے تھے، کھلونے بھی مشہور تھے بھو ندو کسگر خاص کھلونوں کے لئے مشہور تھا خیراتی نمش کی قفلیان اور کھیر کے پیالے قابل تعریف بناتا تھا ڈینگر کے مونڈھے لایق تعریف ہوتے تھے گنگو بھُرجی پرمل خوب بناتا تھا۔ دینا، گیا، ٹپو، درگا، بتواری اور بچکوڑی گا ذرا ہر ایک اپنے آبائی فن مین یادگار۔

کرم علی، دین محمد سپر ساز اور حسین بخش، سرفراز علی طبلہ ساز اپنے وقت کے مشہور کاریگر تھے۔ موہن لال، موتی رام چھیپی پلی وال ہین، فرد لحاف کے چھاپنے مین اور راحت خان سنیچہ ساز خاص شُہرت رکھتے تھے۔

احمد علی و زاہد علی کفش دوز یہ ایسے کاریگر تھے کہ جس قسم کا جوتا انھین دکھایا جائے بجنسہ بنا دیتے تھے کسی فرمایش کی بابت مجبور نہ تھے جھنگو سوز بان ایسے نفیس و خوبصورت بناتا تھا کہ دیکھکر طبیعت خوش ہو جاتی تھی، لکھنؤ تک اس کے بانون کی شہرت تھی۔ اب سے ۵۰ برس قبل زندہ۔ نعمت علی اور مہابت خان کی غُلّیلین مشہور تھین۔ پچھمن و بھگوسے پھولون کے گلدستے اور زیور بنانے مین خاص ملکہ رکھتے تھے۔ دیبی و بلدمی آہنگر، اپنے فن مین نہایت ہوشیار تھے۔

دیبی دین نجار بے مثل کاریگر تھا، اپنے آبائی فن کے علاوہ فن آہنگری سے بھی اچھی طرح واقف تھا مشہور ہے کہ دیبی دین کے مرنے پر ایک چھکڑا اوزار بر آمد ہوئے تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک ٹوٹ کا پلنگ بناکر رائے شیو راج بلی صاحب کی خدمت مین نذر کے طور پر پیش کیا تھا جسے دیکھکر وہ بہت خوش ہوئے اور دیبی دین کو انعام عنایت ہوا۔ رانی مئو کے مشہور سارنگی نواز بجرنگ کھتک کہتے ہین کہ اس نے ایک سارنگی چھ مہینے مین تیار کرکے مخدوم بخش سارنگی نواز (دریاباد) کو دی تھی جس کے صلہ مین مبلغ تیس روپیہ انعام حاصل کیا۔ دیبی دین تخمیناً ۷۰ برس کی عمر مین اب سے نصف صدی قبل فوت ہوا۔ (پرتاب گنج)۔

رامچرن، دیبی دین نجار کا لڑکا، فن نجاری مین اپنے باپ کا شاگرد۔ اس کی کاریگری کے متعلق بہت سی زبردست یادگارین رائے صاحب کے یہان ابتک موجود ہین جن مین روشنی کا پھاٹک خاص طور پر قابل دید۔ رسول بخش قوال بیان کرتے ہین کہ "رامچرن کی بنائی ہوئی ایک خوبصورت ڈھول ہمارے پاس تھی جو دو فٹ لمبی، ایک بالشت ایک انگل قطر اور پاؤ بھر وزن کی تھی اور خوب بجتی تھی"۔ رامچرن ۱۹۱۱ء مین لاولد فوت ہوا۔ مکان بے نشان۔

چھیدی۔ نجار، ٹوٹ کا پلنگ، کرسیان خوب بناتا تھا۔ ۹۰ سال کی عمر مین اب سے پندرہ بیس برس قبل زندہ، اولاد کوئی نہین۔ (اکرہ روشن لال)

گور دین کہار، گوشت خوب پکاتا تھا اور اس بارہ مین اس نے خاص طور پر نام پیدا کیا تھا۔ دریاباد کے کائستھون مین علی العموم برادری کی دعوت کے موقع پر اکثر گور دین ہی طلب ہوتا تھا اور گوشت پکانے کا کام اس کے سپرد کیا جاتا تھا۔ کباب بھی اچھے پکاتا تھا۔ (تمبولی چوہٹہ)

بدھی، حسینی، معمار اب سے ڈیڑھ دو سو برس قبل زندہ مدار الٰہی، ہنگرے اپنے وقت کے مشہور

معمار، کٹڑہ روشن لال مین سکونت، اب سے ۳۰ برس قبل موجود، یہ لوگ ایماندار اور محنتی تھے - **عیسیٰ** معمار، فنِ معماری سے اچھی طرح آگاہ سنہ ۱۹ء مین بعمر تخمیناً ۷۵ برس فوت ہوا -

بھوانی دین، نامی کوڑے ساز، اپنے فن مین استاد، مشہور رہے کہ یہ پچاس روپیہ تک کے قیمتی کوڑے بناتا تھا۔ اُس زمانے مین انھین بیش قیمت کوڑون کی زیادہ مانگ تھی - بھوانی دین اب سے تخمیناً ۷۵ برس قبل موجود تھا - (کٹڑہ روشن لال)

دیارام تلوار پر باڑھ رکھنے مین آپ ہی اپنا نظیر محلہ ٹھٹھران مین پچیس تیس گھر اس پیشہ والون کے تھے، مگر دیارام ہی سب مین مشہور تھا، جو قریباً ایک صدی قبل زندہ -

ہینگا کمنگر، اعلیٰ درجہ کا رنگساز تھا - لوگون کا بیان ہے کہ ہینگا ضلع بارہ بنکی مین اپنا ثانی نہین رکھتا تھا - پلنگ کے پایہ، ٹپارے، دروازے کی جوڑیان، گاڑیان (شکرم وغیرہ) قفس، پالکی، میانہ، ہر قسم کے باجے (چوبی وغیر چوبی) وغیرہ نفیس بیل بوٹون کے ساتھ حسب فرمائش ایسا رنگ دیتا تھا کہ جان صدقے ہوجاتی تھی - ہینگا نے اس فن کو گورکھپور مین کسی استادِ کامل سے حاصل کیا تھا - علاوہ رنگسازی کے بانک، پٹے مین بھی نہایت ہوشیار تھا اور اس فن مین مرحم خان کا شاگرد - سنہ ۱۹۰۶ء مین لاولد دنیا سے گذر گیا، ۱۰۵ برس کی عمر تھی - کمنگر مخفف ہے کمان گر کا جس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہینگا کسی کمان گر کی اولاد سے تھا جس نے آبائی پیشہ چھوڑ کر رنگسازی اختیار کی تھی - یہ بھی ممکن ہے کہ ہینگا کے عہد سلفی مین بذاتِ خاص کمان بنانے مین مہارت پیدا کر کے "کمان گر" مشہور ہوگیا ہو - (قصبیانہ حال مخدوم زادگان)

شیخو بخش، گھوڑے کا ساز بنانے مین دور دور تک مشہور تھا - اس کی نسل مین **مینڈھی لال** بھی سادہ اور پُر تکلف ہر قسم کا ساز بنانے کے علاوہ تلوار، کٹار کی میان بھی حسب فرمائش ہر قسم کی قابلِ دید بناتا تھا - ۸۰ برس کی عمر مین تخمیناً پچاس برس ہوئے کہ مر گیا - اولاد مین سورج بلی موجود (کھرن ٹولہ حال مغلان) -

خدا بخش، آتشباز، بھاگو کا بیٹا، قرب وجوار مین اس کی آتشبازی مشہور تھی - مگر قلعہ، ہوائی، پھلجھڑیان خاص طور پر قابلِ تعریف - قریباً ۴۰ برس کا زمانہ ہوا کہ ۹۰ سال کی عمر مین فوت ہوا - اولاد مین گھورو زندہ - (خانزادہ حال چودھریان)

رمضانی، اصل نام رمضان بخش، حجام، فنِ جراحی مین فرد، مصوری و دستکاری مین استاد - اب سے ایک صدی قبل زندہ، پُرانی وضع کا پابند، شملہ نما ٹوپی، بڑے پائینچے والا پائجامہ، چکن، زری کا جوتا پہنتا تھا - ناخواندہ تھا مگر شین و قاف درست، طرزِ گفتگو نہایت باسلیقہ، امیرون کا صحبت یافتہ، بڑے آن بان والا، چودھریون کا خاص نمک بردار تھا، بجز اُن کے کسی کی حجامت نہین بناتا تھا - سپاہی بھی تھا - اولاد مین فقیر بخش، یادگار مین زری و بُراق اب تک موجود[۵] و مشہور - (نون ٹولہ شامل چودھریان) -

---

۵ یہ زری اگرچہ بوجہ کہنگی عرصہ سے اپنی اصلی شان و شوکت کھو چکی ہے، تاہم اب سے بیس پچیس برس قبل محرم کی نوین تاریخ کو جب اسے چھوٹے چھوٹے خوبصورت ولایتی گلاسون ہانڈیون، جھابون، قمقمون سے آراستہ کرکے چبوترے پر لاتے تھے اور گلاس روشن کئے جاتے تھے تو ایک دلکش عمارت کا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا تھا - زری مذکور تخمیناً دس بارہ فٹ بلند تیار کی گئی تھی، جو دور سے سنگ مرمر کی تعمیر

ابراہیم عرف براہیم، نائی، جراحی مین کامل۔ بیان کیا جاتا ہی کہ "اس نے منشی مینڈھی لال صاحب کے والد کو، جو جذام کے عارضے مین مبتلا تھے، بالکل اچھا کر دیا تھا، جس کی صلے مین علاوہ انعام و اکرام کے چار بیگھہ خام آراضی بطور معافی اُنھون نے اسے عطا فرمائی تھی، جو منشی ماتا پرشاد صاحب مرحوم (دکیل) کے زمانۂ حیات تک بحال رہی"۔ یہ بھی رمضانی کی طرح ناخواندہ تھا، مگر شین و قاف درست، بات چیت نہایت سلیقہ آمیز، طرز لباس مین بھی رمضانی کا مقلد۔ تخمیناً اب سے ۸۰ یا ۹۰ برس قبل زندہ۔ اس کا لڑکا گھسیٹو بھی اچھا جراح تھا۔ ۹۰ برس کی عمر مین ۱۹۰۵ء مین فوت ہوا۔ اولاد مین جھنگا جراح موجود۔ (تفصیلاً شمائل مخدوم زادگان)۔

پیر بخش، نائی، از خاندان رمضانی، آبائی فن مین قابل تعریف۔ حجامت ایسی بناتا تھا۔ کہ تین چار دن تک

معلوم ہوتی تھی۔ لیکن، موزونیت کے ساتھ جابجا موقع سے اس مین جالی کا رنگین کام، نفیس بیل بوٹے، سنہری افشان کا چھڑکاؤ وغیرہ صنعتین بھی دیکھنے کے قابل تھین۔ اس مین لکھنؤ کی تین مشہور عمارتون، آصف الدولہ کا امام باڑہ، فرح بخش عرف چھتر منزل، اور اُلٹی بارہ دری (قیصر باغ) کی خوبصورت نقل پائی جاتی ہی۔ براق بھی اُس وقت اپنی خوبصورتی مین لاجواب تھی۔ براق و زری کے بارہ مین مختلف روایات مشہور ہین، چند اُن مین سے یہ ہین (۱) "براق کو رمضانی کے باپ بچی" اور "تارا" زرگر دونون نے مل کر بنایا تھا۔ زری بچی کی عقیدتمندانہ زود طبیعت کا نتیجہ ہی۔ بچی کے مرنے پر رمضانی نے اس مین اضافہ کرکے زری کو زیادہ بلند کر دیا تھا، جس کا آخری حصّہ (چبوترہ) عرصہ سے غیر مستعمل ہو کر علیحدہ ہو گیا ہی (۲) ملھے حجام کہتے ہین کہ اب سے تخمیناً ۳۸ برس ہوئے، جبکہ مین بارہ برس کا تھا، ایک دہلی کا مصور اس زری کی تعریف سُن کر دریاباد آیا اور زری کا نقشہ اُتارنا چاہا۔ محرم کی نوین اور دسوین دونون دن پریشان رہا، مگر اچھی طرح کامیابی نہ ہوئی۔ مصور کو اُس وقت سب سے زیادہ حیرت ہوئی، جبکہ جانچ کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ زری چوبی نہین ہی، بلکہ کاغذی ہی، جس کا ڈھانچا بانس کی تیلیون سے بنایا گیا ہی (۳) جب اس زری و براق کی شہرت لکھنؤ تک ہوئی تو بادشاہ نے رمضانی کو معہ زری و براق کے طلب کیا۔ رمضانی حسب الحکم دربار شاہی مین حاضر ہوئے۔ بعد ملاحظہ حکم ہوا کہ "ایک ہزار روپیہ لے لو اور زری و براق داخل کر دو"۔ یہ راضی نہ ہوئے۔ بادشاہ نے پھر ارشاد فرمایا کہ "تم خود جتنا مانگو، دلا دیا جائے"۔ رمضانی نے دست بستہ عرض کیا جہان پناہ۔ مالک ہین، زری و براق لے لیجائے اور غلام کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے"۔ یہ سُن کر بادشاہ سلامت خاموش ہو گئے اور دونون چیزون کی واپسی کا فوراً حکم دیدیا۔ لیکن، بعض بزرگون کی زبانی معلوم ہوا ہی کہ جب رمضانی طلب ہوئے، تو، اُنھون نے جلدی سے ایک دوسری زری معہ براق تیار کر لی، جسے بادشاہ کے حضور مین پیش کیا اور وہ داخل کر لی گئی، جس کے صلے مین انعام و اکرام مرحمت ہوا۔ اس سے رمضانی کی عقیدتمندی، بے مثل صناعی اور زری و براق کی شہرت پر بخوبی روشنی پڑتی ہی (۴) بعض لوگ بیان کرتے ہین کہ اُلٹی بارہ دری والا حصّہ رمضانی کے بعد ترمیم شدہ حصّہ کے عیوض داخل کیا گیا ہی، جو چودھری محمد علی صاحب کی اختراع پردازی کا اعلیٰ نمونہ ہے، جسے رمضانی کے لڑکے فقیر بخش نے اُنھین کے مجوزہ نقشہ کے مطابق تیار کیا تھا۔ چودھری صاحب اس فن مین خاص دستگاہ رکھتے تھے اور اگرچہ خود تعزیہ دار نہ تھے مگر، معتقد بہت تھے۔ چنانچہ جب تک زندہ رہے، اس تعزیہ کے مہتمم و سرپرست رہے، اُن کے دم تک زری و براق کی اصلی شان و شوکت بہت کچھ قائم رہی۔ اب بھی چودھری صاحب کے خاندان والے تعزیہ کی تیاری مین امداد کرتے ہین، جسکی وجہ سے آجکل اسے چودھری کا تعزیہ کہتے ہین ۔

کھونٹی نظر نہ آتی تھی۔ علاوہ اس کے یہ اُسترے کی باڑھ سے کپڑے پر چکن کا کام ایسا بنا دیتا تھا کہ بیل بوٹے اُبھر آتے تھے، جو ایک ہفتہ سے زائد تک قایم رہتے تھے۔ لیکن، اگر کپڑا مہینوں نہ دھلایا جائے تو، نشانات بدستور قایم رہیں شرح انگریزی تک زندہ۔ (نون ٹولہ شاہ چودھریان)۔

بھولئی۔ خیاط، آبائی فن میں اوستاد۔ بہ عہد سلطان واجد علی شاہ بادشاہِ اودھ شاہی پارچہ خانہ میں درزیوں کا جمعدار تھا۔ (محراں)۔

شکرو دُہل۔ بھولئی کے بیٹے، دونوں اپنے فن میں قابل ہونے کے علاوہ سوزن کاری سے بھی اعلیٰ واقف۔ سادے انگرکھے کی سِلائی دو روپئے سے کم نہیں لیتے تھے۔ سِلائی ایسی کہ کپڑا پُرزے پُرزے اُڑ جائے، مگر سِلائی پر حرف نہ آئے۔ جس انگرکھے پر کٹاؤ کا کام حسب فرمائش بنایا جاتا تھا اُس کی اُجرت معہ سِلائی کے کم از کم چار روپیہ اور زیادہ سے زیادہ دس روپیہ ہوتی تھی۔ شکرو کو کبوتروں کا بھی بڑا شوق تھا۔ انواع و اقسام کے قیمتی اور اعلیٰ کبوتر اپنے باپ کے ذریعہ لکھنؤ سے منگواتا تھا، اس لئے دُور دُور تک کوئی کبوتر باز اس کا مدِمقابل نہ تھا۔ ۸۰۔۹۰ برس کے سن میں دونوں نے یکے بعد دیگرے قضا کی۔

سرجو، زرگر، بھوانی پرشاد کا بیٹا، نہایت ہوشیار، بے مثل کاریگر، کٹک کی بنی ہوئی اشیاء کی ہو بہو نقل کرنے میں لایق تعریف، تخمیناً ۸۰ سال کی عمر میں سنہ ۱۹ء کے قریب فوت ہوا۔ شاگردوں میں مخدوم زرگر لا پتا اور کنعی و کا لڑکا زندہ موجود۔

آلہی۔ صیقل گر اپنے فن میں مشہور۔ تلوار کا جوہر ایسا چمکا دیتا تھا کہ طبیعت نثار ہو جاتی تھی۔ تلوار کی کاٹھی بھی خوب بناتا تھا۔

سالار بخش معروف سلاری خیاط، اپنے وقت کا نامی کاریگر۔ لکھنؤ میں شاہی درزیوں کا افسر تھا، گھوڑا سواری کے لیے عنایت ہوا تھا۔ اولاد میں اس کا پوتا اللہ دین موجود (چھیپی ٹولہ)

فقیر بخش۔ رمضانی نائی کا بیٹا، فن جراحی میں اپنے باپ کا شاگرد اور انھیں کے برابر مشہور، خط بنانے میں فرد۔ سوتے میں حجامت بنا دیتا تھا اور خبر نہیں ہوتی تھی۔ جب یہ کسی کا خط بنانے لگتا تھا تو اُسے نیند آنے لگتی تھی۔ پانچ منٹ میں ایسا خط بناتا تھا کہ شوقینوں کو ایک ہفتہ کے لئے اطمینان ہو جاتا تھا۔ بغیر پانی استعمال کئے خط بنا دینا اور ذرا بھی تکلیف نہ محسوس ہونا بھی اس کا ایک خاص کمال تھا۔ ہر امیر و غریب کی یکساں حجامت بنانا اور خوشی کے ساتھ اطاعت کرنا بھی اسی کا خاص حصہ تھا، جو اس کی نیک نیتی کی اعلیٰ دلیل ہے۔ یہ دستکار بھی تھا۔ اس نے دو چھوٹی گڑیاں ایسی خوبصورت بنائی تھیں، جن کے چہروں میں قابلِ تعریف رنگ و روغن کی وجہ سے دیدہ زیبی و دلکشی کی خاص صفت پائی جاتی تھی۔ ان گڑیوں کا قد بالشت بھر سے زیادہ نہ تھا، ایک ان میں سے ابتک موجود۔ فقیر بخش ۹۰ برس کی عمر میں اب سے نصف صدی قبل زندہ۔ اولاد میں رزاق بخش جراح، کسی قدر خوشحال۔ (نون ٹولہ شاہ چودھریان)۔

ڈال چند۔ زرگر، ٹکک اور نفیس زیور بنانے میں خاص طور پر قابلِ تعریف۔ غدر کے بعد ۸۰ سال کی عمر

میں فوت ہوا۔ (مخدوم زادگان)۔

سرجو۔ مُرلی سنار کا بیٹا، اپنے فن میں لاجواب۔ ولایتی زیور اور دھات کی چیزیں، کٹک کی نقرئی اشیاء دیکھ کر ہو بہو ویسے ہی بنا دیتا تھا کہ اصل و نقل کی تمیز نہیں ہوتی تھی۔ غالباً سنہ ۱۹۰۲ء میں بعارضۂ طاعون ۵۵ سال کی عمر میں قضا کی۔ اولاد کوئی نہیں۔ یادگار میں چھوٹا سا پختہ کنواں، مکان غائب۔ (مخدوم زادگان)۔

ہیرا۔ زرگر، یہ بھی اپنے وقت کا مشہور کاریگر تھا۔ اب سے نصف صدی قبل زندہ۔ **انگنو**۔ فرد و لحاف کے بنانے اور سوتی و ریشمی کپڑوں پر سنہرے رُپہلے بیل بوٹوں کے چھاپنے میں فرد، تخمیناً ۸۰ برس کے سن میں اب سے ۴۴ برس قبل زندہ **پرمُچھے** بھی اس فن میں خاص مہارت رکھتا تھا۔ ۳۰ برس ہوئے کہ ۸۵ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ (چھیپی ٹولہ)

بھوسو۔ لایق نائی کا بیٹا، فنِ جراحی کے علاوہ بانک، پٹے، بانے میں بھی لائق فائق، اور اس فن میں مشہور۔ اوستاد مبح خان کا شاگرد، نہایت نیک چلن، لاطمع، ہندو مسلمان سب کی اطاعت میں بدل و جان موجود، پابندِ مذہب بزرگانِ دین کا دلی فرمان بردار، حضرت تجمل حسین شاہ عرف جمن میاں (از اولادِ شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ) **شاہجہان پوری** کا مرید۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بھوسو افیون کا دلدادہ ہر وقت پینک میں بیخود رہتا تھا۔ گرمی کے زمانے میں ایک روز فرنگی محل کے مشہور عالم مولانا عبد الرزاق صاحب مرحوم دریاباد تشریف لائے اور چھیدا میاں کی مسجد میں وعظ دینے لگے۔ اس مقدس محفل میں بھوسو کے مرشد بھی تشریف رکھتے تھے۔ بھوسو پنکھا جھلنے کے لئے حاضر ہوا۔ اتفاق سے پینک آ گئی، پنکھا مولانا کے شانے پر لگ گیا، اس پر بھوسو کے مرشد نے اُس کی طرف غصہ کی نظر سے دیکھا، یہ فوراً مسجد کے باہر آیا اور وضو کر کے قسم کھائی کہ، اب افیون نہ کھاؤں گا۔ کئی مہینے تک افیون ترک کر دینے سے یہ بیمار رہا۔ طبیبوں نے رائے دی کہ اس چیز کو آہستہ آہستہ کم کر کے ترک کرو، دفعتہً ترکِ استعمال بیحد مضرت رساں ہے۔ مگر بھوسو نے صاف کہہ دیا کہ جس چیز کے باعث مرشد کی نگاہ ٹیڑھی ہو گئی وہ چیز اب بالکل حرام ہے، چاہے جو کچھ ہو۔ لیکن، آخر میں مولوی حکیم عبد العزیز صاحب مرحوم کے علاج سے بھوسو اچھا ہو گیا اور پھر تازندگی افیون کا نام بھی نہ لیا۔ یہ ہندی سے واقف اور ہنس جواہر کا عاشق بھی تھا۔ ہنس جواہر کی قلمی کتاب ہندی خط میں اس کے پاس تھی، جسے بڑے شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ ۶۰ سال کی عمر میں سنہ ۱۹۱۴ء میں لاولد فوت ہوا۔ شاگردوں میں بانک، پٹے کے متعلق غلام محمد نداف، شیورتن پانڈے، دوسی بھٹیارہ موجود۔

علی بخش۔ خیاط، اپنے آبائی فن کے ساتھ ساتھ بانک اور پٹے کے فن میں بھی خاص شہرت رکھتا تھا۔

سید جعاری ڈمداری۔ شہنشائی بجانے میں مشہور، بہ عمر ۶۰ سال اب سے ۴۰ برس قبل زندہ۔

مُنّو گھورسے بھی اس فن میں کمال رکھتے تھے۔ مُنّو کی اجودھیا میں بڑی قدر تھی۔ ہر سال ساون کے میلہ کے وقت کنک بھون میں طلب ہوا کرتا تھا۔ بہ عمر ۷۰ سال سنہ ۱۹۰۹ء میں فوت ہوا۔

کریم۔ از خاندانِ رمضانی حجام، تاشا بجانے میں قابل اور اس فن میں اپنے پڑوسی بھگت لمتبولی کا شاگرد، اب سے ۳۰ برس قبل زندہ۔ اولاد میں عیدو موجود۔ جو اپنے باپ کے قدم بہ قدم چلنے پر کمربستہ۔

غلام علی۔ نامی کفش دوز۔ یہ اتنا بڑا کاریگر تھا کہ اس کے بنائے ہوئے اعلیٰ و ادنیٰ ہر قسم کے کفش نہایت

خوبصورت اور سُبک ہونے کے علاوہ یکسان طور پر مضبوط بھی ہوتے تھے۔ باوجود اِن خوبیون کے دام بہت واجبی لیتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی مین ایک پختہ امام باڑہ کے علاوہ ایک پختہ مسجد بھی بنوائی تھی۔ امام باڑہ ۱۸۷۵ء کے بعد نیست و نابود ہوگیا جو ایک سرکاری کاغذ سے ثابت ہے۔ امام باڑہ مسجد سے دکھن طرف واقع تھا۔ مسجد اس وقت تک موجود اور موچیون کے نام سے مشہور ہے۔ بیعنامہ[۱] نوشتہ شیخ جیون سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام علی سنہ ۱۲۲۹ھ مین زندہ موجود تھا۔ (کفش دوزان حال ٹیڑھی بازار)

کھڑگی ۔ کمھار صراحیان اور آبخورے خوب بناتا تھا۔ بعہد ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب ریاست رانی مئو مین اسی کے یہان سے صراحیان منگوائی جاتی تھین۔ (مغلان) ۔

مدح خان ۔ نیچہ اور سٹک بنانے مین اوستاد، ایماندار اور نیک۔ اس کا کام خوبصورت اور مضبوط ہوتا تھا۔ (کرہ روشن لال) ۔

خدا بخش ۔ رحمان جولاہے کا لڑکا، اس کی زری و بُراق مشہور تھی۔ یہ تعزیہ دار تھا، تعزیہ فروش نہ تھا۔ تخمیناً ۹۰ برس کی عمر مین سنہ ۱۹۰۱ء مین فوت ہوا۔ اولاد مین ٹھیلے لاتیا۔ (چودھری محلہ) ۔

بھاگو ۔ اور اس کا لڑکا **احمد بخش** دونون کبابون کے لئے مشہور تھے۔ ہر قسم کے کباب مزیدار ہوتے تھے (چودھری محلہ) ۔

حبّ علی ، عرف جبلی، شیعہ، رنگریز، اپنے فن مین نہایت ہوشیار، نیک، اخلاق اور تہذیب کا مجسم پتلا اس کی زبان ایسی صاف اور شستہ تھی کہ، اچھے اچھے پڑھے لکھے اس کے سامنے فصیح اردو نہین بول سکتے تھے۔ اب سے تخمیناً تیس پینتیس سال قبل فوت ہوا۔ مہدی بھی اپنے وقت کا مشہور رنگریز تھا۔ (ٹیڑھی بازار)

لوسلے، بھودی ۔ تیلی چھپر بندی مین مشہور جس وقت رانی مئو کے اولوالعزم اور نفاست پسند تعلقدار ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب نے برسات کے موقع پر پھوس کا بنگلہ تیار کرانا چاہا، تو یہی دونون کاریگر طلب ہوئے تھے جنھون نے ایسا خوبصورت اور مضبوط بنگلہ تیار کردیا تھا کہ ٹھاکر صاحب خوش ہوگئے تھے۔ (ٹھکانی ٹولہ)

امام بخش و دانو ۔ نامی خوگیر دوز ہینگا خیمہ دوز اپنے فن مین خاص شہرت رکھتا تھا۔ امام بخش اب سے نصف صدی قبل اور دانو دہینگا سنہ ۱۹۱۱ء مین موجود ۔

سلار بخش و قادر بخش ، سنی المذہب جولاہے، شیخ مشرف کریم عرف شیخ مشرف کے پوتے، مشہور دلال یہ دونون حقیقی بھائی دریاباد مین کپڑے کی تجارت کے متعلق دلالی کرتے تھے۔ باہر سے جو سوداگر مال خریدنے آتے تھے وہ انھین کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔ ان کا کاروبار بہت اچھا تھا، بڑے دولت مند تھے، مکانات پختہ تھے۔ اب سے ڈھائی تین سو برس قبل موجود تھے۔ ان کی نسل مین حاجی حافظ عبدالجبار و محمد یوسف، عبدالغفور، عبدالرحیم اس وقت

[۱] مثل نمبری ۵۹۰، فیصلہ ۲۴ دسمبر ۱۸۸۴ء، مقدمہ بیچ کی سراے بنام کرم کریم عرف چھیدا میان ۱۲ سنہ میان عبدالرشید صاحب کے پاس موجود ۱۲۔

تک موجود۔ انھون نے نان بائی پیشہ کے ذریعہ خوب دولت پیدا کی ہی۔ کلکتہ مین روٹی کی دو دکانین ہین۔ حال مین دو منزلے پختہ مکانات تیار ہوئے ہین۔ یہ لوگ قابل مبارکباد ہین کہ انھون نے پردیس جاکر محنت و مشقت سے روپیہ پیدا کرنے کے ساتھ ہی اپنے بزرگون کے مٹتے ہوئے نشانات کو از سر نو قایم کرکے اُن کا نام روشن کر دیا جو انکی سعادتمندی و حب الوطنی کا کافی ثبوت ہے۔ (جوہری محلہ، حال چھیپی ٹولہ)

ساٹھکا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے چند خاندانی معزز دربار شاہی مین ملازم تھے، ضرورت کے وقت ساٹھکا اُن کے پاس خط لیکر جاتا تھا اور ایک ہی دن مین لکھنؤ جاکر دریاباد واپس آتا تھا۔ یہ صبا رفتار قاصد ایک دن مین ۶۰ کوس یعنی ۱۲۰ میل چلنے کی طاقت رکھتا تھا، اِس وجہ سے اِس کا نام ساٹھکا مشہور ہو گیا تھا۔

گھسیٹے و گردین۔ مقبولی، فیاضی و مذہبی عقیدتمندی مین لایق ذکر۔ گھسیٹے رائصاحب کے یہان بوتات خانہ مین نوکر تھے۔ آٹے دال کی دوکان بھی تھی۔ دولت کثیر پیدا کرکے ایک معقول رقم نیک کام مین صرف کرڈالی۔ اولاد مین تین لڑکیان۔ یادگار مین بلند اور عمدہ شیوالہ، چاہ پختہ معہ پوشالہ، دھرم شالہ (واقع میان گنج) گھسیٹے کے چچازاد بھائی گردین نے بھی دریاباد سے ۲ فرلانگ کے فاصلہ پر ٹکیت نگروالی سڑک پر چاہ پختہ معہ پوشالہ، اور ایک دھرم شالہ بنواکر نام کردیا۔ یہ بھی خوشحال اور اچھے دوکاندار تھے۔ دونون بھائی ۶۰-۶۵ سال کی عمر مین ۱۹۰۸ء کے قبل فوت ہوئے۔ گردین کی اولاد مین گیا پرشاد موجود۔ ان کے یہان کی جنم آٹھی مشہور اور کرشن جی کی جھانکی قابل دید۔ (ٹیڑھی بازار)۔

گنیشی۔ حلوائی۔ اب سے بیس پچیس برس قبل گلاب جامن بنانے مین خاص کمال حاصل تھا۔ مہینون رکھے رہتی مگر کیا مجال کہ ذایقہ اور خستگی مین ذرا بھی فرق آجاتا۔ تھوڑا زمانہ ہوا کہ ۷۰ سال کی عمر مین فوت ہو گیا۔ (ٹیڑھی بازار)۔

رگھبر۔ آہن گر، اپنے فن مین نہایت قابل، بندوق، تمنچہ، بائیسکل کی مرمت خوب کرتا تھا۔ بیکار شدہ پرزون کے عیوض اُنکی جگہ نئے پرزے بناکر قایم کردینا کہ جو اصلی معلوم ہون، اس کا خاص حصہ تھا۔ برادری مین ایسے چودھری کے لقب سے شہرت تھی۔ آٹھ نو برس ہوئے، گذر گیا۔ (سنگلی ٹولہ حال برواری محلہ)۔

چھٹا باب

عمارات، باغات، محلّات، بازار وغیرہ کا بیان

پہلی فصل عمارتون کے بیان مین

قلعۂ شاہی۔ عالیشان پختہ قلعہ بشکل مخمس۔ پانچ برج قایم تھے، جن پر ہر وقت توپین چڑھی رہتی تھین۔ قلعہ کے تین طرف اُتر، پچھم، دکھن خندق تھی۔ دروازہ پورب جانب تھا۔ قریب ہی توپخانہ کی عمارت تھی۔ قلعہ

مین فوج کے علاوہ ناظم اور چکلہ دار بھی رہتے تھے اور اُن کے نیز کچہریون کے متعلق مکانات بھی بنے ہوئے تھے۔ آئین اکبری مین اس قلعہ کا ذکر ہے۔ حدیقۃ الارض سے معلوم ہوتا ہی کہ دریا خان صاحب عامل نے اسے پندرھوین صدی عیسوی مین بنوایا تھا۔ لیکن، مولوی کاظم علی صاحب کے بیان[۵۲] سے قلعہ کی تعمیر بارھوین صدی کے آخر مین پائی جاتی ہے اور شیخ کرم کریم صاحب عرف چھید امیان کے بیان[۵۳] سے ثابت ہوتا ہے کہ قلعہ چودھوین صدی مسیحی مین تعمیر ہوا تھا۔ غدر کے بعد انگریزی عملداری مین قلعہ کی عمارتین منہدم ہو کر اسکول اور تحصیل کے متعلق جدید عمارتین تعمیر ہوئین ۱۸۶۱ء کے بعد تحصیل کا دفتر سنہی گھاٹ مین قایم ہوا اور ہائی اسکول بارہ بنکی منتقل ہوگیا۔ آج کل ٹل ورنا کیولر اسکول اور بورڈنگ ہاؤس موجود۔ قلعہ کے متعلق اکثر برجون اور چاردیواری کے نشانات ظاہر۔ قلعہ کی خندق تالاب کی صورت مین "برا گڑھا" کے نام سے مشہور۔ توپخانہ کا جنوبی حصّہ کھیت اور شمالی حصّہ پوسٹ آفس کی شکل مین نمودار۔ پوسٹ آفس کے دکھن طرف تھوڑی دُور پر ایک پختہ کنوان ہی، جس کا سنگی کتبہ کرنیل گریگ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر بارہ بنکی لے گئے۔ توپخانہ کی یادگار مین اب صرف یہی کنوان باقی ہی۔ قلعہ مین بھی دو پختہ کنوین قدیم یادگار سے ہین جن کی حال مین مرمت ہونے سے اُن پر جدید طرز تعمیر کا اطلاق ہوتا ہے۔

چھٹنکی محل۔ اصل نام چھٹنکی ساہ کا ست کھنڈا، رام جی لال عرف چھٹنکی ساہ کی مشہور اور بہت بڑی عظیم الشان خوبصورت عمارت، جو نہایت قدیم زمانے مین تعمیر ہوئی تھی۔ یہ محل سات منزل کا تھا۔ دو مرتبہ کسی نواب کے حکم سے اس کے تین منزل گروادئے گئے اور دونون مرتبہ مالکِ مکان نے انھین تعمیر کرا دیا۔ لیکن تیسری مرتبہ سخت حکم نازل ہونے پر پھر دوبارہ منہدم شدہ حصّے تیار نہین کئے گئے اور اُس وقت سے چھٹنکی محل صرف چارہی منزل کا رہ گیا[۵۴]۔ اس مین دو زبردست تہ خانے تھے، اور جس قدر لکڑی تعمیر مین صرف ہوئی تھی وہ سب منقش اور دلکش بیل بوٹون سے آراستہ تھی۔ اس محل کا کچھ حصّہ ۱۹۰۵ء تک موجود رہا جس مین پنڈت برج نارائن صاحب بہت عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ تیس بتیس برس کا زمانہ ہوا کہ اسے ہرکھ چند جوہری نے رائے صاحب کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تھا جس کا اب کہین نشان بھی نہین۔ یہ محل بہت بڑے وسیع رقبہ مین تعمیر ہوا تھا۔ (جوہری محلہ حال چھیپی ٹولہ)۔

مہابیر جی کا مندر۔ نہایت قدیم اور مشہور و معروف مندر، جو چار بیگھہ ۱۲ بسوہ کی عمدہ پھلواری مین واقع تھا۔ پھلواری کی دیوارین پختہ تھین اور چارون طرف برآمدہ والی پختہ کوٹھریان بنی ہوئی تھین، پھاٹک پورب طرف تھا۔ بیان کیا جاتا ہی کہ یہ مندر قبل آباد ہونے دریاباد کے موجود تھا۔ دُور دُور کے راجہ مہاراجہ اس مندر کے معتقد تھے

---

[۵۲] و [۵۳] ملاحظہ ہون بیانات مولوی کاظم علی و فرحت اشرف و شیخ کرم کریم، بشمول مقدمہ نمبری ۵۹، فیصلہ ۲۴- دسمبر ۱۸۷۵ء اجلاس مولوی سید اکبر علی صاحب بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع بارہ بنکی۔ راجہ نراندر بہادر سنگھ مدعی بنام لچھمی پرشاد وغیرہ مدعا علیہم، مقدمہ پیچ کی سرائے۔

[۵۴] غالباً یہ مہربانی نواب برہان الملک بہادر (صوبہ دار اودھ) کی ہوگی جنھین اپنی ہی قوم والون کی نمود و شہرت پسند نہ تھی، غیر قوم کی شان و شوکت کب دیکھ سکتے تھے۔ قیصر التواریخ وغیرہ سے ثابت ہوتا ہی کہ شیوخ لکھنؤ کے مشہور و معروف قلعہ مچھی بھون کے پھاٹک کا نام شیخن دروازہ تھا۔ اُس مین ایک سنگی ملماط لٹکتی تھی جسے نواب برہان الملک نے کاٹ کر پھنکوا دیا تھا ۱۲۔

جن مین سے راجہ درشن سنگھ والی اجودھیا کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہی۔ مندر مین جو مورت تھی وہ بڑی خوبصورت اور چھوٹی سی تھی، جو کسی خاص مسالہ سے گوبر کی بنی ہوئی تھی۔ دریاباد کے چکلہ دار بدری داس نے جب راجہ چھترپتی تعلقدار ٹھرا پر سرکاری مالگذاری وصول کرنے کی غرض سے حملہ کیا اور انھین شکست دیکر گرفتار کرنے کے بعد تین برس کی بقایا وصول کر لی تو موجب اپنے عہد کے مندر کو نئے سر سے ایک عالی شان اور نفیس عمارت کی صورت پختہ بنوا کر قدیم مورت کے بجائے پتھر کی مورت پانچ سو روپیہ کی بنارس سے منگوا کے اس مین استھاپت کی اور پرانی مورت اسی مندر مین دوسری جگہ رکھی گئی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر مین مندر چند بدمعاشون کی شرارت سے مسمار ہوکر غارت ہوگیا۔ عرصہ سے یہ شکستہ مندر ایک معمولی مکان بن گیا ہی جس کی جنوبی کوٹھری مین جدید مورت استھاپت ہی، لیکن، قدیم مورت کا پتہ نہین ہی۔ پھلواری بھی کس مپرسی کی وجہ سے ویران ہوگئی ہی۔ تھوڑے زمانہ سے یہ مقام بابا پورن داس کے تکیہ کے نام سے مشہور ہی۔ اس مندر کے مصارف کے لئے ایک سو روپیہ سالانہ قدیم زمانے مین دربار شاہی سے مقرر ہوگیا تھا جو آخر شاہی تک برابر ملتا رہا۔ علاوہ شاہی عطیہ کے دیگر ریاستون سے بھی ۳۰ بیگھہ خام آراضی مندر کے لئے وقف تھی، جو ابتک بحال ہی۔ لیکن، راجہ صاحب ٹھرا اپنی معافی کی بابت کچھ لگان وصول کر لیتے ہین۔ (تکیۂ پورن داس متصل تالاب دانا شاہ)۔

ف تصدیق کے لیے چند شاہی پروانون کی نقلین ملاحظہ ہون (۱) پروانہ مہری گردھارا سنگھ منصرم چکلہ دریاباد رودولی وغیرہ۔ درباب سالیانہ لچھمن داس بیراگی استھان سری مہابیرجی واقع دریاباد خاص موسومہ کمبھیر سنگھ و ڈومی سنگھ مالگذار موضع سرائی بابت ۱۲۵۹ فصلی۔ کمبھیر سنگھ و ڈومی سنگھ مالگذاران موضع سرائی پرگنہ دریاباد۔ مبلغ یکصد روپیہ سکہ کلدار کہ نصف آن پنجاہ روپیہ میشود از وجہ سالانہ لچھمن داس بیراگی استھان سری مہابیرجی واقع دریاباد خاص از قدیم الایام مقرر و مجرائی دفتر معلی است و ہمیشہ لغایت گذشتہ دپیوستہ یافتہ آمدہ لہذا نگارش میرود کہ مبالغ وجہ مذکورہ بابت سال حال ۱۲۵۶ فصلی از جانب خود نیابرده رسانیده رسیدش یابند تا فی الحال بموجب پروانہ ہذا رسیدش در حساب سال تمام الیشان مجرا و محسوب خواہد شد درین باب تاکید مزید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔ فقط بالمرقوم ششم رجب المرجب ۱۲۶۰ ہجری (۲) مہر راجہ بختاور سنگھ۔ برخوردار سعادت اطوار لچھمن پرشاد لبانیت باشند بعافیت نوشتہ بمہر وسیفی برخوردار راجہ ہردت سنگھ بہادر موسومہ ایشان درباره دادن مبلغ یکصد روپیہ سکہ وجہ سالانہ لچھمن داس بیراگی استھان سری مہابیرجی مقرری دریاباد مجرائی دفتر معلی دریافت شد کہ ایشان ہنوز زرش بہ بیراگی مذکور نرسانیده اند لہذا نگارش میرود کہ بموجب عملدرآمد قدیم و گذشتہ پیوستہ مجرائی دفتر معلی زر وجہ مذکوره بابت ۱۲۶۳ فصلی رسانیده قبض الوصول ستانند درین باب تاکید مزید دانستہ حسب الارقام بعمل آرند زیادہ حد قلمی رود مرقوم ہفتم ذیحجہ ۱۲۶۰ ہجری (۳) پروانہ دینا سنگھ منصرم چکلہ دار دریاباد وغیرہ بنام گور پرشاد سنگھ سیسونہ ۱۲۵۷ھ (۴) پروانہ سید نوروز علی صاحب چکلہ دار دریاباد رودولی وغیرہ الٰہی غضنفر حسین صاحب تحصیلدار دریاباد ۱۲۵۸ھ (۵) پروانہ راجہ مان سنگھ بہادر قایم جنگ ناظم بنام میر علی محمد تحصیلدار دریاباد ۱۲۵۸ھ (۶) پروانہ مہابل سنگھ صاحب چکلہ دار دریاباد وغیرہ بنام شیخ عاشق علی صاحب تحصیلدار ۱۲۶۰ھ (۷) پروانہ کمیدان گردھارا سنگھ صاحب چکلہ دار دریاباد رودولی بنام شیخ نجف علی مہر دریاباد ۱۲۶۰ھ (۸) پروانہ راجہ ہردت سنگھ بنام لچھمن پرشاد تحصیلدار سورجپور ۱۲۶۰ھ (۹) پروانہ راجہ مان سنگھ بہادر ناظم محالات دریاباد رودولی وغیرہ بنام میر ذاکر حسین صاحب ۱۲۶۲ھ (۱۰) پروانہ مرزا قاسم علی صاحب تحصیلدار پرگنہ دریاباد بنام چودھری حسین علی صاحب ۱۲۶۰ھ (۱۱) پروانہ راجہ ہردت سنگھ صاحب چکلہ دار دریاباد رودولی بنام ہر پرشاد ۱۲۶۳ھ۔ یہ پروانے دیبی دت کے پاس موجود جو ذریعۂ وصیت نامہ محررہ و مصدقہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء منجانب بابا پورن داس آراضی و معافی و مندر و مکان وغیرہ جملہ جائیداد پر قابض ہین۔ ۱۲

قلعہ کی مسجد عرف جامع مسجد، بعض کہتے ہیں کہ یہ مسجد بابر شاہ کے حکم سے تعمیر ہوئی تھی، بعض اِسے عالمگیری مسجد کہتے ہیں۔ لیکن، بیعنامہ نوشتہ رعایت اللہ بنام مولوی مخدوم بخش صاحب مورخہ ۲۰ صفر ۱۲۳۳ھ بن حسن علی نائب قاضی پیش نماز مسجد قلعہ دریاباد، سید عتیق اللہ موذن مسجد" تحریر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی بنیاد تعمیر قلعہ کے وقت قائم ہوئی تھی۔ شاہی زمانے میں عام طور پر اسے قلعہ کی مسجد کہتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قلعہ کی قربت کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑ گیا ہو۔ یہ مسجد بلا مینار کے ایک مختصر سی خوبصورت اور نہایت مستحکم عمارت ہے جسکی چھت ڈاٹ کی بنی ہے۔ مسجد کا درمیانی حصہ معہ گنبد ۲۳ فٹ بلند ہے، مابقی دو حصے ۱۴ فٹ بلند۔ اندرونی فرش کا طول ۳۴ فٹ، عرض ۲۲ فٹ، آثار ۵ فٹ۔ صحن کا طول ۴۹ فٹ، عرض ۳۲ فٹ۔ چھت پر جانے کے لئے اِدھر اُدھر دو زینے ہیں۔ اس مسجد کی بیرونی دیواریں، معمولی دروازہ، حجرہ یا مسافر خانہ، غسل خانہ کی تعمیر جدید ہے۔ پختہ کنواں قدیم ہے۔ اس مسجد میں ہر جمعہ کو عام طور پر نمازیوں کی کثرت سے ایک خاص قسم کی رونق ہو جاتی ہے۔

بنّے مل کا پنج محلہ عرف بنّے محل تعمیر کردہ بنّے مل جوہری، دریاباد کے نامی گرامی محلات میں سے پانچ منزل کا ایک عظیم الشان محل تھا۔ (جوہری محلہ حال چھیپی ٹولہ)۔

دھنّو سیٹھانی کا پنج محلہ معروف بہ دھنّو محل نفیس اور پنج منزلی عمارت تھی۔ یہ محل زمانہ حال کے مطابق منّو پانڈے اور منشی کامتا پرشاد صاحب کے مکان کے درمیان واقع تھا۔ اب سے ۳۰ برس قبل اس کی اکثر دیواریں شکستہ حالت میں موجود تھیں (ٹھکانی ٹولہ)۔

نبی خانہ ۔ مشہور اور مقدس عمارت۔ مزارِ شاہ خوبان کی چار دیواری سے ملی ہوئی دکھن طرف واقع جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی مبارک نشان محفوظ تھا۔ افسوس اور تعجب ہے کہ ایسی قابلِ تعظیم تعمیر بھی غفلت کی نذر ہو کر بالکل بے نشان ہو گئی۔ (مخدوم زادگان)۔

سنگئی ساہ کا ست کھنڈا ۔ عرف سنگئی ساہ کا محل، نہایت عظیم الشان اور اپنے وقت کی بہت بڑی نامی گرامی لاجواب عمارت۔ بیرونی حصہ ایک نامعلوم زمانے سے بے نام و نشان ہے۔ اندرونی حصہ (زنانخانہ) نصف صدی کے اندر کھنڈر کی شکل میں باقی رہ گیا ہے جسکی چار منزلی بیرونی دیواریں ۷۷ فٹ لمبی، ۱۰۳ فٹ چوڑی، اور ۶۰ فٹ بلند ہیں اگر ۱۰ فٹ بلند کرسی بھی شامل کر لی جائے تو کل بلندی تخمیناً ۷۰ فٹ ہوتی ہے۔ اب اس سے ست کھنڈے کی اصلی بلندی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس حصۂ مکان میں چاروں طرف تہ خانے در تہ خانے بنے ہیں، جو خزانوں کے لئے وقف تھے۔ مکان کا خاص دروازہ اُتر جانب صحن سے ۳½ گز بلندی پر واقع ہے۔ دروازے تک پہونچنے کے لئے آٹھ سیڑھیاں ۷ فٹ لمبی ۲ فٹ چوڑی بنی ہوئی ہیں۔ اِس حصۂ محل کی کرسی میں تین طرف گودے ہوئے کنگر لگے ہیں، جو سانچے میں ڈھالے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ کرسی کے بیچ کی کانس، جو کنکروں ہی کی بنی ہوئی ہے اور جس میں خوبصورت اُبھرے ہوئے بیل بوٹے کھدے ہیں، ایک عجیب چیز ہے۔ اِن کنکروں پر اس قسم کے نشانات پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام در و دیوار پر چونے کے پلاستر کا نفیس کام کیا گیا تھا اور ہر کنگر علیحدہ علیحدہ معلوم ہونے کے ساتھ ساتھ رنگین نقش و نگار سے بھی مزیّن تھا، کانس

والے کنگروں کے بیل بوٹے بھی رنگین تھے۔ محل کی تعمیر میں جس قدر لکڑی صرف ہوئی تھی، وہ سب قابلِ دید نقش و نگار اور دلکش بیل بوٹوں سے آراستہ تھی یعنی چوکھٹ، بازو، تختے، بھاٹیں، کیواڑ، کھمبے، اُترنگ، کڑیاں وغیرہ سب منقش، بعض بعض جوڑیوں میں جالی کا ایسا کام کھدا ہوا تھا جسے دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی تھی ۱۹۱۳ء کے قبل یہ حصۂ محل کسی قدر درست تھا۔ اس میں جو تہ خانے بنے ہیں اُن کے راستے بہت مخدوش اور بھول بھلیاں کی طرح پیچیدہ اور خوفناک ہیں۔ راستے چار ہیں یعنی پورب، دکھن، پچھم، نیچے اُترنے کے لئے صد ہا پختہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ محل پہلے ست کھنڈا قلعہ مشہور تھا فیض آباد کے کسی نواب[1] کے حکم سے تین منزل گروا دئے گئے، اُس وقت سے اسے "سنگی ساہ کا محل" کہنے لگے اور یہ محل صرف چار منزل کا رہ گیا جو بہت بڑے وسیع رقبہ میں واقع تھا۔ محل کے پچھم طرف ایک ڈیوڑھی کی اعلیٰ تعمیر تھی۔ زنانے حصے (موجودہ کھنڈر) کے پورب طرف کھڑکی کے متصل ایک نہایت عمدہ پائیں باغ تھا۔ صرف زنانے حصہ میں کواڑوں کی چھوٹی بڑی سب ملا کر ۲۰۰ جوڑیاں تھیں، محل کے رقبہ میں ۲۶ چھوٹے بڑے پختہ کنوئیں تھے، جن میں سے کئی ایک اب بھی موجود۔ تمام محل بھر میں نیچے سے اوپر تک مضبوطی کے لئے دیواروں میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے مچوسے (چیلی چوکھٹے) لگے ہوئے تھے۔ محل کی بیرونی دیواروں کی نیوین چار پانچ ہاتھ سے کم چوڑی نہیں تھیں۔ نیو کی گہرائی پانی کے قریب تک ۔[2]

نواب شیر افضل کا امام باڑہ۔ اپنے وقت کی دلچسپ و اعلیٰ تعمیر۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نواب شیر افضل خان صاحب عامل دریاباد نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ یہ امام باڑہ زمانۂ حال کے مطابق اُس مقام پر تھا جہاں برائی کبڑیا کا کھیت ہے جو بستی سے پچھم طرف واقع ہے۔ اس کھیت میں اب بھی اکثر نشانات پائے جاتے ہیں۔

شیش محل، رنگ محل۔ اپنے وقت کی بے مثل عمارتیں، بانی حاجی محمد مصطفیٰ شاہ صاحب بزمانۂ اکبر بادشاہِ ہندوستان۔ شیش محل اور رنگ محل کے دلفریب اور شگفتہ ناموں پر غور کرنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ جگمگاتی ہوئی عمارتیں کیسی فرحت بخش اور خوشنما ہونگی، جن کی چمک دمک، رنگ آمیزی عجب بہار دکھاتی رہی ہوگی اور ان کے اہتمام میں کس قدر اولوالعزمی سے کام لیا گیا ہوگا اور کاریگروں نے تعمیر کے دلچسپ بنانے میں اپنی عجیب و غریب صناعیوں کے ذریعہ سے کیسی کیسی اوستادانہ خیال آرائیوں کا اظہار کیا ہوگا!!! (مخدوم زادگان)

رنگ بھون، لکشمی بھون۔ رنگ بھون یعنی عیش خانہ اور لکشمی بھون یعنی دولت کا گھر، اس سے قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ یہ محلات کسی وقت میں نہایت نفیس اور خوبصورت، شاندار تعمیر ہوئے ہونگے۔

امام باڑہ تصرف حسین۔ پورب پھاٹک کے باہر تھوڑی دُور پہ سنگی ساہ کے کنوئیں سے متصل، کسی وقت یہ امام باڑہ دیکھنے کے قابل تھا۔ آج کل صرف زری والا حصہ یعنی بارہ دری شکستہ حالت میں موجود ہے جو دم واپسین بھر رہا ہے زری بھی، جس میں جالی کا دلکش کام کھدا ہوا ہے چند روز مہمان۔ ایک سرکاری کاغذ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ امام باڑہ اب سے ۳۲۳ برس قبل تعمیر ہوا تھا اور اس کے متعلق پانچ بیگہ ۱ بسوہ پختہ آراضی دربار اودھ سے مالک امام باڑہ کو بحرمت

---

[1] غالباً یہ بھی نواب برہان الملک ہی ہونگے ۔ [2] نقل حکم و تجویز اجلاس منشی کریم احمد صاحب صدر منصرم بندوبست مورخہ ۱۸ جنوری ۱۸۶۸ء، تجمل حسین مدعی غیبوراج بلی در حق پرشاد مدعا علیہ ۔

ہوئی تھی، جو شاہی پروانوں مین درج تھی۔ (گوبند پور)۔

امام باڑہ غریب شاہ بیان کیا جاتا ہے کہ "تخمیناً دو سو برس کا زمانہ ہوا، اِسے غریب شاہ نے بنوایا تھا جو قبل غدر معمولی کھنڈر کی صورت مین باقی رہ گیا تھا، غدر کے بعد نزدل ہو کر منہدم کرا دیا گیا"۔ امام باڑہ کی قابل تعریف زری جو "آئینہ والی زری" کے نام سے مشہور تھی، ابتک ناگفتہ بہ حالت مین موجود۔ غریب شاہ کی نسل مین عیدو شاہ، بکا شاہ، سکرو شاہ اس وقت تک زندہ اور زری کے محافظ۔ (سنگئی گنج حال پرتاب گنج)۔

شیخ فضل علی کا امام باڑہ۔ نہایت خوبصورت اور عالی شان امام باڑہ، بنا کردہ شیخ فضل علی صاحب چکلہ دار و رئیس۔ یہ امام باڑہ قیمتی شیشہ آلات سے آراستہ تھا۔ شیخ صاحب کے بیٹے نعیم اللہ صاحب کی وفات کے بعد، منشی نبی بخش صاحب عاصی جو انھین کے خاندان سے تھے، مالک ہوئے، غالباً شروع انگریزی مین شکستہ حالت مین موجود تھا۔ (ٹھکانی ٹولہ)۔

روشن لال کا مکان۔ عظیم الشان امیرانہ عمارت۔ اِس مین دو منزلے سہ منزلے نفیس اور دلکش مکانات بارہ دری، رنگ محل، محلسرا، ٹھاکر دوارہ، دیوانخانہ، نقارخانہ، نوبت خانہ، فیلخانہ، شترخانہ، اصطبل، گاؤخانہ، وغیرہ ناموں سے مشہور اور سجائے خود ایک عمدہ تعمیر تھے۔ افسوس ہے کہ دیوان روشن لال صاحب کی اس تابناک یادگار کے متعلق اب صرف بارہ دری کی ڈیوڑھی اور محلسرا کا نصف حصہ مع اپنے عماری دار دروازے کے شکستہ حالت مین باقی رہ گیا ہے۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ جس زمین پر نادر و نایاب عمارتین بنی ہوئی تھین، وہان آج کل تمباکو کی کاشت ہو رہی ہے۔ جہان نوبت و نقارہ کی سُریلی صدائین گونجتی تھین، جہان سنکھ گھڑیال بجتا تھا، ہر پہر کی مسرت خیز آوازین آتی تھین، وہان چیل کوّے اُلّو بول رہے ہین، ہر طرف سناٹا، ہو کا عالم، جدھر دیکھئے سائین سائین ہیبتناک منظر۔ (محرران)۔

دیکھتون کی حویلی۔ عالی شان اور دلچسپ تعمیر، جو خاص مہاراجہ ٹکیت رائے کے حکم سے تیار ہوئی تھی۔ اسمین دیوانخانہ، بالاخانہ، بارہ دری، محلسرا، وغیرہ کے ناموں سے سلسلہ وار دو منزلے، سہ منزلے مکانات بنے ہوئے تھے۔ بھوانی شنکر دیکھیت کی یہ یادگار تخمیناً اب سے ۳۰ برس قبل کچھ کچھ اچھی حالت مین تھی، آج کل صرف کچھ حصہ کھنڈر کی شکل مین برائے نام باقی۔ (دیکھتیانہ)۔

راجہ بھوانی پرشاد کا مکان۔ خوبصورت اور نفیس امیرانہ عمارت، جس مین دو منزلے سہ منزلے چہار منزلے مکانات تعمیر تھے۔ یہ مکان اب سے نصف صدی قبل کھنڈر کر بے نام و نشان ہو گیا۔ (محرران)۔

لیکھراج کا محل۔ اس خوشنما عمارت کو راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے چھوٹے بھائی لالہ لیکھراج صاحب نے اپنے رہنے کے لئے مغلانی محلہ مین بنوایا تھا۔ یہ دو منزلی تعمیر بلندی مین سہ منزلے سے کم نہ تھی، جو ۱۸۹۲ء مین بے نام و نشان ہو گئی، جس کے متعلق اب ایک چھوٹا سا پختہ کنوان باقی رہ گیا ہے۔ (مغلن ٹولہ)۔

کمیدان کا امام باڑہ[۵]۔ مشہور و معروف امام باڑہ۔ اِسے امیر خان صاحب کمیدان نے بنوایا تھا جو جامع

۵ بعض حضرات اس امام باڑہ کو امیر خان صاحب کمیدان لکھنوی کا تعمیر کردہ خیال فرماتے ہین جو بعہد امجد علی شاہ بادشاہ لکھنؤ دریابادی فوج مین تعینات تھے، حالانکہ امام باڑہ مذکور نواب سعادت علی خان بہادر کے وقت مین امیر خان کمیدان دریابادی نے تعمیر کرایا تھا۔

مسجد سے متصل، توپخانہ سے ملا ہوا پورب طرف واقع تھا۔ غدر کے بعد نزول ہو کر منہدم کیا گیا۔

رائے صاحب کا مکان۔ دو منزلی وسیع اور اعلیٰ عمارت۔ مکان بھر میں چاروں طرف مسلسل جواب الجواب بلند عمارتوں کی دلکشی، کمروں کی سجاوٹ، در و دیوار کی موزونیت اور نفاست ایک زبردست امیرانہ شان و شوکت کا پتہ دیتی ہے۔ سنہ ۱۹۰۸ء کے گزیٹیر میں اس عمارت کا ذکر ہے، جسے لائق مولف نے بجائے رائے راجیشر بلی صاحب کے رائے مہادیو بلی صاحب کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔

پتھر کا شیوالہ۔ مختصر مگر عمدہ تعمیر، مخروطی شکل، رائے مہادیو بلی صاحب کی مذہبی یادگار، پرگنہ دریاباد میں اس سے قبل پتھر کی کوئی عمارت نہ تھی۔ یہ شیوالہ اوّل سنگی تعمیر ہے، جو رائے صاحب کی جدت پسند طبیعت کا ایک دل خوش کن جلوہ ہے۔ رائے صاحب ممدوح کی زندگی میں ہر سال کجلی تیج کی رات کو یہاں ایک اچھا جشن منایا جاتا تھا۔ شیوالے کے اندر باہر چاروں طرف (در و دیوار چھت، چھجہ) جھاڑ، کنول، ہانڈیاں، حبابے، گلاس وغیرہ آراستہ کئے جاتے تھے۔ شیشہ آلات کی روشنی سے تمام خطہ جگمگا اٹھتا تھا۔ فصل گرما کا آغاز ہوتے ہی دروازوں میں خس کی ٹٹیاں لگائی جاتی تھیں۔ افسوس ہے کہ رائے مہادیو بلی صاحب کی وفات سے شیوالے کے متعلق دیگر تعمیریں وجود میں نہ آسکیں جن کے لئے اکثر ضروری سامان فراہم بھی ہو چکا تھا۔

ڈپٹی صاحب کا مکان۔ عظیم الشان مکان، مولوی حاجی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر کی مستحکم یادگار۔ مکان کی بارہ دری وسعت اور خوبصورتی و بلندی کے لحاظ سے نیشاپوری طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ معلوم ہوتی ہے۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ اس مکان کے آگے سنہ ۱۹۳۲ء میں ڈپٹی صاحب کے حقیقی بھتیجے اور بیٹوں نے اپنی سعادتمندانہ کوششوں سے ایک شاندار اور خوبصورت کوٹھی بنوا کر مکان کی شان و شوکت میں قابل قدر معقول اضافہ کر دیا ہے، جس سے اُن کی اولوالعزمی و حب الوطنی ظاہر ہوتی ہے۔ (مخدوم زادگان)۔

دیوہرہ۔ جینی مندر، سالِ تعمیر سنہ ۱۹۱۰ء، خاص مندر کی شکل مخروطی، تخمیناً ۸۰ فٹ بلند، مندر کا کلس سونے کے ملمع سے معمور، بیدی کا فرش سنگِ مرمر اور سنگِ موسیٰ سے مزیّن۔ جس مکان میں یہ مندر واقع ہے، وہ بشکل مربع، عمارت مضبوط اور وسیع و خوبصورت بلند کرسی پر قائم۔ اس دیوہرہ کو دریاباد کے سراوگوں نے باہم شرکت میں چندہ کے ذریعہ سے تعمیر کرایا ہے۔ (سراوگی محلہ)

باولی کنواں۔ تیار کردہ سنگھئی ساہ، بستی کے باہر، پورب طرف، امام باڑہ حضرت حسین کے متصل۔ اس خشک کنوئیں کا شمالی حصہ زمین دوز ہو کر سڑک میں شامل ہو گیا ہے۔ ملحقہ حصہ کی پیمائش سے معلوم ہوا کہ قطر ۱۶ فٹ، جگت کی چوڑائی جو کنکروں کی بنی ہے ۱۶ فٹ، اونچائی ۱۰ فٹ اور محیط ۵۰ فٹ، پانچ سیڑھیاں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کنوئیں میں باولی بنی ہوئی تھی اور اس کے چاروں طرف اندرونی حصے میں چار منزلی عمدہ عمارتیں تعمیر تھیں۔ دو پختہ راستے تھے۔ ایک خاص سنگھئی ساہ کے محل سے پختہ سرنگ کے ذریعہ سے قائم کیا گیا تھا، دوسرا عام لوگوں کی سیر و تفریح کے لیے۔ یہ کنواں اپنی خصوصیت کے لحاظ سے غالباً اودھ میں پہلی تعمیر ہے جس کے بہت دنوں کے بعد لکھنؤ میں بعہد نواب آصف الدولہ بہادر اسی قسم کا باولی کنواں تیار کیا گیا تھا جو اس وقت تک موجود، اور جس کا جواب آج تک کسی دوسرے مقام پر دیکھنے

سُننے مین نہین آیا۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ اس کنوئین سے پانی کا بم پھوٹنے پر گمان ہوا کہ سارا دریاباد بہ جائے گا۔ لیکن سنگٹی ساہ نے کئی ایک وزنی لوہے کے توے ڈلوا دیے، جس سے پانی کا زور کم ہو گیا۔"

تالاب پختہ۔ بانی دیوان روشن لال صاحب، نفیس اور قابل دید تالاب۔ چارون طرف بلند اور پختہ دیوارین[۵] تھین۔ دکھن طرف مرجھون والے دو پھاٹک تھے۔ ایک گئو شالہ والا، دوسرا عام لوگون کی آمدورفت کا۔ پورب طرف بہت بڑی عالی شان، خوبصورت دو منزلی کوٹھی تھی، جسے "تالاب والی کوٹھی" کے نام سے شہرت تھی۔ دکھن اور پچھم طرف بارہ دری نما لمبے چوڑے دو درجے والے چار دھرم شالے بنے تھے، پچھم ایک مختصر سا شیوالہ بھی بنوایا گیا تھا۔ اُتر طرف زنانہ گھاٹ کی تعمیر ہوئی تھی۔ ان مین سے شکستہ تالاب، زنانہ گھاٹ اور شیوالہ موجود، باقی عمارتین عرصہ سے بے نام و نشان۔ تالاب کا طول ۲۴۳ فٹ، عرض ۲۳۲ فٹ۔ زنانہ گھاٹ، ایک مختصر سی عمارت دو درجون پر قایم ہے۔ آمدورفت کے راستے مخدوش ہو گئے ہین۔ عمارت کا اگلا درجہ جو بلندی پر ہے، ۳۴ فٹ لمبا ½ ۸ فٹ چوڑا، ادھر اُدھر دونون جانب دو کوٹھریان۔ دوسرا درجہ، جو حوض کے قریب ہے، ۳۴ فٹ طویل، ½ ۱۲ فٹ عریض ہے، آمنے سامنے دو کوٹھریان۔ حوض کا طول ۳۴ فٹ، عرض ۲۳ فٹ ۴ انچ، پورب پچھم دو دالان۔ یہ عمارت ۲۴ فٹ بلند ہے، آثار ½ ۴ فٹ، کُل عمارت ڈاٹ کی ہے۔ اس گھاٹ کے بیرونی حصے مین بھی سیڑھیون کے برابر دو برآمدے پورب پچھم بنے ہوئے ہین۔ برساتی پانی نکلنے کے لئے پچھم شمال و جنوب دو نہرین (پختہ نالیان) بنائی گئی ہین، جن مین سے ہر ایک ۳۸۴ فٹ لمبی، ۳ فٹ چوڑی، ۵ فٹ گہری ہے، آثار ۳ فٹ سے زائد، نالیون کی زمین بھی پختہ۔ لکھنؤ کے مشہور شاعر منشی رام سہائے صاحب تمنا نے اپنی تالیف "افضل التواریخ" مین اس تالاب کو بنا کردہ الماس علی لکھا ہے۔ لیکن یہ روشن لال کے نام سے مشہور رہے جس کی تصدیق ایک سرکاری مثل سے بھی ہوتی ہے۔ (ملاحظہ ہو بیان مولوی کاظم علی، باب ۳، فصل ۴، ذکر الماس گنج) علاوہ اس کے شیوالہ اور دھرم شالون کی تعمیر خود اس بات کی دلیل ہے کہ تالاب ہندو کا بنوایا ہے۔

دوسری فصل باغون کے بیان مین

سنگٹی ساہ کی پھلواری۔ رقبہ تخمیناً دو بیگہ پختہ، مشہور باغیچہ۔ اس مین دکھن طرف پختہ عمارتین تھین۔ عرصہ سے یہ باغیچہ ویران ہے۔ پختہ چار دیواری، پختہ کوٹھری معہ دالان، ایک چھوٹا سا پختہ کنوان، پختہ بلند دروازہ شکستہ حالت مین اب تک موجود۔ سنگٹی ساہ کی مُدور قبر جو تخمیناً ۳ فٹ بلند ہے، اسی پھلواری مین بنی ہے۔ اس قبر کے قریب لمبے چوڑے پختہ چبوترے پر تین گول قبرین اور بھی ہین جو پنڈت دولہند و ہلاس و سیتارام جیسن دھرم کے پوجاریون کی بیان کی جاتی ہین، جنھین یہ باغ سنگٹی ساہ کے خاندان والون نے سنکلپ کر دیا تھا۔ آج کل یہ ویران پھلواری پنڈت دولہند وغیرہ کی نسل مین پنڈت آدناتھ وغیرہ کے قبضہ مین ہے۔

شیوالہ والی پھلواری۔ رقبہ تخمیناً دس بیگہ پختہ، اپنے وقت کی مشہور و معروف نفیس پھلواری،

---

۵ شمال و جنوب شیوالہ والی پھلواری سے متعلق تھی ۱۲۔

بانی دیوان روشن لال صاحب۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس پھلواری مین انواع و اقسام کے میوہ دار درخت اور پھولون کے خوشنما چمن کھلے ہوئے تھے۔ باغ کا پختہ پھاٹک تالاب والی کوٹھی سے متصل دکھن طرف تھا۔ چار دیواری پختہ اور بلند تھی۔ اس مین ایک خوشنما کوٹھی اور چند پختہ مکان بنے ہوئے تھے۔ باغ تیار ہو کر شیوالہ کی تعمیر ہوئی تھی، اس لئے اسے شیوالہ والی پھلواری کہتے تھے۔ مدت ہوئی یہ باغ اپنی بہار رکھو کر کھیتون کی صورت مین منتقل ہو گیا ہے۔ اب صرف باولی کنوان اور شیوالہ باقی رہ گیا ہے۔ باولی کی گول عمارت بارہ پہل کی ہے، جس مین محراب نما آٹھ در محض نمائشی اور چار پانی بھرنے کے ہین۔ عمارت کی چھت ڈاٹ کی تھی، جو گر گئی۔ یہ عمارت تخمیناً ۸ افٹ بلند اور کنوئین کی جگت پر قائم ہے۔ باولی کا راستہ دیوان روشن لال صاحب کے بعد مخدوش سمجھ کر بند کر دیا گیا۔ شیوالہ ویران نہ مورت ہے نہ گھنٹہ۔ شیوالہ کے پختہ حلقہ مین برسات کا آغاز ہوتے ہی کانٹون کی جھاڑیون، گھاس پھوس کی کثرت سے ایک دشوار گذار جنگل پیدا ہو جاتا ہے۔ شیوالہ کے قریب ہی مغرب طرف چند قدم پر دیوان روشن لال صاحب کی قبر پختہ چار دیواری کے اندر واقع ہے۔

مٹھ والی پھلواری۔ شیوالہ والی پھلواری سے متصل اُتر طرف واقع اور اُسی کے برابر وسیع اور خوشنما و قابل تعریف۔ اس کے بانی بھی دیوان روشن لال ہی تھے۔ دیبی کا مٹھ تعمیر ہونے کے باعث اسے مٹھ والی پھلواری کہتے تھے۔ اس مین بھی کئی ایک پختہ عمارتین تھین۔ نقل عرضی دعویٰ لالتا پرشاد وغیرہ مورخہ ۲۰۔ اگست ۱۸۷۰ء سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پھلواری نیز شیوالہ والی پھلواری اُجڑی ہوئی حالت مین ۱۸۵۷ء کے بعد رہن ہو کر بندوبست کے زمانے مین (۱۸۶۲-۶۴ء) راجہ صاحب ہڑاہا کے قبضہ مین آگئی تھی اور ۱۸۷۰ء مین کچھ حصّہ میدان اور کچھ حصّہ کھیت ہو گیا تھا۔

ٹھاکر دوارے والی پھلواری۔ دلچسپ باغیچہ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے اس جگہ ایک معمولی آمون کا باغ تھا، جسے سورج بلی صاحب نے اپنے والد سیتل پرشاد صاحب کی وفات پر تیار کرایا تھا۔ سیتل پرشاد صاحب کی قبر اسی باغ مین ہے۔ باغ کے ساتھ ہی ٹھاکر دوارے کی تعمیر شروع ہو گئی تھی۔ جب شیوراج بلی صاحب ریاست کے منتظم ہوئے تو انھون نے اس باغ کو از سرِ نو درست کرا کے ایک مختصر سی عمدہ پھلواری بنا دیا، جسے مندر کی وجہ سے "ٹھاکر دوارے والی پھلواری" کہنے لگے۔ زمانہ کی نیرنگی دیکھئے! جہان کسی وقت رنگارنگ کے خوشبودار پھول کھلتے رہے، سبزہ و گل کے نظّارے سے دل کو فرحت، آنکھون کو تازگی حاصل ہوتی رہی، انواع و اقسام کے میوہ دار درخت اپنی لطیف بہار دکھاتے رہے، طائرانِ خوش الحان کی زمزمہ سنجی سے دل باغ باغ ہوتا رہا، آج وہی خطہ چمن افزا ویران ہو کر ایک وحشت ناک میدان بن گیا ہے۔ مستطیل نما پختہ حوض، جس مین رنگین مچھلیان تھین، عرصہ سے خشک، چھوٹی سی کوٹھی، چاہ پختہ، اور دو چار درخت اگلی شان یاد دلانے کو قایم و موجود لیکن، شکر کا مقام ہے کہ ٹھاکر دوارے کے عیوض (جسکی شکستہ اور بوسیدہ عمارت بہت کچھ مخدوش ہو گئی تھی) حال مین جدید دو منزلہ مندر تیار ہو رہا ہے۔ عجب نہین کہ رائے راجیشر بلی صاحب بہادر اس ویران پھلواری کی طرف بھی کچھ توجہ مبذول فرمائین۔

بہار باغ نفیس باغیچہ، نام کی موزونیت اور جدّت قابلِ داد۔ پہلے یہ ایک معمولی میوون کا باغ تھا۔ رائے بہادر بلی صاحب نے اسے از سرِ نو درست کرانے کے ساتھ ہی ایک خوبصورت کوٹھی نما دو منزلہ پھاٹک بھی تعمیر کرا دیا، جو اپنے طرزِ خاص کی بناء پر غالباً ضلع بارہ بنکی بھر مین اوّل پھاٹک ہے۔ ممدوح کی زندگی تک اس مین وقتاً فوقتاً تفریحی سامان کا

قابلِ قدر اضافہ ہونے کے باعث روز بروز رونق بڑھتی رہی۔ پختہ چار دیواری بننے کی نوبت نہ آئی تھی کہ دفعتہً اُن کا انتقال ہو گیا۔ کچھ دن کے بعد کس مپرسی کی وجہ سے باغ کی ساری بہار رخصت ہو گئی۔ موجودہ باغ برائے نام، پھاٹک جو کسی قدر غیر مکمل ہے، موجود۔

تیسری فصل محلّون کے بیان مین

جوہری محلّہ، اصل نام دسوالن ٹولہ، نہایت قدیم اور دولت مند محلّہ، جوہریون کی کثرت ہونے کے باعث اسے جوہری محلہ کہتے تھے۔ یہ جوہری مذہب جین کے پابند "دسوال" کہلاتے تھے۔ یہان بہت سے پختہ مکانات اِن دسوالون کے تھے، جن مین چھٹنکی محل اب تک مشہور ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس محلہ سے ایک دم ۲۵ گھرون کے باشندے صرف لکھنؤ جاکر آباد ہو گئے اور باقی گھرون کے لوگ کانپور، بنارس، دہلی وغیرہ چلے گئے اور یہ محلّہ غدر کے قبل ہی بے نام و نشان ہو گیا۔ جوہری محلہ زمانۂ حال کے مطابق زنانہ اسکول سے متصل واقع اور دکھن طرف دُور تک آباد تھا۔

پٹھکانہ، عرف ٹھکانی ٹولہ، قدیم آبادی، پاٹھکون کی زیادہ آبادی ہونے سے اس خطّہ کا نام ٹھکانی ٹولہ مشہور ہو گیا۔ یہ لوگ دولت مند اور سُورسیر تھے۔ یہان جگاتی املی ایک مشہور درخت ہے، جسکی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جو کوئی سودا بیچنے والا باہر سے اِس محلہ مین آتا تھا اُس سے پاٹھک لوگ "جگات" لیتے تھے اور "یہ جگات" اسی املی کے درخت تلے وصول کی جاتی تھی، یہان جگات یعنی چُنگی (محصول) لینے والون کی نشست رہتی تھی، اس بنا پر اسے "جگاتی املی" کے نام سے شہرت ہو گئی۔ بعض کہتے ہین کہ جگاتی نامے بھورجی نے نصب کیا تھا اس وجہ سے جگاتی املی کہنے لگے۔ اگنی ہوتریون کے مشہور رگیہ اسی محلّہ مین ہوئے تھے۔ مدّت سے یہ محلّہ ویران اور معمولی محلّون مین شامل۔

دیچھتانہ۔ عرف دیچھتانی ٹولہ، کسی وقت مین یہ بہت بارونق محلّہ تھا، اس مین ہر فرقہ کے لوگ آباد تھے۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر بارہ بنکی مین اس کا نام آیا ہے۔ قبل مین یہان صرف دیچھتون کی زبردست نسل قائم ہوئی تھی، اس وجہ سے دیچھتانی ٹولہ کے نام سے شہرت ہو گئی۔ سُنا گیا ہے کہ بھوانی شنکر دیچھت کے وقت مین یعنی اب سے سوا سو برس قبل یہان چالیس گھر پختہ صرف دیچھتون کے موجود تھے۔ یہان چار رگیہ، جو تین مختلف فرقون اوستھیون، جگدھریون، دیچھتون کے نام سے اب تک مشہور ہین، ہوئے تھے۔ اب سے ایک صدی قبل تک یہ محلہ اچھی طرح آباد رہا۔ بعد اُس کے زوال شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہونچی کہ دیچھتون کے ۴۰ گھرون مین سے ایک گھر باقی رہ گیا، اسی طرح دیگر فرقے بھی آوارہ وطن ہو گئے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ پورۂ خوبان کے پیشہ ور عموماً اور کوری خصوصاً اسی محلہ کے رہنے والے تھے، جو دیچھتون کی تباہی پر وہان جاکر آباد ہو گئے تھے۔ آج کل اس محلہ کا مشرقی حصّہ (خاص کُرمیون کی آبادی)۔ بجائے خود ایک محلّہ قرار دیا گیا ہے، جسے ملیا تالاب کی رعایت سے "ملیا محلہ" کہتے ہین۔

مخدوم زادگان۔ حضرت مخدوم آبکش کی نسل والون نے اُن کے نام سے اس محلّہ کو منسوب کیا تھا۔ بارہ بنکی گزیٹیر مین اس محلہ کا بھی ذکر ہے۔ پیشہ ورون مین یہان اچھے اچھے لوگ آباد تھے، جن مین سپر سازون کی خاص

شہرت تھی۔ اُنکی حویلیاں سہ منزلی چہار منزلی تھیں، اُن میں سے بعض ر مُیسانہ حیثیت رکھتے تھے جسکی تصدیق حدیقۃ الاقالیم سے بھی ہوتی ہے۔ آج کل یہ محلہ بھی بے رونق ہے۔

چودھریان، واجب العرض دریاباد، محلّون کے بیان مین پورہ فتح علی عُرف چودھری محلہ تحریر ہے، جو اِس بات کی دلیل ہے کہ اِس محلّے کے بانی چودھری فتح علی صاحب تھے، جن کا نام محضر نامہ منجانب قاضی محمد نورالحق مورخہ ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۱۸۰ھ اور حکمنامہ باسم ہمت و دھونکل مرقومہ ۷۔ رجب سنہ ۱۱۶۷ھ مین بہ گواہان حاشیہ درج ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہو کہ اِس محلہ کی بنیاد سنہ ۱۱۶۷ھ کے قبل یا سنہ ۱۱۶۷ھ اور سنہ ۱۱۸۰ھ کے درمیان قایم ہوئی تھی ضلع کی تاریخ مین اِس محلّہ کا بھی نام ہے۔ یہ محلّہ غدر کے قبل اچھی طرح آباد تھا۔ یہان ایک تالاب "رہ دینا تلاؤ" کے نام سے مشہور ہے، جس کی نسبت لوگون کا بیان ہو کہ کسی وقت اِس تالاب کے گرد چارون طرف ایک جنگل تھا جس مین راہزن لوگ مسافرون کو لوٹ کر چھپ رہتے تھے۔ اِس گروہ کی سرغنہ ایک عورت تھی۔ اِسی وجہ سے تالاب کو پڑھے لکھے رہزنیا اور بے پڑھے "رہ دینا تلاؤ" کہنے لگے۔ اِس محلہ مین دیگر پیشہ ورون کے علاوہ جولاہے زیادہ آباد تھے۔

خانزادہ، معروف بہ خانزادون کا محلّہ، بانی چودھری فتح علی صاحب تعلقدار دقانونگو۔ بعضون کے نزدیک یہ محلہ بہت قدیم ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اِس مین خانزادون کے نوسو مکانات تھے، جو بڑے بہادر، شریف اور مشہور غُلّہ باز تھے۔ آصف الدولہ کے زمانے مین ایک فیلبان ہاتھی پر سوار اِس محلّہ مین آنکلا۔ ایک صاحب نے کہا کہ پردہ دارون کی بے پردگی ہوتی ہے، اِدھر ہاتھی نہ لاؤ۔" اُس نے کچھ خیال نہ کیا، اور ہاتھی مکان کے قریب پہونچ گیا۔ جب اُنھون نے دیکھا کہ آبرو جاتی ہے تو (اُس وقت اُن صاحب کے ہاتھ مین غلیل تھی اور کمر مین تلوار) پہلے اُنھون نے ایک غُلّہ ہاتھی کے ماتھے پر ایسا تاک کر مارا کہ ہاتھی نے چنگھاڑ کر غصہ کی حالت مین اُن کے مکان کا چھپر گرا دیا۔ بعد اُس کے اُن پر حملہ آور ہوا۔ اُنھون نے جلدی سے اُس کی سونڈ تلوار سے کاٹ لی۔ ہاتھی شور کرتا ہوا بھاگا۔ فیلبان نے چکلہ دار ناظم سے اِس بات کی اطلاع کی۔ وہان سے اُن پر عتاب نازل ہوا۔ لیکن اُن کا ایک عزیز شاہی فوج مین افسر تھا اُس نے سارا واقعہ چکلہ دار سے بیان کردیا۔ فیلبان کی خطا ثابت ہونے پر اُسکو سزا دی گئی۔ عرصہ سے یہ محلہ ویران ہوکر چودھری محلہ اور مخدوم زادگان مین شامل ہوگیا ہے۔

بازداران۔ سُنا جاتا ہے کہ چودھری صاحب کے مکان تئے پچھم طرف تین چار سوپختہ گھر بازدارون کے بنے ہوئے تھے، جن کا سلسلہ دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ اِس سلسلۂ آبادی کو بازدارون کا محلہ یا بازداران ٹولہ کہتے تھے۔ اِس آبادی کا کچھ حصہ اب سے نصف صدی قبل ایک معمولی ٹیلے کی صورت مین موجود تھا۔ قاسم شاہ ہنس جواہر کے مصنف اِسی محلہ مین رہتے تھے۔

سواران، عُرف سواران ٹولہ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ محلہ چھیپی ٹولہ کے دکھن طرف محلۂ مغلان سے متصل دُور تک چارون طرف واقع تھا، جس مین دو ڈھائی سو گھر سوارون کے تھے۔ اِسی بنا پر اِسے سواران کا محلہ کہتے تھے۔ دیگر پیشہ ور بھی اِس مین آباد تھے۔ آٹھ دس گھر پٹھان چابک سوارون کے بھی تھے۔

کھرن ٹولہ - بانی کھرے کایستھ - واجب العرض دریاباد مرقومہ ۲۶ فروری ۱۸۶۷ع، دفعہ ۹ مین اس محلہ کا نام درج ہے - نصف صدی کے اندر ویران ہو کر محلہ مغلان مین شامل ہو گیا - کسی وقت اس کا شمار بڑے محلون مین تھا -

مغلان معروف بہ مغلن ٹولہ، بانی سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب مغل - بعضون کا بیان ہے کہ یہان اچھے اچھے امیر و معزز مغل لوگ آباد تھے، اس وجہ سے اسے مغلن ٹولہ کہنے لگے - بارہ بنکی گزیٹیر مین اس محلہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے - آج کل یہ محلہ بھی ویران ہے -

محرّران، عُرف محررن ٹولہ، بانی محررون کے مورث، بعض کے نزدیک محررون کی نسلی ترقی محلہ کی بنیاد کا باعث - بارہ بنکی گزیٹیر مین اس محلہ کا بھی نام درج ہے - اس محلے مین ہر قسم کے باشندے آباد تھے، مگر، کائستھون کی خاص طور پر کثرت تھی - یہ محلہ اب سے نصف صدی قبل اچھی حالت مین تھا - شاہی زمانے مین یہان دیگر پیشہ ورون کے علاوہ محض تلوار کی باڑھ درست کرنے والے کاریگرون کے پچیس تیس گھر تھے جو غدر کے بعد دس پندرہ برس تک آباد رہے -

چھیپی ٹولہ - یہان جینون کا ایک فرقہ "چھیپی پلی وال" کے نام سے آباد تھا - یہ لوگ کپڑا چھاپتے تھے، اسی وجہ سے ان کو چھیپی پلی وال کہتے تھے - انھین لوگون کی کثرت سے اس محلہ کو چھیپی ٹولہ کے نام سے شہرت ہو گئی تھی - کہا جاتا ہے کہ اس محلہ مین سوڈیڑھ سو گھر چھیپیون کے تھے، جو فرد لحاف وغیرہ کے علاوہ ریشمی و سوتی کپڑون پر سنہرے، رُپہلے بیل بوٹے بھی چھاپتے تھے - دیگر پیشہ ورون کی بھی اچھی خاصی آبادی تھی - عرصہ سے یہ محلہ بھی ویران اور معمولی محلون مین شامل -

سنگئی ٹولہ - بانی سنگئی ساہ - کسی وقت مین رونق و آبادی کے لحاظ سے اس محلہ کا شمار دریاباد کے خاص خاص محلّون مین تھا - سنگئی ساہ کا مشہور محل "ست کھنڈا" اسی محلہ مین تعمیر ہوا تھا، جس کا کچھ حصہ کھنڈر کی صورت مین ابتک موجود ہے - واجب العرض دریاباد مین اسے برداری محلہ عرف سنگئی محلہ لکھا ہے، اور آج کل اسکو برداری محلّہ کہتے ہین، سرکاری کاغذات مین بھی یہی نام درج ہے - لیکن، تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ سنگئی محلہ کے قریب ہی برداری محلہ بجائے خود ایک محلہ تھا، جو مدّت دراز سے نیست و نابود ہو کر کھیتون کی صورت اختیار کر چکا ہے اور موجودہ محلہ دراصل سنگئی ٹولہ ہے، جسکی شہادت کے لئے سنگئی ساہ کے محل کا عظیم الشان کھنڈر کافی ہے - ایسی حالت مین سنگئی ساہ کی بنیاد مٹا کر زبردستی بردارون کے نام سے محلہ کو شہرت دینا واقعات کے لحاظ سے ایک حیرت انگیز اور اخلاقی نقطۂ نظر سے افسوسناک بات معلوم ہوتی ہے -

گوبند پور - آباد کردۂ گوبند پرشاد عُرف سنگئی ساہ - گوبند پور موضع کی حالت سے ترقی کر کے دریاباد کا ایک زبردست مشرقی محلّہ بن گیا تھا - اسکی آبادی متمول رعایا سے آباد تھی، اس مین پختہ مکانات تھے، ہر فرقہ و ہر قوم اور ہر طبقہ کے لوگون کی کثرت تھی - دھرم شالہ، پھلواری، باولی کنوان، اور چاہ[۵] پختہ کی بنیاد اسی محلہ مین قایم ہوئی تھی - ہر پرشاد و ستھی کہتے تھے کہ "ہمنے سُنا ہے کہ دریاباد باولی کنوئین سے بھی آگے دُور تک آباد تھا - پوربی دیبی کا مندر دریاباد کے اندر واقع تھا

[۵] عرصہ سے یہ کنوان زمین دوز ہو کر بے نام و نشان ہو گیا تھا - سمبت ۱۹۴۲ بکرمی مین درگا پرشاد نیباری نے صاف کرا کر از سر نو بلند اور لمبی چوڑی پختہ جگت بنوا دی - لیکن، تعجب ہے کہ کنوئین کے سنگی کتبہ مین انھون نے اپنا تعمیر کردہ کندہ کرا دیا ہے، جو بالکل خلافِ واقعہ ہے ۱۲-

پختہ مکانون کی لمبی، چوڑی زمین دوز نیوین جا بجا ہمنے خود دیکھی ہین۔ ہمکو اچھی طرح یاد ہے کہ ہمنے اپنے لڑکپن مین ایک نیو آٹھ دس ہاتھ گہری کھُدتے ہوئے دیکھی ہے، جس مین لکھوری سے بڑی لال لال اینٹین نکلی تھین۔" گوبند پور کا بہت بڑا حصّہ اب سے ۷۵ برس قبل ویران ہوچکا تھا۔ لیکن باقی حصّہ سنہ ۱۸۶۲ء تک اچھی طرح آباد رہا، جس مین "نقل روبکار محکمۂ بندوبست (رائے گنیشی لال صاحب بہادر کا مشہور فیصلہ) کے مطابق امرت پنڈت، نرائن ناتھ، گنگا شوکل، ماتادین برہمن، بسنت، اجودھیا، شنکر کاشتکار، بھکھاری، سیوا، خوشحال، ہنھولال اگروال، ماتادین بھورجی، بسال بقال، فقیر بخش، حسب علی وغیرہ مختلف اقوام کے بہت سے پختہ وخام مکانات موجود تھے اور جس کی نسبت اسی کاغذ مین لکھا ہے کہ" قبل از بندوبست ہونسے پور وگوبند پور کی آبادی تھی؟ کوئی نہین جانتا تھا! اور ٹیکس بھی دریاباد مین لکھا ہے اور معاملہ باہمی اور متعلق دیوانی وفوجداری وکلکٹری ورجسٹری ومالی وشادی وقرضہ وتجارت سب خانہ ہائے متنازعی (گوبند پور، ہونسے پور) کی سکونت دریاباد مین لکھی جاتی رہی۔ بندوبست سنہ ۱۸۶۲ء سے گوبند پور دریاباد سے خارج ہوکر ایک علٰحدہ موضع قرار دیا گیا ہے، جس کا اب کہین پتہ نہین ہے۔

چوتھی فصل بازارون کے بیان مین

ٹیڑھی بازار۔ واجب العرض دریاباد مین اس کا اصل نام "پرانی بازار" تحریر ہے، جس سے اس کی قدامت کا پتہ چلتا ہے۔ مگر اس کے بانی کا نام اور آباد ہونے کا زمانہ ہنوز ایک حل طلب معما ہے۔ صاحب حدیقۃ الارض تحریر فرماتے ہین: "شیخ احمد صاحب مرید حاجی مصطفیٰ صاحب (زمانۂ حیات ۹۷۰ھ) نے اپنی تصنیف شیخ نامہ مین دریاباد کی آبادی وسرا وبازار وغیرہ کا ذکر کیا ہے" لیکن چونکہ یہ کتاب اس وقت نایاب ہے، اسلیے قیاسًا کہہ سکتے ہین کہ شاید وہ بازار یہی پرانی بازار ہو۔ اگر یہ قیاس مجبورًا صحیح مان لیا جائے تو بازار کی بنیاد ۹۷۰ھ یعنی اب سے ۳۷۰ برس قبل ثابت ہوتی ہے۔ یہ طولانی بازار قدیم آبادی کے مطابق قصبہ کے وسط مین واقع ہے، جس کا سلسلہ مغرب مین بیچ کی سرا سے کئی جگہ خم کھاتا ہوا پورب طرف نرائن حلوائی کی دوکان سے متصل چاہ پختہ و مندر کے سامنے ختم ہوجاتا ہے۔ اسی ٹیڑھے پن کی وجہ سے اس کو ٹیڑھی بازار کہنے لگے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین اس بازار کی چہل پہل، دو منزلی سہ منزلی عمارتون والی دوکانون کی باقاعدہ آراستگی قابل دید تھی، اور اس وقت اسے یہ خاص شرف حاصل تھا کہ نواب صاحب اپنی والدہ بہو بیگم صاحبہ کی ملاقات کو مہینے مین کئی بار لکھنؤ سے فیض آباد جایا کرتے تھے، اسی آمد ورفت کے سلسلے مین وہ تھوڑی دیر کے لیے بیا شاہ کی خدمت مین ضرور حاضر ہوتے تھے اور اس طرح اس دریادل بادشاہ کی رونق افروزی سے اکثر دوکاندار اور سودا بیچنے والے نیز صدہا بیکس ومحتاج اور ہر قسم کے سائل مالامال ہوجاتے تھے۔ یہان تین پختہ سرائین تھین "بیچ کی سرا"، جس کا ذکر آگے آئے گا، دوسری سوارون کی سرا، تیسری دھانا بھٹیاری کی سرا۔ کوتوالی (جہان آج کل ٹاؤن پولیس کا خالی مکان موجود ہے) کے آگے طوائفون کا

۱؎ رقبہ دو بیگھہ پختہ۔ اس مین چارون طرف پختہ کوٹھریان تھین، جن کے آگے پختہ برآمدے بنے ہوئے تھے، چار دیواری بھی پختہ تھی۔ پھاٹک ٹیڑھی بازار مین کوتوالی کے سامنے اتر طرف تھا۔ اس مین رسالہ کے چند سوار ہمیشہ رہا کرتے تھے اس وجہ سے اسکو سوارون کی سرا

پھاٹک تھا، جس مین دن رات گانے بجانے کا مشغلہ جاری رہا کرتا تھا۔ یہ چکلہ بہت سے پختہ مکانات کا ایک حلقہ تھا جس کا جنوبی پھاٹک منہدم ہوکر نئی صورت مین اب بھی موجود ہے، جسے شاہی مین طوائفون کا پھاٹک کہتے تھے۔ بازار مین بزاز، صراف، عطار، حلوائی، پنساری، تنباکو فروش، عطر فروش، ساقین، وغیرہ ہر قسم کے پیشہ ورون کی بکثرت دوکانین تھین۔ ضروریات زندگی کے متعلق کسی چیز کی کمی نہین تھی، تفریح و دلچسپی کا سامان بھی موجود تھا۔ تعجب ہے کہ بارہ بنکی گزیٹیر مین کٹرہ روشن لال اور پرتاب گنج کے بازارون کے شمول مین اس مشہور و معروف بازار کا ذکر غیر موزون سمجھ کر نظر انداز کردیا گیا، حالانکہ یہ بازار وسعت و قدامت کے علاوہ رونق و آبادی مین بھی دونون سے ہمیشہ افضل رہا۔

جوہری بازار، عرف چوک، مختصر، مگر دلچسپ و خوبصورت بازار۔ اس مین پہر دن چڑھے سے پہر رات تک ایک خاص قسم کی چہل پہل رہتی تھی۔ چارون طرف پختہ دوکانون مین گوٹا، پٹھا، جواہرات، نقرئی و طلائی زیورون کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ یہ بازار محض انھین چیزون کی دوکانداری کے لئے وقف تھا۔ یہان دیگر دوکاندارون کی بہ نسبت جوہریون کی دوکانین بہت زیادہ تھین، اسی رعائت سے اس کو جوہری بازار کہتے تھے کیا شان الٰہی ہے! جہان کبھی کنچن برستا تھا، آج وہان دن رات خاک برس رہی ہے اور کہنے سننے کے لئے صرف چوک کا نام باقی رہ گیا ہے یا چوک کے نام سے ایک پختہ کنوان، جو زمانہ حال کے مطابق منوہر داس سراوک کے مکان کی تھوڑی دور پچھم طرف ابتک شکستہ حالت مین موجود۔

کہتے تھے۔ بیعنامہ نوشتہ محمد روشن (جو تحقیقات سے چھیپی ٹولہ کا رہنے والا معلوم ہوا ہے) مین یہ عبارت تحریر ہے:۔ ما یا نکہ محمد روشن قصبہ دریاباد صوبہ اختر نگر چون یک قطعہ زمین بکنہ واقع قصبہ مذکور متصل سرای جانب مشرق الخ سنہ ۱۱۹۸ ہجری" اور داب العرض دریاباد مرقومہ سنہ ۱۸۷۰ء، سراؤن کے بیان مین اس کا ذکر نہین ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۹۸ھ یعنی سنہ ۱۷۸۴ء کے قبل یہ سرا تعمیر ہوچکی تھی اور سنہ ۱۸۷۰ء کے پیشتر منہدم ہوکر میدان ہوگئی تھی۔ آج کل اس کی زمین داخل کاشت اور سرا کے متعلق پختہ کنوان موجود۔ یہ سرا زمانہ حال کے مطابق ٹیڑھی بازار کی پشت پر تلک رام کلوار کے مکان سے متصل، شیخ سلاح کے مزار کے قریب چھیپی ٹولہ مین واقع ۱۲

۵۲ عرف بھٹیاری سرا، بانی دھانا بھٹیاری۔ رقبہ تخمیناً دو ڈھائی بیگھ پختہ، سرا کا پھاٹک پورب طرف تھا۔ دکھن طرف ایک عمدہ مسجد تھی جب سرا کا وجود باقی نہ رہا تو کس مپرسی کی وجہ سے مسجد بھی ویران ہوکر منہدم ہوگئی۔ لیکن رسالہ کے سوارون نے چندہ کے ذریعہ بہت جلد اُسے از سرِ نو تعمیر کرادیا اور ساتھ ہی اس کے اسلامیہ مدرسہ بھی اس مین قائم کردیا۔ روبکار محکمہ بند وبست ملک اودھ (فیصلہ رائے گنیشی لال صاحب بہادر، نمبر مقدمہ ۱۵) سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ مدرسہ سنہ ۱۸۶۲ء مین موجود تھا۔ مسجد ایک زمانے سے آغا میر کے نام سے مشہور رہی جسکی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آغا میر بیس بائیس برس کے سن مین دریاباد آکر آباد ہونے کے ساتھ ہی اس مسجد کے حجرے مین دن رات رہنے لگے، صرف کھانے کی غرض سے مکان جاتے رہے۔ ایک مدت تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ چونکہ مسجد کا کوئی خاص والی وارث نہ تھا، اس لئے اسکی نگرانی بھی انھین کے ذمہ تھی۔ جب پُرانے واقف کار لوگ گذر گئے تو نئے آدمی بوجوہات بالا اسے آغا میر کی مسجد کہنے لگے۔ آغا میر خواجہ میر محمد رسالدار (بہ عہد واجد علی شاہ تر چھار سالہ اِن کے ماتحت تھا) کے چھوٹے بھائی ان کی بہن حکیم برکت اللہ بیگ صاحب کے لڑکے مرزا محمد رضا بیگ صاحب کو منسوب تھین۔ اسی سلسلۂ قرابت نے آغا میر صاحب کو دریاباد کھینچ لیا تھا سنہ ۱۹۱۹ء مین وفات پائی، ۹۷ برس کی عمر تھی۔ اولاد مین بڑھو میان موجود ۱۲۔

سنگئی ساہ کا بازار - بانی سنگئی ساہ، سنگئی ساہ کے محل سے متصل اُتر طرف واقع - یہ بازار بہت بڑا لمبا چوڑا اور شاندار تھا۔ شمال وجنوب سڑک کے دونون طرف پختہ اور بلند دوکانین تھین، پورب پچھم دو عالی شان پھاٹک تھے، تین طرف پختہ دیوار قایم تھی، دکھن طرف محل کی عمارت کا سلسلہ تھا - اُتر طرف دوکانون کی پشت پر گنج کی آبادی تھی - تخمیناً ۰ ۷ سال سے اس مقام پر پرتاب گنج آباد ہے -

الماس گنج - عرف پُرانا کٹرہ یا کٹرہ روشن لال، دیوان روشن لال صاحب نے اپنے ولی نعمت رکن الدولہ میان الماس علی خان صاحب بہادر کے نام سے آباد کیا تھا - بارہ بنکی گزیٹیر مین اسے بازارِ روشن لال تحریر کیا گیا ہے - اس کے چارون طرف ۵۳۰ فٹ لمبی، ۴۲۰ فٹ چوڑی، تخمیناً ۱۵ فٹ بلند شہر پناہ تھی - پورب پچھم دو مسلح دو پختہ پھاٹک تھے - گنج مین ہر قسم کے لوگ آباد تھے - آبادی کا زیادہ حصّہ ہنر مند پیشہ ورون سے معمور تھا - بازار مین بڑی رونق رہتی تھی - سڑک کے دونون طرف معہ برآمدے کے، پختہ دوکانین تھین ٹھٹھرائی، بزازہ، صرافہ، نکراٗ وغیرہ سبھی کچھ موجود تھا - آمنے سامنے دو پختہ سرائین تھین - جانب مشرق گئو شالہ کی ایک عالی شان عمارت تھی، جو گئو خانہ کے نام سے مشہور تھی - اس کے ایک مختصر حصّے مین حمام بھی تھا جس کا فرش لال پتھر کا تھا - ۱۸۶۳-۶۴ء کے درمیان گئو خانہ مین جیل خانہ قایم ہوا - بعد اُس کے ایک اسکول کھولا گیا، پھر بڑا ہا کورٹ کی کچہری آ دھمکی - غالباً ۱۸۸۰ء مین اس عمارت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا - ۱۹۰۰ء مین نصف حصّہ گنج معہ شہر پناہ و دوکانات و سرا و مشرقی پھاٹک کھُد کر ویران ہو گیا - اب صرف جنوبی حصہ شکستہ اور ناگفتہ بہ حالت مین اپنی اگلی شان و شوکت پر رونے کے لئے باقی رہ گیا ہے - مغربی پھاٹک بھی زیادہ دن تک قایم نہین رہ سکتا - موجودہ حصہ کی سرا بھی برائے نام - اس مین ایک مسجد ہے، جس کے سنگی کتبہ سے پایا جاتا ہے کہ یہ مسجد ۱۲۰۳ھ مین تعمیر ہوئی تھی، غالباً گنج کے آباد ہونے کا بھی زمانہ یہی ہو - سنگی تحریر حسبِ ذیل ہے -

زحکم خداوند الماس علے — بناکرد مسجد بہ شان تمام
زفضل الٰہ امین ورحمت علے — شدہ روشن از ہند تا روم وشام
بجستیم تاریخ سالش زہاتف — ندا داد آنست بیت الحرام
۱۲۰۳ھ

"زحکم خداوند الماس علی" سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسجد الماس علی خان صاحب کے حکم سے تعمیر ہوئی تھی - اسی طرح الماس گنج کا نام اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اسے الماس علی خان صاحب نے تیار کرایا تھا - شاید انھین وجوہ سے تمنا صاحب (لکھنؤ کے مشہور شاعر و سابق ڈپٹی انسپکٹر مدارس ضلع اُناؤ، منشی رام سہائے صاحب ساکن نوبستہ) نے اپنی تالیف "افضل التواریخ" مین گنج کو بناکردہ الماس علی خان تحریر فرمایا ہے - لیکن، اصل واقعہ یہ ہے کہ گنج اور مسجد دونون کے بانی مبانی دیوان روشن لال ہی تھے - عام طور پر بھی یہی مشہور رہا کہ گنج کو روشن لال صاحب نے آباد کیا تھا اور مسجد بھی انھین نے بنوائی تھی - ایک سرکاری مثل[۵] سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے، جس مین

---

[۵] ملاحظہ ہو مثل مقدمہ نمبری ۵۹۰، فیصلہ ۲۴ - دسمبر ۱۸۷۵ء، اظہار مولوی کاظم علی گواہ، اجلاس مولوی سید اکبر علی صاحب بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع بارہ بنکی، راجہ نرائن بہادر سنگھ تعلقدار رامنگر مدعی، رائے ابوالکرم بلی تعلقدار مدعاعلیہ مقدمہ پیچ کی سرا ۱۲ -

تحریر ہے:- "تعلقہ کے پچھم زمین گنج و عمارات و تالاب و مسجد وغیرہ کے لئے روشن لال دیوان الماس علی خان کو ریاست ہڑاہا نے دی تھی"۔ علاوہ اس کے گنج میں ایک عمارت گئو شالہ کے نام سے تعمیر ہوئی تھی، جس کا ذکر اوپر ہو چکا اور جو نصف صدی کے اندر موجود تھی۔ یہ گئو شالہ مع گنج روشن لال صاحب کے بعد اُن کے چھوٹے بیٹے مہی لال کی نسل میں لالتا پرشاد وغیرہ کی ناعاقبت اندیشی سے تباہ و برباد ہوا گئو شالہ کی اینٹیں فروخت ہوئیں، نصف شہر پناہ مع سرا نیلام ہوئی، باقی نصف گنج پر راجہ صاحب ہڑاہا ذریعۂ رہن اس وقت تک قابض ہیں۔ اگر گنج اور مسجد کا بنیادی پتھر الماس علی خان نے رکھا ہوتا تو نہ روشن لال کی شہرت ہوتی نہ قابل دید گئو شالہ تعمیر ہوتا اور نہ لالتا پرشاد وغیرہ گنج کے جائز مالک قرار دئے جاتے، بلکہ گورنمنٹ خود اسے نزدل کرنے پر مجبور ہوتی۔ الماس علی خان نے جو گنج آباد کیا تھا وہ میاں گنج ہے، جہاں اُن کے نام کی "بارہ دری" باوجود نیست و نابود ہو جانے کے اب تک مشہور ہے۔ اُس گنج اور بارہ دری کے بارہ میں روشن لال کا کوئی نام بھی نہیں لیتا، حالانکہ اُس کے مہتمم یہی تھے۔ مثل مقدمہ سرائے الماس گنج (رہینگن بھٹیاری مدعی، راجہ صاحب ہڑاہا مدعا علیہ) اور بعض بزرگوں کے بیانات سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ گنج اور مسجد کے بانی روشن لال صاحب تھے۔ (بیانات روشن لال صاحب کے ذکر میں ملاحظہ ہوں) گنج کو الماس گنج اور مسجد کے کتبہ میں الماس علی کا نام ظاہر کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگلے زمانے کے نیک آدمی شہرت پسند نہیں ہوتے تھے اور جس کا کھاتے تھے اُس کا گاتے تھے، روشن لال صاحب بھی نیک اور اپنے مالک کے بہی خواہ تھے (ملاحظہ ہو پنڈت نیتانند کی چھٹی روشن لال صاحب کے بیان میں) نیز یہ کہ الماس علی خان کی بدولت غریب سے امیر ہو گئے تھے، اس لئے "جس کی جُن اُسکی پن" خیال کر کے انھوں نے بجائے اپنے نام کے اپنے آقا کی شہرت مناسب سمجھ کر یہ کارروائی کی کہ گنج کو الماس علی کے نام سے موسوم کر کے مسجد میں اُنھیں کے نام کا کتبہ لگا دیا جو روشن لال صاحب کی روشن خیالی کی ایک روشن اور صاف دلیل ہے۔

کٹرہ درباری لال کا بازار۔ خوشنما چوہڑ کا بازار، تفریح و دلچسپی کے لحاظ سے چوک لکھنؤ کا مختصر نمونہ ہر طرف پختہ دکانوں کے سلسلے میں اکثر دکانیں دو منزلی سہ منزلی تھیں، جن کے بالائی کمرے حسین طوائفوں سے آباد تھے۔ بازار میں شام سے پہر رات تک (۶ بجے سے ۱۰ بجے تک) خاص طور پر رونق رہا کرتی تھی۔ شوقین تماشائیوں کا ہجوم، پانی پلانے والوں کے ڈول کی کھٹکھٹاہٹ، پھولوں کے گجرے اور ہار بیچنے والوں کی آوازیں، میوہ فروشوں کی صدائیں بے فکروں کی گشتیاں، البیلے نوجوانوں کی نرالی جھانک تاک، خوبصورت ساقنوں کے جمگھٹے حسینوں کی دلفریب نظر بازیاں، گانے بجانے کا دلچسپ مشغلہ، دکانوں کی باسلیقہ سجاوٹ وغیرہ سماں دلوں پر ایک عجیب اثر پیدا کرتا تھا۔ کٹرہ کا اصلی نام نواب گنج تھا، شکل مخمس، رقبے میں الماس گنج سے دوچند۔ روشن لال صاحب کے بڑے بیٹے لالہ درباری لال صاحب چکلہ دار نے نواب آصف الدولہ بہادر کے نام پر نواب کی رعایت سے نواب گنج رکھا تھا، جو الماس گنج کے سلسلے میں پچھم طرف واقع۔ حلقہ کی دیواریں پختہ تھیں، چھ پھاٹک تھے۔ پہلا الماس گنج کے مغربی پھاٹک سے قریب، دیوان روشن لال صاحب کے مکان کا گذرگاہ تھا۔ دوسرا تالاب پر جانے کے لئے، تیسرا گئو گھاٹ کے متعلق

چوتھا رام نگروالی سڑک پر، پانچوان پچھم طرف، چھٹا دکھن طرف۔ ان مین سے مغربی پھاٹک دو منزلہ تھا اور باقی سب بُرجیون والے تھے۔ اُتر طرف پختہ سرا تھی، دکھن طرف آبادی، جس کا کثیر حصہ لکھنؤ کے باشندون سے آباد تھا باشندے پیشہ ور اور خوشحال تھے۔ ماتا دین ٹھٹھیرے بیان کرتا تھا کہ "واجد علی شاہ کے زمانے مین یہ کٹرہ بالکل ویران ہوگیا تھا۔ قناتی دیوارین، سرا، بازار کی دوکانین وغیرہ سب بے نام و نشان ہو چکی تھین، صرف الماس گنج کے مغربی پھاٹک سے متصل دونون طرف پندرہ بیس دوکانین اور برائے نام پھاٹک کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا۔ ان دوکانون مین ہر وقت شراب و گوشت اور کھانے پینے کی چیزین بکا کرتی تھین بعض دوکانین خوبصورت ساقیون کی نشستگاہین تھین۔ شام کے وقت اس مقام پر تماشائیون کا اچھا مجمع ہو جاتا تھا۔ پھولون کے ہار بیچنے والے، پانی پلانے والے بھی موجود رہتے تھے۔ ہمارے دیکھتے ہوئے اب سے نصف صدی قبل یہ سب باتین ایک افسانہ ہوگئین"۔

پانچوین فصل دھرم شالون اور سراؤن کے بیان مین

سنگئی ساہ کا دھرم شالہ۔ بہت بڑی پختہ عالی شان عمارت، گوبند پور مین پھلواری اور باولی کنوئین سے متصل واقع۔ اس مین خیرات خانہ بھی قایم تھا۔ اب سے سو برس قبل تک قایم تھا۔ اب ندارد۔

لکّو سیٹھ لچھمی سیٹھ کے دھرم شالے۔ مشہور و معروف دھرم شالے، اپنے وقت کی اچھی عمارتین۔ افسوس ہے کہ ان دھرم شالون کی نسبت یہ نہ معلوم ہوا کہ کہان پر تھے اور دریا باد مین کب تک قایم رہے۔

دھرم شالہ بیجن لال۔ یہ دھرم شالہ بہت بلند اور وسیع رقبہ مین واقع ہونے کے علاوہ دو منزلی خوبصورت عمارت بھی تھی، جسے بیجن لال کے دادا نے بنوایا تھا، جو اپنے وقت کے بڑے دولت مند اور دھرماتما مشہور تھے۔ اس مین جس قدر سادھو اور غریب ہندو مسافر آکر ٹھہرتے تھے، سب کو خوراک مفت روزانہ تقسیم کیجاتی تھی۔ مدت دراز کے بعد اس دھرم شالے کو بیجن لال کے نام سے شہرت ہوگئی تھی، جنھین فیاضی مین اپنے باپ دادے سے بھی زیادہ دلچسپی تھی۔ دھرم شالہ کے متعلق چاہ پختہ اب تک باقی۔ (گھڑیالی محلہ)۔

پُرانی سرا۔ عرف بیچ کی سرا، لمبی چوڑی اچھی خاصی پختہ سرا تھی۔ پورب پچھم دو بلند پھاٹک تھے، ٹیڑھی بازار کے مغربی سرے پر واقع تھی۔ پہلے اسے پُرانی سرا کہتے تھے، جب الماس گنج مین سرائین تیار ہوئین تو ٹیڑھی بازار اور الماس گنج کی سراؤن کے درمیان واقع ہو جانے کے باعث اسکو "بیچ کی سرا" کے نام سے شہرت ہوگئی۔ یہ سرا شاہی تھی، قلعہ سے تعلق تھا، شاہی عملہ اس کی مرمت کرواتا تھا۔ اس سرا کے منہدم ہو جانے کے بعد اس کی زمین پر اُتر دکھن دو سرائین بنوائی گئین تھین جس کی تصدیق ایک سرکاری کاغذ (مثل مقدمہ نمبری ۵۹۰، راجہ صاحب ٹڑاہا مدعی، رائے ابھرام بلی مدعا علیہ، مقدمہ بیچ کی سرا) سے بھی ہوتی ہے، جس مین تحریر ہے، کہ اُتھین جھٹنکی اور ہینگن بھٹیاری نے تیار کرایا تھا اور جنوبی سرا کا پھاٹک بخشی رام پرشاد نے بنوایا تھا جسکی تعمیر ۱۲۶۵ھ فصلی مین ہوئی تھی"۔ اُتر طرف والی سرا ۱۸۷۰ء کے قبل نیست و نابود ہو چکی تھی، مگر جنوبی سرا اب تک ناگفتہ بہ حالت مین موجود اور چند روزہ مہمان۔ تعجب ہے کہ یہ

سرا راجہ صاحب ہڑایا کے قبضہ مین ہے اور وہ خبر نہین لیتے -

الماس گنج کی سرائین عرف کٹرہ کی سرائین، بانی دیوان روشن لال صاحب، یہ پختہ سرائین اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور تھین - غریب مسافرون سے کرایہ نہین لیا جاتا تھا اور اُن کو خوراک مفت تقسیم کی جاتی تھی - اس بارہ مین دیوان جی کا سخت حکم تھا - اگر کسی قسم کی شکایت سنی جاتی تھی تو بھٹیارون سے سخت باز پرس ہوتی تھی - یہ دونون سرائین طول و عرض اور خوبصورتی مین یکسان تھین صرف اتنا فرق تھا کہ جنوبی سرا مین مسجد بھی تھی اور کنوان بھی تھا، لیکن شمالی سرا مین فقط ایک چاہ پختہ کی تعمیر ہوئی تھی - شمالی سرا سنہ ۱۹۱۰ء سے بے نام و نشان ہے جنوبی سرا ابھی برائے نام باقی ہے، جس کا طول ۱۳۷ فٹ عرض ۱۲۱ فٹ - ۴۳ کوٹھریان، برآمدے ندارد، درون کے پختہ چوکور ستون جا بجا موجود - مسجد کی چھت ڈاٹ کی بنی ہے، آثار ۳۰ فٹ، مینار دو درمیانی گنبد چھت، محرابی در ابھرے ہوئے بیل بوٹون سے آراستہ، مینارون کی بلندی تخمیناً ۵۰ فٹ - مسجد کا طول ۵۰ فٹ، عرض ۲۰ فٹ، بلندی ۳۵ فٹ - مسجد کا اندرونی حصہ ۴۸ فٹ لمبا، ۱۲ فٹ چوڑا، صحن مسجد ۴۷ فٹ طویل اور ۳۰ فٹ عریض ہے - دکھن اور اُتر طرف ۵۳ فٹ طول اور ۱۰ فٹ عرض مین دو دالان چار کوٹھریان آمنے سامنے ایک دوسرے کے جواب مین بنی ہوئی ہین، جنھین مسافر خانہ، غسل خانہ وغیرہ کہہ سکتے ہین، جو کس مپرسی کی وجہ سے چند روزہ مہمان ہین -

کٹرہ درباری لال کی سرا - عالی شان پختہ سرا رقبے مین الماس گنج کی دونون سراؤن کے برابر، بانی دیوان روشن لال صاحب کے بڑے بیٹے - اس مین چارون کونون پر چار عمدہ ہوادار کمرے (بالاخانے) بنے ہوئے تھے - دروازہ پھاٹک پورب جانب تھا -

کٹرہ مہی لال کی سرا - مشہور اور بہت بڑی عمدہ پختہ سرا، بنا کردہ لالہ مہی لال صاحب ناظم فرزند خورد دیوان روشن لال صاحب - اس کٹرہ کا اصل نام آصف گنج تھا جو نواب آصف الدولہ بہادر کے نام سے موسوم کیا گیا تھا یہ کٹرہ کٹرہ درباری لال سے ملا ہوا دکھن طرف تھا، بازار کی دوکانین پختہ تھین محمد علی شاہ کے زمانے مین نہ سرا تھی نہ کٹرہ کا وجود باقی تھا -

آصفی بازار کی سرا - نامی اور نادر پختہ سرا - بانی دیوان روشن لال صاحب کے فرزند سوم لالہ سیوک رام صاحب ناظم یہ بازار کٹرہ درباری لال سے ملا ہوا اُتر طرف واقع تھا - دوکانین پختہ تھین - آبادی خاص پیشہ ورون کی تھی، جس مین لکھنؤ کے باشندے زیادہ آباد تھے - بازار کا نام آصف الدولہ بہادر کے نام پر آصفی بازار رکھا گیا تھا -

چھٹی فصل میلون کے بیان مین

مہابیر کا میلہ - اپنے وقت کا مشہور اور زبردست میلہ - بستی سے باہر تھوڑی دور پر مہابیر جی کے مندر سے متصل (بابا پورن داس کی کٹی) ایک بہت بڑے میدان مین ہوتا تھا - بیان کیا جاتا ہے کہ بدری داس چکلہ دار اور راجہ درشن سنگھ ناظم کی عقیدتمندانہ کوششون سے اس میلہ کو دور دور تک شہرت حاصل ہوگئی تھی - شاہی

زمانے تک میلہ کی شان بدستور ترقی کے ساتھ قایم رہی - بعد اُس کے غدر کی وجہ سے میلہ موقوف ہوگیا، ساتھ ہی اس کے چند بدمعاشون نے مندر مین دفینہ سمجھ کر اُسے جا بجا سے منہدم کرکے تباہ و برباد کردیا - انگریزی عملداری مین رائےصاحب کے زیر اہتمام پھر از سرِ نو میلہ کی بنیاد ڈالی گئی، جو اگرچہ اس وقت تک معمولی میلہ سے زیادہ وقعت نہین رکھتا، تاہم رائےصاحب کی یہ مذہبی خدمت قابل تعریف ہے کہ انھون نے مٹی ہوئی قدیم اور مقدس یادگار کو دوبارہ زندہ کردیا - یہ میلہ ہر سال منگل کے دن گوپال مندر کے قریب ہوتا ہے، اور مندر خوب آراستہ کیا جاتا ہے -

دسہرہ - پہلے یہ دھوم دھامی اور شاندار میلہ بھی بابا پورن داس کی کُٹی سے متصل پورب طرف میدان مین مشر نارائن دت کے زیرِ اہتمام ہوتا تھا اور دریاباد کے قرب و جوار کے علاوہ دُور دُور تک مشہور تھا - کمیدان گردھارا سنگھ، راجہ ہردت سنگھ، سرمہاراجہ مان سنگھ وغیرہ ناظم و چکلہ دار (عُمّال شاہی دریاباد) کی کوشش اور گرد و نواح کے زمیندارون اور تعلقدارون کی شرکت سے میلہ مین ایک قسم کی شان اور رونق پیدا ہو جاتی تھی - اس میلہ کی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ دربار لکھنؤ سے ایک سو روپیہ سالانہ چندہ مقرر تھا اور عمال شاہی خاص سرپرست تھے - آج کل دسہرہ کا میلا لال کے تالاب سے متصل ایک دلچسپ اور پُر فضا مقام پر ہوتا ہے - یہ جدید میلہ بھی عام طور پر شہرت اور مقبولیت کی سند حاصل کرچکا ہے - لیلا بھی معقول طریقہ سے ہوتی ہے، مجمع بھی کم نہین ہوتا، ہر سال دس پندرہ ہزار آدمی میلے مین شریک ہوتے ہین - میلہ صاف اور ستھرا، انتظام نہایت معقول، دسہرہ کا جلوس قابل دید -

دھنش جگ - دسہرہ کے برابر مشہور و معروف اور نفیس میلہ - شاہی زمانے مین یہ میلہ بھی مشر موصوف اور عمّال شاہی کی سرپرستی مین بڑی دھوم دھام سے شان و شوکت کے ساتھ رام لیلا کے میدان مین ہوتا رہا - دربار لکھنؤ سے اس کے لئے بھی سو روپیہ سالانہ چندہ مقرر تھا - غدر کے بعد مشر جی کے مرنے پر ایک مدت تک دھنش جگ کا ہونا موقوف رہا - سمبت ۱۹۴۶ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۸۹ء مین جنّی لال عرف جُنّی ساہُک کی کوشش سے پھر دوبارہ میلے کا آغاز ہوا - چند سال جُنّی ساہ مہتمم رہے - بعد اُس کے عرصہ تک چند ہندو اصحاب کے اہتمام مین چندہ کے ذریعہ سے یہ مبارک رسم ادا ہوتی رہی، ساتھ ہی اس کے میلہ بھی ترقی کرتا رہا - غالباً سنہ ۱۹۱۴ء سے رائے راجیشر بلی صاحب اس مذہبی خدمت کو بحسن و خوبی انجام دے رہے ہین - رائے صاحب کی سرپرستی مین دھنش جگ کا انتظام ہونے کے باعث اس میلے نے نمایان ترقی حاصل کرنے کے علاوہ اچھی خاصی شہرت بھی پیدا کی ہے - میلہ تین روز تک رہتا ہے - دن مین دھنش جگ کے متعلق لیلا ہوتی ہے اور رات کو قابلِ دید مذہبی ناٹک - لیلا نفیس اور باقاعدہ، انتظام معقول، تماشائیون کا ہجوم پانچ چھ ہزار سے زائد - اس سال سنہ ۱۹۲۳ء[۵] مین آٹھ دس ہزار آدمی شریک تھے -

عشرہ - عظیم الشان اور زیادہ بارونق میلا - سُنا جاتا ہے کہ شاہی عہد مین عشرہ کے دن دریاباد سے کربلا تک ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے - چالیس پچاس بُراقین، پانچ چھ سو تعزیون کے بیس پچیس غول نکلتے تھے، جن مین خوبصورت اور بڑے تعزیے زیادہ ہوتے تھے، چھوٹے اور معمولی بہت کم - انھین تعزیون مین کاغذ اور ابرک کے علاوہ

۵ اس سال سنہ ۱۹۲۳ء کے میلے مین بیس پچیس ہزار آدمیون کا تخمینہ کیا گیا ہے ۱۲ -

مٹی، جو، لکڑی، مٹر، موم، کپڑے، پوٹ، پھولون وغیرہ کے تعزیون کی بھی ایک معقول تعداد ہوتی تھی، جو بڑی محنت اور کاریگری سے تیار کئے جاتے تھے۔ کئی جگہ پانی اور شربت کی سبیلین جاری کی جاتی تھین، جو تصاویر اعد گلدستون وغیرہ سے پُر تکلف آراستہ ہوتی تھین۔ ہندوون کی طرف سے بھی شربت اور پانی پلانے کا معقول بندوبست کیا جاتا تھا۔ بانک، پٹے وغیرہ کے بڑے بڑے اوستاد اپنے کرتب دکھاتے تھے۔ موجودہ زمانے مین بوجہ افلاس وگرانی اس میلہ مین بہت کچھ کمی ہوگئی ہے۔ لیکن، پھر بھی مجمع و رونق کے لحاظ سے بہت غنیمت ہے، چنانچہ گذشتہ سال (۱۹۲۳ء) میلہ مین پچیس تیس ہزار آدمیون کا تخمینہ کیا گیا تھا اور دو سو ساٹھ ۲۶۰ تعزیے شمار کئے گئے تھے، جن مین عمدہ اور بڑے تعزیے صرف گنتی کے تھے۔ شربت کی ایک ہندو سبیل بھی تھی، چند معمولی بانک، پٹے والے بھی تھے۔ تعزیون کے نکلنے کا انتظام بھی قابلِ ذکر ہے۔ محرم کی دسوین تاریخ کو (روز عاشورہ) پہلے قصبہ کے کل تعزیے "بڑ تلے" جمع ہوتے ہین، بارہ بجے کے بعد آہستہ آہستہ ملکیت نگر والی سڑک پر گذر کر قریب شام کربلا مین دفن ہوجاتے ہین۔

ساتوین فصل عُرسون کے بیان مین

شاہ عبدالرسول کا عُرس۔ بانی شیخ کرم کریم صاحب عُرف جھیدا میان، ۱۱ ذی حجہ کو ہوتا ہے۔ قوالی بھی ہوتی ہے، معمولی طور پر میلہ بھی لگتا ہے۔

پیرا شاہ کا عُرس۔ شاہی مین خاص طور پر شہرت تھی، میلہ بھی دلچسپ اور اچھا ہوتا تھا، عمّال شاہی سرپرست تھے آج کل عُرس صرف قصبہ مین مشہور اور میلہ برائے نام۔ تاریخ عرس بسنت پنچمی۔

آٹھوین فصل کتب خانون کے بیان مین

جینی کتب خانہ۔ نہایت قدیم اور اپنے وقت کا بہترین علمی ذخیرہ۔ غالبًا اب سے دو سو برس قبل غارت ہوکر بے نام ونشان ہوگیا۔ اس کتب خانہ کی تخمینًا دو سو قلمی پوتھیان سنسکرت و پراکرت اور مرہٹی زبان کے متعلق نہایت خوشخط عجیب و غریب حرفون مین بھوج پتر اور تاڑ پتر پر لکھی ہوئی ابتک ایک شخص کے پاس موجود ہین۔ عرصہ ہوا، اِن پوتھیون مین ایک پوتھی ایسی بھی دیکھی گئی تھی، جس مین سنگئی ساہ دریاوی کے حالات لکھے ہوئے تھے۔ قیاسًا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوتھیان چھلنگی ساہ اور سنگئی ساہ کے کتب خانون کی ہونگی، کیونکہ دولت مند جینی بزرگ کتب خانے کے بڑے شوقین ہوتے ہین، اور اب سے چار یا پانچ سو برس قبل تو جینی اصحاب کی علمی خدمت ملک بھر مین مشہور تھی، جسکی زندہ جاوید مثالین احمد آباد، پاٹن، جیسلمیر اور کھمبات وغیرہ کے کتب خانے اس وقت تک موجود ہین افسوس ہے کہ مذکورۂ بالا پوتھیان ایک مقفل صندوق مین بھری پڑی ہین اور ان کے دکھلانے سے سخت گریز کیا جاتا ہے، جس سے احتمال ہے کہ چند روز مین ضایع ہوجائین گی۔ کاش انھین عام طور پر ظاہر کرکے قدردانون کی بدولت ذاتی مستفید ہونے کے ساتھ ساتھ پبلک کو بھی فائدہ پہونچانے کی کوشش کی جاتی، اور اس طرح غیر مطبوعہ نسخے

(یقیناً اس ذخیرہ مین بہت سے نسخے ایسے ہونگے جنھون نے مطبع کی صورت ابھی تک نہ دیکھی ہوگی) چھپ کر شایع ہوجاتے اور قلمی کتابین ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجاتین۔

پنڈت جیو نارائین کا کتب خانہ۔ قلمی پوتھیون کا زبردست اور قابل تعریف ذخیرہ۔ دریاباد کے مشہور و معروف پنڈت جیو نارائن مشر نے سمبت ۱۸۱۰ بکرمی، مطابق ۱۷۵۳ء کے قبل قایم کیا تھا، جو تخمیناً ستر اسّی برس کے بعد ناقدری کے ہاتھون تباہ ہوگیا۔ اس برباد شدہ کتب خانہ کے متعلق جس قدر قلمی کتابین ناگفتہ بہ حالت مین موجود ہین، اُن مین سے صرف ۸۰ پوتھیان دیکھنے مین آئی ہین جو قریب قریب اٹھارھوین صدی بکرمی کی سفید بانسی کاغذ پر لکھی ہوئی ہین۔ لیکن بعض پوتھیان سترھوین، سولھوین اور تیرھوین صدی بکرمی کی بھی تحریر شدہ ہین۔ ان اسّی پوتھیون مین نصف کے قریب بلحاظ اپنی اہمیت کے نہ صرف نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہین، بلکہ سنسکرت خزانہ کی تابناک جواہرات کہے جانے کی مستحق ہین۔ انھین پوتھیون مین انیکارتھ دُھرن، پاکھنڈ چپٹیکا، آرکھ راماین، بیتال پچیسی وغیرہ ایسی نایاب و عجیب و غریب نام کی پوتھیان بھی شامل ہین جن سے غالباً سنسکرت دان طبقہ کے لوگ بہت کم واقف ہونگے۔ اس سے کتب خانہ کی اہمیت کا اندازہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس دعوی کی بھی کافی تردید ہوتی ہے کہ ہندوستان مین کاغذسازی کا کام عہد اکبر سے شروع ہوا جسے آج تک صرف (۱۵۵۶ء لغایت ۱۹۲۲ء) ۳۶۶ برس ہوئے۔

دکھیتون کا کتب خانہ۔ عالی شان علمی خزانہ، بانی پنڈت پراگدت دکھیت۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین بنیاد ڈالی گئی تھی۔ یہ کتب خانہ باقاعدہ تھا۔ سنسکرت کے علاوہ بھاشا کی بھی بہ کثرت پوتھیان تھین۔ اس مین چند محرر بھی ملازم تھے، جو پوتھیان لکھا کرتے تھے۔ شروع انگریزی عملداری مین خاندان والون کی غفلت و جہالت کے باعث یہ نایاب ذخیرہ تلف ہوگیا۔ اب صرف سو پچاس بوسیدہ اور کرم خوردہ کتابین باقی رہ گئی ہین، جو مہابیر دکھیت کے یہان ایک صندوق مین ردی کی طرح بھری پڑی ہین۔

کتب خانہ رائے صاحب۔ مہتم بالشان اور خوشنما کتب خانہ۔ بانی رائے راجیشر بلی صاحب بہادر۔ اس مین سنسکرت، بھاشا، فارسی، اردو، انگریزی کے متعلق ہر قسم کی تخمیناً چھ ہزار کتابین موجود ہین، جن مین چند قلمی کتابین بلحاظ اپنی قدامت و اہمیت کے اعلیٰ درجہ کی ہین۔[۱] قلمی نسخون مین دو کتابین ڈھائی سو برس کی لکھی ہوئی، ایک ڈیڑھ سو برس کی اور سوا سوا سو برس کی متعدد کتابین ہین۔ علاوہ ان کتابون کے انگریزی کے دو مطبوعہ البم بھی ہین جن مین غالباً [illegible] کی تصاویر کے فوٹو چھپے ہین۔ یہ البم جرمن کے چھپے ہوئے چار چار سو روپیہ قیمت کے ہین۔ کتب خانہ کی عمارت اور آراستگی بھی دیکھنے کے قابل ہے، جو ایک پُرفضا پائین باغ کے اندر واقع ہے۔ کتابون کے علاوہ ہندوستان کی قدیم مصوری اور مقامی نجارون، معمارون کی قابل تعریف صناعی کے دلکش نمونے بھی اس کتب خانہ مین پائے جاتے ہین۔ کہا جاتا ہے کہ "نومبر ۱۹۲۱ء کو مسٹر جاپلنگ صاحب بہادر کمشنر لکھنؤ مع اپنی میم صاحبہ کے مخصوص اس کتب خانہ

[۱] ان کتابون مین اہمیت کی بناء پر قاسم شاہ کی مشہور تصنیف ہنس جواہر زیادہ قابل قدر و قابل ذکر ہے جو ۱۱۵۲ھ مین بخط فارسی لکھی گئی تھی ۱۲۔

کو دیکھنے کی غرض سے دریا باد تشریف لائے تھے۔ صاحب بہادر اور میم صاحب کو لائبریری اور مصوری سے بیحد دلچسپی ہے ساتھ ہی اس کے مصوری کے نکات سے بھی اچھی طرح واقفیت حاصل ہے۔ انھوں نے کتب خانہ کی کتابیں اور سجادٹ غار اجنٹا کی تصویریں ملاحظہ فرماکر بہت مسرت ظاہر کی تھی"۔ ریورٹ انڈسٹریل سروے ضلع بارہ بنکی ۱۹۲۳ء (مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد) سے معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ ہسٹن صاحب بہادر سابق گورنر صوبہ متحدہ ان تصویروں اور صناعیوں کی تعریف سنکر بہت خوش ہوئے تھے اور کئی بار ان کے دیکھنے کی خواہش کی تھی"۔ صوبہ کے مشہور اخبار پائنیر اور لیڈر میں اس لائبریری کی بہت کچھ تعریف کی گئی ہے۔ اس سے کتب خانہ کی شان و شوکت پر جو روشنی پڑتی ہے، وہ محتاج تصریح نہیں۔

کتب خانہ عبدالقادر - مشہور اور عام کتب خانہ۔ حاجی مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر کی یادگار ہیں ان کے سعادتمند لڑکوں مولوی عبدالمجید صاحب (ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ) اور مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بی۔اے نے آخر ۱۹۱۳ء میں ایک خوبصورت اور شاندار مکان کے اندر قایم کیا تھا۔ اس میں فارسی، عربی، انگریزی، اردو ہندی، کتابوں کے ایک بڑے ذخیرے کے علاوہ اردو، ہندی، انگریزی اخبارات و رسائل بھی بہ کثرت آتے تھے۔ لیکن، نہایت افسوس ہے کہ اہل وطن کی بے توجہی اور بعض دیگر وجوہ سے یہ کتب خانہ زیادہ دن تک قایم نہ رہ سکا۔

کتب خانہ عبدالحبیب - نادر علمی ذخیرہ۔ یہ کتب خانہ حکیم صاحب کے مورثوں مولانا حکیم نور کریم صاحب اور حکیم عبدالعزیز صاحب کا جمع کیا ہوا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں بہت سی نادر و بیش بہا کتابیں تلف و ضایع ہوگئیں تاہم اب بھی عربی و فارسی کی دو ہزار کتابوں کا ایک معقول ذخیرہ موجود ہے۔ طب کی کتابیں قدرتاً زیادہ ہیں، مگر دوسرے فنون کی کتابیں بھی اچھی خاصی تعداد میں جمع ہیں۔ اکثر کتابیں تین چار سو برس کی لکھی ہوئی ہیں اور دو ڈیڑھ سو برس کی لکھی ہوئی تو بہت سی ہیں۔ مولانا حکیم نور کریم صاحب خود بہت بڑے خوشنویس اور خطاط تھے، بکثرت کتابیں انکے ہاتھ کی صحیح، صاف اور خوشنما لکھی ہوئی موجود ہیں۔ تاریخ الخلفا، عربی، جذب القلوب فارسی، مدارج النبوۃ فارسی، شرح مواقف عربی، تفسیر بیضاوی عربی، ہدایہ عربی، فتاویٰ عالمگیری عربی، شرح وقایہ عربی، حیوۃ الحیوان فارسی، فتوح الغیب عربی، مرءت مسعودی فارسی، مرأت الوجود فارسی، مشکوۃ المصابیح عربی، مکمل قانون شیخ الرئیس عربی، نفیسی عربی، انسانی عربی، گلستان فارسی، بوستان فارسی، مدارج النبوۃ فارسی، تقویم البلدان عربی، وغیرہ بہ کثرت کتابوں کے قلمی اور خوشخط نسخے پائے جاتے ہیں۔

بعض چھپی ہوئی کتابیں بھی، جو اب نایاب ہوگئی ہیں، یہاں محفوظ ہیں مثلاً تفسیر کشاف (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء) برہان قاطع (مطبوعہ کلکتہ) دیوان واجد علی شاہ، دیوان مہر، دیوان زخمی، دُرّہ نادرہ، وغیرہ۔

ایک آدھ کتاب ایسی بھی ہے، جو ابتک غیر مطبوع ہے، اور اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے بھی نہایت نادر کہی جاسکتی ہے مثلاً عربی میں علامہ ازنیقی کی کتاب "مدینۃ العلوم"، جو آخر زمانہ تک کے تمام مسلمان ماہرین علوم و کاملین فنون کی جامع فہرست ہے۔ اس نادر کتاب کا ایک بڑا حصہ خوشخط لکھا ہوا اس کتب خانہ میں موجود ہے۔

اس کے مطالعہ سے آنکھین کھل جاتی ہین، اور نظر آجاتا ہی کہ اہل اسلام نے اپنے زمانۂ عروج و ترقی مین سیکڑون ایسے علوم دفنون مین، جن کا اب کوئی نام بھی نہین جانتا، کیسی حیرت انگیز ترقی کی تھی!

کتب خانۂ عبدالماجد - عجیب و غریب خزانۂ علم، اور ہند سے فرنگ تک مشہور و معروف۔ انگریزی، اُردو، فارسی، عربی کی کل کتابین کئی ہزار کی تعداد مین ہین - عربی و فارسی کی کتابین کچھ مولانا مظہر کریم صاحب کے وقت سے چلی آتی ہین، حال مین اِن مین بھی اضافہ ہوا ہے، اور انگریزی، اُردو کا ذخیرہ بالکل جدید ہے -

انگریزی مین زیادہ تر کتابین مغربی فلسفہ کے متعلق ہین - عربی و فارسی کا بڑا حصہ تفسیر، حدیث، تصوف، فقہ پر شامل ہے - قلمی کتابین بہت سی ہین -

قابلِ ذکر و قابلِ دید کتابون مین ایک قلمی نسخہ اخلاق ناصری، مصنفہ نصیرالدین محقق طوسی کا ہے، جس پر سالِ کتابت سنہ ۱۰۰۱ھ درج ہے - یہ نسخہ خط نسخ مین لکھا ہوا ہے - خط کی پختگی، صفائی، خوشنمائی، دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ساڑھے تین سو برس گذر جانے پر روشنائی کسی ایک مقام پر بھی ماند نہین پڑی ہے - یہ نسخہ شہنشاہان دہلی کے کتب خانہ مین بھی رہ چکا ہے "شاہ رفیع الدرجات" بادشاہ دہلی کی مُہر سنہ ۱۱۳۱ھ اس پر درج ہے - جدول اور لوح کی صناعی دیکھکر قیاس یہ ہوتا ہے کہ غالبًا شاہی کتب خانہ ہی کے واسطے اسکی کتابت بھی ہوئی ہے -

ایک نایاب کتاب، جو اب تک غیر مطبوع تھی، ملک الشعرا شیخ مصحفی کی مثنوی "بحر المحبت" ہے، مصحفی کا کلام ملک مین متعدد بار شایع ہو چکا، مگر اس مثنوی کا کسی کو علم ہی نہ تھا، حضرات حسرت موہانی، احمد علی شوق، عزیز لکھنوی وغیرہ جن جن اصحاب سے دریافت کیا گیا، سب نے اپنی لاعلمی ظاہر کی - بالآخر مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بی. اے نے اپنے قلمی نسخہ کے مطابق بعد صحت اغلاط و اضافۂ مقدمہ و دیباچہ و حواشی کثیرہ مثنوی کو سنہ ۱۹۲۳ء مین دارالمصنفین اعظم گڈھ سے شایع کرا دیا - ملک کے اخبارات و مشاہیر ادب نے اس پر بہتر سے بہتر ریویو کئے، اور کتاب بعض یونیورسٹیون کے نصاب ادب اردو مین بھی داخل ہو گئی -

دیگر قابل ذکر کتابین :- (۱) دیوان حافظ، تقطیع خرد، خوشخط و خوشنما، ناتمام، از اول و آخر (۲) تذکرۃ الاولیا شیخ فریدالدین عطارؒ، خط نسخ، ناتمام (۳) نفحات الانس، مولانا جامیؒ (۴) مثنوی مولانا رومؒ، دفتر اول (۵) مجمع البحرین، شہزادۂ داراشکوہ، اب تک غیر مطبوع (۶) حسنات العارفین (۷) صُراح، بہ غایت خوشخط (۸) مناقب رزاقیہ، مرتبہ میر باقر علی صاحب اُردولوی، اب تک غیر مطبوع (۹) فتاوائے مظہریہ، مجموعہ فتاوی مولانا مظہر کریم صاحب خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا، اب تک غیر مطبوع (۱۰) ہدایہ، کرم خوردہ و ناتمام (۱۱) فتاوی عالمگیری، کرم خوردہ و ناتمام (۱۲) تفسیر حسینی ایضًا (۱۳) ہنس جواہر، مصنفہ قاسم شاہ دریابادی، بخط دیوناگری (۱۴) ترجمہ اُردو مراصد الاطلاع، عربی مین لغت جغرافیہ پر مشہور و جامع کتاب ہے - اس کا اُردو ترجمہ از مولانا مظہر کریم دریابادی خود مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا (۱۵) منتہی الکلام، مصنفہ شیخ حیدر علی صاحب فیض آبادی -

کتب مطبوعہ، جو اب نایاب و ناپید ہین مثلًا (۱) برہان قاطع، مطبوعہ کلکتہ (۲) شرح سفر السعادت،

مطبوعہ کلکتہ (۳) فتاوی قاضی خان، مطبوعہ کلکتہ (۴) نفحات الانس، مطبوعہ کلکتہ (۵) نفحات الانس، مطبوعہ بمبئی (۶) سیر الاولیا، مطبوعہ دہلی (۷) گلستان، مطبع مصطفائی (۸) بوستان، مطبع مصطفائی کانپور (۹) تفسیر عزیزی مطبع بمبئی (۱۰) مثنوی مولانا روم، ہر شش دفتر، مطبوعہ نامی پریس کانپور (۱۱) جذب القلوب، مطبوعہ کلکتہ (۱۲) رسالہ شید سالار، نامی پریس کانپور (۱۳) ترجمۂ اُردو مناقب العارفین، رامپور۔

غیر مطبوعہ نادر کتابیں ایسی ہیں، جنکی وجہ سے اس کتب خانہ کی شہرت ہندوستان سے گذر کر یورپ تک پہونچ چکی ہے۔

ایک، ملفوظات مولانا روم موسوم بہ فیہ مافیہ، بزبان فارسی۔ مشرق و مغرب دونوں کے محققین اس کتاب کو معدوم سمجھ چکے تھے۔ خدا کی شان! کہ مولوی عبد الماجد صاحب بی۔ اے کو اس کے بعض قلمی نسخوں کا علم ہوگیا۔ چنانچہ بہ صرف زر کثیر دستی بلیغ حیدرآباد و رامپور سے تین مختلف نسخوں کی نقلیں حاصل ہوگئیں اور ایک نقل قسطنطنیہ کے شاہی کتب خانہ سے مل گئی۔ کاملین فن کے نزدیک ایک بہت بڑی دولت گم گشتہ کا پتہ لگ گیا۔ یورپ کے مشہور فاضل اور کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر نکلسن نے اس تلاش کی بہت داد دی، اور سنہ ۱۹۲۳ء میں رایل ایشیاٹک سوسائٹی کی صدسالہ سالگرہ کا جشن جب لندن میں منایا گیا، تو یورپ کے بڑے بڑے نامی علما و فضلاء کی مجلس میں پروفیسر موصوف نے "دریاباد" کی اس تلاش کی داد اپنے ایک فاضلانہ مضمون میں دی، جس کا اُردو ترجمہ بھی رسالۂ "معارف" علی گڈھ میں چھپ چکا ہے۔ اب عبد الماجد صاحب اس کتاب کو چھپانے کی فکر میں ہیں، اور مقابلہ و تصحیح و اضافۂ مقدمہ و حواشی وغیرہ میں مشغول۔ چھپنے کے بعد دنیا کے علمی خزانہ میں دریاباد کی طرف سے ایک یادگار اضافہ ہوگا۔

دوسرا، رسالہ "القصد الی اللہ" عربی زبان میں، فن تصوف پر اتنی قدیم کتاب آج تک دنیا کے علم میں نہ تھی۔ خوش قسمتی سے مولوی عبد الماجد صاحب کو حیدرآباد و لکھنؤ سے اسکے دو مختلف نسخوں کی نقلیں حاصل ہوگئیں بعض علماء کا قول ہے کہ یہ رسالہ تمام صوفیوں کے سرتاج حضرت "جنید" بغدادی کی تصنیف ہے۔ اس رسالہ کو کیمبرج کے نامور فاضل پروفیسر نکلسن نے بڑے فخر و مباہات کے ساتھ اپنے زیر اہتمام طبع و شایع کرنا منظور کیا ہے۔ دریاباد کی طرف سے دنیا کے خزانۂ علم میں یہ دوسرا بیش بہا اضافہ ہے۔

ساتواں باب

موجودہ مشاہیر کا مختصر بیان

فخر وطن آنریبل رائے راجیشور بلی صاحب منسٹر

بی۔ اے، او۔ بی۔ ای، وزیر تعلیم و لوکل سلف گورنمنٹ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ، ماتھر کائستھ رائے

نارائن بلی صاحب تعلقدار کے فرزند اول، بہت بڑے نامور رئیس و تعلقدار، مذہبی فرائض مین سختی کے ساتھ پابند، کرشن جی مہاراج کے خاص معتقد، ہندوستانی صناعی کے بیحد شوقین اور قدردان - ولادت ۱۸۹۰ء۔

پہلے کالون اسکول (لکھنؤ) مین تعلیم پائی۔ بعد اُس کے کننگ کالج مین بی۔ اے پاس کیا۔ ۱۹۱۳ء سے کاروبار ریاست مین مشغول ہونے کے ساتھ ہی آنریری مجسٹریٹ اور انجمن ہند لکھنؤ کے جوائنٹ سکریٹری بھی ہو گئے کچھ دنون کے بعد اقبال نے اور یاوری کی ۱۹۲۰ء مین لیجسلیٹو کونسل کی ممبری عطا ہوئی۔ جنوری ۱۹۲۴ء مین گورنمنٹ ہند نے منسٹری کا جلیل القدر عہدہ مرحمت فرما کر سرفراز فرمایا۔ راجہ صاحب تعلقداران اودھ مین اول تعلقدار اور کائستھ ہونے کی بنا پر غالبًا یوپی بھر مین پہلے کائستھ اور کم سنی کے اعتبار سے سارے ہندوستان مین اوّل شخص ہین جنھون نے کرسی وزارت پر رونق افروز ہو کر زبردست شہرت و ناموری حاصل کی۔

ممدوح کی ذات سے دریاباد مین سنسکرت پاٹ شالہ اور انگریزی اسکول[1] کی بنیاد ڈالی گئی۔ حال کے دسہرہ و جشن ملکیہ کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی سنٹرل کوآپریٹو بنک کھولا گیا۔ پائین باغ مین از سرِ نو کتب خانہ قایم ہوا جس مین بھاشا اور سنسکرت کی قلمی پوتھیون کا معقول اضافہ خاص انھین کی دلچسپی کا باعث ہے۔ بنارس والا سنگی دو منزلہ مکان پانچ منزل کا تعمیر ہو کر ایک عظیم الشان محل کی صورت مین نمودار ہوا منسٹر صاحب کے وقت سے چند دیگر کارنامے بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہین۔

(۱) جشن تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم ۱۹۰۲ء۔ عالی شان دربار آراستہ ہوا جس مین بستی کے علاوہ عملۂ تحصیل، قرب و جوار کے روسا و زمیندار اور مہاجن وغیرہ شریک ہوئے۔ اسپیچین دی گئین، مدحیہ قصاید پڑھے گئے۔ اسکول دریاباد و متھرا نگر کے طلباء کو شرینی اور قریبًا دو ہزار محتاجون کو کھچڑی تقسیم کی گئی۔ غریبون کو کمل بانٹے گئے۔ ڈیڑھ ہزار روپیہ، جو کاشتکارون کے ذمہ باقی تھا، معاف کیا گیا۔ رات کو روشنی ہوئی، آتشبازی چھوڑی گئی، ناچ گانا ہوا اور پُر تکلف دعوت دی گئی۔ دربار کی رونق، محفل کی زینت اور دونون کی سجاوٹ قابل دید تھی۔ تخمینًا تین ہزار روپیہ صرف ہوا (۲) ۱۹۰۷ء کی زبردست قحط سالی مین گورنمنٹ سے بیس[2] پچیس ہزار روپیہ ذریعۂ تقاوی حاصل کر کے (یہ روپیہ بدفعات کئی قسطون مین معہ سود ایک مقررہ میعاد کے اندر ادا کر دیا گیا تھا) ایک بہت بڑا تالاب تیار کرایا گیا، جس سے نہ صرف صدہا بیکسون اور محتاجون کی جان فاقہ سے بچ گئی، بلکہ آبپاشی کے ذرائع وسیع ہو جانے کے باعث زراعت کو بھی بیحد فایدہ پہونچا۔ یہ تالاب راجیشر بلی صاحب کے نام سے موسوم ہو کر راج سرور کہلاتا ہے (۳) جشن تاجپوشی شہنشاہ جارج پنجم ۱۹۱۱ء۔ اس جشن مین غریبون کو بجائے کمل کے مرزائیان تقسیم کی گئی تھین، باقی کل کارروائی قریب قریب مطابق جشن اوّل (۴) جنگ یورپ کے موقع پر ایک زبردست میٹنگ منعقد کر کے جو اُس وقت تحصیل سنہی گھاٹ مین اوّل میٹنگ تھی، امداد مین

[1] اس موقع پر راقم الحروف نے یہ قطعۂ تہنیت کہ کر اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا تھا **قطعہ** بعد مدت نیر اقبال چمکا اے **محب** ! نام روشن ہو گیا دنیا مین دریاباد کا یعنی راجیشر بلی صاحب منسٹر ہو گئے * دھوم ہے چارون طرف، غل ہے مبارکباد کا ۱۲ [2] افسوس ہے کہ پبلک کی کم توجہی سے یہ اسکول جولائی ۱۹۲۴ء کو شکست ہو گیا ۱۲۔

دریاباد کے علاوہ قرب وجوار کے لوگ بھی بکثرت شریک تھے، برٹش امداد کے لئے جوشیلی اور پُرزور تحریک کی گئی۔ جنگ مین ڈھائی ہزار کے قریب چندہ دیا گیا، اور ڈھائی سو رکروٹ (رنگ روٹ) بھرتی کئے گئے۔ علاقہ والے رکروٹون کے ساتھ حسب مناسب ضروری رعائتین کی گیئن۔ اس وفادارانہ خیرخواہی کے صلہ مین برٹش گورنمنٹ نے رائے راجعیشر بلی صاحب کو او۔ بی۔ ای (آرڈر برٹش ایمپائر خیرخواہ سلطنت برطانیہ) کا خطاب مرحمت فرمایا (۵) جشن فتحیابی ۱۹۱۹ء۔ مسٹر ''ہوبارٹ'' ڈپٹی کمشنر (بارہ بنکی) کی صدارت مین ایک بہت بڑا دربار منعقد کیا گیا، جس مین تحصیل بھر کے معززین و روسا وغیرہ نے شرکت فرمائی تھی۔ ہون کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ اسپیچین دی گئین نظمین پڑھی گیئن اسکول کے طالب علمون کو شرینی تقسیم کی گئی۔ محتاجون کو مرزائیان اور رضائیان میم صاحبہ کے دستِ مبارک سے تقسیم کرائی گیئن۔ بارہ سو روپیہ بقایا لگان معاف کیا گیا۔ غلہ کی زبردست خیرات ہوئی ''شہنشاہ کی جے'' کے نعرے بلند ہوئے، پھر ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کی تحریک پر ''رائیصاحب کی جے'' منائی گئی۔ رنگروٹون کے بھرتی کرنیوالون مین سے اہلکارون مقدمون ضلعدارون کو شال دوشالے (بارہ) عنایت ہوئے اور سپاہیون کو چاندی کی شام لگی ہوئی لاٹھیان (۱۱) دی گیئن۔ رات کو معقول روشنی ہوئی، اور نفیس آتشبازی چھوڑی گئی۔ تخمیناً چار ہزار روپیہ صرف ہوا۔ دربار خوب آراستہ تھا۔ فتحیابی کا یہ شاندار جلسہ ضلع مین پہلا جلسہ تھا، جس کے قبل کسی دوسرے مقام پر اس قسم کے جلسہ کی نوبت نہین آئی تھی (۶) جو وکیل نان کواپریٹر ہو کر وکالت چھوڑ بیٹھے تھے، رائیصاحب نے انھین سمجھا بجھا کر قانونی پیشی پر آمادہ کر دیا اور وہ بدستور سابق گورنمنٹ کے خیرخواہ بن گئے۔

رائیصاحب نے صنعت وحرفت کی قدردانی مین خاص طور پر نام پیدا کیا ہے۔ چنانچہ انڈسٹریل سروے ضلع بارہ بنکی ۱۹۲۳ء (مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد) مین تحریر ہے :۔

''رائے راجعیشر بلی صاحب ممبر کونسل صوبہ متحدہ آگرہ واودھ دریاباد کے قابل قدر تعلقدار صنعت وحرفت کے بڑے سرپرست ومربی ہین۔ قصبہ کے ایک مصور مرزا غفار بیگ کو نوکر رکھا ہے۔ مرزا صاحب اور رائیصاحب دونون نے مل کر قدیم تصاویر کی صناعی اور خوبیون کو سمجھ کے بڑے پیمانہ پر اُن کی نقلین حاصل کی ہین، جو دیوارون اور چھتون مین نظر آرہی ہین۔ انھون نے قدیم اور پختہ رنگون کی تحقیقات بھی کی اور اُن کے تیار کرانے مین کامیاب ہوئے۔ یہ رنگ خیال کی مدد سے تیار ہوتے ہین، جو اگلے زمانے مین صدیون تک بدستور چمک رکھتے تھے۔ تعلقدار صاحب نے اپنے ڈرائینگ روم (ملاقاتی کمرہ، متعلقہ کتب خانہ) مین فخریہ ان رنگون کا استعمال کیا ہے، جو نہایت کارآمد ثابت ہوئے ہین۔ مقامی نجارون سے بھی کچھ کام لیا گیا ہے، جن کے نمونے الماریون اور تصویرون کے چوکھٹون سے ظاہر ہوتے ہین مقامی معمارون کی صناعی بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ ان صناعیون کو لارڈ میسٹن صاحب بہادر سابق گورنر صوبہ متحدہ نے بہت پسند فرمایا اور کئی بار ان کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی''۔

فخرِ وطن آنریبل رائے راجعیشر بلی صاحب بڑے خوش نصیب، اقبال مند، نہایت نیک، بامروت، خلیق، ملنسار، خوبصورت خندان رو، شگفتہ پیشانی، نوجوان، ہردلعزیز، غیر متعصب، منکسر المزاج، صاحبِ اولاد، وضع قدیم وجدید۔

رائے بہادر رائے چندر ہر بلی صاحب

رائے شنکر بلی صاحب کے اکلوتے بیٹے، رائے راجیشر بلی صاحب کے چچا، ریاست کے نائب، آنریری مجسٹریٹ و منصف، وفادارِ گورنمنٹ، حکام رس، ملکی صنعت و حرفت کے بہی خواہ، زندہ دل، فارسی و انگریزی کے ماہر، اردو مین نتیجہ خیز شعر گوئی کے شوقین، مذاقِ سخن پاکیزہ، ذی فہم، خلیق، جواد، صاحبِ اولاد، وضع قدیم و جدید۔ ولادت سمبت ۱۹۳۸ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۸۱ء۔

رائے بہادر صاحب نے سنہ ۱۹۱۰ء مین دیسی مصنوعات کی ترقی کے لئے دریاباد مین پارچہ بافی کا اسکول قایم کیا، جس مین سوتی و ریشمی ہر دو قسم کے عمدہ اور مضبوط کپڑے تیار ہوتے تھے۔ بہت سے کپڑے دن کو سر جان ہیوٹ صاحب بہادر سابق لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ و اودھ (بمقام بارہ بنکی بہ تقریب جلسۂ ہیوٹ اسکول) ملاحظہ فرماکر نہایت خوش ہوئے تھے، اور دو تھان ریشمی کپڑے کے، جو بطور تحفہ ان کی خدمت مین پیش کئے گئے تھے، بہت شکریہ کے ساتھ قبول فرماکر عزت افزائی کی تھی۔ لیکن، نہایت افسوس ہے کہ پبلک کی ناقدری سے یہ اسکول سنہ ۱۹۱۶ء مین بند کر دیا گیا، جسے ملک کی بدقسمتی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہین؟

۱۲۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء کارونیشن دربار دہلی سے، آنریری مجسٹریٹی و آنریری منصفی، ممبری ڈسٹرکٹ بورڈ، مددِ حکام مقامی، اجرائے اہتمام اسکول پارچہ بافی وغیرہ مفید خدمات کے صلے مین سارٹیفکٹ اور نقرئی تمغہ عطا ہوا۔ زراعت کے متعلق کام کرنے کی بنا پر کانفرنس محکمۂ زراعت و تجارت لکھنؤ سے ایک سند ملی۔ جنگ یورپ کے زمانے مین رائے چندر ہر بلی صاحب نے رکروٹون کے بھرتی کرنے مین زبردست حصہ لیا۔ مختلف مقامات پر جا جا کر موثر لیکچر دئے جس کا اثر عوام پر اچھا پڑا۔ اس خیرخواہانہ خدمت کے عیوض گورنمنٹ سے "رائے بہادری" کا خطاب عنایت ہوا۔

رائے اُمانا تھ بلی صاحب

رائے بہادر بلی صاحب کے فرزند اوّل، ہندوستانی موسیقی کے بہت بڑے حامی اور مشہور ماہر، ذی علم، انگریزی و فارسی اور اردو و بھاشا سے آگاہ، انگریزی و بھاشا مین صاحب تصنیف و تالیف، تعلقدار پریس کے مالک، حکام رس، ولادت سنہ ۱۸۹۲ء۔ موسیقی مین وہ قابلیت پیدا کی ہے کہ اس وقت علمی حیثیت سے ٹھاکر نواب علی صاحب تعلقدار اسیتاپور کے بعد صوبۂ اودھ مین ان کا کوئی ہمپایہ نہین۔ ہندوستان کے نامی گرامی علمائے موسیقی پنڈت وشن نرائن بھات کھنڈے (ساکن بمبئی، یورپ و امریکا اور جاپان وغیرہ، یعنی تمام دنیا مین مشہور و معروف) و تاتر بی کیشو جوشی (دنیا پریم ٹلیجھ جوشی (پروفیسر اجمیر کالج) شنکر راؤ کرنادھ (بمبئی) برج کشن کول (دہلی) ایچ بی کرشنا راؤ (ریاست میسور) ایم ایس راما سوامی آئیر (کویم ٹیوٹر، مدارس) سے سلسلۂ مراسلت قایم ہے۔

اُمانا تھ بلی صاحب آل انڈیا میوزک کانفرنس کے ممبر ہین۔ ان کی منشا ہے کہ ہندوستانی موسیقی، جو

ایرانی موسیقی کے میل سے خراب اور ناقص ہوگئی ہے، اُسے پھر اصلی صورت مین لانا چاہیئے - انھون نے بھاشا زبان مین ایک رسالہ "سنگیت سُدھا" نامے دریاباد سے شایع کرنا شروع کیا تھا - لیکن، افسوس! مُلک کی ناقدری سے صرف پانچ مہینے اگست ۱۹۱۸ء لغایت دسمبر ۱۹۱۹ء جاری رہ کر بند ہوگیا - یہ رسالہ موسیقی معلومات کا ایک خزانہ تھا جس کے نامہ نگار نامی نامی اہل قلم تھے - رسالہ کے ایڈیٹر اور پروپرائیٹر رائیصاحب ہی تھے - حال مین موسیقی کے متعلق میوزک آف انڈیا (انگریزی) اور سنگیت پردیپکا (بھاشا) دو کتابین بڑی محنت اور قابلیت سے تصنیف فرما کر ملک پر بڑا احسان کیا ہے - یہ کتابین عنقریب چھپ کر شایع ہونیوالی ہین - آج کل موسیقی کالج کھولنے کے لئے بدل وجان کوشش کر رہے ہین - برٹش انڈیا مین اس وقت تک نہ کوئی اسکول ہے نہ موسیقی کا کالج - اس لئے رائیصاحب کی یہ عظیم الشان کارآمد خدمت ایک لاجواب یادگار ہوگی -

رائیصاحب فریمیسن لاج فیض آباد کے بھی ممبر ہین، اور آل انڈیا اسٹینڈنگ کمیٹی آف میوزک کی طرف سے صوبہ متحدہ آگرہ واودھ کے اسسٹنٹ سکریٹری بھی ہین -

وضع قدیم وجدید، خوشرو، نوجوان، خوش فہم، خوش خلق، خوش پوشاک طرز لباس مین مغربی و مشرقی دونون رنگ شامل -

رائے سومناتھ بلی صاحب

رائے مہادیو بلی صاحب کے فرزند دوم، دریاباد مین راگھو سمتی کے بانی مبانی - یہ انجمن دسمبر ۱۹۲۷ء مین قومی ہمدردی اور مذہبی ترقی کے لئے قایم کی گئی ہے - اُمید کی جاتی ہے کہ کارکنانِ انجمن زمانہ کی رفتار دیکھ کر متانت اور سنجیدگی کے ساتھ قدیم ہندو مسلم اتحاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے فرائض کے انجام دینے مین مشغول ہو کر منزل مقصود پر پہونچنے کی کوشش فرمائین گے - رائے صاحب نیک، خلیق، ملنسار، نوجوان - وضع قدیم وجدید -

رائے۵ بشیشر بلی صاحب

بی - اے، آنریبل رائے راجیشر بلی صاحب بہادر منسٹر کے برادر خورد ۱۹۲۲ء مین لکھنؤ کے کیننگ کالج مین بی اے کی ڈگری حاصل کی - نوجوان، نیک طینت، صاحب اخلاق، ذہین، وضع قدیم وجدید - ولادت ۳۰ - اپریل ۱۸۹۹ء -

رائے شمبھو بلی صاحب

ولادت ماہ پھاگن سمبت ۱۹۳۴ بکرمی مطابق فروری ۱۸۷۷ء، رائے رگھناتھ بلی صاحب کے فرزند اکبر گیتا کے شوقین، فارسی وانگریزی اور سنسکرت سے واقف، بھاشا کے اچھے انشا پرداز اور ایک پوتھی کے مصنف جو تعلقدار پریس مین زیر طبع ہے، اور جن مین نہایت عمدہ دلایل سے ثابت کیا گیا ہے کہ دروپدی کے پانچ خاوند نہ تھے، بلکہ ایک ہی

۵ تاریخ ہذا کامل طور سے مرتب ہو جانے کے بعد یہ مسرت انگیز خبر سننے مین آئی کہ رائیصاحب موصوف ڈپٹی کلکٹری کے لئے نامزد ہوگئے ہین مبارک ہو ۱۲ مولف

تھا۔ ان سے پیشتر رائے صاحب کے خاندان مین سنسکرت تعلیم کا مطلق رواج نہ تھا، یہ پہلے شخص ہین جنھون نے اپنی قومی زبان مین قابلیت پیدا کرکے سنسکرت دانی کا مرتبہ حاصل کیا۔ وضع قدیم و جدید۔

رائے سدھ ناتھ بلی صاحب فراقؔ

ولادت سمبت ۱۹۲۹ بکرمی مطابق ۷ اجولائی سنہ ۱۸۷۲ع یوم دوشنبہ، رائے شمبھو بلی صاحب کے برادر خورد، فارسی مین قابل، اُردو کے اچھے اور سخن آفرین شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی مین بھی شعر کہنے پر مائل، فارسی کے متعلق خواجہ عزیزالدین صاحب عزیزؔ لکھنوی (کیننگ کالج مین فارسی کے پروفیسر تھے) اور اُردو مین حضرت جلالؔ مرحوم (لکھنوی) کے شاگرد، غزل۔ رُباعی۔ قطعہ۔ مسدس وغیرہ ہر صنف کلام پر قادر۔ کلام بہت کچھ جمع ہوچکا ہے، مگر ابھی چھپنے کی نوبت نہین آئی ہے۔ حال مین طبیعت کا رنگ بدل گیا ہی، قدیم طرز شاعری ترک کرکے جدید روش اختیار کی ہے، اور بجائے حسن و عشق کی فرضی خیال آرائیون کے سبق آموز مذہبی واقعات نظم کرنے لگے ہین چنانچہ اس سلسلہ مین رامائن کے دو باب اُردو نظم کے زیور سے آراستہ ہوچکے ہین، باقی حصص کی نسبت بھی کوشش بلیغ ہورہی ہے۔ منظوم شدہ حصے مسدس کی حیثیت رکھتے ہین، اسی طرح رامائن کے دیگر حصص بھی اسی صنف شاعری کے جدت انگیز لباس مین خوبصورتی کے ساتھ جلوہ گر کیے جائین گے۔ اُردو و فارسی مین آج تک اس قسم کی کوئی رامائن شایع نہین ہوئی، اسلیے یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ علمی دنیا مین یہ بیش بہا مذہبی تحفہ اپنی خصوصیت کے لحاظ سے ادبی ذخیرہ کے لیے ایک قابل قدر اور جدید اضافہ تسلیم کیا جائے گا۔ فراقی صاحب کیسے شاعر ہین اور ذی علم طبقہ مین اِن کا کلام کس نظر سے دیکھا جاتا ہے؟ اس کا حال ذیل کے ایک مختصر مگر دلچسپ ریویو سے ظاہر ہوتا ہے، جو اودھ اخبار کے ایک تازہ اشاعت مین فاضل ایڈیٹر کے جادو نگار قلم سے نکلا ہے۔

"ہمین یقین ہے کہ یہ اطلاع نہایت تفریح و دلچسپی کا باعث ہوگی کہ خاندان روسائے دریاباد کے ایک ممتاز تعلیم یافتہ ممبر جناب رائے سدھ ناتھ بلی صاحب المتخلص بہ فراقیؔ رامائن کو اُردو نظم کا جامہ پہنا رہے ہین۔ اس کے دو سین ہمارے دوست رائے اُما ناتھ بلی صاحب مالک تعلقدار پریس کی عنایت سے ہمین بغرض اشاعت موصول ہوئے ہین، جنھین ہم نہایت شکریہ کے ساتھ اپنے ناظرین کی دلچسپی کے لیے یہان درج کرتے ہین۔ اُمید ہے کہ رائے صاحب موصوف کی مہربانی سے اس مجموعہ کے دیگر حصص بھی وقتاً فوقتاً ہم شایع کرتے رہین۔ رائے صاحب موصوف کا یہ کارنامہ بلحاظ اس کے مذہبی اور لٹریری اہمیت کے ملک مین عام طور پر پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ ایڈیٹر۔ از اودھ اخبار ۹۔ نومبر سنہ ۱۹۲۴ع، صفحہ اول، کالم پہلا"

رسالہ "زمانہ" کانپور کے قابل اسسٹنٹ ایڈیٹر جناب احسن صاحب (بمبئی) اپنے ایک پرائیویٹ خط مین تحریر فرماتے ہین:۔ ۱۰۔ نومبر سنہ ۲۴ع۔ مکرمی۔ تسلیم۔ مبارک ہو کہ آپ رامائن کو اُردو نظم مین جلوہ گر کرنے کی کوشش فرما رہے ہین، خدا کرے کہ آپ کی یہ سعی مشکور کامیاب ہو۔ رسالہ زمانہ بطور تحفہ حاضر خدمت ہوتا ہے، اُمید ہے کہ آپ

اسکی خریداری منظور فرماکر کبھی کبھی اپنی بیش بہا نظمون سے اسکی بزم ادب کو رونق بخشتے رہین گے - زیادہ تسلیم - آپ کا مخلص احسن بمبئی اسسٹنٹ ایڈیٹر زمانہ" اس سے بھی فراقی صاحب ذی علم اور قابل شاعر معلوم ہوتے ہین - رسالون مین حتی المقدور عمدہ ہی کلام چھاپنے کی کوشش کیجاتی ہے اور "زمانہ" اردو کا مشہور و معروف رسالہ ہے، معمولی نہین خطوط کو فراقی صاحب کے نام ہے اور انھین کے پاس موجود -

فراقی صاحب اپنے مذہبی فرض کی ادائیگی مین قدیم اصول کی پابندی زیادہ مناسب خیال فرماتے ہین - چنانچہ انہون نے اپنا "جنیو" باقاعدہ کیا ہے - اسلامی زمانے سے ہمارے صوبہ کے ہندو ون مین برہمنون کے علاوہ دیگر معزز فرقے چھتری کائیستھ، ویش وغیرہ دھرم شاستر کے بموجب یگیو پویت (جنیو پہننا) کی رسم ادا نہین کرتے، بلکہ شادی بیاہ کے موقع پر پنڈت جی کے حکم سے جنیو پہن لیتے ہین، جو ایک افسوسناک غلطی ہے اسلئے چھتری، ویش مین عموماً اور کائیستھون مین خصوصاً یہ پہلی رسم ہے، جسے پنڈت ہری شنکر جوتشی کے ذریعہ بنارس مین ۳۱ - مارچ ۱۹۱۱ء یوم پنجشنبہ کو ہندو شریعت کے مطابق باضابطہ ادا کیا گیا - دریاباد کے مشہور پنڈت شنکر دیال اوستھی نے ان کے پیدا ہونے کی دلچسپ تاریخ کہی ہے دوہا سمبت بکرم ترپٹ کے ندھ گن نرہر نش ناتھ پنچم شبھ دِتیا سوم دن جنم لیو سدھ ناتھ" اس سے سمبت ۱۹۲۹ برآمد نکلتے ہین - وضع قدیم وجدید، خوبصورت، خلیق، سخن سنج شاعرون کے دوست و قدردان، صاحب اولاد -

رائے دیوراج بلی صاحب و رائے ہرناتھ بلی صاحب

رائے کیدار بلی صاحب کے بیٹے، انگریزی تعلیم یافتہ، ایف ۔ اے پاس - اسی سال (۱۹۲۴ء) امتحان مین کامیاب ہوئے ہین دیوراج بلی صاحب کی تاریخ ولادت ۵ - فروری ۱۹۰۱ء اور ہرناتھ بلی صاحب کا زمانۂ پیدائیش ۸ - جنوری ۱۹۰۳ء - وضع قدیم جدید، صاحب اخلاق، آغاز شباب، ملنسار، ذہین، خوش چلن -

رائے امرناتھ بلی صاحب

رائے بیجناتھ بلی صاحب کے بیٹے، زراعت کے خاص شوقین - اپنے خاندان مین پہلے تعلیم یافتہ نوجوان شخص ہین جنھون نے "اُتّم کھیتی مدّھم بان" پر عمل کرکے دو برس ہوئے کہ باقاعدہ کاشتکاری شروع کردی ہے - رائے امرناتھ بلی صاحب نوجوان، نیک، خلیق، ملنسار، وضع قدیم وجدید -

خان بہادر مرزا محمد یوسف بیگ صاحب

ولادت ۱۸۶۷ء مرزا محمد اصغر بیگ صاحب کے فرزند اول، خاندانی رئیس، آنریری مجسٹریٹ درجہ دوم بہت بڑے عالی نسب، منتظم، دولتمند، فارسی و انگریزی اور اُردو سے بقدر ضرورت واقف، دوراندیش، فہیم، زمانہ شناس سخن دوست، قدردان علم و فن، حکام رس، خیرخواہ گورنمنٹ برطانیہ - ان کی شادی آنریبل نواب امیر الدین احمد خان بہادر

کے. سی. ایس، آئی دائی لوہارو (ملک پنجاب) کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوئی۔ سراج الدین صاحب سائل دہلوی حضرت داغ کے داماد اور نواب صاحب لوہارو کے چچا زاد بھائی اور سالے ہین، اور غالب دہلوی بھی نواب صاحب کے رشتہ دار ہین۔ کیونکہ نواب صاحب کے والد ماجد مرزا علاءالدین احمد خان تخلص علائی غالب کے شاگرد اور رشتہ دار تھے جیسا اردو معلی غالب سے ظاہر ہے، اور نواب صاحب کی ہمشیرہ مرزا محمد یوسف بیگ صاحب کو منسوب ہین، اس لئے سائل وداغ وغالب مرحوم مرزا صاحب کے بھی رشتہ دار ہوئے۔ حال کی مشہور تاریخون امپریل کارونیشن بک لاہور سنہ ۱۹۱۱ء، گولڈن بک نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۱ء، تاج التواریخ لاہور، نصرت التواریخ، انڈیا دار بک لاہور سنہ ۱۹۱۵ء مین مرزا صاحب کے بعض حالات بڑی تعریف کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہین چنانچہ ایک انگریزی تاریخ مین تحریر ہے :۔

"مرزا محمد یوسف بیگ صاحب آنریری مجسٹریٹ ورئیس دریاباد تعلقدار لشنداس پور ضلع بارہ بنکی ملک اودھ ان کے خاندانی بزرگ بہ عہد اورنگ زیب ایران سے دہلی آئے۔ ان مین سے اکثر اصحاب معزز ومعتبر ہونے کی وجہ سے زمانہ مغل دیوانی وفوجداری کے محکمہ مین جلیل القدر عہدہ پر ممتاز رہے۔ خان بہادر صاحب کے والد مرزا محمد اصغر بیگ قدیم طرز کے رئیس اور آبائی وضع کے پابند اور گورنمنٹ انگلیشیہ کے خیرخواہ تھے۔ خان بہادر صاحب ہز ہائینس نواب صاحب لوہارو کے رشتہ دار ہین جن کی بہن ان کو بیاہی ہوئی ہے۔ جنگ یورپ کے موقع پر انھون نے رکروٹ بہم پہونچائے، اور اپنی رعایا سے برضامندی چندہ وصول کیا۔ قرضہ جنگ اور مختلف چندون کے دینے مین شرکت کی۔ ان وفادارانہ خدمات کے صلہ مین وار بورڈ اور دیگر معزز حکام کی طرف سے شکریہ ادا کیا گیا۔ مجسٹریٹ ضلع تحریر کرتے ہین کہ خان بہادر مرزا یوسف بیگ ضلع مین پہلے شخص ہین جنھون نے دروازہ "رکروٹمنٹ" کا کھولا۔" از انڈیا دار بک نمبر ۲، صفحہ ۲۷، مکہ سلا برادرس پرنٹنگ ورکس لاہور۔

مرزا صاحب روزہ ونماز کے پابند، خوبصورت، خلیق، نفاست پسند، خوش پوشاک، ملنسار، سیر وتفریح کے شوقین، صاحب اولاد۔ وضع جدید، شیروانی اچکن قمیص، واسکٹ، پتلون نما پائجامہ، پمپ شو، ٹرکی ٹوپی استعمال کرتے ہین۔

مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار پنشنر

ولادت سنہ ۱۲۷۰ھ مطابق سنہ ۱۸۵۱ء، از اولاد حضرت شیخ مخدوم آبکش دریابادی، حافظ مرتضی کریم صاحب کے فرزند چہارم، لکھنؤ مین تحصیل علوم سے فراغت حاصل کرکے بائیس تیئیس سال کی عمر مین سنہ ۱۸۸۰ء مین پہلے تحصیل بدوسہ ضلع باندہ کے نائب تحصیلدار ہوئے، ایک ہی سال کے بعد ترقی کرکے کم سن مین تحصیلدار ہوگئے۔ مدت دراز تک اضلاع الہ آباد وہمیرپور کی مختلف تحصیلون مین اسی عہدہ پر مامور رہ کر تحصیل میجا پور ضلع الہ آباد آئے اور یہین سے پنشن پاکر خانہ نشینی اختیار کرلی۔ اس وقت تک بفضلہ صحیح وسلامت اور آنریری اسسٹنٹ کلکٹری کے عہدہ سے سرفراز، ایمانداری وخوش اسلوبی سے کار متعلقہ مین مصروف۔

قیام الہ آباد کے سلسلے مین خان بہادر سید اکبر حسین صاحب جج تخلص اکبر الہ آبادی سے اور تحصیلدار صاحب سے

گہرے تعلقات پیدا ہو گئے تھے، جو اُن کی زندگی تک بدستور قایم رہے۔ چنانچہ جس وقت یہ تحصیل "میجا" کی خراب حالت کو درست کرنے کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے وہان تعینات کئے گئے تو حضرت اکبر نے یہ رُباعی نظم فرما کر ان کے پاس بھیجدی۔

رُباعی "درپیش چند امور بیجا آئے ؛ مُصلح بن کر کریم میجا آئے ؛ حُکّام سے کیون کیجئے اِس کو منسوب۔ سچ پوچھیے تو، خدا نے بھیجا، آئے"

ایک مرتبہ تحصیلدار صاحب نے کچھ پختہ و خام مچھلیان ممدوح کی خدمت مین روانہ کین، جس کے شکریہ مین حضرت اکبر نے یہ رُباعی تصنیف فرمائی۔ **رُباعی**[1] "عمدہ مچھلی مُسلّم و خام ملی ؛ تحفہ پایا مرادِ خُدّام ملی ؛ ممنون کریم کیون نہ ہون اے **اکبر** وہ دام مین لائے مجھے بے دام ملی" ؛

یہ بڑے زمانہ شناس، ذی حوصلہ اور روشن خیال بھی ہین اپنے بڑے لڑکے اور سید مرتضیٰ علی[2] اپنے داماد کو بیرسٹری پاس کرنے کے لئے ولایت بھیجا اور جب تک وہ کامیاب ہو کر واپس نہین آئے، خوشی سے مصارف کثیر برداشت کرتے رہے ان کے تین بیٹے بڑے احمد کریم، دو ان سے چھوٹے۔ صاحب اخلاق، بامروت، خوش مزاج، خوش تقدیر، کچھ کچھ ورزش کے شوقین، وضع جدید بطرز مغربی۔ (مخدوم زادگان)۔

مولوی احمد کریم صاحب سب جج

ولادت سنہ ۱۳۰۲ھ، مطابق سنہ ۱۸۸۵ء، مولوی محمد کریم صاحب کے فرزند اوّل۔ ۱۲ برس کے سن مین ولایت جا کر خوب محنت و مشقت کر کے بیرسٹری کی سند حاصل کی سنہ ۱۹۰۷ء لغایت سنہ ۱۹۱۲ء الہ آباد مین بیرسٹری کرتے رہے۔ بعد ازان گونڈہ کے منصف، پھر ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے محکمہ رجسٹری مین انسپکٹر ہوئے۔ عرصہ سے فیض آباد کے منصف تھے، حال مین کچھ روز بہرائچ کے قائم مقام سب جج رہے، آج کل گونڈہ کے سب جج اور اسسٹنٹ سشن جج۔

سنہ ۱۹۲۲ء مین انھون نے "جدید قانون لگان" کا انگریزی سے اُردو مین عام فہم ترجمہ کیا، جس کے صلے مین گورنمنٹ نے ازراہِ قدردانی مبلغ پانچ سو روپیہ مرحمت فرما کر سرفراز فرمایا۔

لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی قدیم تعلقات کی بنا پر اِن پر بھی شفقت فرماتے تھے۔ جب یہ الہ آباد مین بیرسٹری کرتے تھے تو کسی روز انھون نے دو چہے شکار کر کے اُن کی خدمت مین روانہ کئے۔ ممدوح نے فوراً شکریہ مین برجستہ شعر موزون فرمایا۔ **شعر** "میان احمد نے دو چہے بھیجے ؛ لطف یہ ہے کہ بے کہے بھیجے"۔

سُنا جاتا ہے کہ جس وقت فیض آباد مین یہ خبر گرم ہوئی کہ مسٹر احمد کریم صاحب منصف، بہرائچ کے قائمقام سب جج ہو گئے، اسی وقت سے وہان کی معزز جماعت گارڈن پارٹی دینے پر آمادہ ہو گئی۔ روز ایک گارڈن پارٹی کا جلسہ ہونے لگا۔ ایک ہفتہ تک بڑے جوش و خروش کے ساتھ یہ محبت آمیز اخلاقی سلسلہ قایم رہتے ہوئے بھی اکثر اصحاب کے دل مین حسرت باقی رہ گئی اور منصف صاحب تاریخ معہودہ پر مجبوراً بہرائچ تشریف لیگئے۔ اس سے مولوی احمد کریم

[1] کلیات اکبر حصہ ا ملاحظہ ہو ۱۲ [2] آج کل ریاست بھوپال مین ہائی کورٹ کے جج، سات سو روپیہ ماہوار مشاہرہ ۱۲

صاحب کی اخلاقی وسعت کا زبردست پتا چلتا ہے -

سب جج صاحب خوش رو جوان، خوش فہم، خوش نصیب، خوش طبیعت، خوش تقریر، خوش چلن، خوش پوشاک خلیق، منکسر المزاج، ہردل عزیز، بامروت، غیر متعصب، باعدل و انصاف، اپنے فرایض منصبی کو نہایت نیک نیتی و ایمانداری اور بڑی مستعدی و قابلیت کے ساتھ انجام دینے میں مشغول - وضع مغربی -

مولوی عبدالمجید صاحب ڈپٹی کلکٹر

فرزند اکبر حاجی مولوی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر مرحوم، ولادت ۱۸۸۶ء - راجہ درگا پرشاد صاحب مہر (تعلقدار سندیلہ) نے فارسی زبان میں قطعہ تاریخ ولادت کہا "غنچہ امید شگفت" - اردو، فارسی درسیات اور عربی کے صرف نحو نیز چند رسالے منطق کے مکان پر مولانا حکیم محمد علی اطہر صاحب دہلوی سے پڑھے - ضلع گورکھپور کے جوبلی ہائی اسکول میں انگریزی تعلیم کی ابتدا ہوئی سیتاپور ہائی اسکول سے ۱۹۰۶ء میں انٹرنس کی سند حاصل کی - لکھنؤ کے کیننگ کالج و کرسچین کالج میں تعلیم پاکر ۱۹۱۱ء میں ایف - اے پاس کیا - سرکاری ملازمت کا آغاز عہدہ نائب تحصیلداری سے اخیر ۱۹۱۱ء میں ہوا - کئی سال تک تحصیلداری لکھنؤ کے اہم اور مشکل خدمات کو نیک نامی کے ساتھ انجام دینے کے بعد آخر ۱۹۲۳ء سے ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر ممتاز، حکام اور رعایا میں یکساں ہردل عزیز -

اخباروں[۵] کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ مولوی عبدالمجید صاحب کو تحصیلداری کے عہدہ سے سبکدوش ہونے پر لکھنؤ کی پبلک نے سات آٹھ سو روپیہ چندہ جمع کرکے قیصر باغ میں ایک بڑی دھوم دھامی گارڈن پارٹی دی تھی - غالباً ادھر میں آجتک کسی تحصیلدار کو ایسی گارڈن پارٹی نہیں دی گئی، اس لئے مولوی صاحب اول تحصیلدار ہیں جنھیں معزز باشندگان لکھنؤ کیطرف سے اس مقام پر یہ اعلیٰ افتخار حاصل ہوا تھا، جہاں صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے حکم سے اس قسم کی گارڈن پارٹی کے لئے اجازت ملنا ایک نہایت دشوار بات ہے - لکھنؤ کی پبلک کا گارڈن پارٹی دینا ڈپٹی صاحب کے اوصاف حمیدہ کا ایک شاندار اور کافی ثبوت ہے -

گذشتہ کئی سال سے ڈاکٹر رشبروک ولیمس گورنمنٹ آف انڈیا کے لئے ایک کتاب "انڈیا" کے نام سے ہر سال تیار کیا کرتے ہیں - ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱-۲۲ء کی کتاب کا ترجمہ مولوی عبدالمجید صاحب نے "مرقع ہند" کے نام سے کیا - متعدد اخبارات نے ترجمہ کے متعلق نہایت عمدہ تبصرہ لکھے - علاوہ بریں کبھی کبھی اخبارات میں مضمون نگاری بھی کیا کرتے ہیں - نہایت نیک ملنسار، بہی خواہ وطن، خوش خلق، خوش لباس، غیر متعصب، صاحب اولاد، وضع قدیم و جدید (مخدوم زادگان) -

حافظ عبدالرشید صاحب

از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی شیخ عبدالوحید صاحب کے فرزند اکبر، اپنے خاندانی سلسلہ کے اعلیٰ

[۵] انڈین ڈیلی ٹیلیگراف مورخہ ۳۰ - نومبر ۱۹۲۳ء، ہمدم اور اودھ اخبار مورخہ یکم دسمبر ۱۹۲۳ء ۔

محقق، شاہی اور انگریزی عہد کے ضروری اور مفید کاغذات معہ جیت نقول باقاعدہ و بالترتیب محفوظ رکھنے مین قابل قدر۔ حافظ اور یادداشت کی بناء پر لایقِ داد وتحسین۔ ولادت ۲۸ محرم ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۸۷۱ء یوم چہارشنبہ

ابتدائی تعلیم اُردو و فارسی اور حفظِ قرآن کی دریاباد مین ہوئی۔ انگریزی اپنے ماموں حکیم عبدالعزیز صاحب انکے ساتھ رہ کر لکھنؤ مین مڈل تک پڑھی۔ ضروری تعلیم کے بعد ریاست بھوپال، ریاست کپورتھلہ (علاقۂ بارہ بنکی) اور ریاست گڑھی بھلول وغیرہ مین ملازمت کی۔ کچھ عرصہ سے مکان پر قیام پذیر اور موروثی جایداد کے انتظام مین مصروف۔ فی الحال ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ کے ٹھیکہ دار، فنِ تعمیر سے دلچسپی۔ اپنے بزرگون سے ان کو خاص عقیدت ہے۔ چنانچہ مخدوم صاحب کی درگاہ اور اکثر بزرگون کے سالانہ عرسون کا اہتمام انھین کے تعلق ہے۔ اکثر درگاہون کی خام دیوارون کو نئے سرے پختہ بنوا کر صحن مین پھول اور کیلے وغیرہ کے درخت نصب کرا دئیے ہین، جسکی وجہ سے ہمیشہ ایک قسم کی رونق رہا کرتی ہے۔

حافظ جی صاحب نے بڑی تلاش اور محنت سے اپنے خاندان کا ایک شجرہ از سرِ نو تیار کر کے عمدہ یادگار قائم کی ہے۔ اسی سلسلہ مین بعض بزرگون کے ضروری حالات کا خلاصہ قلمبند کر کے ایک مختصر سی کتاب کی صورت مین چھپانے کا خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ خدا کرے کہ یہ سعیٔ مبارک جلد کامیاب ہو۔

آغاز جوانی مین کچھ کچھ ظرافت نگاری کا بھی شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اکثر خفیہ طور پر ظریفانہ مضامین لکھتے اور اودھ پنچ لکھنؤ مین شایع کراتے تھے۔ دریاباد کی تاریخ لکھنے مین انھون نے راقم الحروف کو بڑی مدد دی۔ اکثر کارآمد باتین اور حالات جو بزرگون سے سُنتے تھے، انھین خوب یاد ہین۔ اولاد مین ایک لڑکی جو عبدالمجید صاحب ڈپٹی کلکٹر کو بیاہی ہوئی ہے خلیق خوش مزاج، ملنسار، پابندِ صوم صلوۃ۔ (مخدوم زادگان)۔

حکیم مولوی محمد عبدالحسیب صاحب

مولوی شیخ عبدالوحید صاحب کے فرزند دوم، بہت بڑے قابل اور مشہور و معروف طبیب۔ ولادت ۲۱ ذیحجہ ۱۲۹۶ھ مطابق نومبر ۱۸۷۹ء یوم چہارشنبہ۔ فارسی و اُردو کی ابتدائی تعلیم دریاباد مین پائی۔ انگریزی و عربی کا سلسلہ لکھنؤ سے شروع ہوا۔ کتب درسیہ عربی مولانا محمد عبدالمجید صاحب و مولوی محمد عبدالحمید صاحب فرنگی محل سے پڑھین۔ طب اس کے پہلے اپنے ماموں حکیم عبدالعزیز صاحب سے، پھر انکے انتقال کر جانے کی وجہ سے کانپور مین حکیم محمد حیات صاحب شاگرد رشید حکیم عبدالعزیز صاحب دریابادی سے جو اُس وقت کانپور کے نامور اطبّا مین سے تھے طب کی علماً و عملاً تکمیل کی، اور وہان سے سند ملتے کے ساتھ ہی لکھنؤ کے مشہور استاد حکیم محمد عبدالولی صاحب (جھوائی ٹولہ) کے درس و مطب مین مشغول رہ کر مزید سندِ طبابت بھی حاصل کی۔ پھر آگرہ میڈیکل اسکول مین فن جراحی و تشریح سے واقفیت پیدا کی، جس کے لئے موجودہ طبیبون کو مطلق خیال نہین، حالانکہ اس فن سے ماہر ہونے کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ جس وقت آگرہ میڈیکل اسکول مین آئی ہاسپٹل (آنکھ کا اسپتال) قایم کیا گیا، تو دوبارہ وہان جا کر آنکھون کا عملی کام خاص طور پر سیکھا۔ ۱۹۰۳ء سے اپنے وطن دریاباد مین مطب شروع کیا اور علاج کے ساتھ ساتھ نزول الماء (موتیا بند) کے متعلق آپریشن اور عمل جراحی بھی انجام پانے لگا

سنہ ۱۹۱۱ء تک نہایت کامیابی و شہرت کے ساتھ کام کرتے ہوئے سلسلۂ درس و تدریس بھی جاری رکھا۔ اکثر طلباء تحصیل علم کی غرض سے آتے رہے۔ قرب و جوار مین بڑے بڑے معرکے کے علاج کئے۔ رانی مئو کے مشہور تعلقدار ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب کے داروغہ مسمی وزیر کی عورت کے پیٹ مین بچہ مر گیا اور وہ جان بلب ہوگئی جب کسی تدبیر سے بچہ نہ نکل سکا، تو، حکیم صاحب کو تکلیف دیگئی۔ انہون نے فوراً بذریعۂ عمل جراحی بآسانی پیٹ سے بچہ کو کاٹ کر نکال لیا، جس سے عورت کی جان بچ گئی۔ یہ ایک ایسا معرکہ کا علاج ایک ہندی طبیب کے ہاتھ سے ہوا تھا جس کا تذکرہ اودھ اخبار لکھنؤ، اخبار تفریح لکھنؤ، البشیر اٹاوہ، مجلۂ طبیہ دہلی، انڈین ڈیلی ٹیلیگراف، ایڈوکیٹ لکھنؤ وغیرہ مین بڑی تعریف کے ساتھ کیا گیا، اور ٹھاکر صاحب خاص طور پر مدّاح اور معتقد ہوگئے۔

اوّل اوّل جب دریاباد مین طاعون کی بیماری نازل ہوئی، تو اہل قصبہ مکانات چھوڑ کر میدانون مین رہنے لگے۔ مگر، حکیم صاحب اپنے مکان پر قیام پذیر رہنے کے ساتھ ہی مریضان طاعون کا علاج بھی کرتے رہے جس مین اس قدر کامیابی حاصل ہوئی کہ بارہ بنکی کے مشہور ڈپٹی کمشنر مسٹر بوس صاحب نے بڑی تعریف کی اور سارٹیفکٹ عنایت فرمایا۔

سنہ ۱۹۱۲ء سے لکھنؤ مین مطب کا سلسلہ قائم کیا، چند ہی روز مین شہر بھر مین شہرہ ہوگیا، اور اب تو یہ حالت ہے کہ حکیم عبدالحمید صاحب اور حکیم کمال الدین صاحب ایسے نامی گرامی اطباء لکھنؤ مین حکیم محمد عبدالسیع صاحب کا بھی شمار ہونے لگا ہے۔ لکھنؤ کے علاوہ اضلاع گورکھپور و بستی و کھیری، سیتاپور، ہردوئی، اُناؤ، بارہ بنکی، گونڈہ، بہرائچ، وغیرہ مین بھی حکیم صاحب کی خاص شہرت ہوگئی ہے، جہان علاج کی غرض سے برابر آمد و رفت لگی رہتی ہے۔ لکھنؤ سے کلکتہ ایک مارواڑی سیٹھ کے یہان علاج کرنے گئے اور اُسے شفا ہوگئی۔ ایک مرتبہ بمبئی جاکر سیٹھ چھوٹانی صاحب کے بھائی کا علاج کیا اور وہ بہت جلد صحت یاب ہوگئے۔

رانی مئو، بھلول، سبیجہ، بڑاگانون، ڈنکرا (ضلع سیتاپور) جھنڈی، مگین، کٹوارہ، مہوہ (ضلع کھیری) ریاست عالیہ محمود آباد، سورجپور، بڑا محمدی، نانپارہ (بہرائچ) گدیہ، وستر کھ، بیبا رز (بارہ بنکی) مہسون ضلع بستی، وغیرہ ریاستون مین حکیم صاحب بڑی قدر و منزلت کے ساتھ علاج کی غرض سے بُلائے جاتے ہین۔ راجہ تصدق رسول خان صاحب کے۔ سی۔ ایس۔ آئی تعلقدار جہانگیر آباد بھی حکیم صاحب ہی کا علاج کرتے تھے۔

لکھنؤ مین طبیبون کے علاوہ بڑے بڑے ڈاکٹرون کے مقابلے مین بھی حکیم صاحب نے معرکے کے علاج کرکے نیکنامی و سرخروئی کا افتخار حاصل کیا ہے۔ پروردگار عالم حکیم صاحب کی عمر دراز کرے اور صحت کو برقرار رکھے، انکی ذات سے بھی دریاباد کو نئے سرے سے بہت کچھ شہرت و عزت نصیب ہوئی ہے۔

حکیم صاحب کو نباضی اور تشخیص مرض مین اعلیٰ دستگاہ حاصل ہے۔ غریب و امیر کا یکسان جی لگا کے علاج کرتے ہین۔ نسخہ پُرتاثیر و زود اثر اور کم قیمت ہوتا ہے۔ خدا نے ہاتھ مین شفا دی ہے، مریضون کو بہت جلد صحت ہوجاتی ہے۔ جو مرض کسی طبیب سے مہینون مین بھی نہین دفع ہوتا وہ حکیم صاحب کی دوا سے صرف ہفتہ بھر مین کافور ہوجاتا ہے

جن مریضون کو اچھے اچھے ڈاکٹر اور طبیب اپنے علاج سے تنگ آکر جواب دیدیتے ہین، وہی بیمار حکیم صاحب کے نسخے سے چند روز مین چنگے ہو جاتے ہین۔

حکیم صاحب کی عالی ہمتی اور فیاضی و سخاوت بھی لایقِ ذکر ہے۔ اکثر میلون اور جلسون مین بغرض رفاہِ عام ذاتی صرفہ سے شفاخانہ قایم کرکے بلا معاوضہ علاج کرتے ہین۔ چنانچہ اِس سلسلہ مین حکام و معززین و رؤسا نے اپنی اپنی قیمتی اور گران بہا رایون کا اظہار کرتے ہوئے حکیم صاحب کی اِس قابلِ تعریف خدمت کی خوب خوب داد دی ہے ناظرین کی آگاہی کے لئے چند رائین حسب ذیل ہین۔

(۱) مین نے حکیم عبد الحسیب صاحب کے خیراتی شفاخانہ کا، جسے اُنھون نے یہان (میلۂ دیوی) کھولا ہے، معائنہ کیا اب تک ۵۲ مریضون کا علاج ہو چکا ہے۔ نتیجہ نہایت خوش کن ثابت ہوا۔ دستخط وی۔ اے۔ جی۔ حسی، ڈپٹی کمشنر بارہ بنکی ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء

(۲) مین نے خیراتی شفاخانہ کا، جو کہ لائق حکیم عبد الحسیب صاحب نے دیوی کے میلے مین کھولا ہے، معائنہ کیا۔ حکیم صاحب کو جو شوق ہندوستانی دواؤن اور طریقۂ علاج کا ہے، وہ بہت ہی قابل تعریف ہے۔ لوگون کے لئے دواؤن کا مفت تقسیم کرنا قابل شکریہ ہمدردی ہے۔ راجہ ایشر بلی چندر سہر بلی (رئیس اعظم دریاباد) ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء

(۳) مجھے اس خیراتی شفاخانہ کے کھلنے اور اُس کے کارآمد ہونے کی نہایت خوشی ہے۔ اپنے دو روزہ قیام مین مین نے دواؤن کے ذخیرہ کو جو کہ دواخانہ مین کافی مقدار مین ہے، دیکھا۔ حکیم صاحب جو ہمدردی مریضون کے ساتھ کر رہے ہین وہ بہت ہی قابل تعریف ہے۔ شفاخانہ کھولنے اور پبلک کو آرام پہونچانے کا خیال ایک بہت بڑی علو ہمتی ہے۔ حکیم صاحب پہلے شخص ہین جنھون نے اِس خیال کو عملی جامہ پہنایا ہے، جو ہر شخص کے لئے قابل شکریہ اور قابل ہمت افزائی ہے۔ ہمکو اُمید کرنا چاہئے کہ اس مثال کی تقلید اِن کے ہم پیشہ اور لوگ بھی کرینگے۔ ولایت علی وکیل بارہ بنکی۔ میلۂ و نمائش دیوی۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء

(۴) خیراتی یونانی دواخانہ کھولنا جسکو مین نے آج معائنہ کیا، حکیم صاحب کے پبلک خدمت کرنے کی ایک نہایت ہی قابل قدر مثال ہے۔ مین اُمید کرتا ہون کہ پبلک حکیم صاحب کے شفاخانہ کھولنے کی بہت زیادہ ممنون اور شکرگذار ہو گی۔ مین نے لوگون کو حکیم صاحب کی زود اثر اور پُر تاثیر دواؤن کی تعریف کرتے سُنا ہے۔ رگھبر دیال ڈپٹی کلکٹر ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء میلہ و نمایش دیوی

(۵) مین نے حکیم عبد الحسیب صاحب کے خیراتی شفاخانہ کو، جو کہ اُنھون نے دیوی نمائش مین کھولا ہے، معائنہ کیا۔ میرے خیال مین کمیٹی اور پبلک دونون کو حکیم صاحب کا ممنون ہونا چاہئے۔ میرے چچازاد بھائی کو تپ شدید آگئی تھی، مین خیال کرتا تھا کہ کم از کم دو تین روز یہان قیام کرنا پڑیگا۔ لیکن، حکیم صاحب کے علاج سے صرف چند گھنٹے مین صحت کُلی حاصل ہو گئی۔ مسیح الدین بیرسٹر، بارہ بنکی

(۶) مین خیال کرتا ہون کہ کانگریس کو حکیم عبد الحسیب صاحب دریابادی کا ممنون اور شکرگذار ہونا چاہئے، جنھون نے کانگریس کیمپ مین دواخانہ قایم کرکے بلا معاوضہ لوگون کا علاج کیا۔ حکیم صاحب سے مجھ سے ذاتی طور پر ایک مدت سے مُلاقات ہے۔ حکیم صاحب کا پیشۂ طبابت مین دُور دُور تک شہرہ ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگون نے حکیم صاحب کی اِس قابل قدر خدمت سے فائدہ اٹھایا ہے۔ پرتھی پال سنگھ وائس چیرمین (انڈین نیشنل کانگریس لکھنؤ) ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء

(۷) ہم لوگ حکیم عبد الحسیب صاحب کے بہت ممنون ہین، جنھون نے شرکاء و ممبرانِ کانگریس کے آرام کے لئے شفاخانہ قایم کیا اور بلا معاوضہ لوگون کو امداد دی۔ لوگون نے اِن کی مرکب و زود اثر دواؤن سے فائدہ اٹھایا۔ ہم اُمید کرتے ہین کہ حکیم صاحب کے اِس طرزِ عمل کی اور لوگ بھی تقلید کرینگے۔ ناظر الدین حسن ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ ڈی

بیرسٹر ایٹ لا، جوائنٹ سیکریٹری ۳۱۔ انڈین نیشنل کانگریس لکھنؤ بجنوری ۱۹۱۷ء (۸) حکیم مولوی عبدالحسیب صاحب کا دواخانہ کانگریس کیمپ مین میری نظر سے گذرا۔ حکیم صاحب نے از خود کیمپ مین بغرض معالجہ اتفاقیہ بیماردن کے اپنا دوائی خانہ یہان قائم کیا ہے چنانچہ مختلف و متعدد اشخاص بغرض علاج حکیم صاحب کی خدمت مین آئے اور اُنکی دوا سے فائدہ حاصل کیا۔ مین نے بھی ایک نسخہ حکیم صاحب سے لکھوا لیا ہے۔ اس طریق عمل سے حکیم صاحب کے ظاہر ہوتا ہے کہ انکو مخلوق الہی سے کس قدر ہمدردی ہے کہ بلامعاوضہ ایسے بڑے مجمع مین اپنا فیض جاری کر رکھا ہے۔ اسکے ساتھ ایک عمدگی یہ ہے کہ ابھی کسی دوا کا کوئی اشتہار تقسیم نہین کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض بے غرض یہ زحمت حکیم صاحب نے برداشت کی ہے، جسکے لیے وہ مستحق شکریہ ہین۔ محمد عبدالرحیم وکیل عدالت دیوانی علی گڈھ و پریزیڈنٹ براونشل کانفرنس متحدہ بنارس ۱۹۱۶ء۔ ۲۹۔ دسمبر ۱۹۱۶ء" (منقول از رجسٹر معائنہ اصحاب" حکیم صاحب کے پاس موجود)۔

علاوہ مطب کے حکیم صاحب کو ملکی و قومی کامون سے بھی بہت دلچسپی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے مین بھی اپنے حسن خدمات کی بنا پر اچھا خاصا نام پیدا کیا ہے۔ ۱۹۱۱ء مین ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری ملی۔ یہ انتخاب بڑے معرکہ کا تھا۔ لیکن بفضلہ کامیابی ہوئی۔ ۱۳-۱۲-۱۹۱۲ء مین انجمن اصلاح المسلمین لکھنؤ کے جوائنٹ سکریٹری اور ممتاز دار الیتامیٰ لکھنؤ کے رُکن انتظامیہ، ساتھ ہی اس کے نمائش دیوی کے ممبر مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۵ء مین آل انڈیا ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس دہلی کے وائس پریسیڈنٹ ہو گئے۔ ۱۹۱۶ء مین آل انڈیا مسلم لیگ و پراونشل مسلم لیگ سے متعلق کونسل کی ممبری کا عہدہ عنایت ہوا۔ ۱۹۲۰ء مین ہوس ٹیکس کمیٹی دسلپا(؟) کی بھی ممبری مل گئی۔ ۱۹۲۱ء سے ادھر خلافت کمیٹی کے رکن انتظامی اور کانگریس کمیٹی لکھنؤ کے بھی ممبر ہو گئے ہین۔ حال مین ایک سرکاری تحریر سے معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ ویدک وطب یونانی کی ترقی کے لئے بہتر ین ذرایع اختیار کرنیوالی ہے، جسکی نسبت حکیم صاحب عرصہ سے خاموشی کے ساتھ کوشش کر رہے تھے۔ اس کے متعلق جو کمیٹی مقرر ہونے والی ہے، اس کے لیے صوبۂ متحدہ و اودھ سے سرکاری طور پر صرف تین ممبر منتخب کیے گئے ہین، جن مین ایک ممبر حکیم محمد عبدالحسیب صاحب بھی ہین۔ ہندوستان کی ویدک اور طبی انجمن کا نائب ہونا، جس کے بانی مبانی اور روح روان ملک کے سچے خادم اور سچے بہی خواہ مشہور زمانہ اوستاد حکیم اجمل خان صاحب دہلی ہین، اسی طرح سرکار کا اپنی مجلس شوروہ کے لئے رُکن قرار دینا حکیم صاحب کی زبردست شخصیت کا عین ثبوت ہے۔

حکیم اجمل خان صاحب دہلوی کے دو گرامی نامے، جو حکیم صاحب کے نام ہین، دیکھنے مین آئے ہین، اُن سے بھی حکیم صاحب کی زبردست شخصیت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کو یونانی طب سے فطری محبت ہے، جسکے یہ دل سے بہت بڑے ترقی خواہ ہین۔ گرامی نامون کی نقلین حسب ذیل ہین:۔

(۱) ۲۲ مئی ۱۹۱۰ء، راہ عدن۔ حکیم صاحب مہربان من دام لطفکم۔ وعلیکم السلام۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۰ مئی مجھے بمبئی مین اُس وقت ملا جبکہ مین سفر یورپ و ایشیا کے لئے روانہ ہو رہا تھا، اس لئے اُس کا جواب جہاز سے دے رہا ہون۔ جس جوش اور محبت کے ساتھ آپ نے اپنی طب کو اس خط مین یاد کیا ہے خدا تعالیٰ اس سے زیادہ آپ کے دل مین طب یونانی کی محبت عطا فرمائے

آپکے اس خط کو پڑھ کر میرے دل مین بھی خاص اثر ہوا ہے جس سے مین سمجھتا ہون کہ آپنے جوش دلی کے ساتھ یہ چند سطرین لکھی ہین۔ اجمل (نمبر ۲) ۷ افروری ۱۹۲۵ء - مکرمی تسلیم جیسا کہ اخبارات اور کانفرنس کے دعوت نامہ سے آپ کو معلوم ہوا ہو گا - آل انڈیا ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس کا تیرھوان سالانہ اجلاس دہلی مین ۲۷ و ۲۸ فروری و یکم مارچ ۱۹۲۵ء کو قرار پایا ہے - اب زمانہ وہ آگیا ہے کہ ہم اپنی عزیز طبون کو موجودہ حالت مین نہین چھوڑ سکتے ہین اور ان کی بقا و ترقی کے لئے ہم سب کو اپنا فرض ادا کرنا ناگزیر ہے - بس اس اجلاس مین یونانی طب اور ویدک کی پختگی اور ترقی کے لئے ایک ایسا نتیجہ عمل اور نظام تیار کرنا ہے جو ان کے شاندار مستقبل پر اثر ڈالنے والا ہوگا - یونانی طب سے آپ کو خاص دلچسپی ہے اور جس قدر آپ کے مفید مشورون سے طب کی ترقی کے لئے شاہراہ عمل تیار ہو سکتی ہے اسکے بیان کی ضرورت نہین ہے - میرا خیال ہے کہ آپ جیسے باوقار ارباب فن کی شرکت کے بغیر ہم صحیح نتیجہ پر نہین پہونچ سکتے ہین اسلئے آپ کی شرکت اس جلاس مین از بس ضروری ہے مجھے کامل یقین ہے کہ اپنے شریف فن کی خدمت کے خیال سے اور اسکو موجودہ بے سر و سامانی سے نکالنے اور بام رفعت و ترقی پر پہونچانے کے مقصد سے آپ اپنے عزیز اور گرانمایہ اوقات مین سے چند روز اس کانفرنس کے لئے ضرور نکالین گے اور اپنی اور اپنے ہم پیشہ احباب کی شرکت سے مجھے خاص مسرت اور شکرگذاری کا موقع دینگے براہ مہربانی اپنی تشریف آوری کی تاریخ اور وقت سے جلد مطلع فرمائے - اجمل "-

مولوی عبد الحسیب صاحب روزہ و نماز کے پابند، نہایت نیک بہت بڑے خلیق اور ملنسار، قانع، مروت دار، منکسر المزاج، ہندو مسلمان سب کے دوست، ہمی خواہ وطن، خوبصورت، خوش چلن، خوش پوشاک، وضعدار۔ اولاد مین محمد امین ایف۔ اے تک تعلیم یافتہ، بعد تکمیل علم عربی اپنا آبائی فن طب شروع کیا ہے - (مخدوم زادگان)

نوٹ - یہ حالات کتاب ہذا کی تکمیل و ترتیب کے بعد جبکہ ابتدائی حصہ چھپنے کے لئے پریس مین داخل کر دیا گیا تھا ۱۹۲۶ء مین کچھ ضروری اور مفید باتین اضافہ ہو کر پھر از سر نو لکھے گئے ہین -

شیخ محمد مقیم صاحب

مولوی شیخ عبد الوحید صاحب کے فرزند سوم ایمانداری و قناعت پسندی اور حسن کارگذاری مین قابل تعریف ولادت ۲۲ جمادی الثانی ۱۲۹۹ھ، مطابق ۲۲ مئی ۱۸۸۱ء یوم دوشنبہ -

جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ مین تعلیم پائی ۱۹۰۲ء مین ذاتی کوشش و پیروی سے اودھ روہیلکھنڈ ریلوے مین ملازمت کی ۱۹۱۱ء تک لکھنؤ، بارہ بنکی، فیض آباد، بنارس، کاشی، بریلی، مراد آباد، پریاگ وغیرہ کے اسٹیشنون پر پارسل گھر اور مال گودام مین کام کرتے رہے - ان مقامات پر جہان آمدنی کی کوئی انتہا نہ تھی، نہایت نیک نیتی و ایمانداری سے اپنے فرض منصبی کو انجام دیکر پبلک و معززین اور افسران ریلوے کو خوش رکھا - پریاگ اسٹیشن پر انھون نے خصوصیت کے ساتھ عزت و ناموری حاصل کی - چنانچہ پنڈت موتی لال صاحب نہرو وکیل الہ آباد، جسٹس سر ناکس جج ہائی کورٹ الہ آباد، جسٹس پرمودا چرن بنرجی، سر جی، ایم چینتامنی چیف ایڈیٹر اخبار پائنیر الہ آباد، جسٹس سید کرامت حسین صاحب جج ہائی کورٹ الہ آباد خاص طور پر مہربان تھے - اس درمیان مین کئی ایک سند

مسلمانون کو ریاست امیٹھی (سلطان پور) مین پنڈت موتی لال نہرو سے سفارش کر کے محرر جنگھون پر نوکر رکھا دیا۔ ۱۲؁۱۹ء مین دفتر ٹریفک منیجر مین کوشش کر کے تبدیلی کرالی جہان آج کل پچھتر (۷۵) روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر مامور، اپنے کار متعلقہ مین بہ ہوشیاری مشغول۔ دفتر کی ملازمت مین بھی انھون نے سفارش کر کے دس بارہ ہندو مسلمانون کو او۔ آر۔ آر کی ملازمت دلوادی ہے۔ پابند صوم وصلوٰۃ، نیک چلن، خلیق، غیر متعصب، صاحب اولاد (مخدوم زادگان)۔

شیخ محمد مبین صاحب

مولوی شیخ عبدالوحید صاحب کے فرزند چہارم بڑے بے فکر دوست اور مہمان نواز۔ ولادت ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۰۰؁ھ مطابق ۲۷- اکتوبر ۱۸۸۳؁ء یوم شنبہ، ضرورت کے موافق انگریزی پڑھنے کے بعد دریاباد اسٹیشن پر ریل کا کام بطور خود سیکھا، شروع مین کانپور کے اسٹیشن پر ملازم ہوئے۔ پھر لکھنؤ آکر تار کا امتحان پاس کیا۔ عرصہ تک لکھنؤ، کاشی پور، بنارس، فیض آباد، رائے بریلی، کاشی وغیرہ مختلف اسٹیشنون پر مختلف حیثیتون سے تعینات رہے۔ ایک سال پارسل اکسپرس ٹرین کے متعلق بطور گارڈ کام کیا۔ اسی سلسلہ مین اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹری کا امتحان بھی پاس کر لیا جنوری ۱۹۲۴؁ء مین لکھنؤ اسٹیشن پر پارسل آفس مین تعینات تھے پچپن (۵۵) روپیہ ماہوار تنخواہ تھی۔ فروری ۲۵؁ء سے گڈس اور پسنجر ٹرین کے گارڈ ایک سو دس روپیہ مشاہرہ اس وقت یہ عہدہ بطور قائمقامی ہے۔ لیکن اُمنا جاتا ہے کہ بہت جلد مستقل ہو جائے گا۔ منکسر المزاج، نیک مخلص، آمدنی کا زبردست حصہ فقیرون اور مہمانون کی خدمت مین صرف کرتے ہین، اس وجہ سے، مالی حالت درست نہین رہتی۔ یہ حالات بعد تکمیل کتاب ہذا ضروری ترمیم واضافہ ہونے کی وجہ سے پھر دوبارہ از سر نو فروری ۲۵؁ء مین لکھے گئے ہین۔

مرزا اشرف علی بیگ صاحب

دریاباد کے مشہور شاعر مرزا نجف علی بیگ صاحب تخلص نجف کے بیٹے، نہایت نیک نیت اور دیانت دار، ولادت غالباً ۱۸۸۳؁ء حسب ضرورت اُردو، انگریزی پڑھ کر ۱۹۰۲؁ء مین حضرت گنج کے اسپتال مین لیسینہ کمپونڈری ملازمت کی۔ ایک ہی سال کے بعد علیحدہ ہو گئے اور اودھ روہیلکھنڈ ریلوے کے اسپتالون مین مختلف مقامات پر نوکر رہے ۱۹۰۸-۱۹۰۹؁ء دو سال ٹکٹ کلکٹری کا کام انجام دیا ۱۹۱۰؁ء ایک سال بوجہ تخفیف بیکاری مین گذرا۔ ۱۹۱۱؁ء سے پھر دوبارہ ریلوے مین مستقل طور پر ملازم ہو گئے۔ اس وقت کانپور "او۔ آر۔ آر" کے اسٹیشن پر مامور اور چوالیس ۴۴ روپیہ ماہوار تنخواہ، بہ مستعدی کار متعلقہ مین مشغول۔ نیک، خلیق، وضع جدید، صاحب اولاد۔ خاندانی حالات کے لئے باب ۲، فصل ۴ مین نجف صاحب کا بیان ملاحظہ ہو۔ (چھیپی ٹولہ)۔

بابو انوکھے لال صاحب

لالہ شنکر لال صاحب کے فرزند دوم (بڑے صاحبزادہ بشیشر دیال[1] تھے) نیک نیتی اور جفاکشی مین لایق ذکر۔ ولادت غالباً ١٨٩٠ء پہلے اودھ روہیل کھنڈ ریلوے مین پندرہ روپیہ ماہوار کی ملازمت کی۔ بعد اسکے رفتہ رفتہ ترقی کرکے حضرت گنج کے دفتر مین اٹھاسی روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر ملازم ہوگئے۔ آج کل کلکتہ[2] مین تعینات، سوا سو روپیہ ماہوار تنخواہ، بہ ہوشیاری وخوش اسلوبی کار متعلقہ مین مصروف۔ نیک، خلیق، صاحب اولاد۔ اِن کے بھائی بھی لائق اور اچھے محنتی ہین۔ **بابو مادھو دیال** صاحب، بابو انوکھے لال صاحب کے برادر خورد۔ ولادت ١٨٩٢ء عالم باغ کے دفتر مین (او۔ آر۔ آر) تعینات، ۴۵ روپیہ ماہوار تنخواہ۔ نیک، خلیق، صاحب اولاد **بابو جے دیال** صاحب، بابو انوکھے لال صاحب کے سب سے چھوٹے بھائی۔ ولادت ١٨٩٧ء۔ اودھ روہیلکھنڈ ریلوے کے متعلق حضرت گنج کے دفتر مین ۴۵ روپیہ ماہوار پر ملازم۔ نیک، خلیق۔

بابو انوکھے لال صاحب کے بزرگ، قریب واستو یہ دوسرے کایستھ آل ڈونگر، موضع بردلیا پرگنہ فتح پور (ضلع بارہ بنکی سے غالباً اب سے ١٢٥ برس قبل دریاآباد آکر آباد ہوئے تھے۔ (مردہی محلہ)۔

فخرِ وطن مولوی عبدالماجد صاحب ناظر

بی۔ اے، ڈپٹی عبدالقادر صاحب مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے، فارسی وعربی مین ذی استعداد، انگریزی کے بہت بڑے ادیب، اردو کے قابل تعریف ڈراما نویس، اور بہترین انشا پرداز ومضمون نگار، ساتھ ہی اس کے اچھے نقاد فن اور اعلیٰ فلسفی وصوفی خیال شاعر، زبردست مصنف ومولف، ہندوستان سے یورپ تک مشہور۔ ولادت غالباً ١٨٩٣ء۔

اردو فارسی اور عربی کی تعلیم مکان پر مختلف مولوی صاحبان سے حاصل کی، اُن مین سے بعض جیّد عالم تھے، مثلاً مولانا حکیم محمد علی اطہر صاحب۔ انگریزی تعلیم کی ابتدا سیتاپور اسکول سے ہوئی، چنانچہ انٹرنس وہین سے پاس کیا۔ ١٩١٢ء مین کیننگ کالج لکھنؤ سے "بی۔ اے" کی سند حاصل کی۔ علی گڈھ کالج مین ایم۔ اے مین داخل ہوئے مگر اسی زمانے مین والد نے سفر حجاز مین انتقال فرمایا لہذا کالج چھوڑنا پڑا۔

مطالعہ ومضمون نگاری کا شوق بچپن سے تھا۔ چنانچہ جس وقت سیتاپور ہائی اسکول کی ساتوین جماعت مین تعلیم پاتے تھے تو متعدد مضامین آریون کے جواب مین پنجاب کے اخبارات مین شایع کرائے۔ کیننگ کالج مین داخل ہوتے ہی مطالعہ کے میدان نے بہت وسعت اختیار کی، کیونکہ لکھنؤ کے متعدد کتب خانون سے مستفید ہونے کا پورا موقع حاصل تھا۔ چنانچہ سنہ ١٩١٠ء مین رسالہ "الناظر" مین "تنقید الکلام مولانا شبلی" کے عنوان سے چھ نمبر ایک طالب علم کے فرضی نام سے لکھے۔ اِن مضامین کی اشاعت سے رسالہ الناظر کی شہرت تمام علمی دنیا مین ہوگئی اور تھوڑے

[1] عین جوانی مین فوت ہوگئے۔ ان کا بیٹا راج کرشن بقید حیات امپریل انجینیرنگ کمپنی کانپور مین پچاس روپیہ ماہوار پر ملازم۔ عمر ٢٣ سال، نیک، خلیق، ہوشیار۔ [2] حال مین ایسٹ انڈیا ریلوے کمپنی سے نکل کر اودھ روہیل کھنڈ ریلوے مین جو گورنمنٹ ریلوے ہے، شامل کردی گئی ہے۔

ہی دنون مین لوگونکو اصل لکھنے والے کے نام سے بھی واقفیت ہوگئی۔ اُس وقت سے مولوی عبد الماجد صاحب کا شمار ہندوستان کے مشہور لکھنے والون مین ہوگیا۔

فلسفہ جدید کی شاخ "نفسیات" کے ساتھ شروع ہی سے بہت شغف تھا۔ زیادہ زمانہ نہین گذرنے پایا تھا کہ تصنیف اور تالیف کے میدان مین آگئے۔ فلسفۂ جذبات، فلسفۂ اجتماع، تاریخ اخلاق یورپ ۲ جلد، مکالمات برکلے، پیام امن، بحر المحبت شیخ مصحفی، زود پشیمان (ڈراما) سائکالوجی آف لیڈرشپ (انگریزی) وغیرہ ایسی معرکتہ الآراکتابین اس وقت تک مولوی صاحب کے قلم سے نکل کر چھپ چکی ہین۔ مشہور اخبارات و رسائل مین وقتاً فوقتاً ان کتابون کی بابت خوب خوب فاضلانہ داد دی گئی ہے۔ چنانچہ مسٹر ظفر حسن خان صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس "پیام امن" پر ریویو کرتے ہوئے "الناظر" مارچ ۱۹۲۴ء مین رقمطراز ہین:۔

"مولوی عبد الماجد صاحب مُلک کے اُن ہونہار فرزندون مین سے ہین، جنھون نے تھوڑی عمر مین ملک کی سب سے زیادہ علمی خدمت کی ہے۔ خدا ان کی عمر مین برکت دے، ملک کی بہت سی اُمیدین ان کی ذات سے وابستہ ہین۔ دیگر مستقل تصنیفات کے علاوہ آپ کے تراجم "تاریخ اخلاق یورپ" اور "تاریخ تمدن" قابل ذکر ہین۔ اصل یہ ہے کہ لیکی اور بکل اُردو مین ان مباحث پر لکھتے تو مترجم موصوف ہی کی زبان اختیار کرتے۔ ترجمہ مین کہین ترجمہ پن نہین معلوم ہوتا۔ بیان مین وہی روانی اور خیالات مین وہی قدرتی ترتیب ہے جو کسی بلند پایہ مصنف کی مادری زبان کی تصنیف مین ہونا چاہیے، یہی خوبی "پیام امن" کا طرۂ امتیاز ہے"۔ یہ کتاب فرانس کے نامور اہل قلم "پال رچرڈ" کی شہرۂ عالم تصنیف کا ترجمہ ہے۔

اس سے اندازہ کرسکتے ہین کہ مولوی عبد الماجد صاحب اپنے علم و کمال مین کس پایہ کے ہین اور ہندوستان کی علمی جماعت انھین کس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے!

تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ اُردو اور انگریزی کے متقدر رسالون مین بکثرت مضامین لکھے اور اب بھی لکھتے رہتے ہین۔ زمانہ کانپور، ادیب الہ آباد، الناظر لکھنؤ، معارف اعظم گڈھ، اُردو اورنگ آباد دکن، ماڈرن ریویو کلکتہ، ایسٹ اینڈ ویسٹ بمبئی، مولوی صاحب کے بیش بہا مضامین کی بارش سے ہمیشہ رہین منت رہین گے۔

کچھ عرصے سے فلسفیانہ خیالات کی جگہ تصوف نے لے لی ہے اور مذہب کا رنگ روز بروز غالب ہوتا جاتا ہے۔ غنیمت ہے کہ اب تک "این دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ" پر عمل نہین اور لوگ مولوی صاحب کی مفید تحریرون سے مستفید ہوتے رہتے ہین۔

کالج سے نکلنے کے تھوڑے زمانہ کے بعد ایک معزز انگریز کی سفارش سے (جس سے کوئی تحریک اور کوشش نہین کی گئی تھی) "رائیل ایشیاٹک سوسائیٹی" کے ممبر منتخب ہوئے، پھر "حکیم ارسطو" کے نام سے جو مشہور انجمن لندن مین قائم ہے، اُسکی ممبری ہوگئی۔ یہ دونون انجمنین نہایت ممتاز ہین اور صرف ممیز اساتذہ فن کے لئے مخصوص ہین، اس لئے اس وقت تک صرف چند ہی ہندوستانیون کا نام فہرست ممبری مین پایا جاتا ہے۔

مولوی عبد الماجد صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے کورٹ کے ممبر بھی ہین اور ڈگری کے امتحانون مین اکثر

سخن ہوا کرتے ہین - الہ آباد یونیورسٹی بھی باوجود اپنی مسلمہ ناقدرشناسی مولوی صاحب کے تبحر علمی سے کبھی کبھی فیض حاصل کرتی رہتی ہے -

سنہ ۱۹۱۷ء مین عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد دکن) کے شعبۂ تراجم مین بیش قرار مشاہرہ پر ملازمت اختیار کی بہت بڑی قدر و منزلت ہوئی - مگر ایک ہی سال کے قیام مین وہان کے سازشون سے اس قدر پراگندہ ہوئے کہ واپس چلے آئے - چند دنون کے بعد ہز اگزالٹڈ ہائینس حضور نظام⁵ نے یاد فرمایا اور بذریعۂ امین جنگ بہادر طلبی ہوئی چنانچہ حیدرآباد گئے اور باریاب ہوئے - حضور نظام نے قیام حیدرآباد پر بہت اصرار کیا - لیکن شیدائن علم ہمیشہ ملازمت کی قیود سے آزاد رہنا چاہتے ہین، اِس لئے باوجود اصرار بلیغ وہان کے قیام پر راضی نہین ہوئے - حضور نے آخر کار معقول وظیفہ مقرر کر دیا اور شرط یہ قرار پائی کہ سال مین ایک کتاب لکھدیا کرین -

فلسفیت کے یبس نے ذوق سلیم پر غلبہ نہین پایا ہے، اس لئے ناظر صاحب کو شعر و سخن سے دلی لگاؤ ہے - دل مین درد رکھتے اور اثر سے ڈوبے ہوئے کلام سے فوراً متاثر ہوجاتے ہین - پیشتر تو زبانِ قال سے شعر کی باریکیان نشر باتی تھین، اب زبانِ حال سے دوسرون کو متاثر کرتے ہین - خود روتے ہین اور دوسرون کو رُلاتے ہین - کبھی کبھی بعض رسالون (معارف اور الناظر) مین ناظر کے نام سے غزلین چھپا کرتی ہین - حال مین دو نعتیہ غزلین رسالہ الناظر مین شائع ہوئی ہین، دونون غزلین اپنے رنگ مین نہایت ہی خوب ہین -

ناظر صاحب حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی، حضرت ریاض خیرآبادی گورکھپوری، جناب عزیز لکھنوی وغیرہ نامی گرامی شعرا و اہلِ قلم اور ملک کے مشہور ایڈیٹرون سے مراسلت رکھتے ہین - راقم کے اوستاد مخدومی و مکرمی جناب منشی نوبت رائے صاحب نظر مرحوم (لکھنوی) ایک مرتبہ بر سبیل تذکرہ ارشاد فرماتے تھے کہ "محب صاحب آپ کے ہم وطن مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بہت بڑے قابل شخص ہین - ادبی حیثیت سے علمی دنیا مین اُن کا درجہ بہت ہی بلند اور ممتاز نظر آتا ہے - مین اُن کی تصانیف اور اُن کے مضامین کو جو اخبارون اور رسالون مین اکثر شائع ہوتے رہتے ہین، بڑے غور اور شوق سے دیکھتا ہون - مین نے سُنا ہے کہ لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی اور مولانا حسن نظامی اُن پر بہت مہربان اور اُن کی قابلیت کے غائبانہ بڑے مداح رہتے ہین - لیکن، یہ کوئی بڑی بات نہین، اُن کی اس وقت ہندوستان بھر مین شہرت ہے - اس دورِ جدید کے بہترین اردو اہلِ قلم سب اُن کی لیاقت اور ادبی خدمت کے دل سے معترف ہین، جسکی تصدیق مشہور اخبارات و رسائل کے فائلون سے اچھی طرح ہوسکتی ہے "

لسان العصر حضرت اکبر مرحوم کے پرائیویٹ خطوط سے پایا جاتا ہے کہ وہ مولوی عبدالماجد پر خاص طور سے مہربان تھے اِن کی علمی قابلیت، اِن کی شاعری، اِن کے فلسفیانہ مضامین کی دل سے تعریف کرتے اور انہین بڑی قدر کی نگاہون سے دیکھتے تھے - اِنھین خطوط مین عزیز من، ڈیر فرینڈ - عنایت فرمائے من،

---

⁵ نواب میر عثمان علی خان بہادر آصف جاہ، جی، سی، ایس، آئی، والئ حیدرآباد دکن ۱۲-

الطاف فرمائے اکبر، برادرم، مکرمی، زیب انجمن علم و دانش وغیرہ خطابوں سے عبدالماجد صاحب کو یاد فرمایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عبدالماجد صاحب کی علمی قابلیت اور استعداد بتدریج ترقی کرتی گئی، اُسی طرح مولانا اکبر کے دل میں بھی محبت اور قدر و منزلت اور اعزاز و مراتب کا اضافہ ہوتا گیا۔ ابتدا میں "عزیزم من" لکھتے رہے، بعد اُس کے دوستانہ برتاؤ اختیار کیا اور "ڈیئر فرینڈ" عنایت فرمائے من" "الطاف فرمائے اکبر" وغیرہ برابر والے القاب پسند فرمائے، پھر برادرانہ طور پر "برادرم" لکھنے لگے اور آخر میں بزرگ تسلیم کرکے "زیب انجمن علم و دانش" اور "مکرمی" ایسے شاندار اور معنی خیز القاب استعمال کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ ایک خط میں تحریر ہے:۔ "آپ کی محبت اور عنایت اور مہربانی اور نیکدلی ہے کہ آپ نے مجھکو قابل مشورت سمجھا ہے" اسی خط میں دوسری جگہ لکھا ہے:۔ "آفتاب علم آپ ب بھی ہیں۔ خدا کا فضل شامل حال رہا تو عمر و عروج کے ساتھ آپ کی شعاعیں زیادہ ہوتی جائینگی رسائی میں زیادہ ہوگی۔ اب عقلوں تک پہونچتی ہیں تو آئندہ دلوں تک پہونچیں گی"۔ از مکاتیب اکبر حصہ دوم، مرتبہ مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بی۔ اے۔

عبدالماجد صاحب اپنی علمی خدمت اور علمی تحقیقات کی بدولت ہندوستان کے علاوہ یورپ میں بھی مشہور ہو گئے ہیں۔ وہاں اِن کے فضل و کمال کی خوب خوب تعریفیں ہو رہی ہیں چنانچہ کیمبرج یونیورسٹی (لندن) کے نامی گرامی فاضل پروفیسر نکلسن "رائل ایشیاٹک سوسائیٹی آف گریٹ برٹن" کی صد سالہ سالگرہ کے جلسہ میں بڑے بڑے عالموں اور فاضلوں کے درمیان ملفوظات جلال الدین رومی پر تقریر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:۔

"اس درمیان میں ایک ہندوستانی فاضل مولوی عبدالماجد (دریاآباد، بارہ بنکی) میرے علم میں تین نسخے اور لائے ہیں، جن میں سے ایک کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد کا ہے، ایک سرکاری کتب خانہ رامپور کا، اور ایک نواب سالار جنگ حیدرآباد کے کتب خانہ کا۔ مولوی عبدالماجد کا قصد اس رسالہ کے شایع کرانے کا ہے، اور اس غرض سے اُنھوں نے اِن تینوں نسخوں کی نقلیں حاصل کری ہیں۔ چند ہفتہ ہوئے اُنھوں نے بکمال عنایت کتب خانہ آصفیہ والے نسخہ کی نقل مجھے بھی عنایت کی تھی۔ میں اس موقع پر بہ مسرت اُنکی اس عنایت کا، نیز اُنکے دیگر اہم خدمات کا جو وہ میرے زیر ترتیب ایڈیشن مثنوی کے سلسلہ میں کر رہے ہیں، شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں"۔ از رسالہ معارف علی گڈھ، مئی ۱۹۲۴ء

فخر وطن مولوی عبدالماجد صاحب کی ذات سے دریاباد کو جو غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی ہے، راقم الحروف اُسکے اظہار سے قاصر ہے، ناظرین خود اندازہ کرلیں۔ پروردگار عالم ممدوح کو خضر علیہ السلام کی عمر عطا فرمائے اور اُنکی صحت و تندرستی کو ہمیشہ برقرار رکھے۔ آمین!

مولانا پابند صوم و صلوۃ، خلیق، ملنسار، اہل کمال کے قدردان، سخن دوست، سخن سنج، منکسر المزاج، شیدائے وطن، صوفیانی وضع، کھدرپوش، صاحب اولاد، ہندو مسلم اتحاد کی حمایت میں ساعی اور مشغول۔ (مخدوم زادگان)

مولوی تجمل کریم صاحب وکیل

بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، مولوی شیخ مظفر کریم صاحب وکیل مرحوم کے فرزند اصغر، باندہ کے مشہور وکیلوں

مین شامل، ہندو مسلم اتحاد کے حامی، قومی معاملات سے زیادہ دلچسپی۔ ۱۹۱۶ء مین کرسچین کالج الہ آباد سے بی۔ اے پاس کیا۔ ۱۹۱۹ء مین لا کالج "الہ آباد" سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اسکے بعد ہی باندہ مین وکالت شروع کردی، اور اس وقت تک بفضلہ کامیابی و ترقی کے ساتھ مشغول۔ حال مین ان کا عقد ثانی تعلقدار صاحب گنڈارا کی بیٹی کے ساتھ ہوا ہے۔ جوان، خلیق، نیک طبیعت، خوش وضع، صاحب اولاد، ولادت ۱۸۹۱ء۔ (مخدوم زادگان)۔

شیخ حفیظ الدین صاحب اسٹیشن ماسٹر

از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی علیم الدین صاحب کے بڑے بیٹے۔ موضع رسیلکھنڈ ریلوے مین اسٹیشن ماسٹری کے عہدہ پر مامور۔ خلیق، نہایت نیک، جوان، روزہ و نماز کے پابند، وضع جدید، صاحب اولاد۔ ولادت غالباً ۱۸۸۲ء۔ (مخدوم زادگان)۔

مولوی حکیم الدین صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر

شیخ حفیظ الدین صاحب کے حقیقی بھائی۔ علی گڈھ کالج مین ایف۔ اے پاس کیا۔ آج کل فیض آباد مین سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس۔ ولادت ۱۸۹۲ء۔ نیک مزاج، جوان، خلیق، صاحب اولاد، وضع جدید۔ شیروانی اچکن پتلون نما پائجامہ، قمیص یا کرتا، واسکوٹ، بوٹ، ٹرکش کیپ استعمال کرتے ہین۔

حاجی محمد یوسف صاحب

از اولاد حضرت مخدوم آبکش دریابادی شیخ فضل رب کے بڑے بیٹے، فطری خوشنویس۔ اردو شستہ لکھنے اور عربی چلے بہت خوبی کے ساتھ استعمال کرتے ہین۔ حضور نظام کی قدردانی سے راجہ راجگان راجہ شیو راج مہاراج دھرمونت بہادر آصف جاہی رئیس و سردفتر مال کے سررشتہ دار ہین، ڈھائی سو روپیہ ماہوار مشاہرہ ہے۔ نیک، صاحب اخلاق، صوفیانی وضع روزہ و نماز کے پابند، اولیائے کرام کے معتقد، صاحب اولاد۔ ولادت غالباً ۱۸۷۶ء (مخدوم زادگان)۔

حافظ محمد یونس صاحب جیف ریڈر

شیخ فضل رب کے چھوٹے صاحبزادہ، حاجی محمد یوسف صاحب کے برادر خوزد۔ کلام مجید خوب یاد ہے اور صاف پڑھتے ہین۔ باوجود عارضۂ ضیق النفس کے اکثر رمضان مین محراب سنایا کرتے ہین۔ انگریزی اور اردو دونون خط پختہ اور نہایت صاف۔ مختلف حیثیتون سے اضلاع کچہری کا ناؤ اور ہردوئی مین نیک نامی سے

سرکاری ملازمت کی۔ آج کل ضلع ہردوئی مین چیف ریڈر ہین۔ ملنسار اور خلیق، دریاباد مین آبائی پختہ مکان موجود، صاحب اولاد۔ ولادت سنہ ۱۸۶۹ء۔

شیخ جلال الدین صاحب خوشنویس

عرف ضیاء الدین، شیخ جمال الدین صاحب کے بیٹے، از اولاد مخدوم آبکش دریابادی، فن خوشنویسی کی باقاعدہ تعلیم مین منہمک، خط نستعلیق و طغرا لکھنے پر مائل، لکھنؤ کے مشہور و معروف اوستاد محمد افضل صاحب اعجاز رقم کے شاگرد، خوشنویسی کے علاوہ حسب ضرورت عربی و فارسی کی تکمیل مین بھی مشغول۔ ابھی عمر بہت کم ہے اگر کچھ دن اسی طرح مشق جاری رہی تو، اچھے خوشنویسون مین ان کا شمار ہو جائے گا۔ ذہین، ہونہار، محنتی نیک۔ ولادت سنہ ۱۹۰۲ء۔

حافظ مشرف کریم صاحب گرداور قانونگو پنشنر

حافظ مصطفےٰ کریم صاحب کے اکلوتے بیٹے۔ عرصہ تک گرداور قانونگو رہے۔ اپنے فرض منصبی کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیکر حکام و رعایا، اور ماتحتین کو ہمیشہ خوش رکھا۔ حال مین ساٹھ روپیہ ماہوار کے مشاہرہ سے پنشن لیکر خانہ نشینی اختیار کی۔ آبائی وضع، غیر متعصب، نیک، ملنسار، خلیق، صاف گو، دنیا کے تین پانچ سے ناواقف، روزہ و نماز کے پابند، اولاد مین صرف لڑکی، ذاتی پختہ مکان موجود۔ ولادت ۲۔ رجب سنہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۶۱ء یوم دوشنبہ۔

شیخ محمد امین صاحب گرداور قانونگو

حافظ محمد یونس صاحب کے فرزند اکبر، انگریزی مین انٹرنس تک تعلیم یافتہ۔ حال مین گرداور قانونگوئی کا عہدہ عنایت ہوا ہے۔ خلیق، ملنسار، نیک، جفاکش، تخمیناً ۲۰ سال کی عمر، ولادت غالباً سنہ ۱۹۰۶ء (خدوم زادگان)

مولوی اجتبیٰ کریم صاحب ٹکٹ اگزامنر

حافظ مجتبیٰ کریم صاحب کے فرزند دوم، لکھنؤ کے نامی گرامی وکیل مسٹر محمد نسیم صاحب کے حقیقی بھانجے ایف۔ اے پاس۔ مختلف محکمون مین ملازمت کی فی الحال او۔ آر۔ آر مین ٹکٹ اگزامنر، عرصہ بیس برس سے گڑھی بھلول مین سکونت پذیر۔ ولادت غالباً سنہ ۱۸۸۶ء۔

مولوی اصطفےٰ کریم صاحب

مولوی اجتبیٰ کریم صاحب کے چھوٹے بھائی، بی۔ اے، حیدرآباد مین سررشتہ تعلیم کے محکمہ مین ملازم۔

یہ بھی اپنے بھائی کے ہمراہ گڈھی بھلول میں رہتے ہیں۔ انھوں نے عربی کی تحصیل دہلی کے مشہور عالم مولانا عبداللہ سندھی سے کی تھی۔ ولادت غالباً ۱۸۹۰ء۔

پروفیسر برج راج بہادر صاحب

ایل۔ ایل۔ بی، ایم۔ ایس۔ سی، پروفیسر سائینس، بابو شیو راج بہادر صاحب کے فرزند اول، کھرے کائیستھ، کائیستھ پاٹ شالہ الہ آباد میں ملازم۔ ولادت ۱۸۸۴ء۔

بابو گرراج بہادر صاحب

شری واستو یہ کھرے کائیستھ بی۔ اے، بابو شیو راج بہادر صاحب کے فرزند دوم۔ ۱۹۲۳ء میں میور کالج الہ آباد سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ آجکل بنارس میں ملازم اور وکالت کا امتحان دینے کے لئے قانونی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول۔ ولادت ۱۸۹۰ء۔

بابو بلراج بہادر صاحب

ایف۔ اے پاس، بابو شیو راج بہادر صاحب کے فرزند سوم۔ حال میں ایف۔ اے پاس کیا۔ بہت نیک خلیق، بنارس میں ملازم۔ ولادت ۱۹۰۶ء۔

بابو برج لال صاحب

بی۔ اے، شری واستو یہ کھرے، بابو بشیشر دیال صاحب کے فرزند اول، ہندو ہائی اسکول (فیض آباد) میں ملازم۔ ولادت ۱۸۹۲ء۔

پروفیسر جالپا پرشاد صاحب

ایم۔ ایس سی، پروفیسر بیالوجی، بابو برج راج بہادر صاحب کھرے کائیستھ کے خاندانی رکن، بابو اقبال بہادر صاحب ہیمنٹ کلرک (سہارنپور) کے بیٹے، کائیستھ پاٹ شالہ الہ آباد میں ملازم۔ ولادت ۱۸۸۸ء۔

بابو رام سرن داس صاحب وکیل

بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، بابو بشمبھر دیال صاحب ہیمنٹ کلرک کے بیٹے، کھرے کائیستھ، از خاندان

لسٹ نہایت ۵۵ خاندانی حالات کے لئے باب ۲، فصل ا، ذکر لالہ بھگوانداس صاحب ملاحظہ ہو۔

بابو برج راج بہادر، سلطان پور کے وکیلوں میں مشہور۔ ولادت ۱۸۸۱ء

بابو شیام لال صاحب وکیل

بی۔اے، ایل۔ایل۔بی، بابو بشیشر دیال صاحب کے چھوٹے بیٹے، بابو برج لال صاحب بی۔اے کے حقیقی بھائی، فیض آباد میں پیشۂ وکالت ذریعہ معاش، نوجوان، خلیق، نیک، ولادت ۱۸۹۴ء۔

بابو بسنت بخش صاحب وکیل

بی۔اے، ایل۔ایل۔بی، از نسل محرران دریاباد، لالہ شیونارائن لال صاحب کے بیٹے، شری واستو دوسرے کائیتھ۔ کچھ دن گونڈہ میں سب رجسٹرار رہے، عرصہ سے مشہور وکیلوں میں شامل۔ گونڈہ میں وکالت کے ذریعہ کثیر دولت پیدا کر کے وہاں ایک عمدہ کوٹھی بنوائی ہے۔ ولادت غالباً ۱۸۶۷ء۔ بابو صاحب بہ سلسلۂ زمینداری کبھی کبھی اپنے وطن دریاباد آیا کرتے ہیں، لیکن، اس بارگران سے سبکدوشی حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔ دیکھیے کب مراد پوری ہو؟ آبائی مکان (پختہ وخام) شکستہ کس مپرسی کی حالت میں چند روز کا مہمان۔

بابو برج لال صاحب وکیل

بی۔اے، اجودھیا پرشاد مہاجن کے بیٹے، از نسلِ منگل سین کوٹھی وال۔ دریاباد میں اردو مڈل کلاس پاس کیا ۱۸۸۱ء میں بارہ بنکی ہائی اسکول میں انٹرنس، ۱۸۹۵ء میں کیننگ کالج (لکھنؤ) میں بی۔اے کی سند حاصل کی۔ دو برس تک نائب تحصیلداری کا کام بارہ بنکی اور ہمیرپور میں انجام دیا ۱۸۹۹ء میں ہائی کورٹ کا امتحان دیکر بعد کامیابی کانپور میں وکالت شروع کی ۱۹۰۱ء سے بارہ بنکی میں قیام اور اس وقت تک سلسلۂ وکالت جاری۔ لیکن، افسوس ہے کہ صحت خراب ہونے کی وجہ سے، جسکی انھیں ذرا بھی پروا نہیں، اس پیشہ میں کچھ نام نہ پیدا کر سکے۔ بابو صاحب نیک چلن، کم سخن، بامروت، اولاد میں چھ بیٹے، اور سب انگریزی داں۔ ولادت تخمیناً ۱۸۶۹ء۔ یادگار میں ایک پختہ مکان بہ مقام نواب گنج بارہ بنکی موجود۔

بابو رام شنکر صاحب وکیل

بی۔اے، ایل۔ایل۔بی، بابو برج لال صاحب وکیل کے فرزند چہارم۔ پہلے بارہ بنکی ہائی اسکول میں انٹرنس پاس کیا۔ بعد اس کے کیننگ کالج لکھنؤ میں داخل ہوئے ۱۹۲۲ء میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ اسی سال ۱۹۲۴ء میں ایل۔ایل۔بی کی ڈگری ملی اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ولادت غالباً سنہ ۱۹۰۰ء۔

بابو ہری رام صاحب

بی۔اے، بابو برج لال صاحب وکیل کے فرزند پنجم۔ ابتدائی تعلیم ہائی اسکول بارہ بنکی مین پائی۔ انٹرنس امین آباد ہائی اسکول لکھنؤ مین پاس کیا۔ بعد اُس کے کیننگ کالج لکھنؤ مین داخل ہوکر اسی سال (سنہ ۱۹۲۴ء) بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ اب قانونی تعلیم مین مشغول۔ ولادت سنہ ۱۹۰۲ء۔

بابو بھگونت رائے صاحب منیجر بنک

شری واستو یہ دوسرے کائستھ از خاندان محرران دریابادی، منشی ہر پرشاد صاحب کے فرزند سوم انگریزی کے اچھے انشا پرداز، ایف۔اے تک تعلیم یافتہ۔ ولادت سمبت ۱۹۱۲ بکرمی۔ پہلے دریاباد، پھر بارہ بنکی ہائی اسکول بعد اُسکے کیننگ کالج لکھنؤ مین تعلیم پائی۔ عرصہ تک بعہدۂ سکنڈ ماسٹری مختلف انگریزی مدارس مین نیکنامی کے ساتھ کار متعلقہ انجام دیتے رہے۔ ستمبر سنہ ۱۹۱۱ء مین پنشن حاصل کی۔ سنہ ۱۹۱۲ء لغایت سنہ ۱۹۲۰ء رانا زکارونیشن انگلش مڈل اسکول کھجور گانو مین ہیڈ ماسٹر رہے۔ آج کل کواپریٹو ٹاون بنک لمیٹڈ سلطان پور کے منیجر۔ خلیق، ملنسار، نہایت نیک، مذہب کے پابند، اولاد مین تین بیٹیان۔

چودھری نواب[1] علی صاحب وکیل

چودھری عباد علی صاحب کے فرزند چہارم، گوالیار مین اُردو دان نامی وکیل، کسی قدر انگریزی کے ماہر، حسب ضرورت فارسی سے آشنا۔ سات آٹھ برس سے گوالیر مین وکالت کر رہے ہین، کام خوب چل رہا ہے۔ خلیق، ملنسار، ہوشیار، زود فہم، صاحب اولاد۔ ولادت تخمیناً سنہ ۱۸۸۹ء۔

چودھری عاشق علی صاحب[2] سب انسپکٹر

چودھری معشوق علی صاحب کے فرزند اول۔ پہلے کانسٹبل ہوئے، پھر ہیڈ محرر، بعد کو سب انسپکٹر۔ عرصہ تک ضلع جونپور کے سرپتہا تھانہ مین تعینات رہے۔ آج کل کانپور مین نہایت مستعدی و ہوشیاری سے اپنے فرایض انجام دینے مین مصروف۔ خلیق، ملنسار، صاحب اولاد۔ ولادت تخمیناً سنہ ۱۸۸۳ء۔

چودھری ساجد[3] علی صاحب انسپکٹر بینک

ولادت تخمیناً سنہ ۱۸۸۴ء، چودھری معشوق علی صاحب کے فرزند دوم، ریاست بھوپال مین بینک کے

لہ لغایت ۵۳ خاندانی حالات کے لئے باب ۳، فصل ۱، ذکر چودھری عباس علی صاحب ملاحظہ ہو ۱۲۔

انسپکٹر، خلیق، ملنسار، جوان، تعلیم یافتہ، خوش پوشاک، وضع جدید۔

منشی جانکی پرشاد صاحب رجسٹرار قانونگو

عرف چھیدی لال، ماتھر کائستھ، از نسل درگا داس بہ سلسلۂ خاندان رائے صاحب دریاباد، لالہ شیو گوپال صاحب کے بیٹے، انگریزی، اردو، فارسی کے ماہر، آغاز شباب مین مشہور لیکچرار۔ ولادت۔

اب سے ۳۰ برس قبل ان کے لیکچر دن کی دور دور تک شہرت تھی۔ جس وقت شروع شروع مین منشی سنکٹا پرشاد صاحب وغیرہ ہی خواہان قوم کی تحریک پر ہر طرف سوشل رفارم کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ کائستھون کی دنیا مین عام طور پر ایک خاص جوش پھیلا ہوا تھا۔ بڑے بڑے شہرون لکھنؤ، بنارس، پٹنہ وغیرہ مین دھوم دھام کے جلسے منعقد ہو رہے تھے، رائے صاحب بہادر (دریاباد) انھین کو اپنی طرف سے ڈیلی گیٹ منتخب فرماتے تھے۔ یہ جلسون مین شریک ہوکر کرسی پر بیٹھ کے تماشا دیکھنے یا "ہان مین ہان" ملانے کے بجائے سبجکٹ کمیٹیون مین معقول رائین دیتے اور جلسے کے وقت پرزور اور موثر تقریرین کرتے تھے۔

سنہ ۱۸ء مین بارہ بنکی ہائی اسکول سے انٹرنس پاس کیا۔ سنہ ۱۸ء لغایت سنہ ۱۸ء بارہ بنکی کے مشن اسکول مین ہیڈ ماسٹر رہے۔ سنہ ۱۹ء سے تحصیل سنہی گھاٹ مین رجسٹرار قانونگوئی کے عہدہ پر مامور ہین۔ فسانۂ آزاد (مصنفۂ پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھنوی) اور نیچرل اشعار، جو تصنع و مبالغہ سے پاک ہون، سے دلچسپی رکھتے ہین۔ وضع قدیم و جدید، اولاد مین ہرنت بہاری۔

بابو چندر کا پرشاد صاحب ہیڈ کلرک

سن پیدائش غالباً ۱۸۸۵ء، منشی میکو لال صاحب کے اکلوتے بیٹے، انگریزی تعلیم سیتاپور ہائی اسکول مین پائی اور سنہ ۱۹۰۵ء مین وہین سے انٹرنس پاس کیا۔ ان کے خاندان کے اکثر افراد نے سررشتۂ تعلیم کے محکمہ کو ذریعۂ معاش قرار دیا۔ چنانچہ ماسٹر میکو لال صاحب اور ماسٹر رگھوبر پرشاد صاحب کے پڑھائے ہوئے صدہا طالب علم صوبۂ اودھ کے مختلف حصون مین پائے جاتے ہین۔ اسکول سے نکلنے کے بعد بابو چندر کا پرشاد صاحب دفتر ڈپٹی کمشنر سیتاپور مین ملازم ہوگئے۔ مگر تھوڑے دن کے بعد آبائی محکمہ کی جانب جھکے، اور اب لکھنؤ کے مشہور صنعتی اسکول (ٹیکنیکل اسکول) مین بہ عہدۂ ہیڈ کلرکی بمشاہرہ سوا سو ماہوار مامور ہین۔ باوجود انگریزی تعلیم کے خیالات کے لحاظ سے مشرقیت مزاج مین بہت غالب ہے۔ معرنجان مرنج ہین۔ ہندو مسلمان مین یکسان ہر دل عزیز رہتے ہین۔ علم مجلس مین خاص سلیقہ رکھتے ہین۔ ماشاءاللہ قد و قامت کے لحاظ سے پولیس یا فوج کے محکمہ کے لئے زیادہ موزون معلوم ہوتے ہین۔ مگر جاننے والے جانتے ہین کہ آپ کا دل کتنا ہے! اس لئے اہل قلم ہی کی جماعت مین آپ کامیابی حاصل کر سکتے ہین۔ شروع شروع مین آپکی نامزدگی سب انسپکٹری مین ہوئی۔ مگر خوش قسمتی سے آپ انتخاب مین نہین آئے۔ مشرقیت کے لحاظ سے میلا ٹھیلا اور

محافل نشاط کے آپ بہت دلدادہ ہین، اور سچ تو یہ ہے کہ لکھنؤ مین آپ ہی ایسے حضرات کی وجہ سے برسات مین عیش باغ کے میلہ کی چہل پہل باقی ہے۔ وضع قدیم وجدید، خوش پوشاک، خوبصورت، صاحب اولاد، نیکدل، نیک چلن، خاندانی حالات کے لئے باب۳، فصل۲، تذکرۂ لالہ سرجو پرشاد صاحب کے متعلق فٹ نوٹ مین لالہ پرمیشر دیال صاحب کا بیان ملاحظہ ہو۔

منشی مگن بہاری لال صاحب

شری واستو یہ دوسرے کائیستھ، لالہ کندن لال صاحب کے فرزند اول۔ اصلی وطن لکھنؤ۔ دریاباد مین تعلیم و تربیت پائی۔ منشی رام سہائے صاحب کے بعد معہ اپنے بھائی گوکل پرشاد کے اُن کی جملہ جایداد پر قابض ہوکر دریابادی کہلائے۔ انھین پبلک اور مذہبی کامون سے دلچسپی ہی۔ ۱۹۰۵ء لغایت ۱۹۰۹ء "پنچ گھروارہ" کے لقب سے نامزد ہوکر کار متعلقہ کو بحسن وخوبی انجام دیا، جو سرکاری پروانون سے ثابت ہی۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری مین اپنے عہدۂ گرداوری کے فرائض کو مستعدی کے ساتھ ادا کیا۔ گورنمنٹ سے خوشنودی مزاج کا پروانہ عطا ہوا لالہ لال بہادر صاحب کائیستھ (دیوانِ مرزا محمد یوسف بیگ صاحب) لاولد تھے، اُن کو ایک شیوالہ کی تعمیر کے لئے آمادہ کردیا، جس کی تیاری مین خود بھی بڑے شوق سے حصّہ لیا۔ دونون صاحبون کے نام مورت کی استھاپنا ہوئی جس کا جشن بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ گئو شالہ دریاباد کی بنیاد انھین کی بے لوث کوششون سے قایم ہوئی جسکے تفصیلی حالات اودھ اخبار[1] لکھنؤ اور ڈسٹرکٹ گزٹ بارہ[2] بنکی مین شایع ہوچکے ہین۔ آج کل گئو شالہ دریاباد کے آنریری سکریٹری اور اسکول دریاباد کے ممبر ہین۔ علاوہ اس کے ہر جلسہ اور ہر کمیٹی مین خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی، شوق سے حصّہ لیتے ہین۔ حکّام ان کے کامون سے خوش رہتے ہین۔

خاص خاص سرکاری جلسون مین بھی یہ اعزاز کے ساتھ بلائے جاتے ہین چنانچہ ہیوٹ اسکول بارہ بنکی کے افتتاحی جلسہ منعقدہ ۱۶- فروری ۱۹۱۰ء مین شرکت کے لئے ہز آنر لفٹننٹ گورنر سرجان ہیوٹ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ سی۔ آئی۔ ای کی آمد پر سی۔ اے شیرنگ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر بارہ بنکی کی طرف سے منشی صاحب کے نام جو دعوتی مطبوعہ کارڈ آیا تھا، وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ یہ کارڈ منشی صاحب کے پاس موجود، جس کے خوشنما لفافہ پر انگریزی مین ان کا نام لکھا ہوا ہے۔

منشی صاحب کو راجہ جیالال صاحب گلشن (دیوان سلطنتِ اودھ، رئیسانِ لکھنؤ مین سے تھے) کی رشتہ داری کا فخر بھی حاصل ہے۔ راجہ بھوانی بخش صاحب دہلوی کے دو لڑکے کنور اسری سہائے اور راجہ جیالال اسری سہائے کے کنور اسنی کمار (زمیندار قصبۂ ایچولی) جن کی لڑکی مگن بہاری لال صاحب کے والد کو منسوب تھی۔ اسلئے راجہ صاحب پرنانا اور اسنی کمار نانا ہوئے۔ مگن بہاری لال صاحب کی تاریخ ولادت ۱۸۷۰ء، خلیق، ملنسار،

[1] اودھ اخبار ۱۴ مارچ ۱۹۲۰ء، صفحہ ۹۔ اودھ اخبار ۱۷ فروری ۱۹۲۱ء صفحہ ۹ [2] بارہ بنکی ڈسٹرکٹ گزٹ یکم اپریل ۱۹۲۰ء، صفحہ ۹

نیک دل، مذہب کے دلی معتقد، سخن دوست، صاحب اولاد۔

بابو گوکل پرشاد صاحب رینج افسر

منشی مگن بہاری لال صاحب کے برادر خورد، ڈویزن بہرائچ مین رینج افسر۔ دریاباد مین معمولی اُردو پڑھ کر ذاتی کوشش و پیروی سے "محکمۂ جنگلات" مین ملازمت کی، اور رفتہ رفتہ ترقی کرکے رینج افسری کا معزز عہدہ حاصل کرلیا، عرصہ سا اسی عہدہ پر مامور۔ اپنے فرائض منصبی انجام دینے مین نہایت ہوشیار اور مستعد، پبلک اور حکام مین نیک نام اور ہر دل عزیز، خلیق، ملنسار، بامروت، محنتی، نیک چلن، صاحب اولاد۔ ولادت ۱۸۸۵ء

منشی جے بہاری لال صاحب

ماتھر کائیتھ، منشی کامتا پرشاد صاحب کے فرزند اول (منجھلے بھائی چھیل بہاری، چھوٹے رگھو ونش بلی) بہت بڑے ایماندار و لالطمع، اور انھین اوصاف کے باعث نیک نام اور قابل قدر، اپنے ولی نعمت کے دلی خیر خواہ اور فرمان بردار۔ ولادت غالباً سنہ ۱۸۸۰ء۔

اِن کے دادا منشی نند کشوری پرشاد صاحب غازی پور مین عرصہ تک سررشتہ دار رہے۔ والد جوانی مین خوش تحریر تھے۔ چنے کی دال پر "آلہی غنچۂ امید بکشائے" ایسا صاف لکھتے تھے کہ بغیر عینک اچھی طرح پڑھ لیا جاتا تھا۔ مختلف جگہون مین نوکری کرکے بارہ بنکی مین عرائض نویسی اختیار کی، دو روپیہ روز آمد پیدا کرتے تھے۔ پیری کے زمانے مین اپنے سعادت مند لڑکون کے محبت آمیز اصرار سے مجبوراً خانہ نشین ہونا پڑا۔ اِس وقت سن ۷۵ سال کا ہے۔

اِن کا خاندانی سلسلہ دریاباد مین تخمیناً دو ڈھائی سو برس سے قائم ہے، جس کے بانی قصبۂ نارنول (ضلع بلندشہر) کے رہنے والے رائے کانجی مل صاحب چکلہ دار تھے، جنھون نے بادشاہِ دہلی کے حکم سے یہان تعینات ہوکر رائے صاحب کے خاندان مین اپنی شادی کرنے کے ساتھ ہی دریاباد مین سکونت اختیار کرلی تھی۔

منشی جے بہاری لال صاحب نے دریاباد مین اُردو مڈل کلاس پاس کیا۔ پہلے سررشتۂ تعلیم مین مدرسی کی نوکری کی۔ بعد اُس کے رُدولی کے مشہور تعلقدار چودھری ارشاد حسین صاحب (ریاست نردلی) کے یہان ملازم ہوئے اور بہت جلد اپنی فطری نیک نیتی اور خوش اسلوبی کی بدولت معززین مین افتخار حاصل کرلیا۔ عرصہ سے مختار عام کھانے کپڑے کے علاوہ پینسٹھ ۶۵ روپیہ ماہوار مشاہرہ، اُنچھتر ۶۹ بیگھہ پختہ آراضی کے دوامی معافی دار (جسکی آمدنی تخمیناً چھ سو روپیہ سالانہ) کار متعلقہ مین ہوشیاری و مستعدی کے ساتھ مشغول، چودھری صاحب بیحد مہربان، عزت و ناموری مین روز افزون ترقی۔ سعادت مند، خلیق، نیک چلن، تکلف اور شوقینی سے بری، صاحب اولاد۔ منشی صاحب کے منجھلے بھائی چھیل بہاری صاحب بھی چودھری صاحب کی قدردانی سے آنریری منصفی کے سررشتہ دار پینتیس ۳۵ روپیہ ماہوار تنخواہ، کھانا کپڑا اِس کے علاوہ۔

منشی محمد عباس علی صاحب خوشنویس

شیخ انصاری، از خاندانِ حافظ جہانگیر بخش صاحب مرحوم، شیخ الٰہی بخش صاحب کے بیٹے، خوشنویسی مین لایق تعریف، کارِ امانت مین مشہور۔ دریاباد کے اسکول مین تعلیم پاکر لکھنؤ مین متفرق طور پر فارسی کی کتابین پڑھین اور وہین مشہور اوستادِ فن حافظ امام الدین صاحب دہلوی (مولانا حکیم محمد علی اطہر صاحب مرحوم کے والد ماجد) کی خدمت مین حاضر ہو کر باقاعدہ خوشنویسی کا فن حاصل کیا، ساتھ ہی اس کے بذات خاص محنت و مشقت کر کے امانت کے کام مین بھی اچھی خاصی مہارت پیدا کر لی۔ ۱۸ برس کے سن مین فرنگی محل کے مطبع مین کاپی نویسی کی نوکری کی، پھر نولکشور پریس مین پندرہ برس تک کتابت کا کام کیا۔ بعد اس کے اضلاع بالیسر (ملک اڑیسہ) گورکھپور، چھپرا، پرنیان، ڈُمرکا، اعظم گڈھ، میرٹھ وغیرہ مین بسلسلۂ امانت ملازمت کرتے ہوئے بارہ برس کی بعد دریاباد آئے۔ یہان تحصیل سنہی گھاٹ مین سرکاری حکم سے بطور کمیشن بارہ برس تک امین رہے۔ تھوڑے عرصہ سے ریاست ٹہرا مین بیس روپیہ ماہوار پر ملازم اور اس خیال سے کہ "دیس کی آدھی بھلی"، خوش و خرم - ۲۲ سال کی عمر، ولادت ۱۸۶۲ء۔

حافظ محمد سعید صاحب خوشنویس

شیخ انصاری، حافظ محمد جہانگیر بخش صاحب کے اکلوتے بیٹے، اعلیٰ درجہ کے خوشنویس اور اس فن مین شیخ محمد عباس علی صاحب دریابادی (حافظ جی کے رشتہ کے خاندانی چچا) کے شاگرد، ساتھ ہی اس کے لکھنؤ کے مشہور و معروف اوستادِ فن منشی شمس الدین صاحب اعجاز رقم کے فیض تلمذ سے بھی مستفید۔ پہلے نولکشور پریس لکھنؤ مین نوکری کی۔ بارہ برس کے بعد لاہور پہونچکر گلاب سنگھ پریس مین ملازم ہوئے، جہان اس وقت تک مالک مطبع کی بیحد قدر دانی سے خوش و خرم۔ ولادت تخمیناً ۱۸۷۳ء۔ اولاد مین دو لڑکے، دونون حافظ اور کلکتہ مین دوکاندار۔

شیخ کریم بخش صاحب امین

شیخ صدیقی، از اولادِ شیخ لطف اللہ صاحب سالدار، شیخ خدا بخش صاحب کے بیٹے، علم پیمایش مین قابل اوستاد۔ پندرہ برس کی عمر مین بھلسر (پرگنہ رُدولی) کے نامی گرامی منصرم منشی عبد الہادی صاحب کی خدمت مین حاضر ہو کر پیمایش کا کام سیکھا۔ بعد اس کے وہ کمال حاصل کیا کہ خود اوستاد کو حیرت ہو گئی۔ اضلاع مراد آباد، بدایون، میرٹھ، بریلی، بارہ بنکی، وغیرہ کے بہت سے لوگون کو لایق امین بنا دیا، بعض اُن مین سے انسپکٹر ہو گئے۔ وطنی شاگردون مین سے یعقوب خان صاحب، افضل صاحب، منشی عبد الوہاب صاحب (ابر اہیم

ڈاکٹر قادر بخش صاحب مرحوم) شیخ رحیم بخش و شیخ شکور بخش صاحب وغیرہ اس وقت تک موجود او ہر ایک لائق و ہوشیار۔

۱۸۶۲ء لغایت ۱۹۰۷ء یعنی ۴۵ برس بندوبست کے محکمہ مین مراد آباد، باندہ، گورکھپور، بدایون میرٹھ وغیرہ ضلعون کی پیمایش کی۔ اکثر موقعون پر انسپکٹر بھی رہے، مگر چونکہ اس محکمہ مین ہمیشہ صرف چھ مہینے کام جاری رہتا ہے اور چھ مہینے بند، اس لئے انھین بجائے ملازمت کے اُجرتی کام پسند تھا جسکی آمدنی سو روپیہ ماہوار سے کم نتھی کار متعلقہ کو ہمیشہ نہایت خوش اسلوبی و دیانت داری اور بہت مستعدی و جفاکشی کے ساتھ انجام دیکر نیکنامی حاصل کرتے رہے۔ افسران محکمہ نے خوش ہوکر جو انگریزی زبان مین سارٹیفکٹ عطا فرمائے ہین، اُن مین سے صرف چند کے ترجمے حسب ذیل ہین۔

(۱) سروے آف انڈیا تصدیق کیجاتی ہے کہ کریم بخش نے ۱۸۷۲ء سے محکمہ سروے مین کام کیا خصوصاً بحکم نمبری ۵۔ گورکھپور پارٹی بمدت پانچ سال۔ یہ جریب کشی و تختہ مسطح ہر دو طریقہ سے پیمائش کرسکتے ہین۔ انھون نے خسرہ ضلع گورکھپور پانچ فصلون مین تیار کئے ہین۔ یہ نقشون مین روشنائی بھر کر تیار کرسکتے ہین۔ دستخط لفٹننٹ کرنل بخط انگریزی، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ انچارج نمبرہ پارٹی سروے آف انڈیا۔ ۲۷ ستمبر ۱۸۸۶ء (۲) کریم بخش امین نے پانچ ہزار ایکڑ کی اس سال پیمائش کی اور رقبہ صحیح نکالا۔ یہ بہت ہی محنتی اور ایماندار کام کرنے والے ہین۔ ہم ان کے کام سے بہت خوش رہے۔ دستخط ٹھامسن اسوا اسسٹنٹ سرویر ایم۔ سی۔ ایچ کیمپ نمبر ا پارٹی نمبر ۵، ایس۔ آئی گورکھپور۔ ۱۹ مئی۔

شیخ صاحب ناخواندہ محض ہین، ہندی بھی نہین جانتے، صرف انگریزی ہندسون سے واقف ہین، اس لئے ان کا کارنامہ، ان کی فطری ذہانت اور قدرت الٰہی کا ایک حیرت انگیز کرشمہ معلوم ہوتا ہے۔ ۱۹ برس کی عمر مین کام کرنا شروع کیا، ۶۵ برس کی عمر مین خانہ نشینی اختیار کرلی۔ اس وقت سن ۸۰ سال کا ہے۔ ولادت ۱۸۴۲ء۔ اولاد مین۔ شکور بخش وغیرہ۔

مرزا غفار بیگ صاحب مصوّر

عرف ہین، مرزا چغتائی، نہایت قابل اور ہوشیار مصوّر، شبیہ کشی و نقاشی مین مشاق، نکات فن سے بخوبی آگاہ، محقق، صاحب معلومات۔ ولادت غالباً ۱۸۵۰ء۔ خیالی اور نقلی دونون قسمون کی تصاویر کھینچنے مین ید طولی حاصل ہے، تصویرون کی نقلون پر اصل کا اطلاق ہوتا ہی چھوٹی سے بڑی اور بڑی سے چھوٹی تصویرین بنانے مین کافی مہارت پیدا کی ہی۔ کاغذ، دیوار، کپڑے پر قلم سے یکسان خوبصورتی کے ساتھ کام لیتے ہین اور ذرا بھی نقص نہین

ملہ دریاباد کے اسپتال مین ملازم تھے۔ پنشن پانے کے بعد رائیصاحب کی قدردانی سے دریاباد مین معہ عیال و اطفال سکونت اختیار کرلی تھی بڑے نیک، خلیق اور ملنسار تھے۔ اولاد ابتک موجود ہی ۱۲ مله رائیصاحب کے یہان ضلعدار، خوش اخلاق، خوش چلن۔ آبائی مکان کی ضروری ترمیم و مرمت کے بعد بطرز جدید ایک پختہ خوبصورت نشست گاہ بنوا کر اپنی حب الوطنی کی شاندار یادگار قایم کی ۱۲۔

آنے پاتا۔ زمانۂ قدیم کے پختہ اور چمکدار رنگون سے واقف بھی ہین، اور اُن کے تیار کرنے کا معقول طریقہ بھی معلوم ہے۔

ان کے پردادا مرزا تقی بیگ صاحب جو سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب ناظم (رئیس دریاباد) کے چھوٹے بھائی کی اولاد مین تھے۔ پہلے رُدولی مین رہتے تھے۔ جب سردار صاحب کا دریاباد مین پورے طور پر قیام ہو گیا اور وہ اطمینان کے ساتھ یہان رہنے لگے تو مرزا تقی بیگ صاحب نے بھی اپنی سکونت دریاباد قرار دی اور رُدولی مین رہنا ترک کر دیا بنّن صاحب کے والد مرزا آغا بیگ صاحب انھین کے حقیقی پوتے تھے۔ مرزا تقی بیگ۵ صاحب مرزا ابلاق بیگ صاحب کے داماد اور اسی رشتہ کی بدولت رئیس کہلاتے تھے، اُن کے مرتے ہی ساری زمینداری غفلت و بے پروائی سے رہن و بیع ہو کر تلف ہو گئی۔

بنّن صاحب فطری مصور ہین، کسی کے شاگرد نہین۔ اِنھون نے خود ہی اپنے قدرتی شوق اور آنریبل رائے راجہ بسیر بلی صاحب مسٹر۔ رئیس اعظم دریاباد کی حوصلہ افزا قدردانی سے اس فن مین خاص کمال پیدا کیا ہے۔ رائےصاحب کے کتب خانہ مین ان کی مصوری کے بہت سے دلچسپ اور شاندار نمونے پائے جاتے ہین، جو قدیم تصویرون کی ہو بہو نقلین ہین جن سے شانِ مشاقی، خداداد ذہانت، طبیعت داری، نمایان کامیابی، دانشمندانہ صناعی اور زور قلم کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

مرزا صاحب کو ایک مرتبہ بہرائچ کی نمائش سے ایک سارٹیفکٹ مرحمت ہوا ہے جس سے ان کی ابتدائی مشق بھی لائق تعریف پائی جاتی ہے۔ ترجمۂ سارٹیفکٹ حسب ذیل ہے۔

"زراعتی و صنعتی نمائش بہرائچ ۱۹۱۳ء درجۂ اول۔ یہ سارٹیفکٹ مرزا غفار بیگ ساکن دریاباد ضلع بارہ بنکی کو بصلۂ تیاری مونوگرام۔ آر۔ ایل۔ ایچ کلارک صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع بہرائچ جو کہ اس نمائش مین رکھا گیا، اور سب سے اچھا ثابت ہوا، دیا گیا۔ دستخط انگریزی کلارک آئی سی ایس پریسیڈنٹ نمائش، سید زین العابدین افسر انچارج نمائش، محمد حسین سکریٹری۔ ۳۰ جون ۱۹۱۳ء

نومبر ۱۹۲۱ء مین رائےصاحب کے کتب خانہ مین مذکورۂ بالا تصویرون کو مسٹر جا بلنگ صاحب بہادر کمشنر لکھنؤ نے ملاحظہ فرما کر اظہارِ مسرت کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کی بہت تعریف کی تھی میم صاحبہ بھی جو ممدوح کے ہمراہ تھین تصاویر کی بناوٹ، رنگ و روغن، خط و خال، تناسب اعضا، وغیرہ سے بہت خوش ہوئی تھین۔ صاحب بہادر اور میم صاحبہ کو مصوری اور لائبریری سے خاص دلچسپی ہے۔ رپورٹ انڈسٹریل سروے ضلع بارہ بنکی ۱۹۲۳ء (مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد) مین آنریبل رائے راجہ بسیر بلی صاحب کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کا بھی ذکر ہے اور اِن کی مصوری کی تعریف لکھی گئی ہے۔ اسی طرح صوبہ کے بعض معزز اور نامی گرامی انگریزی اخبار و نیز بھی ان کا تذکرہ چھپا ہے اور اِن کے کمال فن کی خوب داد دی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی دنیا مین دور دور تک غفار بیگ صاحب کا آوازۂ شہرت بلند ہو چکا اور فاضل اصحاب ان کی دلکش اور نظر فریب صناعیون

۵ ان کی بی بی اپنے والد مرزا ابلاق بیگ صاحب کی زندگی مین اُن کی رضامندی سے چہارم تعلقہ کی مالک ہو گئی تھین اور اسی طرح مرزا تقی بیگ صاحب کو کیسا نہ اعزاز حاصل ہو گیا تھا۔ ملاحظہ ہو باب ۳ فصل الذکر مرزا ابلاق بیگ صاحب ۱۲۔

سے خوش ہو کر انکی ثنا و صفت مین رطب اللسان ہو گئے۔

ان کی عمر اس وقت تخمیناً ۳۲ سال کی ہے۔ خلیق، ملنسار، نیک، حسب ضرورت پڑھے لکھے، وضع جدید۔

ان کا ایک بھائی ٹرامویے کے دفتر مین (کلکتہ) سو روپیہ ماہوار پر ملازم اور مع عیال و اطفال کلکتہ مین مقیم۔ مرزا صاحب کے خاندانی حالات کی زیادہ وضاحت کے لئے باب ۲، فصل ۱، ذکر مرزا ابلاق بیگ صاحب ملاحظہ ہو۔

میر سید علی صاحب

سنی المذہب، حسینی سید، میر کرامت علی صاحب کے بیٹے، فیاض، اپنے ہم وطنون کے اعلیٰ بہی خواہ، مہمان نواز، خضر پور (کلکتہ) مین برف اور سوڈے کی دوکان کے مالک اور ٹھیکہ دار۔ دریاباد سے جو شخص کلکتہ مین ان کے پاس جاتا ہے، اُس کی میر صاحب صرف خاطر داری ہی نہین کرتے، بلکہ اُسے روزگار پر بھی لگا دیتے ہین۔ انھون نے معمولی حیثیت سے قابل تعریف ترقی کرکے ایک امیرانہ شان پیدا کی ہے۔ موضع بھلونہ کا کچھ حصہ خرید کیا، آبائی مکان از سر نو پختہ بنوایا، جس سے بزرگون کا نام پھر زندہ ہو گیا، گاڑی گھوڑا مول لیا۔ ابھی اور زمینداری خریدنے کی فکر مین ہین۔ اس سے میر صاحب کی حب الوطنی اور علو ہمتی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

ان کے والد میر کرامت علی صاحب کے پردادا میر غلام علی صاحب ننگروندہ کے زمیندارون مین تھے۔ آپ سے تخمیناً دو سو برس بیشتر قرابت داری کی بنیاد پر اپنا آبائی وطن ترک کرکے دریاباد مین سکونت اختیار کی تھی اور اس طرح اُن کا خاندان یہان قایم ہو گیا تھا۔

میر صاحب چھ بھائی ہین۔ ذاکر علی، سخاوت علی، مبارک علی، عاشق علی، صابر علی، سب کلکتہ مین دوکاندار اور خوشحال۔ میر ذاکر علی صاحب مذہبی خدمت مین قابل تعریف ہین، جنھون نے ایک مسجد کی تیاری مین دو ہزار روپیہ سے زائد چندہ دیا۔ یہ مسجد مردہی محلہ مین انھین کی تحریک پر انھین کے اہتمام مین تعمیر ہوئی ہے۔

سید محمد شفیع و سید محمد رفیع صاحب

سنی المذہب، میر اولاد علی صاحب کے بیٹے، کلکتہ مین نامور کمیشن ایجنٹ، چار یا پانچ لاکھ کی جائداد کے مالک صاحب اعزاز، خلیق، جوان، نیک۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ محمد شفیع صاحب کو اپنے آبائی وطن سے محبت پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ حال ہی مین انھون نے دریاباد آکر اپنا قدیم مکان از سر نو پختہ تعمیر کرایا ہے اور آئندہ اسے زیادہ شاندار بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ موصوف بڑے خوش مزاج اور خوش تقریر اور خوبصورت جوانون مین سے ایک زندہ دل شخص ہین۔ محمد رفیع صاحب کو اردو نظم و نثر سے بڑی دلچسپی ہے، شعر گوئی اور نثر نگاری کا شوق رکھتے ہین۔ راہبر تخلص ہے، ایک رسالہ "خلافت کا چاند" کے نام سے تالیف فرمایا ہے، جو چھپ کر شایع ہو چکا ہے۔ ان مین بھی پورے حب الوطنی پائی جاتی ہے۔ تاریخ دریاباد کی سرپرستی بخوشی قبول کرکے مالی امداد دینا اس بات کی دلیل ہے۔

بابو سیّد حاکم علی صاحب

سُنّی المذہب، مولوی ناظم علی صاحب کے بیٹے، مولانا کاظم علی صاحب کے حقیقی بھتیجے، بی۔ این ڈبلو ریلوے کے متعلق ڈی۔ ٹی۔ یس آفس گونڈہ مین اسسٹنٹ ہیڈ کلرک، نیک طبیعت، خلیق، ملنسار، کار متعلقہ مین ہوشیاری و ستعدی کے ساتھ مشغول۔ تخمیناً ۵۰ برس کا سن۔ ولادت غالباً ۱۸۷۰ء، صاحب اولاد

بابو جے دیال صاحب

جین، از فرقۂ دگامبری، لالہ ہر پرشاد صاحب کوٹھی وال کے بیٹے۔ عرصہ تک اودھ و روہیلکھنڈ ریلوے مین کانپور کے اسٹیشن پر چیف پارسل کلرک رہے، ۱۹۱۰ء مین رٹیایر ہو کر خانہ نشین۔ تخمیناً ۷۰ برس کا سن ولادت غالباً ۱۸۵۲ء۔ انھون نے بصرف کثیر فروری ۱۹۲۲ء مین رتھ جاترا کا جشن منایا تھا۔ خلیق، مروت دار، نیک دل، مذہب کے پابند، صاحب اولاد، خاندانی حالات کے لئے باب ۵، فصل ۱، مین لالہ ہر پرشاد کا بیان ملاحظہ

بابو چھوٹے لال صاحب

بابو جیدیال صاحب کے فرزند دوم، کانپور کے اسٹیشن پر چیف پارسل کلرک، فیاض، نہایت نیک، خلیق، ۔۔۔ کرم کے پابند، ولادت ۱۸۹۵ء، اس وقت تخمیناً ۲۵ سال کا سن۔ اِن کے بڑے بھائی بابو دھن کمار داس صاحب انگریزی مین اچھی قابلیت رکھتے ہین پہلے ریلوے مین ملازم تھے، اکثر ملون مین بھی نوکری کی ہے۔ آج کل مکان پر خانگی امورات مین مصروف۔ عمر تخمیناً ۴۰ سال۔

سیّد ناصر علی صاحب منصرم پنشنر

سیّد عالم علی صاحب کے فرزند اول، اپنے والد کی طرح دیانت داری مین قابل ذکر، قناعت پسندی مین لایق تعریف۔ ولادت ۱۸۷۰ء۔ ۲۱ سال کی عمر مین پہلے اہلمد فوجداری، بعد اُس کے اہلمد مال پھر یکم جنوری ۱۹۰۶ء سے ریاست محمود آباد مین ملازمت کی۔ ۶ جنوری ۱۹۰۶ء لغایت ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء گرداوری (مشاہرہ پچاس روپیہ) کا کام کیا۔ ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء لغایت ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء ستر (۷۰ ؏) روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر محاسب رہے ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء سے ۷۔ ستمبر ۱۹۲۲ء تک منصرمی کا عہدہ انجام دیتے ہوئے ایک سو روپیہ ماہوار کے مشاہرہ سے پنشن حاصل کی۔ آج کل خانہ نشین، پچاس روپیہ ماہوار پنشن۔

منصرم صاحب ۹½ سال گورنمنٹ کے ملازم رہے، ۱۷ سال ریاست محمود آباد مین نوکری کی، دونون جگہ فطری دیانت داری و نیک نیتی اور راستگوئی و محنت اور حسن کارگذاری کے باعث ہمیشہ نیک نام رہے، اور

اپنے قابلِ تقلید طرزِ عمل کی وجہ سے محمود آباد ایسی عالی شان اور نامی گرامی ریاست مین باوجود کم علمی (معمولی اُردو دانی) کے معزز منصب پر پہونچکر شہرت اور سردار عزیزی کے خلعت سے سرفراز ہُوئے - اِن کے یہان جو اسناد دیکھنے مین آئے ہین ، اُن سے اِن کے اوصاف حمیدہ اچھی طرح ظاہر ہوتے ہین - اسناد کی چند نقلین حسب ذیل ہین -

"(۱) ناصر علی بہمہ وجوہ ایک لائق اہلکار ہے - وہ وقت کا پابند ہے اور اِس وجہ سے اُس کا کام روزکا روز ہوجاتا ہے - وہ محنتی ہے اور ساتھ ہی اِس کے اپنے کام مین ہوشیار ہے - اُس کا کام ویسا ہی صاف ہے جیسا کہ ہونا چاہیئے - معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو اُس کے والد کی مشہور صفت دیانت داری و راستبازی ملی ہے - دستخط انگریزی شیخ محمد حبیب اللہ ڈپٹی کلکٹر کھیری - ۱۱ نومبر سنہ ۱۹۱۱ء (۲) مین شیخ حبیب اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر کی تحریر کی تائید کرتا ہون - دستخط پنڈت مانک لال ڈپٹی کلکٹر کھیری - ۸ جنوری سنہ ۱۹۱۲ء (۳) نہایت راست باز اور صاف کام کرنے والے ہین - ایمانداری ان کو وراثت مین ملی ہے - مین ایسے افسران نگران کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہون دستخط شیخ حبیب اللہ مدار المہام ریاست محمود آباد - ۷ مارچ سنہ ۱۹۲۲ء - ماخوذ از نقل سروس بک ریاست محمود آباد (آسمی ناصر علی صاحب) جو باضابطہ ریاست کی مُہر سے مُزین ہے "۔

ناصر علی صاحب نہایت نیک ، خلیق ، مروت دار ، غیر متعصب ، روزہ و نماز کے پابند ، کم سخن ، مستقل مزاج ، ملنسار ، صاحب اولاد ، سن اِس وقت ۴۹ سال کا ہے -

پنڈت کشوری سرن شاستری

از نسل شیو رام و کاشی رام پانڈے ، دوارکا پرشاد پانڈے کے بیٹے ، ساہتیہ یعنی علم ادب کے اعلیٰ ماہر پہلے دریاباد کے اسکول مین بھاشا کی تعلیم پائی ، چودہ برس کی عمر مین مڈل کلاس کی سند ملی - بعد اُس کے کچھ دن اجودھیا مین سنسکرت پڑھی ، پھر بنارس کے گورنمنٹ سنسکرت کالج مین داخل ہوئے - اپریل سنہ ۱۹۲۴ء مین ساہتیہ یعنی ادب کے متعلق شاستری کا درجہ یعنی بی - اے پاس کرلیا - ۲۶ سال کی عمر تاریخ پیدائش قیاساً سنہ ۱۸۹۹ء خلیق تیز طبیعت ، نیک ، محنتی ،

حکیم مولوی سیّد نذیر احمد صاحب

مولوی محمد حاتم علی صاحب کے بیٹے ، مولانا محمد کاظم علی صاحب کے پوتے ، علم طب مین قابل - ۱۷ برس کی عمر مین اسکول دریاباد سے مڈل کلاس کی سند حاصل کی - چار برس لکھنؤ مین عربی و فارسی کی تعلیم پائی - بعد تکمیل علوم سنہ ۱۹۲۱ء مین تکمیل الطب کالج لکھنؤ مین داخلہ ہوا - دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء مین درجہ اعلیٰ پاس کیا اور ۲۳ - مارچ سنہ ۱۹۲۴ء کو سالانہ جلسہ مین جناب آنریبل نواب صاحب چھتاری (منسٹر) نے سندِ طب عطا فرمائی - آج کل طبابت مین مشغول ہو نہار ، خلیق ، نیک ، ۲۴ سال کی عمر تاریخ ولادت غالباً سنہ ۱۹۰۱ء -

بابو شاہ محمد صاحب ٹکٹ کلکٹر

شیخ مولوی کرامت علی صاحب کے اکلوتے بیٹے، بنارس چھاونی کے اسٹیشن پر ٹکٹ کلکٹر محنت و مشقت اور دانشمندانہ کارگذاری و بلند حوصلگی مین قابل قدر۔ ولادت ۱۸۸۴ء۔ ان کے دادا مولوی جمعیت علی صاحب میلاد لئے گنج سے بہ سلسلۂ قرابت دریاباد مین سکونت پذیر ہوئے تھے۔ مولوی کرامت علی صاحب کی پیدائش دریاباد ہی مین ہوئی تھی مولوی صاحب نے تمام عمر درس و تدریس مین بسر کی عرصہ تک دیہاتی مدرسون مین بہ عہدۂ افسر مدرسی لڑکون کو تعلیم دیتے رہے، نو روپیہ ماہوار تنخواہ تھی۔ ضعیفی مین اپنے وطن دریاباد آکر قلیل تنخواہ پر معلم گیری اختیار کی۔ تھوڑا زمانہ ہوا کہ وفات پائی۔

شاہ محمد صاحب نے دریاباد کے اسکول مین تیسرا درجہ پاس کرکے پرائیویٹ طور پر کچھ انگریزی پڑھی۔ ۱۶ برس کی عمر مین پہلے پڑھانے کی نوکری کی مختلف جگہون مین معلم گری کرنے کے بعد ڈاکخانہ حضرت گنج لکھنؤ مین پوسٹمین ہوئے، تین برس کے بعد ڈپارٹ کلرک ہوکر دو برس تک اپنا کام نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ۱۹۱۱ء مین اس محکمہ سے علیحدہ ہوکر ریلوے کی ملازمت اختیار کی اور بیس روپیہ ماہوار پر ٹکٹ کلکٹر ہوے۔ اپنی محنت و جانفشانی اور ایمانداری و حسن کارگذاری سے افسرون کو ایسا خوش کیا کہ اب پینتالیس روپیہ ماہوار مشاہرہ ہوگیا۔ اُمید ہے کہ شاہ محمد صاحب بہت جلد اس سے بڑا عہدہ حاصل کرینگے۔

بابو صاحب کے والد معمولی حیثیت کے آدمی تھے۔ مگر انھون نے محنت و مشقت اور فطری دانائی و کوشش سے نہ صرف ملازمت کے سلسلے مین ترقی کرکے اطمینان سے بسر ہونے کی صورت پیدا کی، بلکہ بحیثیت بیگم خام آراضی بھی باضابطہ عدالت سے ذریعہ ڈگری ۱۵ - نومبر ۱۹۲۳ء کو حاصل کرلی، ساتھ ہی ساتھ اس کے تین باغون کی ملکیت بھی مل گئی۔ اس کے علاوہ ریلوے فنڈ مین بمد تنخواہ ایک کثیر رقم بھی جمع ہو چکی ہے جس مین تازمانۂ ملازمت برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔

خدا کے فضل سے اب اس وقت شاہ محمد صاحب ٹکٹ کلکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ زمیندار بھی ہین اور سرمایہ دار بھی۔ نہایت خلیق اور ملنسار، نیک چلن، منکسر المزاج، قانع، ہر دلعزیز، خوش تقریر، خوش نصیب، صاحب اولاد۔

شیخ رحیم بخش صاحب

شیخ کریم بخش صاحب امین کے بیٹے، کارچوب اور چکن کے کام مین نہایت ہوشیار۔ کارچوب بابو اُستادِ لکھنؤ اور چکن کا فن تاج خان صاحب لکھنوی سے حاصل کیا۔ عرصہ سے رائے صاحب کے یہان جمعدار عمر تخمیناً ۴۲ سال، ولادت غالباً ۱۸۸۲ء۔ خلیق، محنتی، ہونہار۔

سید نظیر علی صاحب موٹر ڈرائیور

سید وزیر علی صاحب کے بیٹے۔ پندرہ برس تک کلکتہ مین موٹر ڈرائیوری کا کام کرتے رہے۔ کلکتہ کی فرنچ کمپنی مین اس فن کو حاصل کرکے اچھی شہرت حاصل کی۔ آج کل لکھنؤ مین موٹر کار کے متعلق پرزون وغیرہ کی

دوکان کھولنے کی فکر مین ہین۔ تخمیناً ۳۰ برس کا سن، ولادت غالباً ۱۸۹۵ء۔

شیخ عظیم بخش صاحب

شیخ رحیم بخش صاحب جمعدار کے حقیقی بھائی، موٹر ڈرایوری مین لایق تعریف۔ عرصہ تک نواب سُلطان علی خان بہادر (کشمیری محلہ لکھنؤ) کے یہان ملازم رہے۔ اب بمبئی وغیرہ مین ملازمت کرنے کا ارادہ ہے۔

حافظ عبدالرحیم صاحب

نہایت خوش آواز، مثنوی مولانا روم اور قصۂ ہنس جواہر کو نہایت خوش الحانی سے پڑھتے ہین۔ صوفیہ کرام کی صحبت کا فطری ذوق ہے۔ چوٹ کھایا ہوا دل رکھتے ہین۔ اساتذہ کا کلام ایک خاص انداز اور اثر سے پڑھتے ہین محفل سمع مین حافظ صاحب کی موجودگی اکثر باعث گرمی محفل ہوتی ہے۔ آدمی ذی استعداد، پابند صوم وصلوٰۃ، نیک خلیق، ملنسار، خوش مزاج۔ ولادت غالباً ۱۸۶۶ء، اس وقت عمر تخمیناً ۶۰ سال کی ہے۔

پیشہ ور لوگ

لالہ سیتل پرشاد۔ عرف سیتل ساہ، جین (فرقۂ دگامبری) از نسل سیتارام ساہ، لالہ چھیدی لال کے بڑے بیٹے، پیشہ بزازی مین فرد، محلہ شاہ دریا باد کے خزانچی۔ بھائی کی شادی مین اُلوالعزمی کی وہ شان دکھائی کہ آدہ شہر مین نام ہوگیا، نیک، ملنسار، خوش مزاج، مروت دار، ۴۵ برس کی عمر، ولادت غالباً ۱۸۸۰ء۔

بھولا پرشاد۔ عرف بھولا، دیش، اچھے خاصے دوکاندار اور تھوک فروش۔ ان کی دوکان پر کرانہ کے علاوہ دیگر ضروری چیزین بھی فروخت ہوتی ہین۔ مذہبی فرض کی ادائگی مین انھون نے اچھا خاصا نام پیدا کیا ہے۔ جگناتھ اور گیا کا جاترا کرنے کے بعد وہ دھوم دھام سے "برم بھوج" (مذہبی دعوت) کیا کہ دُور دُور تک واہ واہ ہوگئی۔ بھولا کا سن اس وقت تخمیناً ۵۰ سال کا ہے، اولاد مین دو لڑکیان۔ ولادت ۱۸۷۵ء۔

افضل حسین۔ مشہور قوال، حاجی غفور بخش کے چھوٹے بیٹے، قوالی مین اپنے والد کے شاگرد، حسب ضرورت فارسی سے آشنا۔ عنوانِ شباب مین ردولی کے سجادہ نشین حضرت شاہ التفات احمد کی توجہ ان پر مبذول ہوگئی جس سے یہان افضل کی شہرت ہین، جو بچپن سے ہونہار تھے، چار چاند لگ گئے، اور اب تو یہ عالم ہے کہ دُور دُور تک ان کی چوکی کا کوئی ہمپایہ نہین۔ بڑے بڑے اعراس مین حاضر ہوتے اور میدانِ مسابقت مین اپنے ہمچشمون سے دوسرے نمبر پر نہین رہتے۔ اساتذۂ قدیم اور جدید کا منتخب کلام خوب یاد ہے اور پھر لطف یہ کہ محفل کے رنگ کو خوب پہچانتے ہین۔ خدا نے حافظہ ایسا دیا ہے کہ بہت تھوڑے وقت مین بڑی بڑی غزلین حفظ کر لیتے ہین۔ بعض

وقت محفل قوالی میں خود بھی متاثر ہو جاتے ہیں، اُس وقت ایسا سماں باندھ دیتے ہیں کہ حاضرین کو اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ تخمیناً ۴۵ برس کا سن، صاحب اولاد، ولادت غالباً ۱۸۹۱ء۔

اصغر علی - سلاری قوال کے بیٹے۔ کلام فارسی، اُردو، ہندی خوب یاد، محفل کا رنگ خوب پہچانتے ہیں۔ فرزند و (خیر آباد) اور لنگھی (شاہجہان پور) ایسے نامی گرامی قوالوں کے ساتھ رہ کر اپنے فن میں ہوشیار ہو جانے کے علاوہ اچھی خاصی شہرت بھی حاصل کی ہے۔ ایک مدت تک عظیم آباد کے ایک رئیس کے یہاں قیام رہا۔ تھوڑے دن سے خیر آباد میں سکونت اختیار کر لی ہے۔

حشمت علی - برادر حقیقی ذُہرہ جان طوائف، ہارمونیم بجانے میں دُور دُور تک مشہور و معروف، اور اس فن میں ہندوستان کے نامی گرامی اوستاد گنپت راؤ گوالیاری کے شاگرد، علم موسیقی کے بھی ماہر طبلہ کے فن سے بھی آشنا۔ موسیقی کا فن چھوٹے منّے خان لکھنوی سے حاصل کیا۔ طبلہ کا فن لکھنؤ کے مشہور اوستاد "لاڈلے" سے سیکھا۔ بنارس، گورکھپور، گیا، پٹنہ، اعظم گڈھ، مرشد آباد وغیرہ شہروں میں ان کی خاص شہرت ہے۔ تھوڑے عرصہ سے تارک الوطن۔

آغا علی و خورشید علی - حشمت علی کے حقیقی بھائی، سارنگی کے فن میں قابل، موسیقی میں صاحب استعداد، یوسف علی خان لکھنوی کے شاگرد، گورکھپور، پٹنہ وغیرہ میں مشہور، فی الحال تارک الوطن۔

منتظم حسین - عرف منتظم، اعلیٰ سارنگی نواز یوسف علی لکھنوی کے شاگرد، ہارمونیم کے قانون سے بھی واقف، گورکھپور وغیرہ کے اطراف میں اچھی طرح مشہور۔ انھوں نے ذاتی طور پر ایک پختہ مکان بنوا کر اپنے بزرگوں کے مٹے ہوئے نام و نشان کو نئے سر سے قایم کر دیا ہے، جس سے اِن کی حب الوطنی ثابت ہوتی ہے۔

امیر جان عرف اچھن بائی، ہادی جان طوائف کی بیٹی، فن موسیقی میں کامل، چھجو خان مراد آبادی کی شاگرد رشید۔ اچھن بائی نے علاوہ چھجو خان کے دیگر نامی نامی اوستادوں سے بھی اس فن کو حاصل کیا ہے۔ اس وقت اودھ کے علاوہ ممالک متحدہ میں بھی ان کے گانے کی خاص طور پر شہرت ہے، اور اودھ میں تو اِن کا کوئی مد مقابل ہی نہیں۔ انھوں نے اپنے بہن کے لڑکے تعی حسین کو انگریزی کی تعلیم دلوا کر بی۔ اے پاس کرایا ہے، آج کل وہ قانونی تعلیم میں مصروف ہیں۔ اِس سے بائی جی کی روشن خیالی ظاہر ہوتی ہے۔ تھوڑا زمانہ ہوا کہ اچھن بائی نے اپنے گھر والوں کے بیجا برتاؤ کے باعث تنگ آ کر دریاباد سے لکھنؤ میں سکونت اختیار کی ہے، جہاں حال ہی میں دین دیال روڈ پر ذاتی بہت عمدہ پختہ مکان (دو منزلہ) بنوایا ہے، لیکن، دریاباد میں اِن کا آبائی مکان (پختہ و خام) بدستور اب تک موجود، جس پر اِن کے حقیقی بھائی منیر الزمان عرف میاں منیر قابض اور پیشۂ عطاری سے خوش۔

پُتلی بائی - اصلی نام عزت النساء، منتظم حسین سارنگی نواز کی بیٹی، نغمہ سرائی میں قابل تعریف، رامپور کے مشہور مغنی آمن خان کی شاگرد، گورکھپور وغیرہ شہروں میں ناموری حاصل کر رہی ہیں۔

سورج بلی - مینڈی لال کا لڑکا، گھوڑے کا ساز اور تلوار کی میان خوب بناتا ہے۔ جلد سازی کے فن

مین بھی مہارت ہے۔ اولاد مین رام بلی، جیدیال، بھاگو، لکھنؤ اور کلکتہ کے "لوکو" مین ڈھلائی کے کام پر تعینات، پچاس ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ۔

الہ دین ۔ خیاط، نبی بخش کا بیٹا، مشین کے ذریعۂ سلائی کے کام مین نہایت ہوشیار۔ سلائی بہت عمدہ اور مضبوط ہوتی ہے۔ اچھے اچھے شوقین اصحاب نے اس کے تیار کئے ہوئے اچکن اور کوٹ کے متعلق "کالر" کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔ شیروانی اچکن کی قطع و برید مین اسے اعلیٰ مہارت ہے۔ اس نے اپنے قوت بازو سے اس فن کی بدولت اچھی حیثیت پیدا کی ہے۔ خام مکان کو از سر نو پختہ بنوا کر اپنے بزرگون کا نام دوبارہ زندہ کر دیا۔ الہ دین تعزیہ دار، سنی المذہب، روزہ و نماز کا پابند، نیک اور جوان آدمی ہے۔ عمر تخمیناً ۴۲ سال۔ ولادت غالباً سنہ ۱۸۸۲ء۔

رزاق بخش ۔ عرف رزاق، سنی المذہب، فقیر بخش نائی کا بیٹا، فن جراحی مین ہوشیار، اور اس فن مین اپنے باپ کا شاگرد، خوشحال، نیک۔ حال مین اس نے اپنے باپ دادے کا نام روشن کرنے کی غرض سے قدیم مکان کو پختہ بنوانا شروع کیا ہے، جو بہت جلد تیار ہو جائے گا۔ اس کی عمر اس وقت تخمیناً ۶۶ سال کی ہے۔ ولادت سنہ ۱۸۵۸ء۔

مولھے ۔ بھاگو نائی کا بیٹا، سنی، بغیر پانی استعمال کئے ایسا خط بناتا ہے کہ طبیعت خوش ہو جاتی ہے بہت نیک، فرمانبردار، لاطمع۔ عمر ۵۲ سال، ولادت قیاساً سنہ ۱۸۷۲ء۔

عیدو ۔ کریم نائی کا بیٹا، تاشا خوب بجاتا ہے، اس ہنر کو اپنے باپ سے سیکھا تھا۔ اس وقت عمر تخمیناً ۶۶ سال کی ہے۔ ولادت غالباً سنہ ۱۸۵۸ء۔

رحیم بخش ۔ عرف رحیم، مشہور بہروپیا، مشہور استاد مدح خان کا شاگرد، اس نے اکثر ریاستون مین بعض بعض موقعون پر اچھے اچھے بہروپیون کے سامنے اپنا کمال فن دکھلا کر انعام حاصل کیا ہے۔ دور دور تک شاہ پور، دھانوان، ہنڈا پور، بکھورگانون وغیرہ مشہور ریاستون مین اس کا سالانہ چندہ مقرر ہے۔

رحیم بخش ۔ عرف رحیم، کباب بنانے مین خاص شہرت رکھتا ہے۔ بھاگو کا شاگرد۔ مخدوم زادگان سکونت۔ عمر تخمیناً ۴۵ سال۔ ولادت غالباً سنہ ۱۸۷۹ء۔

عبداللہ شاہ ۔ لائق بوٹ ساز۔ لکھنؤ کا مشہور کارخانہ "جیٹر جی کمپنی" مین بوٹ سازی کا فن حاصل کر کے اچھی خاصی مہارت پیدا کی۔ بالفعل رئیس رہرہ مئو (بارہ بنکی) کے یہان کے طور پر ملازم۔ ولادت سنہ ۱۸۸۲ء۔

بھوسی ۔ شان نجار کا بیٹا، زمانۂ حال کے فن نجاری سے اچھی طرح واقف۔ فرنیچر کے متعلق میزین، کرسیان، الماریان وغیرہ ہر قسم کی چیزین خوبصورت اور نفیس بناتا ہے۔ آج کل "مرے کمپنی" لکھنؤ مین ملازم، ۴۱ سال کی عمر، کرمۂ روشن لال سکونت۔ ولادت سنہ ۱۸۸۳ء۔

رام ادھین ۔ انگنو مالی کا بیٹا۔ کپڑے کے پھول، پتیان، پھولون کی کلیان، کپڑے کے پھولون کی ویو ارگیرین گلدستے وغیرہ ایسے بناتا ہے کہ نقل پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ ۴۴ سال کا سن۔ ولادت سنہ ۱۸۸۰ء۔

نواب۔ اصل نام، پٹھان، نہایت طاقتور اور غیر معمولی بارکش۔ اب سے ۲۵ برس قبل بڑے سے بڑا زبردست بوجھا پھول کے مانند اُٹھا لیتے تھے۔ آٹھ نو پنسیری کی آٹھ یا نو گڑی کی باریاں (وزن فی باری ایک من یعنی چوبیس سیر پختہ) ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ سے دریاباد اپنے سر پر لانا اِن کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ دو من پختہ کرانے کا بورا سعادت گنج سے دریاباد سات کوس بآسانی لے آنا بائین ہاتھ کا کھیل تھا۔ یہ نہ بوجھا خود لادتے تھے نہ اُتارتے۔ آپ جتنا چاہتے، قاعدے سے سر پر لاد دیتے نواب کو پہونچا دینے مین عذر نہ ہوتا۔ لیکن، موقع پر اگر آپ نہ پہونچے تو، بوجھا سر سے زمین پر آ رہتا۔ انھین مقام پر پہونچ کر پھر انتظار کرنا قیامت کا سامنا تھا۔ اب تک زندہ، اسّی یا نوّے برس کا سن، سکونت کٹرہ روشن لال۔ امیر خان کے مکان سے متصل۔

آٹھوان باب

پرگنہ دریاباد کا بیان

پہلی فصل پرگنہ کی وسعت و آبادی وغیرہ کے بیان مین

پرگنہ دریاباد۔ یہ بڑا پرگنہ تحصیل سنہی گھاٹ کا شمالی حصّہ بناتا ہے۔ اسکی وسعت مشرق مین دریائے گھاگھرا سے لیکر مغرب مین پرگنہ پرتاب گنج اور تحصیل نواب گنج تک ہے۔ اس کے شمال مین بدوسرائے، رام نگر تحصیل فتح پور، دکھن مین سورجپور، پرگنہ بسوڈھی و رُدولی۔ رقبہ ایک لاکھ ۳۸ ہزار ۸۸۵۔ ایکڑ یا تخمیناً ۲۱۷ مربع میل ہے سنہ ۱۹ئ کی مردم شماری مین ایک لاکھ ۳۹ ہزار ۱۹۹۔ آبادی تھی۔ ہندو ایک لاکھ ۱۸ ہزار ۶۲ہ جین ہزار ۹۰ ۳ مسلمان، باقی جین وغیرہ۔ اس پرگنہ مین آمد و رفت کے ذرائع اچھے ہین۔ پرگنہ کے جنوبی حصّہ مین اودھ روہیلکھنڈ ریلوے کی لوپ لائن ہے جس مین دریاباد، سید خانپور دو اسٹیشن ہین اور صفدر گنج پرگنہ کی آخری حد پر واقع ہے۔ یہان تین پختہ اور کئی ایک خام سڑکین ہین۔ کلیانی ندی کے قریب موضع رائے پور سے متصل آج کل ایک عالی شان کوٹھی راجہ راجان راجہ شیو راج مہاراج دھرونت بہادر آصف جاہی رئیس سرفتر ال ریاست حیدرآباد کے حکم سے تعمیر ہو رہی ہے، جو تھوڑے دنون مین تیار ہو جائیگی۔

دوسری فصل مشہور ریاستون کے بیان مین

مڑاہا۔ دریاباد سے ۵ میل کے فاصلہ پر بجانب شمال و مغرب، پرگنہ مین سب سے بڑا اور زرخیز تعلقہ، سورج

لہ از ڈسٹرکٹ گزٹ بارہ بنکی مطبوعہ سنہ ۱۹ئ ۱۲۶

ونشی تعلقداروں کی ملکیت۔ یہاں راجہ[1] برتھی پت سنگھ صاحب بہت نامی تعلقدار گذرے ہیں، جو بہادر بھی تھے اور منتظم و علم و ہنر کے قدردان بھی۔ سُنا جاتا ہے کہ راجہ صاحب سکے کے حروف انگوٹھے سے مل کر غایب کر دیتے تھے۔ عرصہ سے تعلقہ کا صدر مقام رانی کٹرہ قرار پایا ہی جسے راجہ چھیترپتی سنگھ صاحب کی بی بی رانی رتن کنور صاحبہ نے آباد کرایا تھا۔ کٹرہ مین مدرسہ، ڈاکخانہ، بازار اور راجہ صاحب کا پختہ مکان ہی، جو منشی سورج بلی صاحب منیجر ریاست کے زیر اہتمام تیار ہوا تھا۔ آج کل راجہ رگھوراج بہادر سنگھ صاحب تعلقہ کے مالک اور صاحب اولاد۔

کمیار۔ دریاباد سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر بجانب شمال دریائے گھاگھرا سے متصل واقع۔ ٹھاکر شیر بہادر سنگھ صاحب یہاں کے تعلقداروں مین نامی تھے۔ یہ تعلقہ بارہ بنکی، گونڈہ، بہرائچ تین ضلعوں مین منقسم ہی۔ موجود تعلقدار کے وقت سے تعلقہ کا صدر مقام گونڈہ کے ضلع مین پہلے چھاونی تھا، اب بہلاد گنج ہے۔

میلارائے گنج۔ دریاباد سے ۱۰ میل پچھم طرف۔ یہ تعلقہ "میلا" اور "رائے گنج" دو موضعون سے نامزد ہے۔ شیخ نوشاد علی خان صاحب یہاں کے مشہور تعلقدار تھے جو تعلیم یافتہ اور روشن خیال رئیس ہونے کے علاوہ اُردو کے مشہور شاعر اور سخن فہم و جوہر شناس بھی تھے۔ سنہ ۱۹۱۰ء مین لاولد وفات پائی۔ اِس وقت لفٹنٹ راجہ امتیاز رسول خان صاحب اے۔ ڈی۔ سی گورنر متحدہ تعلقہ کے مالک۔

سیدن پور۔ دریاباد سے پانچ کوس مغرب۔ شیخ عنایت اللہ صاحب نائب ریاست محمود آباد اور ممبر انجمن ہند لکھنؤ یہاں کے مشہور تعلقدار تھے۔ آج کل شیخ حبیب اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر، شیخ حامد علی صاحب، شیخ نعیم اللہ صاحب اِس تعلقہ پر قابض۔ سیدن پور کے آم مشہور ہین۔ یہاں مدرسہ ہے۔

رانی مئو۔ دریاباد سے گوشۂ شمال و مشرق چھ میل کے فاصلہ پر تعلقہ ہڑاہا کی سب سے بڑی اور مشہور و معروف شاخ، شاہی مین یہاں کی گڈھی مشہور، چارون طرف خاردار جنگل، خندق، دو ضرب توپ۔ ٹھاکر اوتار سنگھ کے زمانے مین رانی مئو کو بہت عروج ہو گیا تھا۔ اِس مین ہر فرقہ اور ہر پیشہ کے لوگ بکثرت آباد تھے۔ رانی مئو مین نامی نامی بزرگ گذرے ہین۔ **ٹھاکر گنگا سنگھ** صاحب اولو العزم، بے مثل رعایا پرور اور بڑے منتظم تھے۔ اِن کے پوتے شیودت سنگھ، جگت سنگھ، عجب سنگھ، ارجن سنگھ۔ **شیودت سنگھ** صاحب بڑے خوبصورت اور رعب دار جوان سپاہی تھے۔ بادشاہ اودھ کے دربار مین باریاب ہو کر خلعت سے سرفراز ہوئے تھے۔ **جگت سنگھ** صاحب ریاست شاہ پور مین ٹھاکر تیجے بخش سنگھ صاحب کے مصاحب خاص، نشانہ بازی اور جرأت اور پھرتی مین خاص طور پر مشہور۔ بندوق سے چار باگھ مارڈالے تھے، جن مین ایک نو ہاتھ کا تھا۔ زمین سے نشانہ لگاتے تھے، مچان پر نہین بیٹھتے تھے۔ **عجب سنگھ** صاحب ان کا بیان سکر ورعا مین درج کیا گیا ہے۔ **ارجن سنگھ** صاحب، بہادر، رعب دار، گران ڈیل، قانع، صلح پسند آزاد طبیعت، فیاض اور منتظم تھے۔ شیودت سنگھ صاحب کی نسل مین **ٹھاکر اوتار سنگھ** صاحب بڑے منتظم اور نامی رئیس ہوئے۔ یہ آخر واجد علی شاہی مین تعلقہ ملکھرہ پر قابض ہو گئے تھے۔ لیکن، غدر کے بعد انگریزی انتظام ہونے کے وقت

[1] اقرار نامہ منگل سنگھ وغیرہ زمینداران منصور پرگنہ دریاباد سے پتہ چلتا ہی کہ راجہ صاحب سنہ ۱۲۰۳ھ مین بقید حیات تھے ۱۲

چندروز تک غیر حاضر رہنے کی وجہ سے ملکیت ان کی ملکیت سے نکل گیا۔ پختہ بندوبست کے زمانے میں رانی مئو باضابطہ تعلقہ قرار پایا اور اوتار سنگھ صاحب ایکٹ ۲ کے تعلقدار تسلیم کئے گئے۔ ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب۔ ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب کے پوتے، ٹھاکر جنگ بہادر سنگھ صاحب تعلقدار کے فرزند اکبر، خوبصورت، جوان، طاقتور، جامہ زیب، حکام رس، قدردان علم و فن، نفیس مزاج، امیر طبیعت، خوش اخلاق، بامروت، خوش پوشاک، مذہب کے پابند، بڑے اولوالعزم اور فیاض رئیس تھے۔ ناگری زبان کے بہت بڑے حامی تھے۔ عیش پرستی و بادہ نوشی سے سخت نفرت تھی۔ دنگل اور تھیٹر کا بیحد شوق تھا۔ تلوار زنی میں اچھی مہارت پیدا کی تھی۔ گھوڑے پر خوب سوار ہوتے تھے۔ نشانہ بازی میں شہرت رکھتے تھے۔ پتنگ، تاش، چوسر بازی، شکار اور ٹینس وغیرہ سے بھی دلچسپی تھی۔ بنارس کے نامی گرامی پنڈت مہامہوپادھیائے شیو کمار شاستری، مہامہوپادھیائے پنڈت سدھا کر شاستری وغیرہ ان پر خاص مہربان تھے۔ حضرت میاں سید غلام رسول صاحب مرحوم (گرونڈہ) حکیم مولوی محمد عبد الحسیب صاحب (دریاباد) ڈاکٹر عبد الرحیم صاحب مرحوم (اسسٹنٹ سرجن وکٹوریا گنج لکھنؤ) سے خاص تعلقات تھے۔ آج کل کے چھتریوں میں ٹھاکر صاحب اول سورج ونش چھتری تھے، جن کے دم سے ان کے حقیقی بھائی دوارکا پرشاد سنگھ کا "یگیو پویت" (جنیو پہننے کی رسم) دھرم شاستر کے اصول پر بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا۔ ۳۶ برس کی عمر میں ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء کو دفعتاً انتقال ہوگیا۔ اولاد میں دھرا بندھ سنگھ بہ قید حیات۔ ریاست کورٹ، مکان ویران۔ حال میں یہاں ڈاکخانہ کا بھی ہوس قائم ہوا ہے۔

بشنداس پور۔ بانی لالہ بشنداس صاحب کھترے۔ کھتری کائستھوں کی ملکیت، عرصہ سے برائے نام، مرزا محمد یوسف بیگ صاحب قابض حمید نگر مشہور تعلقہ۔ چودھری عباس علی صاحب کے وقت میں یعنی اب سے نصف صدی قبل شکست ہوگیا۔ **سکری جیول**۔ پہاٹک اندر والے ماتھر کائستھوں کی ملکیت میں اب سے ایک صدی بیشتر موجود تھا۔

کھجوری۔ چالیس مواضعات کا زرخیز اور مشہور تعلقہ۔ بانی راجچند بیس ٹھاکر، موضع کھجور گانوں علاقہ بیسواڑہ کے رہنے والے تھے۔ سات سو برس ہوئے کہ علاء الدین غوری کے زمانے میں صوبہ دار کے ہمراہ یہاں آئے اس وقت بھر قوم کا اس طرف راج تھا۔ راجچند نے بھر قوم کے اخراج میں صوبہ دار صاحب کو کافی مدد دی۔ اس

۵ ٹھاکر صاحب کے وقت میں ریاست مقروض ہوگئی تھی جس سے ان کی ناعاقبت اندیشی اور فضول خرچی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن ریاست کی تباہی کا خاص باعث یہ ہوا کہ:- ایک مرتبہ بنارس کے مشہور و معروف جوتشی مہامہوپادھیائے پنڈت سدھاکر شاستری نے جن کی نجوم دانی کا ملک میں خاص شہرہ تھا، ٹھاکر صاحب کا جنم شیرہ دیکھ کر صاف صاف بیان کردیا کہ آپ صرف آٹھ ہی نو برس زندہ رہیں گے، تین شادیوں کے بعد چوتھی کا آغاز ہوتے ہی آپ کا خاتمہ ہے۔ اولاد زندہ رہیگی، شاید آخری لڑکا بچ جائے۔ ماں، بھائی، عزیز و اقارب، کارندے سب خلاف ہوجائیں گے۔ مکان ویران، علاقہ تباہ ہوجائے گا وغیرہ وغیرہ۔" ان مایوس کن الفاظ نے ٹھاکر صاحب پر گہرا اثر ڈالا ساتھ ہی اس کے چند روز کے بعد ماں اور بھائیوں نے علیحدگی چاہی کچھ دھائی لاکھ کی جائداد بھی ہاتھ سے نکل گئی، تین لڑکے پیدا ہوتے ہی فوراً مر گئے، عزیز اقارب بھی بباطن عداوت پہ آمادہ ہوگئے، کارندے بھی دشمنوں سے مل گئے۔ بوجوہ ٹھاکر صاحب کو قدرتی طور پر پنڈت جی کی پیشینگوئیوں پر کامل اعتقاد آگیا اور وہ اپنے دلی ارمان نکالنے پر مجبور ہوگئے ایسی حالت میں ٹھاکر صاحب جیسے منتظم اور ناعاقبت اندیش نہیں کہے جاسکتے ہیں ۱۲۔

خیر خواہی کے صلہ مین صوبہ دار موصوف کی سفارش سے اُنھین بھر قوم کے مقبوضہ مواضعات بادشاہ نے عطا فرمائے۔ منجملہ دیگر دیہات کے ایک موضع کا کچھ حصہ جنگل کی حیثیت سے تھا، اُسے کٹوا کر بیس ٹھاکر نے آباد کیا، اور اپنے قدیم آبائی وطن کے نام کی رعایت سے "کھجوری" نام رکھا۔ ان کی نسل والون نے خوب ترقی کر کے تعلقدار کی حیثیت پیدا کرلی اور کھجوری چالیس مواضعات کا تعلقہ قرار دیا گیا، بارہ مواضعات پرگنہ بدوسرائے مین اور ۲۸ مواضعے پرگنہ دریاباد مین شامل تھے۔ سنہ ۱۲۵۵ فصلی مطابق سنہ ۱۸۴۸ع مین رام پرشاد سنگھ، اجودھیا سنگھ، امان سنگھ صاحب کی رضامندی سے تینون بھائیون مین علاقہ تقسیم ہوکر تعلقداری کی شان سے خارج ہوگیا، اور ٹھاکر لوگ بجائے تعلقدار کے زمیندار کہلانے لگے۔ کھجوری کے رئیسون مین ٹھاکر رام چیرے، فقیر سنگھ، جنگی داس، دلتھمن سنگھ، اجودھیا سنگھ نامی بزرگ گذرے ہین۔ ٹھاکر رام چیرے سنگھ صاحب۔ بڑے اولوالعزم، منتظم اور رعایا پرور تھے، ان کے وقت مین کھجوری بہت زرخیز تھا۔ انھون نے ایک مرتبہ بجائے بیلون کے سراون مین ہاتھی جتوا کر کھیت درست کرایا تھا۔ ٹھاکر فقیر سنگھ صاحب ملقب بہ فقیر شاہ۔ بڑے منتظم۔ قبل ان کے علاقہ زیر بار ہوکر غیرون کے قبضہ مین آگیا تھا۔ لیکن، انھون نے کوشش و پیروی سے بہت جلد کُل علاقہ حاصل کرلیا۔ بہت دن تک ریاست ٹھرایا مین نیابت کی۔ دربار اودھ مین باریاب ہوکر "شاہ" کے خطاب سے سرفراز ہوئے، حُسنِ انتظام سے کثیر دولت جمع ہوگئی، و دُور دُور تک نام ہوگیا۔ ٹھاکر مولابخش سنگھ صاحب کے یہان ٹھاکر فقیر سنگھ صاحب کے نام کی مُہرین موجود ہین جن پر "فقیر شاہ تعلقدار کھجوری" کندہ ہے۔ فقیر شاہ کے چھوٹے بھائی جنگی داس بڑے زبردست پہلوان تھے، جن کی پہلوانی کی بابت بہت سی بعید از قیاس روائتین زبان زد خاص و عام ہین۔ ٹھاکر دلتھمن سنگھ صاحب بہت قدآور اور طاقتور جوان تھے۔ ایک مرتبہ ایک ساکھو کا لٹھا چند ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیا تھا۔ ٹھاکر اجودھیا سنگھ صاحب ایسے قوت دار تھے، کہ انگلیون سے روپیہ توڑ دیتے اور اُس کے حروف مل کر مٹا دیتے تھے۔ ۱۰۷ برس کے ہوکر اب سے نصف صدی قبل وفات پائی۔ ٹھاکر مولابخش سنگھ صاحب کے پاس جو پُرانے کاغذات موجود ہین، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلقدارانِ کھجوری بہت بڑے منتظم، حساب دان، اور عقلمند و تجربہ کار تھے۔ فہرست مواضعات مین زمین کی خاصیت، زمین کے نیچے پانی کی دوری کہ اس مقام پر کنوان کھودنے سے اتنی دور پر پانی نکلے گا، باغات کے درختون کی تعداد، اُن کا تخمینا فدن وغیرہ بہت سی پُر از معلومات باتین درج ہوتا اُن کی دانائی وغیرہ کی صاف دلیل ہے۔ ٹھاکر چھتر سنگھ صاحب آتش لکھنوی کے اس شعر کی تقلید مین کہ "اللہ رے ہمارے تکلف شب وصال + روغن کے بدلے عطر جلایا گلاب کا"، بہت مشہور۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انھون نے اپنی معشوقہ جادی جان (طوائف کانپور) کی آشنائی مین روغن کی جگہ چراغ مین ایک ہزار روپیہ کا عطر جلا دیا تھا۔ بعض کہتے ہین کہ ناچ کے وقت عطر سے مشعل روشن کئے گئے تھے۔ رئیسان کھجوری اپنی لڑکیون کی شادیان اچھے اچھے اور نامی نامی تعلقدارون کے یہان کرتے ہین چنانچہ اس وقت تک ٹھرایا، چندا پور، سمروتہ، رام نگر دھمیڑی، دھنانوان، شاہ پور، رانی منو، آٹا، پائیر، رامپور متھرا، لسبی ڈیہہ، گسمنڈا، ملاپور، سرورا، اونچہرے، پال پور وغیرہ ریاستون سے قرابت و رشتہ داری

کا سلسلہ قایم ہو چکا ہے۔ ان شادیون مین ہتھورا اور رامپور کی شادی ابتک مشہور رہے۔ دونون براتون مین تین تین چار چار سو گھوڑے اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو ہاتھی تھے۔ آدمیون کا شمار نہ تھا قرب وجوار کے کنوئین خشک ہو گئے تھے، پانی کا قطرہ گوہر نایاب ہو گیا تھا۔ آخری شادی رانی مئو کے تعلقدار کے یہان ہوئی تھی۔ برات مین بیس ہزار آدمیون سے زائد مجمع تھا، اچھے اچھے تعلقدار شریک تھے۔ حال مین ٹھاکر مولابخش سنگھ صاحب کی بیٹی ہرہرپور کے تعلقدار سے منسوب ہوئی ہے۔ اس برات مین صفائی اور نفاست کا نظارہ قابل دید تھا۔ نامی نامی تعلقدار اور خاص خاص رئیس اور سفید پوش برات کے ہمراہ تھے، معمولی اور کم حیثیت کا کوئی آدمی نہ تھا۔ اس شادی مین ۳۰ ہزار روپیہ خرچ ہوا۔ کھجوری کی شادیون کے متعلق یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ براتیون کی ایسی اطاعت اور خاطرداری کی جاتی ہے اور کھانے پینے دانہ، چارا، لکڑی، برتن وغیرہ کا ایسا معقول انتظام کیا جاتا ہے کہ کسی کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہین ملتا۔ کھجوری کے زمیندار بہت بڑے دولت مند مشہور تھے۔ لیکن باہمی نفاق اور مقدمہ بازی کی بدولت سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔ موجودہ زمینداروں مین ٹھاکر مولابخش سنگھ صاحب اچھے منتظم، متمول اور سربرآوردہ رئیس ہین جنھون نے حال ہی مین اپنے قدیم مکان کے ایک حصے کو از سرِ نو پختہ بنوایا ہے، جو بجائے خود نہایت مضبوط اور ایک شاندار خوبصورت عمارت ہے۔ مردانہ نشستگاہ وسیع اور نفیس، آرامگاہِ خاص فرش اور قیمتی شیشہ آلات اور فرنیچر سے آراستہ ہے۔ ٹھاکر صاحب کو کتابون کا بھی بڑا شوق ہے۔ ذاتی طور پر ایک نیا کتب خانہ قایم کیا ہے، جس مین سنسکرت، بھاشا، فارسی، اُردو، بنگلہ زبان کے متعلق قریباً ایک ہزار کتابون کا معقول ذخیرہ جمع ہے۔ قلمی کتابون مین چند کتابین دو سو برس کی لکھی ہوئی ہین۔ مولابخش سنگھ صاحب لائق، نفیس مزاج، امیر دل، خلیق، علم و ہنر کے قدردان اور بڑے نوک پلک والے آدمی ہین۔ کھجوری کا شیوالہ اور تالاب اچھا بنا ہے، جو ٹھاکر رام بخش سنگھ صاحب کی یادگار ہے۔ بازار بھی قرب جوار مین مشہور ہے۔

قیام پور۔ دریاباد سے شمال و مشرق ڈھائی میل۔ یہان ٹھاکر امان سنگھ، ٹھاکر اہرن سنگھ بڑے لائق، منتظم اور رعایا پرور تھے۔ ٹھاکر نورنگ سنگھ بھی اچھے تھے۔ ان سے راجہ مان سنگھ صاحب سے خاص مراسم تھے۔ اس تعلقہ مین ہمیشہ اچھے اچھے پہلوان، بانک، پٹے کے کھیلنے والے بڑی بڑی تنخواہون پر نوکر رہا کئے۔ انگریزی عملداری مین نفاقِ باہمی اور مقدمہ بازی کے باعث تعلقداری کی فہرست سے خارج ہو کر آنہ پائیون مین تقسیم ہو گیا۔ آج کل یہان کے ٹھاکر لوگ بجائے تعلقدار کے زمیندار و پٹی دار کہلاتے ہین۔ چھ آنے کے مالک منشی بالک رام صاحب وکیل (فیض آباد) جنھون نے اس قدر حصہ مخنتانہ مین حاصل کیا تھا، دس آنے ٹھاکر لوگون کے قبضہ مین ہین، جس مین کئی ایک حصہ دار ہین۔ ان ٹھاکرون مین ٹھاکر انگد سنگھ صاحب بات کے بڑے دھنی اور نوک پلک والے بزرگ تھے، جن کا ابھی حال ہی مین انتقال ہوا ہے۔ اولاد مین صاحب بخش سنگھ و رام سنگھ بہ قیدِ حیات۔ آج کل ٹھاکر انگد سنگھ کے حقیقی بھتیجے ٹھاکر راج بہادر سنگھ صاحب (ولد بجرنگ سنگھ) بڑے آن بان والے، خلیق، ملنسار، نوجوان، علم دوست مشہور ہیں۔ تعلقدارانِ قیام پور بھی سورج ونش اور ریاست ہڑہا کی ایک شاخ تھے۔

تیسری فصل مشہور دیہات و مقامات کے بیان مین

ٹکیت نگر۔ آباد کردہ مہاراجہ ٹکیت رائے، دریاباد سے دو کوس کے فاصلہ پر بجانب شمال، خوشنما آبادی۔ چارون طرف بلند اور پختہ دیوارین تھین، جسکے نشانات اب بھی باقی۔ پورب پچھم دو عالی شان دومنزلے پھاٹک تھے جن مین مغربی پھاٹک اس وقت تک موجود، اور مشرقی عرصہ سے منہدم ہو کر کھنڈر کی صورت مین نمودار۔ اُتر، دکھن کے پھاٹک معمولی برائے نام۔ بازار خوبصورت چوپڑ کا ہے، جو ضلع کے مشہور بازارون مین شمار کیا جاتا ہے۔ یہان پیتل اور پھول کے برتن نفیس بنتے ہین۔ پختہ مکانات بھی اچھے اچھے ہین۔ مندرون مین کنھئی ساہ، ٹلیے ساہ، ٹھٹھو بھاٹ کے بنوائے ہوئے اور جین مندر مشہور۔ ان مندرون مین ساون کے مہینے مین اچھی بھیڑ بھاڑ ہو جاتی ہے۔ راجہ نرمل داس اور راجہ بھوانی دین یہین رہتے تھے، جو فیاضی مین آج تک مشہور ہین اور جن کے وقت مین یہ بستی بہت گلزار تھی۔ مولچند ساہ اور لالہ گلزاری لال، سیتل ساہ اچھے مہاجن گذرے ہین۔ مولچند ساہ کے بیٹے دھنپت ساہ وغیرہ اور سیتل ساہ کے بھائی لالہ پربھودیال عرف پربھو ساہ، گلزاری ساہ کی اولاد مین دھرم داس و چھتے چند بقید حیات۔ لالہ سکری پرشاد عرف سکری ساہ بڑے اولوالعزم، حکام رس، فیاض اور بات کے دھنی تھے۔ اُنھون نے بصرف کثیر پہلے پہل دو مرتبہ اس قصبہ مین رتھ جاترا کی رسم ادا کر کے اپنی مذہبی عقیدتمندی کا اظہار کیا۔ ایک پورہ بسایا اور ایک پھلواری قائم کی، جو اب تک ان کے نام سے مشہور و موجود۔ آج کل لالہ دھن کمار داس، سیتارام ساہ، لالہ مانک چند ساہ، دھنپت ساہ یہان کے نامور لوگون مین سے ہین۔ **دھن کمار** ساہ بہت بڑے مہاجن و زمیندار۔ انھون نے ایک عالی شان کوٹھی نما مکان (مردانہ نشستگاہ) بطرز جدید تعمیر کرایا۔ دھوم دھام سے رتھ جاترا کا فرض ادا کیا۔ اس سے ان کی اُولوالعزمی و مذہبی عقیدتمندی ثابت ہوتی ہے۔ **مانک چند** ساہ امیر دل اور فیاض۔ دھن کمار داس کے بیٹے **نیم داس** صاحب آنریری مجسٹریٹ۔ **دھنپت** ساہ مہاجن و زمیندار، ٹون آیریا و جین پاٹ شالہ وغیرہ کے ممبر۔ یہان مندرون مین آنندی ٹھٹھیر ڈھول خوب بجاتا تھا، پرشاد خرادی بھی اپنے فن مین اوستاد تھا۔ اس وقت عبد السلام ٹین ساز اور بدھو عرف اوستاد خرادی مشہور۔ ٹکیت نگر مین غلّہ اور روئی کا روزگار بھی ہوتا ہے۔ ڈاک خانہ، مدرسہ، جین سنسکرت پاٹ شالہ، تھانہ، کانجی ہوس، ہوس ٹیکس کا دفتر، اسکول نسوان اور کولھو کا کارخانہ بھی ہے۔ اس کارخانہ مین بارہ ہزار کولھو ہین جسکی شاخین گورکھپور وغیرہ تک پھیلی ہوئی ہین۔ بحیثیت مجموعی ٹکیت نگر ایک اچھا قصبہ ہے جس کا انتظام ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۵۶ء کے بموجب ہوتا ہے۔ آبادی مین ہندوؤن کی تعداد مسلمانون سے کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہے جس کا کثیر حصّہ بنیون سے آباد ہے۔ دسٹرکٹ گزٹ بارہ بنکی مین اس قصبہ کا ذکر ہے۔

ایچولی۔ معروف بہ قصبۂ ایچولی۔ ٹکیت نگر سے متصل اُتر طرف، چار محلے، اٹھارہ سو مکانات جس مین سو گھر پختہ، تخمیناً چار یا پانچ ہزار کے قریب آبادی۔ اس بستی کا کثیر حصہ مسلمانون سے آباد، جس مین جولاہون کی تعداد غالب ہے۔ بارہ بنکی گزیٹیر مین لکھا ہے کہ ایچولی پرانے زمانے مین بھادون کے سردار ایچا کا صدر مقام تھا۔ سنہ ۸۴۲ھ مین

سیف الدین و قاضی کبیرالدین جوکہ سید سالار مسعود غازی کے ساتھیوں میں سے تھے، انھوں نے بھاروں کو شکست دیکر قلعہ کو توڑ ڈالا اور اُس کے قریب ہی ایک دوسرا مقام اُسی نام سے آباد کیا جس کے باشندے انھیں کے ہمراہیوں میں سے تھے، جن کی نسل ابتک قائم ہے۔ لیکن بعض بزرگوں کی زبانی سُنا گیا ہے کہ مہاراجہ ٹکیت رائے کے زمانے میں ایچولی نامے ایک موضع ٹکیت نگر سے تھوڑے دور پر آباد تھا جب مہاراجہ صاحب نے ایچولی کے قریب ہی شمال رویہ ایک جدید بستی کی بنیاد ڈالی اور ذاتی مکان بنواکر سکونت بھی اختیار کی تو ایچولی کے بہت سے باشندے اُس میں آباد ہوگئے اور پھر باشندوں نے ٹکیت نگر میں اپنے گھر بنا لئے، اِس طرح ایچولی ویران ہوکر بے نشان ہوگئی اور راجہ صاحب کی آباد کردہ بستی کا نام بھی کچھ دنوں ایچولی اور بعد کو قصبہ ایچولی مشہور ہوگیا۔ یہاں نامی نامی بزرگ گذرے ہیں شیخ غلام مرتضیٰ صاحب زمیندار۔ ہر کس و ناکس کی مصیبت میں بلا تفریق مذہب شریک ہوکر مدد دینا اِن کا خاص فرض تھا۔ شیخ محمد پناہ صاحب زمیندار، بات کے دھنی، اخلاقی خوبیوں میں لایقِ تعریف۔ محی الدین ہندی کے نامی شاعر تھے، معرفت میں کلام بہت مقبول اور دلچسپ ہے منشی ایشری پرشاد صاحب۔ کائستھ سری واستو بہ دوسرے، فارسی کے زبردست ماہر، ناظم و ناثر، ۱۹۱۵ء کے قبل فوت ہوئے، ایک سو سال سے زائد عمر تھی۔ شیخ عباس علی صاحب نمبردار۔ فیاضی میں قابل ذکر، تخمیناً دو ڈھائی سو بیگھہ آراضی ہندو و مسلمانوں کو معافیوں اور جاگیروں کے ذریعہ دے ڈالی اور رعایا کو بہت سی آراضی باغ لگانے کے لئے بخشدی، غالباً ۱۹۱۰ء کے قبل موجود تھے۔ لالہ گوکل چند صاحب، سری واستو بہ دوسرے کائستھ دھرماتما بزرگ، یادگار میں ایک پختہ ٹھاکر دوارا اور سدابرت (دوامی خیرات خانہ) موجود۔ میاں خادم علی صاحب نمبردار اعلیٰ فارسی دان، ناظم و ناثر۔ ایک سو برس سے زائد عمر پائی غالباً ۱۹۱۲ء کے قبل فوت ہوئے۔ کنور راستی کمار صاحب زمیندار، سری واستو بہ دوسرے کائستھ، کنور ایشری سہائے صاحب ٹھیکہ دار و لد راجہ بھوانی بخش صاحب دہلوی کے اکلوتے بیٹے، راجہ جیا لال صاحب گلشن دیوان سلطنتِ اودھ و رئیس لکھنؤ کے حقیقی بھتیجے۔ ان کے دم سے زمینہ میں لکھنؤ کا خربوزہ پیدا ہوکر پرگنہ دریاباد وغیرہ کے بازاروں میں بافراط بکنے لگا۔ اِن کے لڑکے لال بہادر صاحب، تخلص ذکی فارسی کے اچھے شاعر، عربی کے بھی ماہر، پتنگ بازی میں مشہور۔ اولاد میں بخت بہادر سنگرام بہادر، گوبند بہادر، شیام بہادر بہ قید حیات۔ پنڈت درگا پرشاد سنسکرت کے ماہر، گرویا کرن میں خاص طور پر مشہور، عربی و فارسی اور بنگلہ زبان سے بھی آشنا۔ شیخ محمد احمد صاحب ایم۔ اے۔ تھوڑا عرصہ ہوا ایل ایل بی کا امتحان دینے کے وقت فوت ہوئے۔ ہنرمندوں اور پیشہ وروں میں امام بخش جولاہا اور بھنگو کبڑیا بانک پٹے میں اُستاد اُتری برہمن اور مدار اچوڑی فروش نامی پہلوان، محب لال و بنیم فن نجاری میں ہوشیار۔ **زمانۂ حال کے ناموراصحاب** شیخ علی احمد صاحب، نایب ریاستِ راجہ رائے رایان، (حیدرآباد دکن) انگریزی تعلیم یافتہ، وکالت پاس۔ خان بہادر شیخ مہدی حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر فیض آباد۔ ماسٹر امتیاز احمد صاحب کے بیٹے مہتمم احمد صاحب بی۔ اے ضلع فیض آباد میں سب انسپکٹر۔ سید محمد رضی صاحب قابل طبیب، ملازم ریاست رام نگر دھمینڈی، وطن

مین کسی سے فیس نہین لیتے - پیشہ ورون مین دیال و بتیسی نجار، مہابل لوہار، لالو معمار، سرجو ڈمری سنار ہر ایک اپنے اپنے فن مین قابل ذکر - ایچولی کا پہلم مشہور ہے - دسہرہ و دھنش یگیہ، محرم کے میلے بھی اچھے ہوتے ہین - یہان مدرسہ ڈاکخانہ، اور سیوا اسمتی کا دفتر قایم ہے - ٹکیت رائے کا پختہ تالاب ٹکیت رائے کی پھلواری دور دور تک مشہور رہی تالاب ایک عظیم الشان پنج منزلی اور سہ منزلی عمارت کے اندر واقع ہے، جس کے دو منزل شکستہ اور ناگفتہ بہ حالت مین مین اب بھی قایم - کسی وقت یہ تالاب دیکھنے کے قابل تھا - صوبہ اودھ مین اس شان کا کوئی دوسرا تالاب دیکھنے سننے مین نہین آیا - پھلواری کا رقبہ تخمیناً ۱۶ بیگہ پختہ - چارون طرف پختہ اور بلند دیوار، پورب عالی شان دو منزلہ پھاٹک - اندرونی عمارتین عرصہ سے بے نام و نشان - اس باغ کی اگرچہ اگلی رونق برائے نام باقی رہگئی ہے، تاہم اب بھی سیر و تفریح کے قابل ہے - اس پھلواری کے کٹھل بہت مشہور ہین، بعض بعض کٹھل ۱۸ ثار پختہ سے کم نہین ہوتے

رامپور - مشہور بازار اور دیسی کپڑے کی بہت بڑی منڈی - یہان تخمیناً ڈھائی تین سو جولاہے آباد ہین - اچھے اچھے متمول اڑھتیون کے گھر بنے ہوئے ہین - ہندوستان کے بڑے بڑے تجارتی شہرون کے لئے یہان سے کپڑون کا چالان ہوتا ہے -

رائے گنج - آباد کردہ مہاراجہ ٹکیت رائے، آباد اور مشہور بازار جو ٹکیت نگر سے دوسرے درجہ پر ہے - یہان لالہ جگناتھ پرشاد صاحب نگم کایستھ اور انھین کے خاندان مین لالہ نراین دین قابل ذکر بزرگ تھے - جگناتھ پرشاد نامی مہاجن، حکام رس، اور رکن ہند - ان کی ذات سے میلا رائے گنج مین گاؤ کشی ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی ۱۹۱۹ء مین فوت ہوئے رام نراین دین نے ایک دھوم دھامی برم بھوج کر کے قرب و جوار مین نام کر دیا - خاندان مین بھگوان دین صاحب، تحصیل بہاری صاحب، بابو لچھمن پرشاد صاحب انگریزی تعلیم یافتہ، خلیق، ملنسار صاحب اولاد، مہاجنی کا کاروبار بدستور - رائے گنج مین ڈاکخانہ بھی ہے -

غازی پور - مشہور اور بہت بڑا موضع - غالباً تحصیل سنہی گھاٹ مین اس کے برابر کوئی دوسرا موضع نہ ہوگا جو بلحاظ آمدنی و رقبہ ایسا اچھے تعلقہ سے کم نہین - یہان سرکاری مدرسہ بھی ہے اور بازار بھی -

کسفر - بلحاظ آبادی قابل ذکر - ٹھاکر امیر سنگھ صاحب یہان کے نفیس مزاج، شوقین زمیندار تھے، جنھین عطر کی شناخت مین خاص ملکہ حاصل تھا - یہان لکھنؤ کا خربوزہ پہلے بہت پیدا ہوتا تھا لیکن، اب کم بویا جاتا ہے - تھوڑے زمانہ سے مہابیر جی کا میلہ ہونے لگا ہے، جسکی وجہ سے منگل کو کسفر مین ایک رونق پیدا ہو جاتی ہے - اس میلے کے بانی ایک ست نامی سادھو ہین، جن کا آج کل دور دور تک خوب شہرہ ہو رہا ہے -

متھرا نگر - بانی ماتھر کایستھ، جو رائے صاحب دریاباد کے بزرگون مین سے تھے، اور جن کی یادگار مین قلعہ نما بہت بڑا پختہ مکان اس وقت تک موجود - نسل مین عبد و راج بلی صاحب وغیرہ زمیندار بہ قید حیات - اس موضع مین گمان کورمی بہت متمول آدمی ہے، جس کا پختہ باڑہ اور انٹیون کا کارخانہ قرب و جوار مین مشہور ہے - گنگا بین کا ذرا اپنے خاص فن مین دور دور تک اپنا جواب نہین رکھتا - یہان مدرسہ بھی ہے -

محمود آباد - دریاباد سے پچھم طرف چار کوس کے فاصلہ پر۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شاہی مین کسی وقت چکلہ کا صدر مقام تھا۔ قلعہ مین عامل رہتا تھا۔ یہان فوج بھی تعینات تھی۔ آج کل محمود آباد مین صرف ایک اپر پرائمری اسکول قایم ہے۔

زمینہ - تکیت نگر سے متصل۔ یہان لکھنؤ کا خربوزہ بہت پیدا ہوتا ہے اور قرب وجوار مین بہت مشہور ہے اس موضع کی شہرت کا باعث یہی خربوزے ہین۔ زمینہ کا خربوزہ کسغر کے خربوزے سے زیادہ شیرین اور مزیدار ہوتا ہے

سکرورھا - بانی بھر قوم کے لوگ۔ ٹھاکر عجب سنگھ صاحب کی ملکیت اور انھین کے دم سے سورجپور، ہراہا، کمیار وغیرہ نامی ریاستون کے مقابل مین مشہور۔ ٹھاکر صاحب کا خاندانی سلسلہ تعلقداران رانی مئو سے تعلق رکھتا ہے جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ یہ تلوار کے دھنی اور بڑے دلیر تھے۔ ایک مرتبہ بیسکا کی لڑائی مین جبکہ توپ کے منھ مین فلیتہ دیکر آگ لگا دی گئی، انھون نے دھاوا بول دیا اور خود توپ کے قریب پہونچ گئے کہ دفعتہً توپ نے گولا اگل دیا۔ نتیجہ یہ کہ دشمن کی فوج بھاگ نکلی اور انھین فتح نصیب ہوئی۔ اس سے ان کی اقبالمندی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ایک موقع پر شاہی فوج کے مقابلہ مین جب تلوارون نے کام نہ دیا تو بندوق سے مارے گئے۔ جسے سن کر راجہ مان سنگھ بہادر قایم جنگ (ناظم دریاباد) کو سخت افسوس ہوا تھا۔ ان کی نسل مین پرتاب سنگھ اور مہابیر بخش سنگھ بڑے نامی بزرگ ہوئے۔ ٹھاکر **پرتاب سنگھ** صاحب، اعلیٰ شجاع۔ دلونا کی لڑائی مین رائیصاحب کی فتح انھین کی ذات سے ہوئی تھی۔ اولاد مین چندر پال سنگھ کے بیٹے بندیشری پرشاد سنگھ وغیرہ موجود۔ ٹھاکر **مہابیر بخش سنگھ** صاحب۔ ٹھاکر پرتاب سنگھ صاحب کے حقیقی بھتیجے، ٹھاکر شیام سنگھ صاحب کے بیٹے، بڑے نوک پلک والے، نہایت نیک دل، بہت بڑے خلیق بڑے بڑے تعلقدارون چودھری وزیر علی صاحب بردلی، ٹھاکر شیر بہادر سنگھ صاحب کمیار، ٹھاکر رگھبیر سنگھ صاحب دھنانوان، ٹھاکر مہیش بخش سنگھ صاحب شاہ پور، بابو سکھراج سنگھ صاحب آٹا، رائے نارائن بلی صاحب دریاباد وغیرہ سے خاص مراسم تھے۔ ۱۹۱۰ء مین انتقال ہوا۔ تخمیناً ۷۰ سال کی عمر نصیب ہوئی۔ اولاد مین رام پال سنگھ صاحب اولاد بہ قید حیات، بہت بڑے منتظم، اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنے مین کامیاب۔ یادگار مین پختہ و خام عالی شان حویلی، ایک بہت بڑی وسیع اور کشادہ عمدہ چوپال، ایک پھلواری، ایک آمون کا باغ۔

میان گنج - بانی رکن الدولہ میان الماس علی خان منظور نظر نواب آصف الدولہ بہادر بادشاہ اودھ۔ یہ گنج پہلے بہت آباد تھا۔ اس مین شریفون اور پیشہ ورون کے بکثرت گھر تھے۔ گنج کے پچھم طرف سوبیگہ مین پختہ عمارتون کا سلسلہ قایم تھا۔ بیچ مین ایک عظیم الشان وسیع بارہ دری کی تعمیر ہوئی تھی، بہت سے کنوئین بھی تھے۔ میان الماس علی خان اکثر جب لکھنؤ سے آتے تو یہین قیام فرماتے تھے۔ بارہ دری کا نشان اور ایک پختہ کنوان اب تک موجود، اور یہ سوبیگھ کا خطہ "بارہ دری والی آراضی" کے نام سے مشہور۔

کوٹوا - بابا جگ جیون داس یہان بہت بڑے مشہور و معروف کامل بزرگ گذرے ہین، جن کی وجہ سے ہر ماہ معمولی اور کاتک بیساکھ مین بڑا زبردست دھوم دھامی میلہ ہوتا ہے۔ جگ جیون داس بھاشا کے شاعر بھی تھے

تصنیفات مین شبد ساگر، اگھ وناش، پرتھم گرنتھ، مہا پرسے، اگیان پرکاس موجود، جن مین سے صرف اول الذکر پوتھی چھپ کر شایع ہو چکی ہے۔ اِن پوتھیون کی نظمین اخلاق پر اچھا اثر ڈالتی ہین۔ اِن کے باپ گنگا رام چندیل ٹھاکر ضلع سُردہا کے زمیندار تھے۔ جگ جیون داس کی پیدایش ماگھ سدی ستمی سمبت ۱۷۰۵ بکرمی، وفات بیساکھ بدی ستمی سمبت ۱۸۱۷ بکرمی ۲۰ برس کی عمر مین سردہا چھوڑ کر کوٹوا مین سکونت اختیار کی تھی۔ اِن کے گرو بشیشر پوری موضع گوبری پرگنہ گوارچ ضلع گونڈہ کے رہنے والے تھے۔ خاندان مین شادیان تعلقداروں کے یہان ہوتی ہین اور جہنت کا لقب ہے مہاتماجی کی پختہ سمادھ (مزار) ایک شاندار مکان کے اندر بنی ہوئی ہے، جسے رائے نہال چند پسر راجہ نرمل داس (راجہ ٹکیت رائے کے بھانجے) نے بہ عہد نواب آصف الدولہ بہادر تعمیر کرایا تھا۔ بابا جگ جیون داس کی نسل ابتک موجود۔ از گزیٹیر بارہ بنکی

گوکلا گھاٹ۔ ہر کاتک کی پورنماشی کو اِس مقام پر ایک اچھا خاصا میلا ہوتا ہے۔ یہ گھاٹ کلیانی ندی سے تعلق رکھتا ہے، جو دریاباد سے ۴ میل کے فاصلہ پر دکھن طرف واقع ہے۔ میلے کے بانی رائے نارائن بلی صاحب تعلقدار دریاباد۔

چوتھی فصل نامور اصحاب کے بیان مین

راجہ ٹکیت رائے صاحب۔ سُتری واستو یہ دوسرے کائستھ، جائے مل کے بیٹے، بہ عہد نواب آصف الدولہ بہادر سلطنت اودھ کے دیوان یعنی وزیر مال، سخاوت و فیاضی مین مشہور زمانہ۔ تاریخون مین انھین مہاراجہ ہرشچندر راجہ کرن، اور حاتم کا خطاب دیا گیا ہے۔ قوم پروری کی بابت یہ روایت ضرب المثل ہو کہ "ٹکیت رائے نے کیتھے کے ذمت کو دوشالا اُوڑھا دیا"۔ سخاوت کے بارہ مین ابتک زبان زد ہر خاص و عام ہے کہ "اُوپر خدائے، تلے ٹکیت رائے"۔ راجہ صاحب کی یادگار مین ٹکیت گنج، تالاب پختہ بازار راجہ (لکھنؤ) ٹکیت گنج (پرگنہ کُرسی) ٹکیت نگر، رائے گنج (پرگنہ دریاباد) تالاب پختہ، شیوالہ مندر، پھلواری کنوئین (قصبۂ اسچولی) بازار (دلمئو، دو پختہ دھرم شالے (رائے بریلی) راجہ بازار (کلکتہ) ابتک موجود۔ علاوہ اِس کے صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ اور بنگال کے اکثر مقامات مین جابجا پُل، دریا کے گھاٹ، شیوآلے، مندر، مسجدین، سرائین، دھرم شالے، مسافر خانے، کنوئین، باولیان تالاب پختہ، باغات، گنج، بازار، سڑکون کے کنارے سایہ دار درخت وغیرہ تا ہنوز قایم، جائداد وقف۔ راجہ صاحب کا اصلی وطن لاڈلی پور سرکار جونپور، جائے سکونت قصبہ اسچولی و ٹکیت نگر (پرگنہ دریاباد) وفات ۱۲۲۳ھ کے بعد۔

بھیا رام سنگھ صاحب۔ از خاندان راجہ صاحب ٹراہا، سورج ونش مشہور سپاہی اور سیف پور کے رئیس، اقبالمند، تعلقداران اودھ مین نامزد۔ غدر کے زمانے مین انگریزون کو پناہ دینے کے باعث برٹش راج کے

ا۔ لیکن اگر در داس، جو جگ جیون داس کے پوتے تھے، اپنی تصنیف "بھگت بنود" مین لکھتے ہین کہ جگ جیون داس ماگھ سُدی ستمی سمبت ۱۷۲۷ بکرمی، منگل کے دن، پیدا ہوئے تھے یہ پوتھی ٹھاکر مولابخش سنگھ صاحب رئیس کھجوری کے کتب خانہ مین موجود ہے۔

۲ و ۳۔ از التکار مُنہ در من قلمی، مصنفہ بینی کو یہ مصاحب خاص راجہ صاحب ممدوح، ساکن بیتی، ضلع رائے بریلی یہ کتاب ٹھاکر مولابخش سنگھ صاحب رئیس کھجوری کے کتب خانہ مین موجود ہے۔

خیر خواہ ہو کر تازندگی گورنمنٹی دربار دن مین برابر شریک ہوتے رہے اور تعلقداروں کے زمرہ مین اعزازی کرسی ملتی رہی۔ بہت دن تک ریاست بڑاہا مین ذی اختیار نائب رہے۔ چار پانچ مواضعات کے مالک تھے۔ لاولد وفات پائی۔

ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب، رئیس ککھوری، بیس ٹھاکر بڑے ذی علم سنسکرت کے متعلق دیاکرن، جوتش مین خاص طور پر مشہور تھے۔ زمانۂ حیات اب سے ۳۰ برس قبل۔

پنڈت گیا پرشاد، شوکل، شاستری **پنڈت بندھیا پرشاد**، جوتشی، ہر ایک قابل، سکونت نسیما پور۔ ٹھاکر **ہردت سنگھ** صاحب۔ سکونت چیلا۔ بھاشا کے اعلیٰ شاعر، ویدک مین بھی لائق اور ہر فن کے متعلق صاحب تصنیف۔ سمبت ۱۹۶۰ بکرمی مین بقید حیات تھے۔ بھیا **ہمت بہادر سنگھ** صاحب۔ ٹھاکر اہیرن سنگھ صاحب تعلقدار قیام پور کے بیٹے، رعب دار، سوربیر، سنسکرت دان، نجوم کے ماہر، بھاشا کے اچھے شاعر، جبریہ شعر کہتے تھے۔ ۵۰ برس کی عمر مین غالباً سنہ ۱۹۰۱ء کے قبل وفات پائی۔ اولاد مین مُنّا سنگھ وغیرہ۔ مدار پور سکونت۔ **بہاری لال** پاٹھک، زمیندار تارا پور، بہادر و پہلوان، ملنسار، نوک پلک والے سنہ ۱۹۰۱ء کے قبل زندہ، سو برس کی عمر۔ اولاد مین بھولا ناتھ موجود **بیچن** سنگھ صاحب۔ ویدک مین اچھی شہرت تھی، اگر دستِ شفا حاصل نہ تھا۔ اب سے ۳۰ برس قبل زندہ۔ برہٹی سکونت۔ نسل تین بھیا، وردت سنگھ وغیرہ موجود **حسن خان** صاحب۔ محکمۂ انجنیری کے مشہور ٹھیکہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ پختہ اینٹون کے کارخانہ دار بھی تھے۔ حال مین فوت ہوئے۔ نیک، خوش مزاج، خلیق، اولاد مین علی شیر خان وغیرہ۔ یادگار مین عمدہ دو منزلہ پختہ مکان۔ سکونت سرائے سنگھی۔

ہمیار سنگھ نامی سپاہی، برہٹی سکونت۔ اِن کے پوتے **بھیکم سنگھ** بیس ٹھاکر، بہت بڑے زبردست پہلوان، اور بے مثل شجاع، نہایت نیک اور منکسر المزاج تھے۔ **بھیرون سنگھ** بھیکم سنگھ کے بیٹے، خوبصورت پہلوان اور اعلیٰ سپاہی ہونے کے علاوہ فن موسیقی مین بھی کامل تھے گانے اور ڈھول بجانے مین لکھنؤ تک شہرت حاصل کی تھی۔ موسیقی کا فن کسی اوستاد سے سیکھا تھا۔ لکھنؤ کی شاہی فوج مین ملازم تھے۔ غدر کے زمانہ مین کسی انگریز کو قتل کرنے کی وجہ سے پھانسی دیگئی تھی۔ **راحت سنگھ جمعدار**، بہرلیا ٹھاکر، دینا سنگھ کے بیٹے، دولتمند، خوبصورت، بہت بڑے نامی پہلوان۔ کانپور کی پلٹن مین جمعدار تھے۔ گورنمنٹ سے ایک طلائی کڑا، نقرئی آنڈو، زنجیر جسے پہلوان لوگ فخریہ پہنتے ہین) معہ تمغہ و سارٹیفکیٹ مرحمت ہونے کے ساتھ ہی یہ حکم بھی مشتہر کردیا گیا تھا کہ اگر آج سے کوئی راحت سنگھ جمعدار سے کشتی لڑنے پر آمادہ ہوگا تو اُسے چھینے کی سزا دیجائیگی یہ عزت جمعدار صاحب کو اُس وقت حاصل ہوئی تھی، جبکہ پلٹن مین کوئی جوان اِن سے کشتی مین جیت نہ سکا۔ اب سے پچاس برس قبل زندہ سنگو پور سکونت۔ رامداس۔ برہمن شوکل زبردست پہلوان، فن کشتی مین اوستاد۔ راجہ صاحب بانسی کے یہان علاوہ خوراک اور کپڑے کے تین سو روپیہ ماہوار پر نوکر تھے۔ ذرا سی بات پر ناراض ہو کر گھر چلے آئے، پھر عمر بھر کسی کی نوکری نہین کی۔ اب سے نصف صدی قبل زندہ۔ ۸۰ سال کی عمر۔ سرائے سیعت وطن۔ **رام بھجن، رام سنیہی، رام کرشن**۔ بڑے بہادر اور سپاہی

ریاست رانی مئو کے دلی خیرخواہ، برہمن، بسنت پور جائے سکونت، اب سے نصف صدی قبل زندہ۔ **جیت سنگھ** رعب دار، دلیر، قول وفعل کے پابند۔ اِن کے نام سے "پورہ جیت" علاقہ کمیار میں ابتک موجود، اب سے ایک صدی قبل زندہ۔ **بھوانی بخش**۔ برہمن، تیواری، مشہور و معروف پہلوان۔ ایک مرتبہ کسی چکلہ دار کے نامی پہلوان کو شجاع گنج کے مقام پر کشتی کے وقت نہ صرف پچھاڑ دیا تھا، بلکہ اُس کے کلّے بھی پھاڑ ڈالے تھے۔ ریاست بسکا وکمیار میں بڑی قدر و منزلت تھی۔ زمانۂ حیات اب سے ایک صدی قبل۔ کٹولی سکونت۔ **گنگا مکندا**۔ برہمن، تیواری، بڑے بہادر، دلیر اور قول وفعل کے دھنی۔ کمیار اور بسکا سے گھر بیٹھے معقول تنخواہیں پاتے، ضرورت کے وقت ہاتھی سواری کو لیتا۔ کٹولی سکونت اب سے نصف صدی قبل موجود۔ **بُدّھی**۔ دوبے، رودپور سکونت، بات کے دھنی اور "تلوار بہادر" کے لقب سے مشہور تھے۔ ریاست کمیار سے تین سو بیگھہ آراضی خام بطور معافی عنایت ہوئی تھی۔ **سیتل** بھاٹ، جیول سکونت، غیر معمولی بہادر اور طاقتور۔ نیمارائے (مورث اعلیٰ رائے صاحب دریاباد) کے وقت میں اُن کے حکم سے ایک مرتبہ ایک چھوٹی سی شکستہ توپ کے منھ میں ہاتھ ڈال کر اُسے اٹھالی تھی۔ زمانۂ حیات ۲۰۰ برس قبل۔ **غریب شاہ**۔ ٹھاکر، سرائے دولو لیا سکونت، دلیری اور بہادری میں مشہور ایک مرتبہ ایک مادہ شیر کے کلّے پھاڑ ڈالے تھے۔ زمانۂ حال کے مطابق سات آٹھ سیر پختہ خوراک تھی۔ اب سے ۷۰ برس قبل زندہ۔ **خوشحال و بشارت**۔ شیخ، جیول سکونت، اپنی جوانمردی اور خداداد شجاعت کی بدولت تازندگی شاہ پور، کمیار، دھنا نوان وغیرہ ریاستوں سے گھر بیٹھے معقول تنخواہیں لیا کئے اور وقت پر حاضر ہو کر اپنی طاقت و جانبازی کے جوہر دکھایا کئے۔ اب سے ۸۰ برس قبل زندہ۔ **کریا**۔ برہمن، دوبے، سکردرھا سکونت، بڑے پہلوان، بڑے خوراکی، بڑے طاقتور۔ ایک مرتبہ گھڑے بھر رینڈی کے تیل میں (تیلی راب سمجھ کے) ستو ڈال کر چڑھا گئے اور معدہ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ اب سے ۸۰ برس یعنی تخمیناً ۱۸۴۳ء کے قبل موجود۔ **رامدین**۔ زبردست سپاہی بے مثل بہادر، تلوار اور بندوق کے فنون میں برق، بات کا دھنی، ساتھ ہی اس کے اعلیٰ چور اور بدمعاش۔ چوری میں وہ کمال کہ شرط لگا کر چیز غائب کر دیتا تھا۔ قیام پور، ملکھرہ، منگروتڈہ، کمیار وغیرہ ریاستوں سے معقول تنخواہ مقرر تھی۔ ایک موقع پر ٹھاکر شیو کرن سنگھ صاحب (تعلقدار کمیار) کے سات سو سپاہیوں میں سے کسی ایک سپاہی کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ تن تنہا تلوار سے رامدین کا مقابلہ کرتا۔ اس واقعہ کی بنا پر ٹھاکر صاحب نے تین سو بیگھہ خام آراضی بطور معافی عنایت فرمائی تھی۔ رامدین کا باپ ٹھاکر تھا اور ماں کرمن تھی، اس لئے اس کے بعض غیر شریفانہ افعال چنداں تعجب خیز نہیں، جو دوغلے پن کی خاص دلیلیں ہیں۔ پورہ رام کشن، مزرعہ بانس گاؤں سکونت اب سے ایک صدی قبل موجود۔

جانکی ساہ۔ بمبولی، لکھ پتی مہاجن، قول وفعل پر قائم، بات کے دھنی۔ بالکل معمولی حیثیت سے ایمانداری اور نیک نیتی کے ساتھ ترقی کر کے لکھ پتی مہاجنوں میں مشہور ہو گئے۔ تازندگی نہ کسی کی آبرو بگاڑی نہ ڈگری و قرقی کے ذریعہ کسی کو تباہ کیا، ہمیشہ باہمی سمجھوتے پر رضامند رہے۔ یادگار میں دو پختہ شیوالے، ایک چاہ پختہ، شیوالے کا استھان باڑی

دھوم دھام سے کیا گیا تھا - اس سے جانکی ساہ کی اُولوالعزمی، مذہبی عقیدتمندی، فیاضی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ۱۹۰۶ء میں فوت ہوئے۔ جیول سکونت۔ اولاد بدنام کنندۂ خاندان۔

مشری بخار (اُستولی) **بہاری** بڑھئی (سونک پور) **کالی** لوہار (کیار) **بہاری** آہن گر (نیسا پور) ہر ایک اپنے اپنے آبائی فن میں نہایت ہوشیار اور مشہور۔ **بھگن** - پٹوا، اپنے فن میں اوستاد۔ اولاد میں گھورے موجود اور آبائی ہنر میں اپنے باپ کا یادگار۔ **خوشحال** خیاط، اپنے فن میں بے مثل۔ تمام عمر لکھنؤ میں بسر کی۔ ایک مرتبہ ایک چولی کی سلائی میں ڈھائی سو روپیہ انعام ایک بیگم صاحبہ سے حاصل کیا۔ بھگن اور خوشحال کی سکونت رانی مئو۔ کالی اور بہاری لوہار غالباً ۱۹۱۱ء تک زندہ باقی کاریگر غدر کے قبل موجود۔

ننکو کتھک۔ مشہور سارنگی نواز۔ اولاد میں **بجرنگ** - قانون سارنگی اور اصول نغمہ سرائی سے بخوبی واقف تاحال زندہ، **عیدن جان** گانے، ناچنے میں لائق تعریف **مغل جان** - خوبصورت، رقاصی و نغمہ سرائی میں ہوشیار مگر ننگی تلوار میں لیکر پھری گدکے کے ہاتھ دکھلاتی ہوئی ناچنے میں خاص طور پر مشہور۔ یہ سب رانی مئو کے باشندے اور آخر نوابی تک زندہ۔

بابادین - برہمن، بہت بڑے مشہور مہاجن و زمیندار اس وقت بابادین کی حیثیت باعتبار دولتمندی و زمینداری تحصیل سنہی گھاٹ کے سربرآوردہ مہاجنوں میں کسی مہاجن سے دوسرے درجہ پر نہیں۔ دناپور سکونت۔ اولاد - **پنڈت رام سرن** اسسٹنٹ منیجر - پنڈت شیو شنکر دوبے کے بیٹے - پہلے پولیس میں - بعد اسکے ریاست دیرہ میں معزز عہدہ پر مامور ہوئے - پھر کورٹ آف وارڈس میں آگئے اور مختلف جگہوں پر کام کرتے ہوئے بلند شہر تبدیل کئے گئے، جہاں آج کل اسسٹنٹ منیجری کے عہدہ کا کام انجام دے رہے ہیں - سن اس وقت ۴۳ سال کا ہے - ولادت ۱۸۸۱ء۔ ہریاری سکونت۔ خلیق، ملنسار، مگر ذرا دبنگ اور ناعاقبت اندیش - **پنڈت رام سوچیت وکیل** بی۔ اے، ایل۔ بی۔ بھر دواج گوتر، بہت بڑے معزز، عالی خاندان، سرویہ برہمن کھوریا کے اُپادھیا، رام ادھین کے بیٹے ۱۹۱۰ء میں سنٹرل ہندو کالج بنارس میں ایف۔ اے پاس کیا۔ ۱۹۱۹ء میں بحالت ملازمت (بہ عہدۂ ماسٹری) گورکھپور سے پرائیویٹ طور پر بی۔ اے کی سند حاصل کی ۱۹۲۲ء میں "لا کالج" الہ آباد سے - ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری لی - آج کل بارہ بنکی میں وکالت کر رہے ہیں - آدمی ملنسار، نیک، خلیق، محنتی، عمر تخمیناً ۴۰ سال، صاحب اولاد۔ ولادت غالباً ۱۸۸۶ء - کٹھولی سکونت **رام ناتھ** کوی، بھاشا زبان کے مشہور شاعر تلمیذ شنکر سہائے (دریابادی) و پنڈت جوگل کشور مشر گند معولی (سیتا پور) شاعری میں سورج کنور پرکاش، سورج کنور بنود (مطبوعہ) شمبھو شتک، کالکا اُستت (غیر مطبوعہ) کے مصنف - سکونت دلسرائے متعلقہ ریاست ہڑاہا - عمر تخمیناً ۴۵ سال سن ولادت غالباً ۱۸۸۵ء - **ٹھاکر کالو سنگھ** صاحب از خاندان راجہ صاحب ہڑاہا، سورج دنش، مشہور رئیس و زمیندار، علاوہ جنگرا پاون پور کے ریاست ہڑاہا کے ماتحت دار، چھہ مواضعات کے مالک، بہت نیک، امیر دل، خوش مزاج، قدردان علم و ہنر، ورزش کے شوقین، عمر تخمیناً

۳۸ سال، صاحب اولاد، سن ولادت غالباً ۱۸۹۶ء۔ پنڈت **رام سوچیت** باجپئی، اسٹیشن ماسٹر ردولی، محنت و مشقت مین قابل ذکر، جبیٹھوتی سکونت۔ پنڈت **سنت پرشاد** ہیڈ ماسٹر گوپال کے تیواری، کانکج برہمن، کشیپ گوتر، **مشری لال** تیواری کے بیٹے ۱۸۹۱ء مین اردو مڈل کلاس، ۱۸۹۵ء نارمل اسکول لکھنؤ مین سینیر پاس کیا۔ آج کل نواب گنج بارہ بنکی کے اسکول مین ہیڈ ماسٹر، ساٹھ روپیہ ماہوار مشاہرہ۔ خلیق، محنتی، اپنے کام متعلقہ مین ہوشیار، صاحب اولاد۔ ولادت ۱۸۷۵ء۔ اٹورا سکونت۔

تمام شد

قطعہ تاریخ اختتام کتاب ہذا نتیجہ فکر راے سید حضرت ناظر علی صاحب فراقی رئیس دریاباد

حالات لکھے اہل وطن کے محبّ نے خوب	مقبول خاص و عام مین یا رب ہو یہ کتاب
کیا شستہ روزمرّہ، عبارت ہی صاف صاف	ہر حرف و لفظ اس کا ہے اک حسین انتخاب
پہونچی جو اختتام پہ ہاتف نے یہ کہا	تاریخ ہے محبّ کی بے مثل و لاجواب
	۱۹۲۴ء

مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ ستمبر ۱۹۲۵ء

دریاباد کی قابل تعریف فیاضی اور اخبارات کی رائین

اخبار تنظیم، امرتسر، ۱۲-جولائی ۱۹۲۵ء "دریاباد"، ۸ جولائی - مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی نے مولانا شوکت علی صاحب کو دعوت دی تھی - ہزارہا آدمی آپ کے نیاز حاصل کرنے کے لیے آئے اور شہر سے باہر اللہ اکبر کے نعرون کے ساتھ آپ کا استقبال کیا گیا - سات سو پچاس روپیہ کی ایک تھیلی آپ کے نذر کی گئی - مقامی ہنود نے تمام باتون مین حصہ لیا، ان مین سے اکثرون نے ہلالی نشان لگائے تھے -

ہمدرد دہلی، ۱۳ جولائی ۱۹۲۵ء "دریاباد کی دریادلی" دریاباد کے دریادل مسلمانون نے مولانا شوکت علی صاحب کی خدمت مین ایڈریس کے ہمراہ ساڑھے سات سو روپیہ کی نذر پیش کی - دریاباد مین مسلمانون کی جو آبادی ہے وہ تعداد مین کم ہونے کے ساتھ ہی افلاس مین بہت بڑھی ہوئی ہے ایسی حالت مین اتنی رقم کا فراہم ہوجانا اِس امر کی دلیل ہے کہ دریاباد اور اُس کے نواح کے مسلمان اعلیٰ اور مذہبی ضروریات کا اپنے دل مین کافی احساس رکھتے ہین - مولانا شوکت علی صاحب کے ورود پر جو غیر متوقع کثیر اجتماع ہوا اُس سے بھی اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ عوام کے دلون مین ابتک صحیح جذبہ وطن دوستی اور ملت پرستی موجود ہے - ہم مولانا عبدالماجد صاحب اور قصبے کے تمام باشندون کو مبارکباد دیتے ہین اور اُمید کرتے ہین کہ دوسرے مقامات کے لوگ بھی مولانا موصوف کے آم کے دورے کو جو حقیقت مین کام کا دورہ ہے کامیاب بنائین گے -

اخبار خلافت بمبئی، ۱۷ جولائی ۱۹۲۵ء "زندہ باد دریاباد" - دریاباد کی کل اسلامی آبادی ہزار ڈیڑھ ہزار سے زیادہ نہین ہے - مگر مولانا شوکت علی کے آم کے دورہ پر اسلامی و قومی جذبات کا جو مظاہرہ دریاباد مین ہوا، اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح جذبات کی فراوانی سے تعداد کی قلت کی تلافی ہو جاتی ہے - ساڑھے سات سو کی تھیلی دریاباد کے لحاظ سے ساڑھے سات لاکھ کے برابر ہے - جس نسبت سے مسلمانانِ دریاباد نے قومی امداد مین حصہ لیا، اس نسبت سے اگر بڑے بڑے شہرون سے بھی چندہ وصول ہو تو قومی تنظیم کا عظیم الشان کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام پا جائے اور قومی مسائل کی نہ سلجھنے والی گتھیان نہایت آسانی سے سُلجھ جائین موجودہ دورِ سرد مہری مین "دریاباد" نے جو مثال قائم کی ہے وہ بلاشک دوسرون کے لئے بہترین ہدایت کی سرمایہ دار ہے - دریاباد کی دریادلی نے ثابت کردیا کہ قوم کی تحریک کا مرتبہ اب بھی عوام کے قلوب مین اتنا ضرور ہے کہ وہ اسے مٹنے نہین دینگے - دریاباد مین "بڑے بھائی" کی آمد کے مُحرّک مولوی عبدالماجد صاحب قابل مبارکباد ہین کہ اُنھون نے آم کے دورے کو کام کا دورہ بنانے مین بہترین کوشش کی اور الحمدللہ کہ اُن کی مساعی جمیلہ سے اعلیٰ ترین کامیابی حاصل ہوئی اُنھون نے ہمین یہ سبق دیدیا کہ دنیائے علم وادب کے بہترین و سرگرم خادم بھی تعلیم و تعلم اور تحقیق و تدقیق کی خاموش خدمات کے ساتھ ساتھ تھوڑا وقت ہنگامہ خیز قومی خدمات کے لئے بھی نکال سکتے ہین

نامی پریس لکھنؤ میں ہر قسم کی چھپائی کا کام نہایت عمدگی سے کیا جاتا ہے اور
جملہ علوم و فنون کی کتابیں برائے فروخت مطبع میں موجود رہتی ہیں فہرست طلب کیجیے

تاریخ دریاباد ملنے کا پتہ منشی مگن بہاری لال صاحب آنریری سکریٹری [illegible]
دریاباد ضلع بارہ بنکی